الصلوٰۃ عماد الدین
نماز کی سب سے بڑی کتاب
تصنیف لطیف حواشی و تعلیقات و تخریج احادیث
حضرت مولانا نذیر الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث مدرسہ فتحپوری دہلی
مولانا محمد امیر علوی صاحب مدظلہ العالی
ایم اے، ایل ایل بی
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ

نماز کی سب سے بڑی کتاب

تصنیفِ لطیف

حضرت مولانا نذیر الحق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث مدرسہ فتحپوری دہلی

حواشی و تعلیقات و تخریج احادیث

مولانا محمد امیر علوی صاحب مدظلہ العالی

ایم۔اے، ایل ایل بی

فاضل جامعۃ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان

ناشر

مکتبۃ الحرمین والمدینہ

Phone Res.: 4573926 Mobile : 0300 - 2202937

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : نماز کی سب سے بڑی کتاب
مصنف : حضرت مولانا نذیر الحق صاحب دہلویؒ
حواشی وتعلیقات : مولانا محمد امیر علوی میرٹھی
کمپوزنگ : زباہ گرافکس، ناظم آباد نمبر 2 موبائل: 0321-2104193
سنہ اشاعت : ۲۰۰۶ء
صفحات : ۷۰۰
تعداد (باراول) : ۱۰۰۰
تعداد (باردوم) : ۱۰۰۰

ملنے کا پتہ

بنگلہ نمبر اے، ۲۳/۳، مدرسہ تحفیظ القرآن، شاہ فیصل کالونی کراچی

ناشر

مکتبہ الحی والمدنی

فہرست

تعارف

از مولانا محمد امیر علوی صاحب میرٹھی مدظلہ العالی

حامداً و مصلیاً و مسلماً

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ نماز کی کتاب ہے نماز کے لئے اصل عربی لفظ ''صلوٰۃ'' ہے۔ طحطاوی میں صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں عربی اور عبرانی زبانوں میں بھی دعا کے ہیں اور یہ ایک منقول شرعی بھی ہے یعنی دعا خاص افعال یعنی رکوع و سجود کے ذریعہ کی جاتی ہے چنانچہ کوئی گونگا یا جاہل صرف نماز پڑھ لے تو دعا اس میں آگئی، اور جمہور کا مذہب ہے کہ صلوٰۃ دعا میں حقیقت ہے اس لئے نماز کی لفظی حقیقت خدا سے درخواست اور التجا ہے اس کی معنوی حقیقت بھی یہی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا نماز قرآن پڑھنے اور اللہ کو یاد کرنے اور اس کی پاکی اور بڑائی بیان کرنے کا نام ہے، مزید فرمایا کہ اس میں انسان کو باتیں کرنا مناسب نہیں اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو خدا کو یاد کر کے نماز ادا کرتا ہے۔

درمختار میں ہے کہ جب شریعت محمدی ﷺ میں نماز ٹھہری عبادت کعبۃ اللہ کے واسطے تو یہ ایمان سے کمتر ہوئی نہ کہ ایمان کے اجزاء سے بلکہ ایمان کے فروغ سے ہوئی مگر صاحب طحطاوی نے فرمایا کہ چونکہ ایمان بلا واسطہ عبادت ہے اور نماز بواسطہ استقبال قبلہ کے ہے نہ کہ بلا واسطہ لہٰذا نماز ایمان میں داخل نہیں بلکہ باعتبار فعل اور حکم کے اس کی شاخ ہے یعنی فرض ہونے کے لحاظ سے تو وہ ایمان میں داخل ہے کیونکہ ایمان تمام ارشادات قطعیہ نبویہ کی تصدیق سے عبارت ہے۔ علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں پنج وقتہ نماز کی ترتیب کے متعلق تحریر فرمایا کہ :

(۱) فجر کی نماز اول اول حضرت آدم علیہ السلام نے پڑھی جب کہ وہ بہشت سے نکلے اور اندھیرا ہو کر صبح نمودار ہوئی۔

(۲) ظہر کی نماز اول اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی جب کہ ان کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا اور زوال آفتاب ہوا۔

(۳) عصر کی نماز اول حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی جب کہ ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔

(۴) مغرب کی نماز اول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پڑھی۔

(۵) عشاء کی نماز اول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب کہ وہ مدین سے نکلے اور راستہ بھول گئے۔

ان حضرات نے شکرانے کے طور پر نماز نفل پڑھی تھی مگر ہم پر یہ فرض ہیں، حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ وقت کی نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں آپ نے اپنے عمل سے اس کے تمام ارکان و آداب و شرائط و اوقات و تعداد کی پوری تشریح فرمادی اور ان میں سے ہر چیز نا قابل شک قولی و عملی تواتر کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی، نماز کس طرح پڑھنی چاہئے، اس میں کیا کیا پڑھنا چاہئے، کن کن وقتوں میں پڑھنی چاہئے کس وقت کی نماز کی کتنی رکعتیں ہیں ان میں سے ہر چیز کی آپ نے زبانی تشریح فرمائی صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلقین کی اور عملاً نبوت کی پوری زندگی میں جو حکم نماز کے بعد گزری ایک دن دو دن نہیں کم از کم مدینہ میں متصل دس برس تک ہر روز پانچ دفعہ تمام جماعت مصلحین کے سامنے پورے اعلان کے ساتھ ادا فرماتے رہے، یہاں تک کہ مرض الموت میں بھی اس سے تخلف نہ ہوا اور آخری سانس تک اسی طرح بدستور اس پر عمل ہوتا رہا، خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل اترے اور میری امامت کی تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر پڑھی، پھر پڑھی،، پھر پڑھی،، پھر پڑھی، یہ فقرے منہ سے کہتے جاتے تھے اور انگلی سے ایک دو تین چار پانچ گنتے جاتے تھے۔

ویسے تو نماز پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن زیر نظر کتاب جس تفصیل کے

ساتھ لکھی گئی ہے شاید ہی نماز کی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں نماز کے ساتھ ساتھ روزہ، زکوٰۃ اور حج سے متعلقات بھی بیان کئے گئے ہوں۔

''نماز کی سب سے بڑی کتاب'' کے مصنف حضرت مولانا نذیر الحق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ فتح پوری دہلی عرصہ ۶۳ سال قبل چھپی، عاجز کے دوست الحاج عبد المتین بابن والوں کے والد محترم الحاج عبد المجید بابن والوں کے پاس یہ کتاب تقسیم ہند سے بہت پہلے سے محفوظ تھی نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کتاب کو سہل اور عام فہم کر کے چھاپا جائے جو کہ پرانے طرز پر تسلسل کے سات بغیر پیراگراف اور بغیر حوالہ جات کے ہے تو بندہ اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے معذرت کرتا رہا اولاً کتاب ضخیم تھی، ثانیاً مصنف جب کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے تو اس کے سامنے کتابوں کا انبار ہوتا ہے جن سے وہ مسائل لکھتا چلا جاتا ہے لیکن قاری کو کتاب پڑھ کر اس کا حوالہ نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

بندہ نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کتاب پر کام شروع کیا، بندہ نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ کتاب پیراگراف کی شکل میں ہو تاکہ مضمون کی ابتداء اور انتہا کا قاری کو بخوبی علم ہو، پوری کتاب کا انڈیکس بنا دیا گیا ہے جو کہ پہلے نہیں تھا تاکہ مضمون دیکھنے میں آسانی ہو اس کے علاوہ اصل کتابوں سے مراجعت کر کے کتاب کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا کتاب میں مصنفؒ نے صرف مسئلہ لکھ دیا لیکن یہ تحقیق کہ آیا یہ مسئلہ فقہ کی کس کتاب سے ماخوذ ہے وہ نہیں لکھا نہایت ہی محنت شاقہ کے بعد کتاب کا نام اور صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے تاکہ قاری کو کتاب پڑھ کر مسئلہ کی تحقیق کے لئے اور مسئلہ کو سمجھنے کے لئے فقہ کی بڑی کتاب سے حوالہ نکالنے میں آسانی ہو حوالہ کے لئے کبھی قدیم نسخہ دستیاب ہوا اور کبھی جدید نسخہ مختلف طباعت کے نسخوں کی وجہ سے اوراق نمبر میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ کتاب عوام الناس، اہل علم اور خاص کر ان علماء کرام کے لئے جو کہ آئمہ مساجد ہیں مفید و نافع ثابت ہوگی، پہلی بار کتاب کو جلدی چھاپنے کی وجہ سے بعض حوالہ جات رہ گئے تھے جس کی ہم نے معذرت چاہی تھی اس کی طباعت میں اس کمی کو انشاء اللہ پورا کیا گیا ہے لیکن پھر بھی بعض

حوالہ رہ گئے جو انشاء اللہ آئندہ طباعت میں پورے کر دیئے جائینگے۔ کتابت اور طباعت کو اغلاط سے پاک رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے لیکن انسان پھر بھی غلطی کا پتلا ہے اگر پھر بھی کوئی سہو ہو گیا ہو تو قارئین کرام سے گزارش ہے کہ عفو ودر گزر کا معاملہ فرمائیں۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

اللہ رب العزت کے حضور نہایت عاجزی وانکساری سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مفید عام فرما کر ہماری محنت وجانفشانی کو اپنی جناب میں قبول ومنظور فرما کر مصنف میری، میرے مخلص دوست الحاج عبدالمتین بابن والے اور محترم حاجی صاحب مدظلہ العالی کے علاوہ وہ تمام علماء کرام اور مفتیان عظام جنہوں نے پوری کتاب کا بغور مطالعہ فرما کر ضروری باتوں سے آگاہ کیا اور حوالہ جات کی تلاش میں تعاون کیا کی آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین یاالٰہ العالمین بحرمة سید المرسلین

محمد امیر علوی میرٹھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذین اسس علی قواعد الکتاب والسنة مبادی الدین والاسلام وشیّد بالبراهین الواضحة والحجج القاطعة ارکان الشرع والاحکام وبعث الی عباده رسلا وانبیآء علیهم السلام للهدایة والارشاد واخلفهم علماء فی اظهار شعائر الملة واطفاء نائرة الزیغ والالحاد یستفرغون مجهود هم فی اعلاء کلمة الحق ورفع منار الدین ویستفذون وسعهم فی احیاء سنة الانبیآء والمرسلین محمد صلی اللہ علیه وسلم وعلیهم اجمعین وعلیٰ عترته وخلفاء الراشدین وصحابته ومن تابعهم الی یوم الدین وسلم تسلیماً کثیراً

وبعد

پرتو شمس میں ہے نور قمر میں تو ہے
دل میں غنچہ کے ہے، بوئے گل تر میں تو ہے

پھر بھی ہیں شعبدے یہ ارض و سما کے جلوے
تجھ پہ ہے میری نظر، میری نظر میں تو ہے

مالک ارض وسماء! تو بڑی عظمت و جبروت اور عزت وشان والا ہے۔ تیری عظمت و کبریائی کے سامنے بڑوں بڑوں کی عظمت اقتدار اور بڑائیاں سر بسجود ہیں۔ تو سب حاکموں کا حاکم ہے۔ تو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ تو عاجز نواز ہے۔ اگر تو چاہے تو ایک ذلیل مچھر کو طاقت دے کر نمرود جیسی ہستیوں کے سارے کس بل کو خاک میں ملا سکتا ہے تو ذلیل سے ذلیل اور کمزور سے کمزور، نا کارہ ہستی سے بڑے بڑے کام لے سکتا ہے۔ تیری نوازنے والی قوت نا قابل میں قابلیت کے جوہر پیدا کر دیتی ہے۔ تیرے حکم کے بغیر کوئی ذرہ اپنی جگہ سے اور پتہ اپنی ٹہنی سے ہل نہیں سکتا۔ تو ہمیشہ سے ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ تیری ذات وصفات میں کوئی شریک وسہیم نہیں۔ تیری مشیت میں کسی کا چارہ نہیں۔ تیرے حکم کے سامنے کسی کو جائے دم زدن نہیں۔ کسی کو تیری برابری کا حق نہیں۔

یا اللہ! تو نے محض لفظ کن سے یہ اتنا بڑا کارگاہِ حیات اور کارخانہ عالم بنا ڈالا اگر چاہے تو اسی طرح اس کو ایک لحہ میں معدوم کر سکتا ہے۔ تو ہمیں وجود سے عدم میں لایا ہماری روحانی وجسمانی نشوواور تربیت و تکمیل کے لئے سامان مہیا کئے۔ حواس خمسہ دیئے۔ اعضاء و جوارح دیئے اور عقل و سمجھ دی۔ نیکی و بدی کا راستہ سمجھایا۔ لیکن اگر تیری طرف سے رشد و ہدایت نہو اور تیری توفیق و مدد انسان کا ہاتھ نہ پکڑے تو نہ دین کا کوئی کام بن سکتا ہے اور نہ دنیا کا وہ اپنی عاقبت برباد کرے اور اس کی ساری عقل سمجھ ودانائی دھری کی دھری رہ جائے۔

یا اللہ! تو نے ہمیں جو نیکی کا راستہ بتلایا ہے وہی سیدھا راستہ ہے اور اسی پر چل کر ہم دارین کی فائز المرامی اور فلاح ونجات حاصل کرتے ہیں۔ تیرے بتلائے ہوئے راستہ کے سوا تمام راستے ٹیڑھے ہیں اور گمراہی وہلاکت و بربادی کی طرف لیجانے والے اطاعت شعار ونافرمان بندوں کے معبود۔ کافر و مومن، متقی و بدکار اور باغی و وفادار کی فریاد سننے والے! اور بیکسوں کے سہارے! وہ مسلمان۔ ہاں ہاں وہ مسلمان جن کو تو نے امت محمدی ﷺ میں ہونے کا شرف

بخشا۔ جن پر تو نے اپنے انعام واکرام کی بارش کی جن کی ہر قدم اور ہر مرحلے پر تو نے امداد و دستگیری کی۔ جن کو تو نے خیر الامم بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اور کہا تھا کہ تم میرے بن کر ساری دنیا میں میری حکومت و بادشاہی قائم کر دو۔ وہ اب اپنی بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی وجہ سے ارذل الامم بن گئے ہیں۔ وہ تجھ کو فراموش کر کے نفس وشیطان کے غلام بن گئے ہیں تیری یاد سے ان کے سینے خالی ہیں۔ تیری محبت واطاعت سے منہ موڑے ہوئے خواہش عشرت اور تمنائے دولت میں مگن ہیں تجھ سے باغی ہو کر در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں مگر تیرے آستانہ پر نہیں جھکتے یا تجھ سے وابستہ نہیں ہوتے اور تیرے حبیب ﷺ کا دامن نہیں تھامتے۔

کارساز حقیقی! مسلمان اپنا سب کچھ کھو چکے ہیں۔ لیکن اس پر بھی غفلت و معصیت سے باز نہیں آتے۔ کیا یونہی مٹتے رہیں گے؟ ان کی یہی حالت رہیگی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انہیں توفیق دے کہ وہ پھر تجھ سے اپنا رشتہ استوار کریں۔ ہمیں غفلت و مدہوشی، فسق، عصیان، وباؤں، بلاؤں، مفلسی، غلامی، خودغرضی، ریاکاری اور جھوٹی عزتوں کی حرص وہوس سے نجات دے۔ قہر و جبر کی تلوار ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں دے کر ہمیں ہلاک نہ کر اگر ہمیں بغاوت و سرکشی کی سزا ہی دینی ہے تو خود ہلاک کر دے۔

لاچاروں کے چارہ کار! یہ ہاتھ تیرے آگے پھیلے ہیں رحم کرنے والے خطا پوشی! ہم جیسے بھی ہیں تیرے ہیں۔ اگرچہ ہم تجھ سے باغی ہیں لیکن پھر بھی تو ہمارا ہے تجھ سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں۔ اگر تو ہماری نہیں سنے گا تو اور کون سنے گا۔ تو بندہ نواز ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ مولا! فریاد ہے۔ دہائی ہے کہ ہم لٹ گئے تباہ ہو گئے اپنا بنا لے ہمیں ایک اور نیک کر دے ہمیں نیکی، پارسائی، سچائی اور بندگی کے سیدھے راستے پر چلا یہ پیشانی تیرے سرکش و نافرمان بندے کی ہے۔ جو عاجزی سے خاک پر پڑی ہوئی ہے ہمیں ہلاک و بربادی سے بچا۔ بدی کی راہوں پر چلنے سے روک دے۔ نفس وشیطان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے یا جذبہ معصیت کو تباہ کر دے۔ ہم تیرے آگے ہاتھ جوڑتے اور گڑگڑاتے ہیں کہ ہم کو سربلند کر۔ صراط مستقیم پر ثابت قدمی عنایت فرما۔ ہمارے اندر یثربی آن بان

اور شان کا جوش پیدا کر۔ ہمیں دل کی آنکھیں، عقل رسا اور مستقیم نظر عطا فرما۔ ہمیں ہمارے مقصد حیات میں کامیاب کر اور ہمیں دین و دنیا کی حقیقی مسرت و کامرانی عطا فرما۔

رحم کرنا ہم گنہگاروں پہ تیرا کام ہے
دونوں عالم ہیں تیرے رحمن تیرا نام ہے

اے امید بے نوا مشکل کشائے دو جہاں
مبتلائے غم ہیں ہم، تو دافع آلام ہے

....

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پھر وادی فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو!
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

....

تمہید

اے باد صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضہ سے بیچاری امت کے، دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

اسلام اور مسلمان :

دو ایسے لفظ ہیں جن سے دنیا کی تمام رونق اور زینت قائم ہے مگر اسلام جس طرح ابتدائے آفرینش سے افق عالم پر ضیاء گستر رہا ہے اسی طرح آج بھی ضیاء بار ہے اور قیامت تک رہے گا اس کی تابانی و درخشانی میں نہ کوئی فرق آئے گا۔ وہ دنیا والوں کو بدستور پیغام فلاح و نجات و روشنی دے رہا ہے اور یونہی دیتا رہے گا۔ مگر خود اس کے ماننے والوں کا کیا حال ہے؟ بس یہ نہ پوچھئے وہ پہلے سب کچھ تھے اب کچھ بھی نہیں۔ اسلام تو دنیا میں موجود ہے اور اپنی پوری شان و رہنمائی و حقیقت نوازی کے ساتھ مگر وہ پہلے مسلمان کہاں؟ ؎

وہ الفت کی دنیا وہ ایمان کی دنیا
وہ وحدت کی دنیا وہ قرآن کی دنیا
اخوت کی دنیا مسلماں کی دنیا
کہاں ہے الٰہی وہ اخواں کی دنیا

وہ غیروں کو اپنا بنا لینے والے
وہ روٹھے ہوؤں کو منا لینے والے

کہاں چل دیئے وہ دلارے ہمارے
نظر آج آتے نہیں وہ پیارے

نوید سحر کے تھے گویا ستارے
جگانے کو نکلے جگا کر سد ہارے

چمک کر زمانے میں گم ہو گئے وہ
جگا کر زمانے کو خود سو گئے وہ

آج وہ جانتے بھی نہیں کہ ہم کون ہیں، وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں اور اپنے مذہب کو "اسلام" کے مبارک وحیات آفرین نام سے تعبیر کرتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ مسلمان ہونے کے کیا معنی ہیں اور اسلام کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ وہ جس چیز کو آج پیارا مذہب کہہ رہے ہیں اسے مذہب اسلام سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا زمین کو آسمان سے وہ اپنے مذہب کے اصولوں سے بالکل نا آشنا ہیں خدا سے انکا تعلق رسمی اور زبانی باقی رہ گیا ہے رسول ﷺ کو وہ زبان سے تو مانتے ہیں اور اس کے عشق ومحبت کا دم بھرتے ہیں مگر اس کی شریعت کے باغی ہیں۔ مکافات عمل کا انہیں یقین ہی نہیں رہا اور اگر ہے تو غلط معنوں میں ایمانیات اور اعمال وعبادات میں ان کے پاس جو کچھ ہے اس کی حقیقت مفقود۔

ان کے نزدیک عادت الٰہی صرف نماز، روزہ کا نام ہے۔ مگر ان کی حقیقت سے بے خبر ہیں اگر ان کے پاس نماز و روزہ بھی اپنے حقیقی رنگ میں باقی ہوتا تو ان کی اخلاقی، روحانی اور سیاسی پستی کا یہ عالم نہ ہوتا کہ اسلام کو ہم سے عار ہے مہلک وشرمناک غلط فہمیاں مذہب اور اسلامی تعلیمات کے نام پر عام طور سے مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں جو ان کی دنیاوی اور اخروی کامیابیوں میں مخل ہو رہی ہیں وہ مذہبی پابندی کے دھوکہ میں باطل توہمات اور لغو اعمال میں مبتلا ہو کر اپنی دنیا اور عاقبت کو برباد کر رہے ہیں اور اسلام کے فیوض وبرکات سے محروم ہو گئے۔

حب انساں، ذوق حق خوف خدا کچھ بھی نہیں
ان کا ایمان چند وہموں کے سوا کچھ بھی نہیں

علمائے امت کی نگاہ میں مسلمانان ہند کے جملہ اجزاءِ حیات میں جو اضمحلال وافسردگی موجود اور نا قابل اصلاح نظر آتی ہے اس کا حکیمانہ سبب تعلیمات اسلام اور بصائر قرآنی سے بعد وتجاہل ہی ہے اور ان کی ترقی وحیات کی صرف ایک راہ کھلی ہوئی ہے کہ ان کو اسلام کے حیات افروز ضابطہ عمل وقانون کی اطاعت و اتباع کی طرف بلایا جائے۔ لہٰذا پہلے مسلمانوں کو اسلام اور مسلمان کے حقیقی معنوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اسلام اور مسلمان کے معنی:

مذہب دنیا میں خدا کی سب سے بڑی مہربانی رحمت اور کرم ہے اس کی غرض انسان کو پاک بنانا اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر لے چلنا ہے، وہ انسان کو عبدیت کے دائرے میں مقید رکھنا چاہتا ہے اور اس کا مقصد اصلاح نفوس اور بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں وہ دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ انسان کی تمام عملی قوتوں کو سیدھے راستے اور قانون فطرت پر چلائے تا کہ وہ اپنا مقصد بدرجہ کمال حاصل کر لیں وہ ہر طرح کامل ہو جائیں اور ان کی ہر بات مذہب کی روشنی میں آجائے مذہب چاہتا ہے کہ خدا کے بندوں پر خدا ہی کی حکومت ہو۔ انسان کسی انسان کے سامنے نہ جھکے، بلکہ صرف اپنے خدا کے سامنے جھکے اور قوانین الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کرے اسلام سے پہلے یہ مقاصد عظمیٰ الہامی مذاہب نے اپنی اپنی بساط اور دائرہ عمل کے مطابق پورے کئے لیکن اب چونکہ اسلام بصورت قرآن خدا کا آخری مذہب ہے ہر طرح کامل ومکمل اور عقل وفطرت کے مطابق ہے اور تمام پچھلی شریعتوں اور صداقتوں کا جامع ہے اس لئے اب یہ مقاصد صرف اسلام ہی کے ذریعہ پورے ہو سکتے ہیں۔ اب بنی نوع انسان کی صلاح وفلاح اور نجات و کامرانی کا صرف یہی ایک راستہ ہے باقی تمام گمراہی کی طرف لیجانے والے ہیں۔ اسلام کے معنی اطاعت، انقیاد اور تسلیم کے ہیں۔ یعنی اپنے ظاہر و باطن قویٰ کے ساتھ خدا کے حضور میں جھک جانا اس کے تمام احکام پر عمل کرنا اور اپنے اعمال وافکار کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لے آنا۔ اس سلسلے میں وہ ہم پر

صرف دو چیزیں عائد کرتا ہے ایمان اور عمل صالح۔ سارا اسلام انہی دو باتوں میں بند ہے جو شخص ایمان و عمل صالح کی حقیقی روح اپنے اندر پیدا کرلے وہ مسلمان ہے مسلمان ہونے کے معنی علماً و عملاً یہ ہیں کہ جو کچھ خدا اور رسول نے حکم دیا ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور اس پر عمل کرے جو شخص احکام الٰہی میں سے جو کچھ اس کی غرض کے مطابق ہو اس کو مانے اور جو اغراض کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دے وہ منافق اور خود غرض ہے یہودیوں کو خدا نے اسی وجہ سے ذلیل و رسوا کیا کہ وہ کتاب اللہ کے بعض حصے کو مانتے اور بعض کو رد کردیتے تھے۔ پس مسلمان وہ ہے جو خدا اور رسول کے تمام حکموں کو مانے۔

بناءِ اسلام :

جاننا چاہئے کہ اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر قائم ہے اگر مسلمان پانچوں کی پانچوں پر قائم ہے تو اس کا اسلام بھی قائم ہے اور وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہے وہ پانچ چیزیں یہ ہیں : (۱) کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے ان پر یقین رکھنا۔ یعنی توحید و رسالت کو سمجھنا اور ماننا (۲) پانچ وقت کی نمازیں پڑھنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) ماہ رمضان کے روزے رکھنا (۵) اور حج کرنا مشہور تو یہی پانچ بنائیں ہیں۔ حالانکہ ایک چھٹی بناء بھی ہے جس پر ہندوستان کے غلام و محکوم مسلمانوں کی نظر ہی نہیں اور وہ چھٹی بناء جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جس کے مفہوم میں ہر قسم کی ایثار و قربانی و سعی و کوشش اور جہد للحیات بھی شامل ہے۔

یہ نہ سمجھئے کہ یہ میرا صرف ذاتی خیال اور تحقیق ہے۔ بلکہ اسلام کا یہ چھٹا رکن قرآن پاک کے ہر صفحہ سے عیاں اور ظاہر و ثابت ہے اور بعض فقہا نے بھی جہاد کو اسلامی ارکان کی فہرست میں رکھا ہے چنانچہ صاحب ردالمختار لکھتے ہیں۔

العبادات خمسۃ الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحج والجہاد

(کتاب الطہارت ردالمختار ج ا ص ۵۴) عبادات پانچ ہیں۔

نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد۔

الغرض اسلام کے یہ چھ ارکان ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے جو لوگ ان فرائض دینیہ کی بجا آوری سے قاصر ہونے کے باوجود سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ صرف نماز پڑھ لینے ہی سے کامل مومن ہیں وہ اپنے نفس کو دھوکہ دے رہے ہیں ان ارکان میں سے اگر ایک رکن بھی ترک کردیا جائے تو مسلمان کی مسلمانی مخدوش ہے۔ مثلاً ایک نمازی تہجد گزار اور شب بیدار صاحب نصاب ہو کر زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس کی ساری عبادت بے سود ہے، یا روزے رکھتا ہے مگر استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتا تو اس کی دینداری ناقص ہے یا ان ارکان خمسہ کی بھی پابندی کرتا ہے مگر جہاد فی سبیل اللہ سے جان چراتا ہے تو سرے سے اس نے ارکان خمسہ کی روح ہی کو نہیں سمجھا۔ مختصر یہ کہ مسلمان ان ارکان میں سے کسی کا بھی تارک ہے تو وہ نومن ببعض ونکفر ببعض کا مصداق ہے اور وہ کامل مسلمان نہیں۔

کامل مسلمانی کا فقدان :

کروڑوں مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا بڑے زور سے دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے عمل کی کیفیت یہ ہے کہ کوئی نماز کا پابند ہے روزوں میں سست ہے، کوئی روزے رکھتا ہے تو زکوٰۃ نہیں دیتا۔ کوئی زکوٰۃ دینے کی ہمت رکھتا ہے تو سفر حج کی صعوبت سے لرزتا ہے اور گھر میں بیٹھا ہوا طرح طرح کے حیلے بہانے گھڑتا ہے اور اگر کروڑوں میں کوئی اللہ کا بندہ ان ارکان خمسہ کی پابندی کرتا ہے تو جہاد کے نام سے لرزتا ہے حالانکہ جہاد کوئی خوفناک چیز نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں محنت و مشقت برداشت کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو ارکان خمسہ کی اصلی روح بھی جہاد ہے۔ کیونکہ کسی میں نفس کے ساتھ جہاد کرنا پڑتا ہے اور کسی میں مال کے ساتھ پس بہت کم ہیں ایسے مسلمان جن کو ان پانچوں فرائض کی بجا آوری سے مسلمانی کی تکمیل کا سرٹیفکیٹ حاصل ہو۔

رہے مسلمانوں کی حب الٰہی وحب رسول کے دعوے ان کی کیفیت یہ ہے

کہ زبان سے ہر مسلمان کہتا ہے کہ ہم کو اللہ و رسول سب سے زیادہ پیارے ہیں ہمارا تن من دھن سب ان پر قربان اور نثار ہے۔ مگر دعویداروں کی حالت یہ ہے کہ نہ اللہ کے حکم کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ رسول اللہ کی پیروی و فرمانبرداری کرتے ہیں بلکہ اس کے برخلاف صورت و شکل میں لباس و وضع میں، کھانے کمانے میں اور شادی و غمی میں جتنے کام کرتے ہیں اپنی مرضی کے اور سب اپنے ملک، برادری اور باپ دادا کی پیروی میں۔ سو یاد رکھئے جو پورا پابند شریعت ہے وہی سچا مسلمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا معیار بتلا دیا ہے۔

ما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا[1]

ترجمہ: جو کچھ تم کو یہ رسول دے اس کو لے لو، اور جس چیز سے تم کو ہٹا دے ہٹ جاؤ۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق یہ مسلمانی دل بہلاوا اور فریب نفس ہے کہ اسلام کی جو بات آسان دیکھی اور جس کو دل چاہا اس پر عمل کر لیا اور جو ذرا مشکل نظر آئی اور اس کو دل نہ چاہا اس کو ترک کر دیا۔ یہ مسلمانی نہیں بلکہ مطلب پرستی ہے حالانکہ اسلام کا اقرار کر کے ایک مسلمان کو اس قسم کا اختیار ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله و رسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امر هم ومن يعص الله ورسوله فقد ضلّ ضللاً مبيناً[2]

ترجمہ: کسی مومن اور مومنہ کا یہ کام نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے تو ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کر دے تو ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے جس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

یعنی جب کسی امر کے متعلق خدا اور رسول کا حکم آ جائے تو مومنوں کو ماننے یا

[1] پ ۲۸ رکوع ۱ [2] پ ۲۲ رکوع ۲

نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اسلام کہتا ہے کہ کتاب اللہ میں سے کچھ ماننا اور کچھ کو رد کر دینا دنیا و آخرت میں رسوا کن ہے۔

مذہب کا تعلق:

یاد رکھئے اگر ہم اپنے آپ کو زبان سے مذہب اسلام کا پابند کہتے ہیں لیکن پیروی اپنی خواہشات کی کرتے ہیں اور ہمارے اکثر اعمال مذہبی احکام کے خلاف ہیں تو یہ سچی مسلمانی نہیں کیونکہ مذہب زبان کا نہیں بلکہ عمل کا نام ہے۔ اگر آپ مذہب کا عمل نہیں رکھتے تو آپ کا مسلمان ہونا عبث و بیکار ہے۔ پھر یہ بھی خوب سمجھ لیجئے کہ مذہب کا تعلق صرف زبان یا صرف نماز روزہ سے نہیں بلکہ دل اور عمل سے ہے، ہم ایک سچے مسلمان اس صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ ہماری تمام زندگی ہمارے مذہب کی تفسیر ہو۔ اگر ہم مسلمان ہو کر اسلامی احکام کی خلاف ورزی کریں یا نمازیں پڑھ کر چوری، زنا اور جھوٹ وغیرہ معاصی کا ارتکاب کریں تو ظاہر ہے کہ ہماری زندگی اسلام کی تفسیر نہیں اس کے معنی یہ بھی نہ سمجھئے کہ مسلمان وہ ہے جس سے کسی گناہ اور خدا کی نافرمانی کا صدور ہی نہ ہو نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرنی چاہئے اور خدا کی نافرمانی سے بچتے رہنا چاہئے، باوجود اس کے اگر بشریت کے تقاضے سے گناہ بھی ہو جائے تو اس سے مسلمانی کو کوئی ضعف نہیں پہنچتا۔ بلکہ فوراً توبہ و استغفار سے اس کی تلافی کرنی چاہئے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک مسلمان قطعی طور پر تمام زندگی میں گناہوں سے کلیتًا مجتنب رہے کیونکہ وہ گناہوں سے معصوم نہیں یہ منصب فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ ان سے ارتکاب معاصی کا صدور ہی ناممکن ہے۔ باقی رہے عوام الناس گناہ کرنا اس کی فطرت ہے مگر گناہوں اور روز کی نافرمانیوں پر اصرار کرنا شیطان کا کام ہے اور نیک بننے کی کوشش نہ کرنا منافی اسلام ہے۔

عبادت و بندگی کا مفہوم:

آپ کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کا صحیح تصور آ گیا ہے اور آپ کو معلوم

ہو گیا ہو گا کہ اسلام کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور مسلمانوں کے فرائض دینیہ کیا ہیں؟
اب عبادت و بندگی کا مفہوم بھی سمجھ لیجئے عبادت و بندگی صرف نماز و روزہ کا نام
نہیں بلکہ ہمارے ان کاموں کا نام ہے جو ہم تمام دن اور رات میں کریں ہماری
بندگی کا دعویٰ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم ہر کام خدا کی مرضی اور اس کے حکم کے
مطابق کریں۔ ہمارا کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، شادی، غمی، لباس و وضع
غرض یہ کہ ہر حرکت و سکون عبادت میں داخل ہیں۔ بشرط یہ کہ ہم اسے احکام
خداوندی کے مطابق کریں۔

آپ اپنی پنجوقتہ نمازوں میں اپنے خدا سے یہی اقرار عبودیت کرتے ہیں
کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اس
اقرار و عبودیت کے مطابق ہمارے تمام کام مرضی الٰہی کے مطابق ہونے چاہئیں
اور ہمیں اپنی زندگی انہی اصولوں پر بسر کرنی چاہئے جو مذہب نے سکھائے ہیں۔
اپنی بہتری اور فلاح کے لئے سچے دل سے کوشش کرنا ہی ہمارا فرض اور خدا کی
عبادت و بندگی ہے۔

وجہ تصنیف:

یہ ایک آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے کہ آج جو مسلمان تعلیم، صنعت و
حرفت، تجارت، سیاست و اقتصاد، تہذیب و معاشرت اور اخلاق میں پسماندہ
ہیں ہر طرح کی ذلت و خواری میں مبتلا ہیں، ان کے قوائے عملی و فکری پر جمود و تعطل
کی اوس پڑی ہوئی ہے، ہر قوم پر ذہنی غلامی کی لعنت مسلط ہے، نہ اس کے پاس
اخلاق و روحانیت کی طاقت ہے نہ مال و دولت، نہ عزت و شوکت، نہ ان کی
زندگی کا کوئی بلند معیار ہے، نہ ان کے سامنے کوئی نصب العین، نہ ان میں اتحاد و
تنظیم کی روح، ہر جگہ اور ہر مقام میں تنزل و ادبار کے ہاتھوں برباد ہیں اور انہیں
ہر طرف سے مایوسیوں و ناکامیوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ
مسلمانوں نے اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا چھوڑ دیا ان کے
تنزل و ادبار کا بڑا سبب فرائض دینیہ سے غفلت اور زندگی کی سرگرمیوں سے محرومی

اور بے عملی ہے ان کے تنزل و ادبار کا ذمہ دار مذہب نہیں بلکہ خود وہ ہیں۔ ان میں
وہ صلاحیت اور روح ہی باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے وہ دین و دنیا میں ترقی و
کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور جس کو حاصل کر کے انہوں نے دنیا میں عروج و
ارتقاء کی منزلیں طے کی تھیں۔ ان کے اندر وہ صلاحیت ہی باقی نہیں رہی جس
کے بعد وہ زمین کی وراثت کے مستحق بنتے تھے۔

اب اس کا علاج کیا ہے؟ صرف یہ کہ ان میں ایمان و عمل کی حقیقی روح
پھونکی جائے، ان کو اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا سکھایا جائے
فرائض حیات اور فرائض دینیہ کی بجا آوری کی ترغیب و تحریص دلائی جائے اور
ان کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنایا جائے۔ یہی وہ راز حیات کے مطابق آپ کا
''مولوی'' اور ''حمیدیہ پریس'' اپنی بساط کے مطابق اسلامی خدمات سرانجام
دے رہا ہے اس کی حقیر خدمات جیسی کچھ بھی ہیں آپ کے سامنے ہیں یہ حقیقت
ہے کہ ''مولوی'' نے جو خدمات اب تک سرانجام دی ہیں وہ بے حد وقیع اور اہم
ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب ہے جو کتاب الاسلام کے بعد دوسرے نمبر
پر رکھے جانے کے قابل ہے۔

حمیدیہ پریس چاہتا ہے کہ مسلمانان ہند کو ارکان اسلامیہ سے متعلق ایک
ایسی جامع و مانع کتاب دیدے جو ان میں عبادت و بندگی کی حقیقی روح پھونک
دے یہی ارکان خمسہ ہیں جن کی تفہیم و تعمیل سے مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان
بن سکتے ہیں اور دین و دنیا کی مسرت و کامرانی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسلام کے یہی وہ اصول خمسہ ہیں جن میں ترقی و تقدم کے وہ تمام اصول بند
ہیں جن کی پابندی سے مسلمان زندہ رہ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں ان عبادات
اسلامی کا منشاء اگرچہ خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنا اور زاد آخرت جمع کرنا اور دنیاوی
وجاہت و ثروت اور استیلاء و غلبہ ان کا مقصود نہیں۔ لیکن چونکہ وہ ساتھ کے ساتھ
جسم کی مادی ضرورتیں بھی پوری کرتی ہے۔ اس لئے ان فرائض خمسہ اسلامیہ کی
پابندی سے مسلمان وہ تمام انفرادی و اجتماعی اور سیاسی و معاشی خوبیاں بھی حاصل
کر سکتا ہے۔ جس کی آج ان کو ضرورت ہے مگر یاد رہے یہ دنیوی فلاح اور غلبۂ و

استیلاء ان اسلامی احکام کی پابندی کے فرعی اور ضمنی آثار ہیں اور ان کی اصلی غایت نجات اخروی اور خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہے۔

جو نام نہاد روشن خیال حضرات نماز، روزہ وغیرہ کے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ نماز اس لئے ایک اچھی عبادت ہے کہ اس سے پابندی اوقات اور صفائی جسم کی عادت پڑ جاتی ہے، ان کی عقل وسمجھ پر مغرب کی مادیت نے پتھر ڈال دیئے ہیں اور وہ اسلامی عبادات کے مقاصد عالیہ سے لاعلم ہیں۔ الغرض اگر مسلمان مادی اور روحانی ترقیات حاصل کرنا اور صحیح معنوں میں مسلمان بننا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ فرائض خمسہ اسلامیہ کی پوری پوری پابندی کریں اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔

اگر چہ نماز کی متعلق کثرت کی ساتھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور وہ عوام الناس کے لئے نہایت مفید اور مقبول ثابت ہوئی ہیں۔ لیکن اس سے علمی طبقہ کے مذاق کی تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ تمام متعلقات پر حاوی ہیں اس کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہ رہے اور وہ عوام وخواص دونوں کے لئے مفید ثابت ہوں۔ لہٰذا اس کتاب کے ذریعہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ کمی پوری ہو جائے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

نذیر الحق دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الایمان

اسلام کے اصول اولین

مذہب امام ابوحنیفہؒ بابت ایمان

ایمان کی تعریف :

ایمان کے لغوی معنی گرویدن وباور کردن یعنی کسی چیز کا حق سمجھ لینا، اس کو مان لینا اور یقین کر لینا ہے۔ اس کے شرعی معنوں میں اختلاف ہے۔ چنانچہ محقق تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں کہ :

"علمائے امت محمدی کی آرا ایمان کی شرعی معنی میں مختلف ہیں کہ آیا وہ صرف نام ہے کسی فعل قلبی کا یا صرف لسانی کا یا مجموع فعل قلبی ولسانی کا، یا اس میں افعال جوارح یعنی وہ اعمال جو اور اعضاء سے صادر ہوتے ہیں جیسے نماز و روزہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ پس یہ چار صورتیں ہیں۔ بد تقدیر اول کہ ایمان عبارت ہو صرف فعل قلبی سے تین قول ہیں، اول قول وہ ہے جو مشہور و مذہب محقق جمہور ہے یعنی ایمان موضوع ہے بمقابلہ تصدیق کے یعنی مان لینا اور یقین کر لینا آنحضرت ﷺ کا ایسے امور میں کہ ان احکام کا پروردگار عالم کی طرف سے لانا بالضرورۃ معلوم ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان نام ہے تسلیم کا مگر در حقیقت یہ قول، قول اول ہی کی طرف مائل ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ایمان نام ہے ان چیزوں کی معرفت یعنی پہچاننے اور سمجھنے کا بد تقدیر ثانی کہ ایمان نام ہے صرف فعل

الایمان ھو الاقرار و التصدیق :
یعنی، ایمان اقرار و تصدیق کا نام ہے۔

حقیقت ایمان :

جمہور محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے اقرار لسانی صرف دینوی احکام جاری ہونے کی ایک شرط ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک امر باطنی ہے اس لئے لازمی طور ہر اس کے لئے علامت ظاہری بھی ہونی چاہئے اسلام ظاہر و باطن دونوں کو دائرۂ عبدیت میں لاتا ہے۔ پس جو شخص قلب سے وحدانیت اور رسالت کی تصدیق کرے مگر زبان سے اس کا اقرار نہ کرے وہ عند اللہ مومن ہے خلاصہ یہ کہ حقیقت ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔

مشکوۃ شریف سے ایمان کا بیان :

جناب عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص حاضر ہوا۔ جس کے کپڑے نہایت سفید تھے اور بال نہایت سیاہ۔ اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو جانتا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے اور عرض کی محمد ﷺ مجھے اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمائیے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو اس امر کا اعتراف کرے اور شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد خدا کے رسول ہیں اور پھر تو نماز ادا کرے، زکوۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور خانہ کعبہ کا حج کرے اگر تجھ کو زادراہ میسر ہو، اس شخص نے یہ سن کر دوبار عرض کی، آپ نے سچ فرمایا۔ ہم لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ شخص دریافت بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا ایمان کی حقیقت بیان فرمائیے! آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں اور رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور تقدیر کی برائی بھلائی پر یقین و ایمان رکھے یہ سن کر اس شخص

نے کہا" آپ نے سچ فرمایا"۔ [۱]

یہ پوچھنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس سوال و جواب سے صحابی و دین اسلام سکھانے آئے تھے۔ اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے جواب میں تصدیق و اقرار کے ساتھ اعمال کو بھی رکھا ہے، اور ایمان کے جواب میں صرف افعال قلبی یعنی عقائد اسلامیہ کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ایمان میں اعمال داخل نہیں۔ ورنہ حضور ﷺ ایمانیات کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی بیان فرماتے۔ اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ "ایمان" اور "اعمال" دو مغائر چیزیں ہیں۔ [۲]

ایمان اور اعمال صالح میں مغائرت کے دلائل :

یہ ایک آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے کہ ایمان و عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اس پر عقلی دلائل بھی ہیں اور نقلی دلائل بھی جن کا کچھ اندازہ آپ نے مذکورہ بالا تفصیلات سے کر لیا ہوگا۔ لیکن چونکہ یہ زمانہ کفر و الحاد کا ہے۔ اصلاح و فساد پہلو بہ پہلو اپنا کام کر رہے ہیں۔ نام نہاد روشن خیال خود ساختہ محقق اور جاہل مفسر و مبلغ اسلامی حقائق کی صورتوں کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور عقل کے بیچاری ایمان و عمل کو ایک ہی چیز سمجھ رہے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ ایمان و عمل کی مغائرت کے دلائل کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔

(۱) قرآن و حدیث میں اول سے آخر تک "اعمال" کو "ایمان" پر عطف کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمیں قرآن پاک اور احادیث نبویہ ﷺ میں جگہ بہ جگہ اس کا حکم و مطالبہ کی تکرار نظر آتی ہے "امنوا و عملوا الصلحت" اس قسم کے جملوں میں اعمال کو ایمان پر عطف کیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ کی مغائرت ظاہر و باہر ہے اہل علم جانتے ہیں کہ معطوف و معطوف علیہ ایک نہیں ہوتے۔

(۲) اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں ایمان کو صحت اعمال کی شرط قرار دیا

---

۱ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲ مشکوۃ شریف کتاب الایمان "الفصل الاول" ج ۱ ص ۱۱ ۲ نسائی شریف ج ۲ ص ۲۶۳

ہے کما فی قولہ تعالی ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثیٰ وھو مومن[1]

یعنی ذکور واناث میں سے جو شخص بھی نیک اعمال بجالائے بشرطیکہ وہ مومن ہو اس آیت مبارکہ میں خدائے حکیم نے ایمان کو عمل صالح قرار دیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ شرط ومشروط ایک چیز نہیں، ان دو دلائل ہی سے قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ ایمان واعمال دو مغائر چیزیں ہیں۔

(٣) قرآن عزیز میں دو قسم کے احکام آئے ہیں ایک قسم کے احکام تو ایمان وعقائد سے متعلق ہیں اور دوسری قسم کے احکام عبادت وطاعت کے سلسلہ میں ہیں چنانچہ ایک حکم تو یہ ہے امنو باللہ ورسولہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر ایمان وعمل ایک ہی چیز ہوں تو یہ تقسیم ٹوٹ جاتی ہیں اور قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت پر زبردست اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ اس میں بار بار بیکار ولغو جملوں کی تکرار نظر آتی ہے۔ لیکن جس شخص کے دماغ میں ذرا سی بھی عقل ہوگی اور جو زبان عربی سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہوگا بادنیٰ تامل اس بات کو بھی جان لیگا کہ یہ دونوں احکام ایک چیز نہیں ایمان اور ہے اور عمل الگ۔

(٤) قرآن مبین نے اپنے متبعین کے سامنے دو مرحلے رکھے ہیں ایک تو "امنو" اور دوسرا "اطیعو" "ایمان" سے مراد ہے۔ انسانیت کے بلند ترین مقاصد کو سامنے رکھنا اور کسب سعادت کی قوت واستعداد کا اظہار کرنا اور اطاعت سے مقصود ایسے عملی ذرائع اختیار کرنا ہے جو مطلوبہ مقاصد تک پہونچاسکیں، ظاہر ہے کہ استعداد وقوت اور حرکت وعمل ایک چیز کا نام نہیں یا یوں سمجھوں کہ صحیح عمل کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے۔ علم واحساس اور ادراک وشعور کے بغیر جو حرکت ہوتی ہے وہ مجنونوں کی حرکت ہوتی ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ علم اور عمل ایک چیز نہیں۔

(٥) اسلام میں نجات کا دار ومدار دو چیزوں پر ہے (١) ایمان اور (٢) عمل صالح۔ پانچ چیزوں (١) خدا (٢) پیغمبروں (٣) خدا کا پیغام پیغمبروں

[1] پ ٥ رکوع ١٤

تک لانے والے فرشتوں (٤) احکام الٰہی کی کتابوں اور (٥) پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کرنے والوں یا عمل نہ کرنے والوں کی جزا وسزا پر یقین واعتقاد رکھنا ایمان ہے۔ جس پر عمل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور جس کے بغیر خلوص کے ساتھ کوئی نیک عمل سرزد نہیں ہوسکتا۔ یعنی ایمان کے بغیر درگاہ خداوندی میں کوئی عمل بھی مقبول نہیں اور اعمال ہمارے اعضاء کے کام ہیں، جن کو صالح یعنی وصیت الٰہی اور احکام الٰہی کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس سے بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ دماغ کی روشنی اور اعضاء کے کام ایک چیز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس قسم کے ہزاروں عقلی ونقلی دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان وعمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور ہمارے امام صاحب کا مذہب ایمان کے بارے میں قرین حق وصواب ہے۔

اعمال کا تعلق :

ایمان اور عمل کے مطابق ہم نے یہاں تک جو کچھ لکھا ہے اس سے اعمال کی اہمیت اور قدر وقیمت کی کوئی ضعف نہیں پہنچتا بلکہ اعمال کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ پس یہ نہ سمجھئے کہ محض توحید کا رسمی وزبانی اقرار نجات کے لئے کافی ہے اسی غلط فہمی نے مسلمانوں کو معصیت وسیاہ کاری کی جہنم میں پھینکا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے رسمی طور پر زبان سے توحید کا اقرار کرلینا نجات کے لئے کافی ہے اور غالباً مسلمانوں کی اس کجروی وگمراہی نے ہی اس فتنہ کو پیدا کیا ہے کہ آج ایمان وعمل کو ایک چیز سمجھا جارہا ہے سو یاد رکھئے ایمان وعمل اگرچہ ہیں تو دونوں مغائر ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ اسلام ایمان کے ذریعہ قلب وروح پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور جسم سے پہلے روح کو اپنے قانون کا پابند ومطیع بنانا چاہتا ہے اور عمل صالح کے ذریعہ جسم کو قانون الٰہی کا پابند بناتا ہے اب یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص کی روح تو خدا کی فرماں بردار ہو اور جسم نافرمان یعنی ایک شخص صحیح معنوں میں مومن ہو اور اس سے اعمال صالح کا صدور نہ ہو ایسے شخص کو کبھی ایمان کی تکمیل کا سرٹیفکیٹ نہیں مل سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا قلب توحید کا قائل

ہو۔ لیکن اگر روزمرہ کی زندگی اس کے اکثر اعمال وافکار احکام الٰہیہ کے مطابق
نہیں تو کیا جاسکتا ہے کہ اس کو سرے سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر ہی ایمان نہیں۔ پس
اگر ایک نام نہاد مومن کے اعمال اکثر متواتر اور ہمیشہ ناپاک اور خلاف شرع
ہوتے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اسکا ایمان کا اقرار فضول، بے معنی اور منافقت
پر مبنی ہے۔

یاد رکھئے اعمال کا تعلق قلب سے ہے جن اعمال کا تعلق قلب سے نہ ہو وہ
نقش برآب وہوا کرتے ہیں، ان کا اخلاقی اور روحانی زندگی پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔
اس لئے ان کا وجود وعدم دونوں برابر ہیں۔ اسلام کی نگاہ میں اعمال وہی صالح
اور قابل قبول ہیں جو مسلمان کی طرز زندگی کا مستقل حصہ ہوں اس کی سیرت کا
عکس ہوں اور اس کی روح سے پیدا ہوئے ہوں جو اعمال اس معیار پر پورے نہ
اترتے ہوں یا تو وہ اضطراری افعال ہوتے ہیں یا محض دوسروں کے دکھانے کے
لئے کئے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کی جزا کی امید رکھنا امید موہوم اور بے
سود ہے اور جن اعمال کا تعلق قلب سے ہو وہی صالح اور مثمر بثمرات آخرت ہوا
کرتے ہیں۔ قلب میں عمل کا تخم ایمان کے پانی سے پرورش پاتا ہے۔ ایمان کیا
ہے؟ دماغ کی روشنی، روح کا خدا کے ساتھ تعلق اور نیکی کرنے وبدی سے بچنے کا
حوصلہ وارادہ۔ ایمان سے دل کی طہارت وپاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ عمل کی
استعداد وپاکیزہ پیدا ہوتے ہیں اعمال کی پاکیزگی سے دل کی صفائی ضروری ہے
اور اسی بنیاد پر اسلامی تصو کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ لہٰذا خوب اچھی طرح ذہن
نشین کر لیجئے کہ ناپاک دل سے ہمیشہ ناپاک اعمال ہی پیدا ہوتے ہیں اور پاک
دل سے پاک اعمال اور اعمال سے پہلے ایمان صحیح اور پختہ ہونا چاہئے۔

اعمال کی اہمیت :

آج ایمان وعمل کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں اور کٹھ حجتیاں ہو رہی ہیں کسی
نے ایمان کو اتنی اہمیت دی ہے کہ بے عملی وجمود کی حالت پیدا ہوگئی اور کوئی اعمال
کو اتنی اہمیت دے رہا ہے کہ نجات کے لئے توحید ورسالت کا اقرار بھی ضروری

نہیں۔ بلکہ جس کا عمل بھی اسلام کے مطابق ہو اس کی بخشش ہوگی۔ یہ دونوں
افراط وتفریط اور گمراہی کے راستے ہیں جو اسلام سے دور لے جاتے ہیں اور الحاد و
بے عملی کے اندھے کنوئیں میں پھینک دیتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام ہی مسلمانوں کے تنزل کا سبب ہے یہ تو کہنے والوں
کی جہالت اور حماقت ہے۔ کیونکہ اسلام نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں کو
آخرت کے تصور میں دنیا ترک کردینی چاہئے اور ایمان کے بھروسہ پر چھوڑ دینا
چاہئے۔ اس کے خلاف اسلام نے رہبانیت اور ترک دنیا کی مذمت کی ہے۔
بے عملی، جمود اور غفلت کی زندگی کو مذموم اور لعنتی زندگی ٹھہرایا ہے۔ یقین وعمل پر
اسلام وایمان کی بنیاد رکھی ہے اور عملی سرگرمیوں پر موت وزندگی کا انحصار بتلایا
ہے۔

ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں نے ایمان کے مقابلہ میں عمل کی اہمیت کو
نہیں سمجھا اسی پر پھولے رہے کہ بس کلمہ پڑھ کر ہم نے جنت کو خرید لیا ہے۔ ہمیں
طاعت وعبادت کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ غفور الرحیم ہے وہ ہمارے گناہ کو بخش
دے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی نہ بخشیں گے تو پیر، پیغمبر اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے
بخشوالیں گے، اگر یہ دونوں صورتیں بھی میسر نہ آئیں گی تو اپنے کئے کی سزا بھگت
کر بالآخر جنت میں چلے جائیں گے۔ بتلایئے اس قسم کی قاطع اعمال عقائد
رکھنے والے اعمال کی اہمیت کو کیا خاک سمجھیں گے۔ اگر سچ پوچھو تو اس قسم کے
احمق مسلمانوں نے لوگوں کو یہ کہنے کی جرأت دلائی کہ اسلام ہی نے مسلمانوں کو
تباہ کیا ہے مگر یہ ان کی ناسمجھی اور نادانی ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک ہی چیز
سمجھ بیٹھے ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ مذہب اپنے متبعین کے غلط اور غیر مذہبی
اعمال وافکار کا ذمہ دار نہیں ہوا کرتا۔

ہمیں یہ مان لینا چاہئے کہ مسلمانوں کے تنزل وادبار کا بڑا سبب دینی
فرائض سے غفلت اور زندگی کی سرگرمیوں سے محرومی وبے عملی ہے۔ پس
مسلمانوں کو اعمال کی اہمیت اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ باری
تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت [۱]

ترجمہ : زمانہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ انسان عموماً خسارہ اور نقصان میں رہتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان وعمل کی دولت سے مالا مال ہیں۔

یعنی نقصان اور خسارہ سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو اپنے پاس یقین وعمل کی دولت رکھتے ہیں اور زندگی کی سرگرمیوں میں جان توڑ کر حصہ لیتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی !
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یقیں افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

....

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اعمال کو برباد نہ کرو :

مذکورہ بالا آیت مقدسہ کو پیش کرنے کے بعد ضرورت نہیں رہتی کہ اعمال کی اہمیت کے سلسلے میں کچھ اور آیتیں پیش کی جائیں وگرنہ مسلمان ایسے سعادت مند کہاں کہ ایک دو آیتوں سے متاثر ہو جائیں اور ان میں کوئی چیز حرکت وعمل پیدا کردے۔ اس لئے چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔ ارشاد ہے :

وقل اعملو فسیری اللہ عملکم ورسولہ [۲]

ترجمہ : کہدو کہ عمل کئے جاؤ ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھے گا۔

یعنی اے حبیب ﷺ ! اپنی امت کے بے عمل اور رسمی وزبانی مومنوں سے

---

۱ سورۃ العصر پ ۳۰ ۲ سورۃ توبہ ۱۰۵

کہہ دیجئے کہ محض اقرار توحید ورسالت پر ہی نہ بھولے رہو بلکہ ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھے گا کہ تمہارا یہ اقرار دل سے ہے یا محض زبان سے، سو ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ عمل سے غافل نہ رہیں۔

یآیہا الذین امنو آاطیعو اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم [۱]

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

پھر ارشاد ہے :

واللہ معکم ولن یترکم اعمالکم وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیأ [۲]

ترجمہ: اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کرے گا اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

ذرا دیکھئے تو سہی قرآن عزیز اعمال کی اہمیت اور کوشش کی قدر وقیمت کو کس کس عنوان اور طرز سے بیان کر رہا ہے اور مسلمانوں کو کامیابی وترقی کا راستہ بتلا رہا ہے۔ اگر اب بھی مسلمان اعمال کی اہمیت کو نہ سمجھیں تو جہنم میں جائیں۔

اپنے اپنے عمل کے مطابق درجات بنائے گئے ہیں :

چودھویں پارہ میں خدائے کریم کی طرف سے اعلان کر دیا گیا ہے۔ جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت ہم اس کو پاک زندگی عطا کریں گے اور اس کو عملوں کے مطابق اچھے سے اچھا بدلہ دیں گے۔ پھر چھبیسویں پارہ میں کہدیا گیا :

ولکل درجت مما عملوا ولیو فیھم اعمالھم وھم لا یظلمون [۳]

۱-۲ پارہ ۲۶ سورہ محمد ﷺ ۳۵:۳۳ ۳ سورۃ احقاف رکوع ۲

ترجمہ : اپنے اپنے عمل کے مطابق درجات بنائے گئے ہیں
تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عملوں کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کسی
طرح کا ظلم نہ ہو۔

غور کرو جس مذہب اور کتاب حکیم نے دینی و دنیاوی ترقی و فلاح کے لئے عملی نظام کو اس قدر ضروری و ناگزیر قرار دیا ہو، اس کو موجودہ مسلمانوں کی بے حسی و بے عملی کا سبب کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور وہ قوم کیونکر ایمان کے بھروسہ عملی سرگرمیوں سے محروم رہ سکتی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام نے اعمال کی اہمیت کو جس انداز میں واضح کیا ہے اس سے بڑھ کر انسانی تصور اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

ایمان و اسلام دونوں ایک ہیں :

اس واسطے کہ لغت میں اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے ہیں اور عرف شرع میں بھی احکام الٰہی کی فرمانبرداری کرنے اور ان پر یقین لانے کو اسلام کہتے ہیں یہ مفہوم تصدیق کی حقیقت ہے اور تصدیق ہی ایمان ہے۔ چنانچہ عقائد نسفی میں ہے:

والایمان والاسلام واحد[1]

ایمان واسلام دونوں ایک ہیں۔

یہی احناف کا مسلک قدیم ہے شیعہ ایمان و اسلام میں غیریت ثابت کر کے اپنے آپ کو مومن اور باقی اہل اسلام کو مسلمان کہتے ہیں اور اس میں فرق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مومن وہ ہے جو حقائق اسلام کو تاویل و دلائل کے ساتھ جانتا ہو اور مسلمان وہ ہے جو ان کو بغیر تاویل و تفسیر کے جانے یہ شیعوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جن کی قرآن و حدیث سے تائید نہیں ہوتی۔

معتزلہ کی رائے اس باب میں یہ ہے ایمان باطن سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام ظاہر سے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق مسلم ہے نہ مومن جو فرقے ایمان و

[1] شرح عقیدہ لحاری ج اص ۲۲۹

اسلام میں غیریت ثابت کرتے ہیں ان کے دلائل میں سے ایک قرآنی دلیل یہ آیت ہے۔

قالت الاعراب آمنّا قل لّم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا
ولا یدخل الایمان فی قلوبکم[1]

ترجمہ : بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو کہہ کہ تم ایمان نہیں
لائے مگر کہو ہم مسلمان ہوئے اور نہیں داخل ہوا ایمان تمہارے
دلوں میں۔

اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے اس لئے کہ اس میں اعراب کا اسلام ثابت کیا ہے اور ایمان کی ان سے نفی کی ہے۔ اس دلیل کا جواب علمائے احناف کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ جو اسلام شرع میں معتبر ہے وہ یہ ہے کہ اطاعت ظاہری کے ساتھ اطاعت باطنی بھی ہو اور ایسا اسلام بدون ایمان پایا جانا ممکن نہیں اور ایسا ہی اسلام دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے نجات بخشتا ہے اور اعراب کی نسبت جو اسلام ثابت کیا گیا ہے وہ صرف انقیاد ظاہری ہے جس میں انقیاد باطنی کو دخل نہیں اس اسلام کی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی زبان سے تو کلمہ شہادت ادا کرے اور دل میں اس کی تصدیق نہ کرے۔

ایمان اور اسلام کے ایک ہونے کی دوسری دلیل وہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے جو پیچھے کہیں بیان ہوئی۔ اس میں حضور ﷺ نے اعمال باطنی اور اعمال ظاہری دونوں کو اسلام کی تعریف میں بیان فرمایا ہے۔ پس اسلام فقط اعمال ظاہری کا نام نہیں بلکہ وہ بھی مثل ایمان کے تصدیق دلی سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ مشہور بین الناس ہے کہ :

الاسلام هو الخضوع ظاهراً وباطناً

ترجمہ : اسلام ظاہری و باطنی طور پر خدا کے سامنے جھکنا ہے۔

[1] پارہ ۲۶ آیت ۱۴

اہل قبلہ سب مومن ہیں :

اسلام ایک سیدھا سادا اور فطری مذہب ہے جس کی بنیاد یقین اور اعتماد اور فطری ذوق پر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں اپنے متقین بندوں کی پہلی خصوصیت یہ بیان فرماتے ہیں۔ الذین یومنون بالغیب [1] یعنی ارباب تقویٰ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالیہ پر ہر اس چیز کو ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جس کو انہوں نے کسی طور پر بھی محسوس نہ کیا ہو مسلمانوں میں یہ خصوصیت اور ایمان وایقان کی صفت اس وقت تک باقی رہی جب تک عرب کے ساتھ عجم کی آویزش نہیں ہوئی۔ جب عجمی اسلام کی آغوش میں آئے تو ان کی تفرقہ اندازانہ ذہنیت اور تخیلانہ زندگی نے اسلام کو فرقوں میں منقسم کردیا اور پھر تو اسلام میں وہ تفریق اور فرقہ بندی ہوئی کہ الامان والحفیظ ہر فرقے نے دوسرے فرقہ کو کافر جانا جہاں کسی سے عقائد میں اختلاف ہوا اور کفر کا فتویٰ جڑا کفر کے فتوؤں کی مسلمانوں میں اس قدر کثرت اور بھرمار ہوئی کہ ان کی زبانوں پر سوائے کفر کے اسلام کا نام بھی باقی نہیں رہا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دنیا میں بھیجا تھا کہ وہ ایک اور نیک بن کر رہیں۔ خود خدا کے بنیں، پھر دوسروں کو خدا کا بنائیں اور دنیا میں خدا کی حکومت وبادشاہت قائم کردیں مگر کم بخت مکفرون اور تفرقہ اندازوں نے خدا کی حکومت کی بنیادیں ہی اکھیڑنا شروع کردیں اور بجائے مسلمان بنانے کے لوگوں کو کافر بنانے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کتاب وسنت کے بتلائے ہوئے معیار کفرواسلام کو نظر انداز کر کے خود اپنی طرف سے کفر وایمان کے معیار قائم کر لئے تھے اور دنیائے اسلام میں حرب عقائد کی ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ حرب عقائد اور تکفیر بازی کی لعنت کچھ اس طرح مسلمانوں پر مسلط ہوئی کہ آج بھی اس سے پیچھا چھوٹنے میں نہیں آتا۔

خدا جزائے خیر دے امت مسلمہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت امام اعظم ؒ کو جنہوں نے اس سیلاب کفر کو روکنے کے لئے اس کے آگے دریادلی اور

[1] البقرة:۳

وسیع القلبی کا زبردست بند لگا دیا اور کم از کم حنفی مسلمانوں کی زبانوں کو تو یہ کہہ کر لا نکفر احداً من اہل القبلة [1] یعنی ہم کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ تکفیر سے روک دیا اور اپنے متبعین کو مصالحت ورواداری اور علماء کو نہایت حزم واحتیاط کی تعلیم دے کر ملت واحدہ کو فرقہ بندی وتفریق کے تباہ کن اثرات سے بچا لیا مگر اس کا کیا علاج کہ چودھویں صدی کے علماء سوء اور قرآنی بصیرت سے محروم مفتی خود ہی امام بن بیٹھے اور حضرت امام صاحب ؒ کی تحقیق واجتہاد کو پس پشت ڈال دیا لیکن جو حقیقی مجتہد اور فقہا اسلام میں گزرے ہیں ذرا ان کی دریادلی بھی دیکھ لیجئے اور پھر اس صدی کے علماء سوء کی ذہنیتوں کا ماتم کیجئے درمختار میں ہے:

واعلم انه لا یفتٰی بکفر مسلم ان امکن حمل کلامه
علی محمل حسن [2]

ترجمہ : جاننا چاہئے کہ کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائیگا اگر اس کے کلام کو کسی نیک محل پر حمل کیا جا سکتا ہو۔

یعنی اگر اس کے کلام میں سے کوئی نیک پہلو نکل سکتا ہو تو کسی مفتی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ آنکھیں بند کر کے زبردستی کسی مسلمان کو کافر بنا ڈالے۔ نیز اسی درمختار میں ہے کہ:

اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر وواحد
یمنعه فعلی المفتی المیل لما یمنعه [3]

ترجمہ : اگر کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ موجب کفر ہوں اور ایک وجہ مانع تو مفتی کا فرض ہے کہ وہ وجہ مانع کا خیال رکھے۔

دیکھئے فقہائے اسلام نے کس قدر حزم واحتیاط اور مصالحت ورواداری کے ساتھ تکفیر سے علماء کو روکا ہے اور ان کی زبانوں پر تالے ڈالے ہیں۔ مگر افسوس ہے حنفی علماء پر کہ وہ تقلید کی زنجیروں کو توڑ کر اور اپنے امام سے منہ موڑ کر خدائی فوجدار بن بیٹھے۔

[1] شرح العقیدہ طحاوی ج ا ص ۲۳۲ [2] درالمختار ج ۳ ص ۲۲۹ [3] درمختار ج ۳ ص ۲۳۰

ایک غلط فہمی کا ازالہ :

حضرت امام اعظمؒ کا یہ بہت بڑا کارنامہ اور وسیع القلبی ہے کہ آپ کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں ملت مسلمہ پر آپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے علماء اسلام کے ذہنوں کو اس اصول کی طرف متوجہ کیا اور ان کو مرکز اتحاد کی طرف بلایا۔ ممکن ہے کہ کوئی آپ کے قول لا نکفر احداً من اھل قبلة [1] کا یہ مطلب سمجھے کہ اس سے تکفیر کا دروازہ قطعی طور پر مسدود ہو گیا اور اس کی رو سے تو کسی ایسے مسلمان کی تکفیر نہیں ہو سکتی جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے۔ کیونکہ بہر حال اسلام کے تمام فرقے اہل قبلہ ہیں اس غلط فہمی کا ازالہ خود متکلمین نے یہ کہہ کر کر دیا ہے کہ:-

من اھل القبلة ھم الذین اتفقوا علیٰ ما ھو من ضروریات الدین

ترجمہ : اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر اتفاق رکھتے ہوں۔

یعنی جو ضروریات دین مبین میں سے کسی امر دینی کا منکر ہو وہ اہل قبلہ نہیں اس بارے میں تکفیر کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ضروریات دین مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ میں کسی امر کا انکار موجب کفر ہے۔ مگر فروعی عقائد اور مسائل اجتہادیہ میں تکفیر کی مطلق گنجائش نہیں۔ کیونکہ اسلام آزادیٔ فکر و اجتہاد کا حامی ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اصولی اختلاف کے مقابلہ میں بھی مصالحت و رواداری کا ثبوت دینا چاہئے۔ اصولی اختلاف کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی ایسے امر دین میں اختلاف کیا جائے جو اصول میں سے ہے اور کفر و اسلام کے درجہ میں ہے مثلاً ختم نبوت کا انکار، خلفائے راشدین کی خلافت کا انکار اور یا فرائض پنجگانہ میں سے کسی کا انکار اس قسم کا اختلاف ہی امت مسلمہ کی تباہی اور فرقہ بندی کی بنیاد ہ، اس کو روکنا اور اختلاف کرنے والوں کی خدمت کرنا تحفظ

[1] شرح عقیدہ الطحاوی ج ۱ ص ۳۳۲

دین کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔ مگر ساتھ ہی اخلاق کی رعایت رکھنا اور تلخ کلامی و گرم رفتاری سے بچنا بھی شرط ہے۔ پس لا نکفر احداً من اھل القبلة کے معنی یہ نہیں کہ کسی ملحد اور بے دین کی کسی حالت میں بھی تکفیر نہ کی جائے۔ اہل قبلہ وہ ہے جو قطعیات اور ضروریات دین کا منکر نہ ہو۔

ایمان کم و بیش نہیں ہوتا :

جن لوگوں کے نزدیک اعمال ایمان کے اجزائے حقیقیہ ہیں جیسے معتزلہ و خوارج، ان کے نزدیک ایمان اعمال کی زیادتی و نقصان کی مناسبت سے کم و بیش ہوتا ہے کیونکہ جزو کے نقصان سے کل کا نقصان ضروری ہے اور زیادتی جزو سے زیادتی مجموع بھی بدیہی ہے اور جن کے نزدیک اعمال ایمان کے اجزائے عرفیہ ہیں۔ ان کے نزدیک اعمال کی زیادتی و نقصان سے اصل ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ یہی مذہب ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا جس کی تائید کتاب و سنت اور عقل سے ہوتی ہے۔ چنانچہ امام صاحبؒ فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں۔

الایمان ھو الاقرار و التصدیق و ایمان اھل السماء والارض لایزید ولا ینقص

ترجمہ : ایمان تصدیق و اقرار کا نام ہے اور اہل آسمان و زمین کا ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔

ہاں کامل ایمان میں یہ صفت ضروری ہے کہ بتفاوت اعمال کمال ایمان میں فتور ہو گا اصل ایمان میں کچھ نقصان نہ ہو گا۔

ایمان میں کمی و بیشی کی حقیقت :

ایمان کی کمی و بیشی بہ سبب زیادت و نقصان اعمال کے متعلق جتنا اختلاف ہے، وہ صرف لفظی نزاع و اختلاف ہے اور وہ مبنی ہے اختلاف تفسیر ایمان پر، چنانچہ امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل اصفہانیؒ شارح صحیح مسلم میں نقل کرتے ہیں:

ایمان لغت میں عبارت ہے تصدیق سے پس اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو

اس میں نقصان نہیں ہوتا کیونکہ نفس تصدیق کوئی تجزی چیز نہیں ہے کہ اس میں کمال و نقصان نہ ہو اور عرف شرع میں ایمان عبارت ہے تصدیق اور اعمال سے اگر یہ تفسیر اختیار کی جائے تو اس میں زیادتی و نقصان ہوگا۔ یعنی لغوی اعتبار سے تو ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، ظاہر قرآن و حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان زائد و ناقص ہوتا ہے اور یہ ہی مذہب ہے اشاعرہ معتزلہ اور حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کا۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایمان زائد و ناقص نہیں ہوتا اور یہی مذہب ہے امام الحرمین کا جو علمائے شافعیہ میں سے ہیں ان کے نزدیک ایمان نام ہے اس تصدیق کا جو مرتبہ یقین تک پہونچے اور یقین میں زیادتی و نقصان ممکن نہیں۔ تصدیق کرنے والا خواہ طاعت کرے یا ارتکاب معاصی دونوں حالتوں میں اس کی تصدیق ویسی کی ویسی ہی باقی رہتی ہے اور اگر ایمان میں اعمال کو بھی داخل سمجھا جائے تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے پس یہ اختلاف فرع ہے۔ تفسیر ایمان کی اہل سنت کو اس اختلاف میں نہیں پڑنا چاہئے اور یقین و اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

ایمان کامل میں عمل بھی شریک ہے :

اسلام نے عقائد کے تحت نو حقائق کو تسلیم کر لینے کی تلقین کی ہے۔ وہ نو حقائق یہ ہیں:

(۱) وجود باری تعالیٰ کا اقرار و اعتراف (۲) ملائکہ کے وجود کا اعتراف (۳) کتب الٰہیہ کا اقرار (۴) تمام رسولوں کی تصدیق (۵) قیامت یعنی روز جزا کا یقین (۶) خدا کی طرف سے نیکی و بدی کے اندازہ کرنے کا یقین جس کو مسئلہ تقدیر کہتے ہیں یعنی اس بات کو ماننا کہ خیر و شر دونوں خدا کی طرف سے ہیں (۷) مرنے کے بعد جی اٹھنے کا اقرار و یقین یہ فرع ہے اعتقاد قیامت کی (۸) جنت کا یقین (۹) دوزخ کا اعتقاد یعنی اس بات کو تسلیم کرنا کہ ان کا وجود خارج میں موجود ہے۔

ان حقائق ایمانیہ کا خواہ تفصیلی طور پر یقین و اقرار کیا جائے یا مجمل طور پر

مسلمان کو اختیار ہے ان حقائق و عقائد میں سے دو عقیدے توحید و رسالت اصولی اور اہم عقائد ہیں ان دونوں حقائق کی تصدیق و اقرار سے بالطبع اور لازمی طور پر تمام حقائق آجاتے ہیں چنانچہ ایمان کے دو رکن ہیں (۱) توحید اور (۲) رسالت۔ یہ دونوں رکن کلمہ شہادت میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور شہادتین کے کلمے یہ ہیں:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله[۱]

یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے بندے اور سچے رسول ہیں۔ ان دونوں عقائد کے سلسلے میں لازمی طور پر ان باتوں کو ماننا چاہئے کہ خدا اپنی ذات و صفات میں ایک ہے وہی سب کا خالق، مالک، رازق، اور مشکل کشا ہے، موت و حیات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی سب کا حاجت روا ہے ہر حالت میں اسی کو پکارنا چاہئے اور صرف اسی کی عبادت و پرستش کرنی چاہئے۔ عقیدۂ رسالت کے اندر یہ امور بھی شامل ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ تمام نبیوں سے افضل اور خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہ ملے گی۔

ایمان مفصل :

یہ ہے : امنت بالله و ملئکته و کتبه و رسله و الیوم الاخر و القدر خیره و شره من الله تعالیٰ ولبعث بعد الموت[۲]

یعنی : میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر، نیکی و بدی کے اندازہ کرنے پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لایا۔ یعنی دل سے ان حقائق ایمانیہ کو تسلیم کرتا ہوں۔

ان سات عقائد میں وہ تمام عقیدے داخل ہیں جو کتاب و سنت سے

---

[۱] سنن نسائی ج۱ ص۱۰۹ [۲] صحیح مسلم ج۱ ص۲۹

بالصراحت ثابت ہیں اور ان کا ماننا بھی ضروری ولازمی ہے۔

ایمان مجمل :

یہ ہے: امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ [۱]

یعنی میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنی ذات وصفات میں ہے اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے۔

اگرچہ ایمان مجمل نجات اور اسلام کے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی ہے مگر ایمان مفصل اس سے افضل واعلیٰ ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام ان عقائد کو صرف تسلیم ہی کرانے پر اکتفا نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ ان حقائق کو صرف تسلیم کرنا نجات کے لئے تو کافی ہے۔ مگر ان کا مقصود، اثر فائدہ اور کمال یہ ہے کہ ان حقائق کی شانوں کو سامنے رکھ کر ان صفات کی تقلید کی جائے یعنی صفات الٰہیہ کو اپنے اندر عملی طور پر پیدا کرنا چاہئے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کامل میں عمل بھی شریک ہے جیسا کہ ایمان مجمل سے ثابت ہوتا ہے۔ اس میں یہ عہد واقرار شامل ہے کہ میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا اس کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ میں نے احکام الٰہیہ کو زبانی طور پر قبول کیا۔ بلکہ عملی طور پر قبول کرنا بھی مراد ہے۔

سچا اور کامل مومن کون ہے؟

وہ جو اپنے تمام ظاہری وباطنی قویٰ کے ساتھ خدا کے حضور میں جھک جائے، اس کے تمام احکام پر دل وجان سے عمل کرے اور اپنی تمام زندگی کو شریعت اسلامیہ کے ماتحت کردے۔ اسلام کی حقیقت اس وقت کسی شخص میں متحقق ہوسکتی ہے۔ جبکہ ایک مسلمان کا وجود محض خدا تعالیٰ کے لئے وقف ہوجائے۔ اس کے ظاہری وباطنی قویٰ خدا کی راہ میں قانون اسلامی کے مطابق خرچ ہوں ایک مومن اور مدعی اسلام کو نہ صرف زبانی اور اعتقادی طور پر بلکہ اپنے عمل سے بھی ثابت کرنا

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹

چاہئے کہ وہ خدا کو مانتا ہے اور اس کی زندگی اسلام کی عملی تفسیر ہے۔

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

ارکان اسلام میں نماز رکن اعظم ہے :

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے (۱) اس بات کی شہادت دینی اور اقرار یقین کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) پنج وقتہ نماز پڑھنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا ان چاروں ارکان میں سے نماز رکن اعظم ہے۔ [۱]

اسلام نے عقائد کے بعد عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز کو ٹھرایا ہے اور اس کی فرضیت واہمیت کو بار بار قرآن حکیم میں بیان کیا ہے چنانچہ قرآن پاک میں نماز کی ادائیگی کی تاکید سات سو (۷۰۰) جگہ آئی ہے اسلام نے اور بھی مختلف عبادتوں کا حکم دیا ہے لیکن ان تمام عبادتوں میں سب سے افضل اور اہم عبادت نماز ہے کیونکہ اس میں عبودیت کی پوری شان بدرجہ اتم واکمل پائی جاتی ہے اور اہم وافضل عبادت وہی ہوتی ہے جس میں عبادت کی شان پائی جائے یعنی جس میں ہمارا دل، ہماری زبان، ہماری آنکھ، ہمارے کان، ہمارے ہاتھ اور پاؤں وغیرہ اعضاء جسمانی اپنے اپنے طبعی فرائض کو پورے اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ بجالائیں اور ہمارے تمام ظاہری وباطنی قویٰ شریک عبادت ہوں۔ چونکہ یہ شان عبودیت چاروں ارکان میں سے صرف نماز میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس لئے نماز رکن اعظم ہے۔

دوسری دلیل :

عبادت کا منشاء جسم ودل کی صفائی اور خدا تعالیٰ کی قرب حضوری ہے اور اس منشاء کو نماز ہی بدرجہ احسن واکمل پورا کرتی ہے اس سے قلبی تسکین اور روحانی تقویت تو حاصل ہوتی ہے علاوہ ازیں اس سے صفائی قلب، روح کی روشنی اور

[۱] صحیح بخاری ج ۱ ص ۶

حواس کی یکسوئی بھی حاصل ہوتی ہے اس کے سامنے عبادت کے تمام طریقے ہیچ ہیں ۔نماز کا کوئی حصہ اور کوئی رکن دینی و دنیوی و روحانی منافع سے خالی نہیں چنانچہ پاکیزگی اخلاق ،صفائی قلب ،روشنی روح ،تعمیل حکم الٰہی ،درستگی افعال، خلوص و نیک نیتی ،پابندی اوقات ،صحت جسمانی ،اطاعت امیر اور قومی زندگی وغیرہ تمام مادی و روحانی منافع نماز کے اندر مضمر ہیں ۔نماز میں ایک مسلمان خالص توحیدی رنگ میں اپنے معبود حقیقی کی پرستش کرتا ہے اور فرائض عبدیت بجا لاتا ہے۔ وہ اس کی عبادت میں محو ہو جاتا ہے اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر اس کی حمد وثنا اور عرض و معروض بھی کرتا ہے۔ جھکتا بھی ہے ،جبہ سائی بھی کرتا ہے ،ادب وتہذیب سے اس کے سامنے بیٹھ بھی جاتا ہے ۔الغرض عبادت و حضوری اور عجز ونیاز کی کونسی ایسی صورت ہے جو نماز میں نہیں پائی جاتی ۔

دیکھئے اظہار وتذلل اور عبادت کی صرف چار ہی صورتیں ہیں (۱) ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا (۲) گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر جھک جانا (۳) سجدہ میں سر رکھ دینا (۴) اور دوزانو بیٹھنا اور یہی چار صورتیں نماز کے ارکان ہیں ۔[1]

تیسری دلیل نماز کو اولیت کا درجہ حاصل ہے :

نماز کے رکن اعظم ہونے کے دلائل میں سے تیسری دلیل یہ ہے کہ اسلامی عباتوں می نماز کو اولیت کا درجہ حاصل ہے چنانچہ نماز شب معراج میں فرض ہوئی تھی اور معراج کی نسبت طبری کا قول ہے کہ ابتدائے وحی یعنی نبوت کے پہلے سال ہوا اور جب ہی سے نماز فرض ہوئی ۔نماز کے بعد مالی عبادات میں زکوٰۃ کو اہمیت حاصل ہے زکوٰۃ مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی رمضان کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے اور حج اس کے بعد۔ الغرض عبادات اسلامیہ میں نماز کو اولیت کا درجہ حاصل ہے چنانچہ ردالمختار کے حاشیہ پر ہے:

ھی فرض عین علی کل مکلف بالا جماع فرضت فی الاسراء[2]

[1] صحیح مسلم ج ۱ص ۱۶۹ [2] بخاری شریف ج ۱ص ۵۱

یعنی نماز ہر مکلف پر فرض عین ہے بالا جماع اور یہ فرض ہوئی ہے شب معراج میں ۔

چوتھی دلیل نماز کے حقائق ثلاثہ :

نماز تین حقائق کا مجموعہ ہے۔ حقیقت قرآنی یا حقیقت کعبہ اور حقیقت صلوٰۃ یعنی تلاوت قرآن یا جہت کعبہ اور نماز کے ظاہری و باطنی اعمال وارکان نماز کہ یہ تینوں اجزاء اپنی اپنی جگہ اہم ہیں تلاوت قرآن کہ متعلق رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

من ارادان یحدث ربه فلیقرأ القران

جو کوئی اپنے رب سے بات کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ قرآن پڑھے گویا تلاوت قرآن خدائے قدوس کیساتھ ہم کلام ہونا ہے۔ تلاوت قرآن بجائے خود ایک اعلیٰ اور افضل عبادت ہے مگر جو تلاوت نماز میں ہو وہ تو نور علیٰ نور ہے اس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز کی حالت میں تلاوت قرآن زیادہ بہتر ہے بہ نسبت خارج نماز کے پھر نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت ضروری ہے اور سورہ فاتحہ مفتاح قرآن اور اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے گویا ایک نمازی اپنی نمازوں میں دن رات میں ۴۴ مرتبہ تمام قرآن کی تلاوت کرنا اور اسلامی تعلیمات پر عبور حاصل کرتا ہے۔

حقیقت کعبہ کی شرف وفضیلت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ کعبۃ اللہ خدا کا گھر اور عاشقان الٰہی کا مرکز عشق ہے ۔ باقی رہی حقیقت صلوٰۃ اس کے متعلق حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اقرب مایکون العبد من الرب افی الصلوۃ

یعنی بندہ کو اپنے رب کا سب سے زیادہ تقرب نماز کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔

ایک دوسرے حدیث میں آیا ہے کہ نماز کی حالت میں خدا اور بندہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا یعنی مصلی کی چشم بصیرت محبوب حقیقی کے جمال جہاں

آرا کو بے حجاب مشاہدہ کرتی ہے۔

پانچویں دلیل نماز حج اکبر ہے :

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اپنے مومن بندوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہی کہ وہ اپنے محبوب حقیقی و دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ عزیز و محبوب رکھتے ہیں یعنی خدا کا عشق و محبت ان کی پہچان و علامت ہے ویسے بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے اسلامی عبادات کا منشاء یہ ہے کہ عبد و معبود کا تعلق استوار ہو جائے اور عشق الٰہی کا جذبہ سینوں میں موجزن ہو جائے سب جانتے ہیں کہ عاشق صادق کے لئے تین چیزیں اظہار عشق اور جوش فدا کاری میں مدد و معاون ہوتی ہیں جو عاشقان الٰہی کو مست و بیخود بنا دیتی ہیں اول معشوق کا بے پردہ دیدار ہونا۔ دوسرے محبوب سے ہم کلام ہونے کا موقع میسر آنا اور تیسرے محبوب کا توجہ خصوصی اور قرب حضوری سے سرفراز کرنا۔ یہی تین چیزیں نمازی کو نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہیں۔ گویا نماز عشق حقیقی کے جذبات برانگیختہ کرنے، حسن حقیقی کی بہار لوٹنے، شاہد مقصود سے ہمکنار ہونے اور دینی و دنیوی فوز و فلاح حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پھر رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ یعنی مراتب قرب و شہود نماز کی حالت میں درجہ اتم و اکمل حاصل ہوتے ہیں اور گویا نمازی مادی دنیا سے عروج کر کے نشاۃ آخروی میں پہونچ جاتا ہے اور اس طرح اس کو دن میں پانچ مرتبہ معراج ہوتی ہے۔

تو چونکہ عبادت صلوٰۃ کا طریقہ جامع کمالات صوری و معنوی ہے اس میں شان عبودیت باقی عبادتوں سے زیادہ پائی جاتی ہے اور اس میں مراتب قرب و حضور بدرجہ اتم و اکمل حاصل ہوتے ہیں اس لئے اسلام کے چاروں ارکان میں نماز رکن اعظم ہے جس کی تائید قرآن و حدیث، اقوال صحابہ، و ائمہ مجتہدین اور عقل و فطرت سے بھی ہوتی ہے۔

نماز کی ادائیگی سے چاروں رکن کی ادائیگی ہو جاتی ہے :

جاننا چاہئے کہ نماز اصل جمیع عبادات بدنی ہے اس لئے کہ وہ طہارت،

استقبال قبلہ، ذکر و تسبیح تہلیل و شہادتیں اور درود دعا پر مشتمل ہے اور یہی اصول عبادات زمان ہیں، وہ عبادت صوم کی حقیقت بھی اپنے اندر رکھتی ہے اس طرح کہ صوم سے مراد ہے خواہشات نفسانی کو روک لینا اور یہ بات بہ نسبت صوم نماز میں زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ نماز کی روح یہ ہے کہ قلب و روح اور تمام اعضاء کو مشتبہات سے روک کر خدا کی طرف متوجہ کر دیا جائے اگر سچ پوچھو تو عبادت صوم میں یہ معنی متحقق نہیں ہوئے اور نماز میں کسی نہ کسی حد تک ضرور متحقق ہو جاتے ہیں۔ نیز زکوٰۃ کے .... میں بھی مشتمل ہے کیونکہ برائے ستر عورت و تحصیل آلات طہارت مال کا خرچ کرنا اس میں واجب ہے پھر نماز کے وقت کو اپنے منافع سے خالی رکھنا ایسا ہے جیسے مال کو مصارف الٰہی میں خرچ کرنا اسی طرح نماز حج کے معنوں میں بھی مشتمل ہے۔ کیونکہ اس میں ارکان حج کی شان نمایاں ہے۔ چنانچہ تکبیر تحریمہ بجائے احرام۔ استقبال قبلہ بجائے طواف قیام بجائے وقوف عرفات اور رکوع و سجود و دیگر حرکات و سکنات مثل سعی درمیان صفا و مروہ کے ہیں الغرض چونکہ نماز ایک ایسی جامع عبادت ہے جو اپنے اندر چاروں ارکان کی کسی نہ کسی حد تک ظاہری و باطنی شان رکھتی ہے اس لئے کہا جا سکتا کہ نماز کی ادائیگی سے چاروں رکن کی ادائیگی ہو جاتی اور ایک نمازی اس مہتم بالشان عبادت کے ذریعہ روزہ اور حج و زکوٰۃ کا بھی ثواب حاصل کر لیتا ہے۔

نماز کی مشروعیت شب معراج :

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوسفیان بن حرب نے ہرقل کی حدیث بیان کی کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز، صدقہ اور پرہیزگاری کا حکم دیا۔[1]

حضرت انس بن مالکؓ ابوذرؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت پھٹ گئی اور میں مکہ میں تھا، پھر جبرئیل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اسے زم زم کے پانی دھویا پھر ایک سونے کا طشت حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا لائے اور اسے میرے

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۵۰ "کتاب الصلوٰۃ" باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

سینہ میں ڈال دیا۔ پھر سینہ کو بند کر دیا۔ بعد اس کے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان
پر لے گئے۔ جب میں پہلے آسمان پر پہونچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان اول
کے داروغہ سے کہا کہ دروازہ کھول دے۔ اس نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے
کہا میں جبرئیل ہوں اور میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ پھر داروغہ نے پوچھا کہ کیا وہ
بلائے گئے ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ پس اس نے دروازہ
کھول دیا، یکایک ہم آسمان دنیا پر پہونچے وہاں ایسا شخص بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی
داہنی طرف اور بائیں طرف لوگ بیٹھے تھے، انہوں نے کہا اے نبی صالح
مرحبا۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان
کے داہنے و بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے بہشتی ہیں اور
بائیں طرف والے دوزخی۔ جب ہو اپنی داہنی طرف نظر کرتے ہیں تو ہنستے ہیں
اور بائیں طرف نظر کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں اسی طرح تمام آسمانوں کے
واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ۱

انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری
امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں اور آپ بسواری براق واپس ہوئے اور
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت
کیا کہ آپ پر اور آپ کی امت پر کون سے عبادت فرض ہوئی؟ حضور ﷺ نے
فرمایا کہ دن و رات میں پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ اس پر حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پچاس وقت کی نماز آپ کی امت ادا نہ کر سکے گی۔ خدا
کی قسم میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے اور بنی اسرائیل سے میرا سابقہ
پڑا ہے اس لئے آپ اپنے پروردگار کے پاس واپس جا کر اپنی امت کے واسطے
تخفیف عبادت کی درخواست کیجئے۔ حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا اور دس وقت کی
نمازیں معاف ہو گئیں اور واپسی میں دوبارہ موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف کرانے
کے لئے واپس بھیجا۔ اسی طرح حضور ﷺ کئی مرتبہ تخفیف کرانے کے لئے جناب
الٰہی میں پہونچے حتیٰ کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں باقی رہ گئیں اس پر بھی

۱ بخاری شریف ج ص ۵۰ کتاب الصلوٰۃ "باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسرار"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی کہا کہ آپ کی امت روزانہ پانچ وقت نماز بھی
ادا نہ کر سکے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے بار بار جاتے اور تخفیف کراتے
شرم آتی ہے اب میں اپنے رب کے حکم پر راضی ہوں اور اس کو تسلیم کرتا ہوں اس
کے بعد آپ ﷺ وہاں سے رخصت ہو کر چلے تو بحکم خدا کسی پکارنے والے نے
خدا کی طرف سے پکار کر کہا کہ ہم نے اپنا فرض اپنے بندوں پر جاری کیا اور اپنے
بندوں سے نماز میں تخفیف کی لیکن ہر ایک وقت کی نماز کا ثواب بموجب قول من
جآء بالحسنة فله عشر امثالها کے دس وقت کی نماز کے برابر اللہ پاک
نے مقرر فرما دیا اس طرح پچاس وقت کی نماز کا ثواب پانچ وقت کی نماز میں ہو
گیا۔ ۱ چونکہ نماز شب معراج میں فرض ہوئی ہے جو خدا تعالیٰ اور اس کے حبیب
ﷺ کے درمیان ایک رسم نیاز تھی اس لئے حکیم الشعراء حضرت امجد حیدر آبادی
نے کیا خوب کہا ہے۔

فرزندانِ توحید کی معراج

دلبر کے لئے ادائے نماز اچھی ہے
عاشق کے لئے رسم نیاز اچھی ہے
موقعہ ہے یہی تو اک قدم لینے کا
ہر ایک عبادت سے نماز اچھی ہے

تخلیق کا راز عبدیت میں ڈھونڈو
ناز اپنا نیاز کی صفت میں ڈھونڈو

اسرار عبودیت کا مظہر ہے نماز
آئینہ اسلام کا جوہر ہے نماز
اسلام ہے گر لفظ تو معنی ہے نماز
ہاں قربت مولا کا وسیلہ ہے نماز

یہ محض شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ نماز فرزندانِ توحید کی معراج

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱، منیۃ الطالبین ج ۲ ص ۲۲۷ زاد المعاد ج ۲ ص ۴۷-۴۸

ہے اور عروج وارتقاء کی پہلی منزل ہے۔ فرزندانِ توحید کو غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دو مرتبہ معراج ہوئی تھی[1] لیکن آپ کے طفیل و تصدق سے آپ کی امت کے نمازی دن میں پانچ مرتبہ معراج حاصل کرتے اور پچاس وقت کی نماز کا ثواب پاتے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی مسلمان اس عبادت کی پابندی نہ کرے تو وہ بہت بڑا نادان اور بدقسمت ہے۔

اب نماز کے ظاہری ارکان وافعال کی فضیلت وحکمت ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ اسلام نے نماز کے اندر کیسے کیسے مادی وروحانی منافع رکھے ہیں۔ ہم نماز کے فضائل مصالح عقلیہ ونقلیہ اور اس کے متعلقات کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

نماز کے متعلقات

اذان :

اذان کیا ہے؟ لوگوں کو عبادت الٰہی اور فرائض عبدیت بجا لانے کیلئے بلانے کا ایک طریقہ تمام مذاہب نے اپنے پیروؤں کو اپنے معبود کی عبادت و پرستش کے لئے بلانے اور جمع کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ رکھا ہے۔ مگر اس سلسلے میں دو ناقوس اور گھنٹہ وغیرہ بجانے سے زیادہ بہتر طریقہ وضع نہ کر سکے۔ ناقوس اور گھنٹہ کی لغویت اور غیر افادی حیثیت ہر شخص بادنیٰ تامل معلوم کر سکتا ہے۔ پس ہم دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ اسلام نے جو طریقہ عبادت و پرستش کے لئے جمع کرنے کا مقرر کیا ہے وہی روحانیت خیز، معقول اور بہتر ومناسب ہے۔ اسلام کا کس قدر کمال اور روح پروری ہے کہ اس نے اس منادی کو بھی بجائے خود ایک عبادت بنا دیا ہے اور اس کے وہ پیارے دلکش، سماعت نواز اور محبوب ترنم الفاظ مقرر کیے ہیں کہ اس کے ایک لفظ کا مقابلہ دنیا کے تمام مذاہب نہیں کر سکتے۔

اصلی نماز شروع ہونے اور فرزندانِ توحید کو سرِ نیاز جھکانے سے پہلے ایک

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۴۸

اللہ کا منادی جس کو موذن کہتے ہیں مسجد کے کسی بلند مقام پر کھڑا ہو کر نہایت بلند آواز سے کہتا ہے اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ وہ دو مرتبہ اس کی تکرار کرتا ہے اور خالق کون ومکان شہنشاہ ارض وسماء اور سلطان دو جہاں کی عظمت وکبریائی کی شہادت دیتا ہے جس کی عبادت کے لئے وہ لوگوں کو بلا رہا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے اشھدان لا الہ الا اللہ کی تکرار سے بتاکید اعلان کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے جس کے سامنے انسان کو سرافگندہ ہونا پڑے وہ خدائے واحد و یکتا جس کے سامنے ہم سب کو سرِ عبودیت جھکانا ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک و سہیم اور ہمسر نہیں اور اس کی کوئی نظیر ومثال نہیں۔ وہ تمام صفات حسنہ سے متصف اور ہر طرح کی خیر وبرکت کا مظہر ومصدر ہے اور سب کا خالق ومعبود ہے پھر دو مرتبہ کہتا ہے اشھدان محمدا رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ یعنی میں اپنے ہادئ صادق اور روحانی دنیا کے پیشوائے اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں جن کی ہدایت ورہنمائی سے ہم سب کو راہ ہدایت ملی اور بھٹکی ہوئی انسانیت آباد ہوئی۔

یہاں تک موذن خدا تعالیٰ کی حمد وثناء اس کی عظمت وکبریائی اور اس کی تحمید وتقدیس اور اس کے رسول کی تعریف وتوصیف بلند آواز سے بیان کرتا اور فضائے آسمانی میں توحید ورسالت کی منادی کرتا ہے۔ کیونکہ یہی منادی اسلام کا مشن، عباداتِ اسلامیہ کا عنوان اور ہدایت وسعادت کا آغاز ہے۔

اس کے بعد وہ داہنے بائیں متوجہ ہو کر فرزندانِ توحید کو صدائے عام دیتا ہے۔ حیّ علی الصلوٰۃ لوگو! نماز کی طرف آؤ۔ جس خدائے قدوس کی میں نے حمد وثنا بیان کی ہے، اس کے سامنے اپنا اپنا سرِ عبودیت جھکاؤ تا کہ وہ تمہیں دین ودنیا میں سربلند اور کامران کرے اس کارِ خیر اور اس فرضِ عبدیت کی مزید ترغیب وتحریص دلانے اور روحانی جذبات کو ابھارنے کے لئے کہتا ہے حیّ علی الفلاح اللہ والو! اپنی بہتری اور فلاح کی طرف آؤ یعنی یہ نماز جس کی طرف میں ان کو بلا رہا ہوں وہ انہی کی فلاح و بہبود کا باعث ہے، اس میں خود

انہی کا بھلا ہے اس لئے نماز کی ادائیگی میں مسلمانوں کو غفلت و تساہل نہ کرنا چاہئے۔عبد و معبود کا تعلق اور خالق ومخلوق کے باہمی راز و نیاز اس قابل نہیں کہ ان کو ایک منٹ کے لئے بھی فراموش کیا جائے۔ جو شخص اپنے فرض عبدیت سے غافل رہا وہ روحانی موت مرا۔

آخر میں پھر اللہ اکبر . اللہ اکبر . لا الہ الا اللہ کہہ کر اپنے خالق حقیقی اور حاکم تحقیقی کی وحدت و کبریائی کا اعلان کرتا ہے اور اس بلند جگہ سے اتر آتا ہے اور اس دعوت ومنادی سے فارغ ہو کر یوں دعا کرتا ہے:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التآمۃ و الصلوۃ القآئمۃ ات محمد ن الوسیلۃ و الفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودن الذی وعدتہ وارزقنا شفاعتہ یوم القیمۃ انک لا تخلف المیعاد[1]

ترجمہ: اے اللہ! مالک اس کامل بلانے اور نماز قائم ہونے کے محمد ﷺ کو وسیلہ اور مرتبہ دے اور بلند درجہ اور کھڑا کر اس کو مقام محمود میں جس کا تو نے وعدہ کیا اور ہمیں شفاعت نصیب کر اس کی قیامت کے دن تحقیق تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

انصاف شرط ہے کہ کیا اس سے بہتر بھی کسی مذہب میں عبادت میں بلانے کا طریقہ اذان کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں دنیا کا کوئی مذہب بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا:

اذان کی ایک مادی حکمت :

اذان کا روحانی فائدہ اور اس کی روح پرور حکمت کا تم نے کسی قدر اندازہ کر لیا اب اس کا ایک مادی پہلو بھی دیکھ لیجئے۔اس دعوت ومنادی میں لوگوں کو اس بات کا اشتہار دیا جاتا ہے کہ لوگو! اپنی بہتری و فلاح کی طرف آؤ یعنی عبادت کرنا معبود کو نہیں بلکہ عابد ہی کو نفع پہونچاتا ہے اور اس سے ساجد ہی مستفید ہوتا ہے۔

۱ صحیح بخاری ج۱ ص ۸۶، بیہقی ج ۱ ص ۴۱۰

وہ بہتری اور فلاح کیا ہے؟ جس سے استفادہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ یہ منافع تو بیشمار ہیں۔ہم یہاں صرف ایک مادی نفع کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اس دعوت ومنادی میں اعلاء کلمۃ الحق، طاعت وعبادت اور قومی نظم و اتحاد کے مقصد عظیم کے لئے لوگوں کو اپنا سب کام چھوڑ کر جمع ہو جانے کی عادت ڈالی جاتی ہے، ان کو اس بات کا عادی بنایا جاتا ہے کہ وہ ہر مذہبی اور قومی آواز پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہا کریں۔ چنانچہ اذان کے متعلق ان کو باری تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے:

یا یھا الذین امنو ا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعو االی ذکر اللہ وذرو البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون[1]

اے مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کے ذکر کیلئے لپکو اور بیچنا چھوڑ دو۔تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔

کون نہیں جانتا کہ ہماری فلاح و بہتری اس میں ہے کہ ہم اپنے تھوڑے سے ذاتی ومادی فائدہ کو اجتماعی و روحانی فائدہ پر قربان کرنا دعوت قومی پر لبیک کہنا سیکھیں۔قومی و مذہبی مقصد پر اپنا سب کچھ قربان کر دیں اور حق وحریت کی راہ میں جانی ومالی قربانی کا ثبوت دیں۔دنیا میں وہی قوم زندہ کہی جا سکتی ہے جو ہر معاملہ میں ذاتی فائدے پر قومی فائدہ کو ترجیح دے اور مذہبی احکام کی بجا آوری میں سرگرم عمل رہے اور مردہ قوم وہی ہے جو مذہبی اور قومی مفاد کی پرواہ نہ کرے۔الغرض مسلمان چونکہ اللہ کے سپاہی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، وہ دنیا میں آئے ہی اس لئے ہیں کہ خدا کی حکومت وبادشاہی قائم کر دیں۔اس لئے اذان گویا ان کے لئے ''بگل'' کے قائم مقام ہے۔دن کی پنچ وقتہ اذان مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ وہ اپنا دنیاوی کاروبار چھوڑ کر ایک مقررہ مقام پر جمع ہو جائیں اور

۱ پ ۲۸ رکوع ۲

اپنے خالق ومعبود کے سامنے سرنیاز جھکائیں:

تکبیر

جب اذان کے بعد مسجد میں لوگ جمع ہوجاتے ہیں اور سنتوں سے فارغ ہو لیتے ہیں تو نماز جماعت شروع کرنے سے پہلے تکبیر کہی جاتی ہے۔ اذان اس لئے ہوتی ہے کہ باہر اور آس پاس کے تمام لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں اور تکبیر اس لئے کہی جاتی ہے کہ جس غرض سے وہ جمع ہوئے ہیں اس خاص کام کی طرف متوجہ ہوجائیں اور دربار خداوندی میں بخلوص قلب حاضری دیں۔ تکبیر کے ہوتے ہی لوگ صف باندھ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تکبیر کے الفاظ وہی ہوتے ہیں جو اذان کے ہیں اس میں صرف یہ الفاظ زائد ہوتے ہیں قد قامت الصلوٰۃ (یعنی لوگو! نماز قائم ہوگئی ہے۔ یہ قرآنی الفاظ کی تعمیل ہے۔ قرآن پاک میں بار بار کہا گیا ہے کہ :-

اقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرو۔ گویا مکبر کہتا ہے کہ مسلمانو! اس حکم خداوندی کی تعمیل کا وقت آگیا ہے۔ وارکعوا مع الراکعین ۔ جھکو جھکنے والوں کے ساتھ۔

صفوں کی درستگی وترتیب :

صفوں کی درستگی اور ترتیب کے لئے رسول اللہ ﷺ نے سختی سے احکام دیے ہیں اور مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ صفوں کو سیدھا رکھیں، بلکر کھڑے ہوں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

یمسح منا کبنا فی الصلوٰۃ یقول استووا ولا تختلفوا فیختلف قلوبکم لیلینی منکم اولو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم [۲]

ترجمہ : جماعت کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ کندھوں پر

[۱] سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۳، ابوداؤد ج ۱ ص ۸۹، ابن ماجہ ص ۵۲، سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۷ [۲] مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۱، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۸

ہاتھ پھیرتے اور فرماتے کہ سیدھے ہوجاؤ اور آگے پیچھے نہ رہو تا کہ تمہارے دلوں کا اختلاف جاتا رہے، میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو بہت عقلمند اور سمجھدار ہیں۔ پھر وہ جوان سے قریب ہوں اور پھر وہ جوان سے قریب ہوں۔

ایک اور حدیث اس باب میں آئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے بندو! صفیں سیدھی اور برابر کیا کرو ورنہ خدا تمہارے دلوں میں اختلاف ڈالدے گا۔ اس سے زیادہ صفوں کی درستی وترتیب کی اور کیا تاکید ہوگی؟ صفوں کی درستی وترتیب پر جو حضور ﷺ نے اتنا زور دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے آپ مسلمانوں کو قواعد داں فوج بنانا چاہتے ہیں تاکہ ان اللہ والوں کا ظاہری اور باطنی اختلال واختلاف دور ہوکر پوری یکجہتی ویک رنگی حاصل ہو جائے اور دیکھنے والوں پر اس یک رنگی نظم وضبط للہی کی ہیبت طاری ہوجائے۔

حقیقت یہ ہے سپاہیانہ اسپرٹ زندگی کا جوہر ہے، جس کے فنا ہونے کے بعد مسلمان خاک کے ذروں اور جھاڑو کے تنکوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان صحیح معنوں میں مجاہد اور سپاہی بن جائیں۔ ان کی ہر بات میں یکجہتی ہو اور ان میں پورا پورا نظم وانضباط ہو۔ اس جوہر کی وہ اپنی ہر عبادت میں رعایت رکھتا ہے۔ تکبیر اور صفوں کی درستی ہمیں سبق دیتی ہے کہ ہم مذہبی اور قومی ضرورتوں اور اسلام کے تحفظ واشاعت کے وقت حکم ملتے ہی ایک آواز پر سب کے سب ایک تربیت یافتہ فوج کی طرح صف بستہ ہوجایا کریں اور دینی مقصد کے حصول کے لئے سیسہ کی دیواریں بن جایا کریں۔

امامت وجماعت

امامت اور اطاعت امیر :

اسلام کی فطرت نظام اجتماع ہے۔ یعنی اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان ایک جسم اور جان بن کر رہیں اور نظم واتحاد کا لازمی نتیجہ قوت وغلبہ ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو

دنیا میں غالب وحکمراں بنا کر رکھنا چاہتا ہے اس لئے نہیں کہ مسلمان اپنے غلبہ و استیلاء سے دنیا کی کمزور قوموں کے حقوق پر ڈاکے ڈالیں، ان کی جائیداد و املاک پر قبضہ کرلیں، ان کو اپنا غلام ومحکوم بنائیں اور ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے خزانوں میں بھرلیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ دنیا میں سچائی وحقیقت کے گواہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس کے اعلان واظہار کے لئے اسلام مسلمانوں کو مضبوط و بے باک بنانا چاہتا ہے اور مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ دنیا میں سچائی و حقیقت کا اعلان کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ مسلمانوں کا قوت وغلبہ چاہتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

الذین ان مکنھم فی الارض اقامو الصلوٰۃ [1] یعنی اگر ہم ان کو زمین پر حکمران کردیں تو اقامت صلوۃ کریں۔

گویا اسلام اپنی حکومت وخلافت اور مسلمانوں کا قوت وغلبہ فخر ومباہات کے لئے کمزوروں اور بے کسوں کے حقوق غصب کرنے، کسی پر ظلم وستم توڑنے اور کسی کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے نہیں بلکہ دنیا سے ظلم وستم اور فسق وفجور دور کرنے کیلئے چاہتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ بقائے قوم کا راز اجتماع واتحاد میں مضمر ہے۔ یہی چیز قوموں کی ترقی و کامیابی کا باعث ہے۔ اسلام نے اس چیز کو عقائد میں "توحید" سے عبادت میں "نماز باجماعت" سے معاشرت میں "کھانے پینے کے آداب سے مضبوط اور مستحکم کرنا چاہا ہے وہ کہتا ہے تمہاری بقاء نظام اجتماع ہے۔ سب متحد اور متفق ہوکر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو۔

اسلام نے عبادات میں بھی اجتماعیت کو پیدا کرنا چاہا ہے اور وہ مسلمانوں کے ہر معاملہ میں اتحاد عمل چاہتا ہے۔ وہ اجتماعی زندگی کو حیات اور انفرادی زندگی کو موت بتلاتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قوم میں اجتماعی زندگی نہ ہو وہ قوم مردوں سے بھی بدتر ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو یہاں تک حکم دیا گیا ہے کہ اگر تین آدمی بھی ساتھ سفر کررہے ہوں تو انہیں چاہئے کہ اپنے میں سے ایک کو اپنا

[1] سورۃ الحج : ۴۱

امیر قافلہ بنالیں اور باقی دو اسے اپنا سردار سمجھ کر اس کی اطاعت کریں۔ یعنی اسلام کو یہ بھی گوارا نہیں کہ صرف تین مسلمان حالت سفر میں بھی بغیر امام رہیں۔ مگر وائے برحال ما کہ ہم احکام اسلامی سے اس قدر بے بہرہ اور روگرداں ہیں کہ آج ساری دنیا کے مسلمان بغیر امام کے زندگی بسر کررہے ہیں اور وہ اگرچہ نمازیں پڑھتے اور دن رات ایک امام کی متابعت کرتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ ہمیں امامت سے کیا سبق ملتا ہے؟

امامت کیا ہے؟

یہ کہ اپنے میں سے ایک بہترین اور قابل آدمی کو منتخب کرکے اپنا مذہبی پیشوا بنالیا جائے اور پھر سچے دل سے اس کی پیروی وتقلید کی جائے یہ مذہبی وقومی زندگی کی روح ہے۔ حالت نماز میں امام کے احکام وحرکات کی پابندی و پیروی سے درحقیقت مسلمانوں کو اتحاد عمل، اتحاد خیال اور اطاعت امیر کا عادی بنایا جاتا ہے۔ امام گویا اس اللہ والی جماعت کا کمان افسر ہوتا ہے اور یہ امارت وامامت مسلمانوں کی ترقی وکامیابی کی بنیادی اینٹ ہے۔

چونکہ امام مسلمانوں کا سردار وپیشوا ہوتا ہے اس لئے امام کے انتخاب وتقرر کے لئے یہ شرائط قرار دی گئی ہیں کہ وہ سب سے بہتر صحیح طور پر قرآن پڑھنے والا، دینی معاملات ومسائل کو سب سے زیادہ سمجھنے اور جاننے والا شریف النسب اور زاہد ومتقی ہو۔ اسلام کہتا ہے کہ امامت کے لئے بہترین شخص کا انتخاب ہو اور پھر سچے دل سے اور پورے طور پر اس کے احکام کی تعمیل کی جائے اور جماعتی زندگی کی کامیابی وترقی کا راز اسی انتخاب امیر اور اتحاد عمل میں پوشیدہ ہے۔

اسلام تو چاہتا ہے کہ مسلمان نمازی جماعت کے لئے بہترین شخص کا انتخاب کریں مگر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ مذکورہ بالا شرائط کی سرے سے پابندی ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں کی مسجدوں میں ساری دنیا کے اپاہج، عہدی، جاہل اور کندۂ ناتراش بھرے پڑے ہیں۔ جو نہ دین کو جانتے ہیں اور نہ دنیا کو

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

یہی تو وجہ ہے کہ ہماری نمازیں بے جان و بے اثر اور ہماری مساجد ہدایت و رہبری سے محروم ہیں۔

اطاعت امیر اور مسلمانوں کا عروج وزوال :

دنیا آج تک حیران و ششدر ہے اور اس چیز کو اسلام کا ایک محیر العقول کارنامہ و معجزہ سمجھ رہی ہے کہ اسلام نے عرب جیسی وحشی اور بکھری ہوئی قوم کو ایک اقل قلیل مدت میں خاک سے اٹھا کر افلاک پر پہنچا دیا اور اونٹوں کی نکیل کی جگہ زمام سلطنت ان کے ہاتھ میں دیدی۔ غیروں نے تو خیر اس پر حیران ہونا ہی تھا کہ وہ اسلام کی فطرت و تاثیر کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ مگر ہمیں حیرت تو مسلمانوں پر ہے کہ انہوں نے آج تک اس بات کا کھوج نہیں لگایا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ مسلمان کچھ سے کچھ بن گئے اور عرب کی خاک، نشین قوم کو صاحب تخت و نگین کس چیز نے بنایا؟

مسلمانوں کو بگوش ہوش سن لینا چاہئے کہ عہد اول کے مسلمانوں کی ترقی کا راز صرف دو باتوں میں مضمر تھا ان میں صرف دو وصف تھے۔ ایک تو رسول اللہ ﷺ سے محبت و شیفتگی۔ دوسرے نظم واتحاد اور اطاعت امیر۔ اگر ان میں یہ دو باتیں نہ ہوتیں تو وہ عرب سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھتے۔ آج ہم کیوں ذلیل و پسماندہ اور غلام و محکوم ہیں؟ اس لئے کہ ہم میں یہ دو باتیں نہیں۔ حالانکہ یہی سبق ہمیں پنج وقتہ نماز با جماعت سے ملتا ہے۔

جب حضرت ابوسفیانؓ نے کفر کی حالت میں مسلمانوں کو با جماعت نماز پڑھتے اور ایک امام کی حرکت پر متحرک ہوتے ہوئے دیکھا تھا تو بے اختیار بول اٹھے تھے۔ خدا کی قسم یہ قوم دنیا میں کچھ کر کے رہے گی، ان کی نگاہ حقیقت بین نے دیکھ لیا تھا کہ جس قوم کو آج اس طرح مذہبی عبادت کے ضمن میں یوں نظم و اتحاد، محبت و یکجہتی اور اطاعت امیر کا سبق دیا جا رہا ہے وہ اپنی قوت وغلبہ سے ایک نہ ایک دن ضرور شیاطین کے تخت اوندھے اور قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا تہ

بالا کر دے گی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انہی مقدس نمازیوں نے مسجدوں سے نکل کر ساری دنیا پر قبضہ کر لیا، کونہ کونہ میں پیغام پہونچا دیا۔ اور دنیا میں خدا کی حکومت قائم کر دی۔

جماعت کی تاکید :

سپاہیانہ قوائد کی مشق اور ایک افسر کے حکم پر بیک وقت سینکڑوں آدمیوں کی اپنے جسم کو یکساں طور پر حرکت دینے کی عادت قومی اور جماعتی زندگی کے لئے بے حد ضروری چیزیں ہیں۔ اگر چہ عبادت الٰہی سے مقصود ذکر الٰہی، قلبی تسکین اور روحانی تقویت ہے۔ لیکن جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید سے مقصود ایک حد تک سپاہیانہ قواعد اور قومی زندگی بھی ہے۔ قومی زندگی کی اہمیت اور سپاہیانہ قواعد کی مشق ایک مسلمان کو عبادت الٰہی کے ضمن میں روزانہ پانچ مرتبہ ہو جاتی ہے ورنہ نماز تو ہم اپنے گھر یا ہر کہیں یکہ و تنہا پڑھ سکتے ہیں لیکن ہمیں جو مسجد میں جا کر نماز با جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے اندر جماعتی احساس اور اخوت اسلامیہ کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ اور ہم منظم و متحد ہو کر رہیں۔ دیکھئے اسلام نے جماعت کی کس قدر تاکید کی ہے۔ پہلا حکم تو یہ ہی ہے:

وار کعوا مع الراکعین۔[1]

یعنی رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

بخاری شریف میں ہے کہ:

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة[2]

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ثواب میں ستائیس درجے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

[1] البقرۃ: ۴۳ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۹، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۱ ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۰

بخاری شریف ہی کی ایک اور حدیث ہے۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو نماز کا حکم دوں اور نماز کے لیے اذان کہی جائے۔ پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوئے اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔[1]

غور کیجئے کہ حضور ﷺ نے جماعت بندی کی اس قدر تاکید کی ہے کہ آپ جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کے گھروں میں آگ لگا دینے کو پسند فرماتے تھے۔ یہ اسلام کی قوت واتحاد اور اجتماعیت کی کتنی زبردست دلیل ہے۔ یہ اخوت واتحاد نماز باجماعت کی خصوصیات میں سے ہے۔ جس کو روحانی اثر نے اس قدر قوی اور موثر کیا ہے کہ نصف صدی ہی میں اس شیرازہ بندی اور اخوت واتحاد نے اسلام کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔

اتحاد واجتماع کا سب سے بڑا فائدہ :

یہ نہ سمجھئے کہ نماز باجماعت سے مقصود محض اخوت واتحاد ہے بلکہ اس کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ بھی مدنظر ہے کہ اس طرح نمازی مسجد میں بالکل یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ یادِ خدا میں مشغول ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ مسجد میں تمام لوگ جمع ہو کر الگ الگ اپنی اپنی نمازیں پڑھیں تو کبھی وہ یکسوئی ودلجمعی حاصل نہیں ہو سکتی جو جماعت کی حالت میں ہوتی ہے۔ خموشی اور اطمینان گھر میں بھی میسر آ سکتا ہے لیکن جو سکون واطمینان مسجد میں حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور حاصل ہونا ناممکن ہے کیونکہ مسجد میں یہ مرکز خیال ہوتا ہے کہ یہ خدا کا گھر ہے۔

نظام عالم پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں ہر چیز اور ہر فعل کا وجود بغیر توسط واعتدال کے نہیں ہو سکتا۔ اشیاءِ عالم میں اگر اعتدال

[1] رواہ مسلم وابوداؤد وابن ماجہ والترمذی کذا فی الترغیب

وتوسط نہ ہو تو نظام درہم برہم ہو جائے اور کوئی چیز بھی وجود پذیر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اعتدال ہر چیز میں منظور ہے اور اشیاء میں اعتدال اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ ان میں اتحاد وحدت کا رابطہ قائم ہو اس وحدت واتحاد کو خدا تعالیٰ نے عبادت کے اندر جماعت وامامت کی شکل میں نمودار کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق قائم رہے۔ اور ان کا قومی شیرازہ منتشر نہ ہو۔ پس اگر مسلمان نماز باجماعت سے اتحاد و یکجہتی اور شیرازہ بندی کا سبق نہ لیں تو کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جماعت وامامت کے مقصود کو ہی نہیں سمجھا اور ان کی نمازیں محض رسمی نمازیں ہیں۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ نماز کی اصلی اور حقیقی غرض اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب وہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور نماز باجماعت کی اصلی غرض یہی ہے کہ مسلمان قومی وجماعتی زندگی بسر کریں اور باہم منظم ومتحد رہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں اپنی عبادت کے ذریعہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت پیدا ہو اور ہماری ظاہری باطنی قوتیں للہی رنگ اختیار کریں وہاں وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں خدا کے بندوں کی محبت وہمدردی پیدا ہو جائے۔

نماز باجماعت ہمیں یہ نکتہ سمجھاتی ہے کہ کسی قوم کی ترقی اور عروج اس کی تہذیب نفس اور تنظیم میں مضمر ہے۔ مسجد میں آنے اور باجماعت نماز پڑھنے سے مسلمانوں کے اندر اجتماعی زندگی پیدا ہوتی ہے اس طرح ان میں ایک مرکز پر جمع ہونے کی صلاحیت واستعداد بڑھتی ہے۔ اور امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے ان میں اطاعت واتباع کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ کاش مسلمان ان اجتماعی جسمانی اور روحانی نکتوں کو سمجھیں اور اپنی نمازوں میں ان حقائق کو مدنظر رکھا کریں۔

قیام

نماز انسان کو بے حیائی، بری باتوں اور خدا کی نافرمانی سے روکتی ہے اور اس

کے اندر ایک روحانی انقلاب پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قوموا للہ قنتین ۔[1] یعنی عاجزی اور فروتنی کے ساتھ خدا کے لئے نماز کو کھڑے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے حواس خمسہ ظاہری و باطنی کو اپنی فطری حالت پر قائم کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے حواس خمسہ ظاہری و باطنی کو اپنی فطری حالت پر قائم کرو۔ تمہارے جسم کے تمام اعضاء اپنے فرائض طبعی کو بجالائیں اور سب ہی عبادت الٰہی سے اثر لیں۔ یہ نہ ہوگا کہ صرف زبان رٹے ہوئے الفاظ ادا کرتی رہے اور اعضاء حرکت کرتے رہیں مگر دل کو کچھ خبر نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ کہیں اور ہی اڑا اڑا پھرتا رہے بلکہ دل کو بھی خدا کے حضور میں جھکاؤ اور اس طرح خداوند حقیقی کے سامنے ہاتھ باندھ کر پورے عجز و نیاز اور کامل احتیاج کے ساتھ کھڑے ہو اور اس کے حضور و شہود کے غلبہ میں محو ہو جاؤ۔

قیام کے معنی قائم رکھنے کے ہیں یعنی اے میرے بندو! تمہیں میرے حضور و شہود سے شیطان مردود اور نفسانی خیالات روکیں گے۔ اور تم حضور قلب کے ساتھ نماز ادا نہ کر سکو گے۔ اس لیے اس قیام کا حقیقی فاعل اپنی طاقت و قوت کو نہ سمجھو بلکہ اس کی توفیق خدا ہی کی طرف سے خیال کرو۔ اپنے خیالات و خواہشات پر نماز کی حالت میں قابو پاؤ اور یہ سمجھ لو کہ ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں یا کم از کم خدا تم کو ضرور ہی دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ مرتبہ قرب اور حالت مشاہدہ حاصل نہ ہو تو پر نفس کے ساتھ جہاد کرو۔ نفسانی خیالات کو روکو۔ قیام میں دیر کرو تا کہ نفس کی مخالفت ہو۔ توفیق عبادت اسی کی طرف سے سمجھو۔ یہ ہے قیام کا حقیقی مطلب۔ اسی کے لئے کہا گیا ہے کہ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ خدا کے لئے نماز کو کھڑے ہو۔

رکوع و سجود

حکم دیا گیا ہے کہ رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے یعنی حکم الٰہی کی

[1] البقرۃ : ۲۳۸

تعمیل میں اپنی پیٹھ جھکا دو۔ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے سامنے پست کر دو، باقی دنیا کی تمام طاقتوں کو ہیچ سمجھو، نفس سرکش کے منہ میں تقویٰ کی لگام لگا دو، تا کہ وہ خدا کی نافرمانی کی طرف جانے نہ پائے وہ تمہارا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔ اور پھر دل کی زبان سے کہو **سبحان ربی العظیم** یعنی میرا پروردگار بزرگ و برتر تمام عیوب سے پاک ہے۔ یہ ہے رکوع کی حقیقت اور اثر و فائدہ جو خارج از نماز بھی حاصل ہونا چاہئے۔ یعنی نماز سے باہر بھی عاجزی و فروتنی کی یہی حالت ہونی چاہئے جو اوپر بیان ہوئی۔

سجدہ نماز کا سب سے بڑا اور اہم رکن ہے اور یہ سجود عاجزی و انکساری کی انتہائی صورت ہے۔ نمازی اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر خدا کی عظمت و کبریائی کو تسلیم کرتا ہے۔ نمازی سجدہ کر کے اپنے محبوب حقیقی اور معشوق ازلی کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ زمین پر اپنی نخوت بھری پیشانی اور تکبر آلود ناک رگڑتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نمازیوں! تم خدائی عظمت و جبروت کے سامنے اپنے تن من کو عاجزی کی زمین پر دے پٹکو۔ خدا کی طاقت و اقتدار کے سامنے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھو اور زبان سے کہو **سبحان ربی الاعلیٰ** ۔ یعنی میرا رب تمام دنیا کی بڑی سے بڑی چیز سے بھی بزرگ ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے۔

سجدہ اگر حقیقت میں سجدہ ہو اور سر کو خاک پر رکھتے ہوئے دل میں یہ حقائق موجود ہوں تو تمام نماز کی تمام خوبیاں طبیعت میں جم جائیں اور اخلاقی، اصلاح و روحانی ترقی کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ یہی تمام عبادتوں کی علت غائی اور نتیجہ ہے اس چیز کو کلام پاک نے ایک نہایت ہی مختصر اور جامع فقرہ میں بیان فرما دیا ہے:

واسجد واقترب۔[1] تو سجدہ کر اور نزدیک ہو۔

یعنی سجدہ قرب الٰہی کا واحد ذریعہ ہے۔ اسی سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ غرور و انانیت خاک میں مل جاتی ہے۔ اور صحیح معنوں میں انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

[1] پارہ عم سورہ علق ۱۹

قعود

قعدہ نماز کا آخری جزء ہے۔ اس سے نمازی کے دل میں سکون وتمکین اور وقار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نمازی خدا کے حضور وشہود سے روحانی تسکین وتقویت حاصل کر کے مودب بیٹھ کر خدائے جل وعلا کا شکر بجالاتا ہے کہ اس نے نماز صحیح طور پر پوری کرادی۔ نیز اس سے ایک فائدہ اور مقصود یہ بھی ہے کہ نمازی کے نفس میں وقار وتمکنت اور حلم وبردباری کی صفت پیدا ہو اور دنیا کی تمام ہوا پرستیوں، ہوسناکیوں اور حرص وطمع سے اس کا دل بیٹھ جائے۔ ہاتھ مال حرام اور لوگوں کی ایذا رسانی سے رک جائیں۔ پیر گناہ کی چال اور خدا کی نافرمانیوں سے بندھ جائیں، آنکھیں نظر بد سے رک جائیں اسی طرح تمام اعضاء گناہوں سے رک کر طاعت وعبادت سے راحت وسکون پائیں اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں۔

تخصیص اوقات کا فلسفہ

اسلام ایک عقلی اور فطری مذہب ہے وہ جسم ودل دونوں کی پرورش کا فکر واہتمام کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی جو احکام الٰہیہ کے مطابق بسر ہو وہ مسلسل عبادت ہے۔ وہ انسان کی زندگی کے جملہ شعبوں میں شان وحدت وعبودیت پیدا کرتا ہے۔ روح ومادہ، جسم وجان، دین ودنیا، عقل ومذہب اور شریعت وسیاست کی تفریق اسلام میں موجود نہیں۔ مسلمان کی تمام زندگی کے مختلف مشاغل مثلاً مظاہر فطرت میں غور وفکر، اختلاف لیل ونہار کا مشاہدہ، تحقیق واجتہاد، طلب علم، جہاد فی سبیل اللہ، خدمت خلق، تعلقات زن شوئی، پرورش اولاد، اطاعت والدین، درس وتدریس، اعلائے کلمۃ الحق، سیر فی الارض، اکتساب فنون اور تجارت وغیرہ عبادت میں داخل ہیں، حیات مستعار کے ہر لمحہ میں اس کا مطلوب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہئے اور اس کی کل زندگی

خدا تعالیٰ کی رضا جوئی میں بسر ہونی چاہئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ [1]

ترجمہ: اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب کچھ اسی خدا کے لئے ہے جو دونوں جہان کا پالنے والا ہے۔

الغرض مسلمان کی کل زندگی عبادت ہے اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے عبادت کی یہ صورت عام ہے اور دوسری صورت اسلام نے عبادت کی یہ قرار دی ہے کہ مسلمان کو دن رات میں پانچ مرتبہ ایک مخصوص طریق پر مقررہ الفاظ میں جماعت کے ساتھ ایک امام کے پیچھے خدا کی عبادت وبندگی کرنی پڑتی ہے۔ اسے قرآنی اصطلاح میں "صلوٰۃ" کہتے ہیں۔ پہلی صوت میں ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ دن ورات میں جتنی مرتبہ چاہے اپنے خالق ومالک کی یاد کرے ہر حاجت، ہر تکلیف اور ہر مصیبت کے وقت اسی کارساز حقیقی سے امداد کا طالب ہو لیکن انفرادی واجتماعی فوائد ومنافع کی غرض سے اس پر نماز پنجگانہ فرض کی گئی ہے جن کو میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔

تخصیص اوقات اور نماز پنجگانہ کی سب سے بڑی حکمت حواس ظاہری اور اعضاء جسمانی کو الٰہی رنگ میں رنگنا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جسم انسان میں دل ودماغ بادشاہ کی مانند ہیں اور دیگر اعضاء جسمانی مانند درباریوں کے جس طرح رفتہ رفتہ بادشاہ اپنے مصاحبوں اور درباریوں کی خو بو اختیار کر لیتا ہے ویسے ہی دل ودماغ بھی آہستہ آہستہ حواس ظاہری اور حرکات جسمانی سے متاثر ہو کر انہی کے ہم رنگ ہو جاتا ہے۔ دل کا اثر اعضاء پر ہوتا ہے اور اعضاء کا دل پر، اسلام نے اس راز فطرت کو سمجھ کر نماز ظاہری کو فرض کیا ہے اور دن رات میں پانچ بار اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ یہ طبیعت انسانی کا مقتضاء ہے کہ جو کام دن میں اتنی بار کیا جائے رفتہ رفتہ طبیعت اس سے مانوس ہو جاتی ہے اور بالآخر

---
[1] انعام: ۱۶۲

اخلاقی اصلاح اور روحانی ترقی ظاہر ہونے لگتی ہے۔

اسلام نے ان اوقات کے تقرر میں بھی بڑی بڑی حکمتیں رکھتی ہیں اور ایسے اوقات مقرر کئے ہیں جو دنیا کی ہماہمی اور مشاغل کی کلفتوں کو دور کر کے روحانی تسکین میں ممدومعاون ہوتے ہیں، نماز پنج وقتہ کی پابندی سے پابندی اوقات اور ادائے فرض کا احساس پیدا ہوتا ہے، روزانہ پانچ مرتبہ ذرا ذرا سی دیر کے لئے ٹھیک وقت پر دنیاوی کاروبار چھوڑ کر اپنا فرض عبدیت ادا کرنے کے لئے دربار خداوندی میں حاضری دینا ایک ایسی عبادت ہے جو مسلمانوں کو اس بات کا سبق دیتی ہے کہ اپنے تمام دینی و دنیاوی کاموں میں وقت کی پابندی اور اداء فرض کا احساس کریں۔

تغیر اوقات کا اثر :

یہ ایک ظاہری امر ہے کہ جس طرح تغیر اوقات کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے ایسا ہی اس کی روحانیت پر بھی ایک مخصوص اثر پڑتا ہے ہم دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو پانچ وقت ہماری نماز کے لئے اسلام نے مقرر کئے ہیں، ان سے بہتر روحانیت پر اثر ڈالنے کے لئے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت نہیں۔ دیکھئے صبح کے وقت جبکہ تمام فضاء میں سکوت طاری ہوتا ہے، کائنات کی ہر چیز بزبان حال اپنے خالق و مالک کی حمد وثنا کے گیت گاتی ہی اور پرندے اپنے میٹھے اور سریلے راگ الاپنا شروع کر دیتے ہیں، انسان کی روح خود بخود اپنے پیدا کرنے والے کی طرف کھنچتی ہے اور اس میں ایک عجیب کیفیت وسرور پیدا ہو جاتا ہے چونکہ اس وقت ایک نورانی منظر سے روح پر وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے اس لئے خالق فطرت نے حکم دیا کہ انسان اس وقت ذکر الٰہی میں مصروف ہو اور روحانی غذا حاصل کرے۔

نور کے تڑکے خدا کی یاد سے فارغ ہو کر نمازی اپنے دنیاوی کاروبار میں لگ جاتا ہے اور بارہ ایک بجے تک اس طرح مشغول رہتا ہے اور اسے ضرورت ہوتی ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لئے اپنا کام چھوڑ کر آرام کرلے تا کہ

آدھے دن کی کلفت دور ہو جائے۔ اس موقعہ پر اسلام ظہر کے وقت پھر حکم دیتا ہے کہ اس آرام سے پہلے وہ صرف دس پندرہ منٹ کے لئے اپنے معبود کا شکریہ ادا کرلے اور چونکہ وہ صبح سے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہے اس لئے اپنی روحانی غذا وضرورت سے بھی غافل نہ رہے اسی طرح عصر کے وقت دنیاوی کاروبار کے بعد روحانی غذا دی جاتی ہے تا کہ اس کے دن بھر کے مشاغل کی ابتدا وانتہا ذکر الٰہی پر ہو اور اس میں سرمایہ داری و مادہ پرستی کے جراثیم پیدا نہ ہونے پائیں۔

عصر کے بعد مغرب کے وقت بھی روحانی غذا دی جاتی ہے کہ تا کہ مادی غذا کی اصلاح وشکریہ ہو اور سونے سے پہلے عشاء کے وقت یاد خداوندی کرنی پڑتی ہے کہ رات بھر روحانیت کا اثر رہے اور اس طرح دن ورات کی تمام زندگی دائرہ عبدیت میں آجائے۔ یہ پانچ وقت کی روحانی غذا مسلمانوں میں مادہ پرستی کو نہ پیدا ہونے دے اور ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف شمار کئے جائیں۔ الغرض ان اوقات خمسہ کا ہماری روحانیت پر ایک خاص اثر پڑتا ہے جو اور اوقات میں ممکن نہیں اس لئے اسلام نے ان اوقات کو مقرر کیا ہے۔ اگر ہم اس روحانی اثر کو سمجھیں تو ہم میں بہت سی خوبیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور ہم با اخلاق انسان اور سچے خدا پرست بن سکتے ہیں۔

پنجگانہ اوقات کے تعین کی وجہ :

اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ وقت کی پابندی انفرادی وقومی زندگی کے لئے بے حد اہم اور ضروری چیز ہے اور ادا کے فرض کا احساس اس سے بھی زیادہ ضروری چیز ہے۔ ان اوقات میں اس بات کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ انسان کو نیک اور ضروری کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ خدائے حکیم وبصیر اوقات خمسہ کے اوصاف موثرہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ
الحمد فی السموت والارض وعشیاً وحین

تظهرون. ۱؎

یعنی صبح، شام، دوپہر، سہ پہر کو اللہ کی تنزیہ و تقدیس کیا کرو کہ زمین و آسمان میں اس وقت خدا کی خوبیاں کی جاتی ہیں۔

یہ آیت نماز پنج گانہ کی فرضیت اور ان کی فوقیت کے باب میں نص صریح ہے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ان اوقات میں آسمان و زمین کے اندر تغیرات عظمیہ رونما ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا موقعہ آتا ہے اور ان تغیرات کا اثر انسان کے جسم و روح دونوں پر واقع ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اوقات مقرر کئے گئے ہیں۔ ۲؎

پھر نماز کے اوقات مقرر کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وقت کے تعین سے انسانوں کے دلوں کو خدا کی طرف توجہ رہتی ہے۔ اور جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے۔

وجہ تعیین قبلہ

اسلام دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ بنی نوع انسان کو ہر قسم کی گندگیوں، شرک آمیزیوں اور مخلوق پرستیوں سے پاک کر کے ان میں خالص خدا پرستی کی روح پھونک دے، ان کے دلوں کو خدا کی طرف اور ان کے رخوں کو ایک سمت پھیر دے جس میں روحانی قوتوں کو جوش ہو۔ یہ وجہ ہے کہ اسلام نے کعبہ شریف کو خدا پرستوں کا قبلہ قرار دیا۔ مگر یاد رہے کعبہ شریف کی طرف جو سجدہ کیا جاتا ہے اس سے یہ مقصود ہرگز نہیں تھا اور نہ ہے کہ کعبہ کے کل مکانات یا اس کا کوئی حصہ یا ان کی کوئی اینٹ پتھر قابل تعظیم اور لائق پرستش ہے اور نہ یہ مطلب ہے کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ اس مکان میں سمایا ہوا ہے۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ یہ کفر و شرک کی باتیں ہیں جن کی اسلام نے اچھی طرح بیخ کنی کر دی ہے۔ اور شریعت محمدیہ نے خالص خدا کی عبادت قائم کر دی ہے۔ پھر خانہ خدا کو سمت قبلہ

۱؎ روم : ۱۷ ۲؎ جلالین ج ۲ ص ۳۳۲، روح المعانی ج ۲ ص ۲۸

قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟

سنئے: مگر پہلے اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ تعیین قبلہ محض برائے راہ عبادت دکھانے کے ہے۔ دراصل عبادت میں داخل نہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں مرحمت فرمائی ہیں ایک قوت عقلیہ اور دوسری قوت خیالیہ۔ قوت عقلیہ کا کام یہ ہے کہ ان چیزوں کا علم و ادراک حاصل کرے جو مجرد اور غیر مادی ہیں۔ جسم و جسمانیات سے بری ہیں۔ جیسے فرشتوں کا علم اور دیگر عام قوانین کا ادراک قوت خیالیہ کا کام صرف محسوسات و مادیات کا سمجھنا اور ادراک کرنا ہے۔ یہ قوت قوت عقلیہ کو مدد پہنچاتی ہے۔ مثلاً ایک انجینئر کو شکل مثلث کی تعریف سمجھانی ہو تو وہ کوئی تکون معین چیز لے کر شکل مثلث کو سمجھائے گا کہ شکل مثلث کے تینوں زاویئے ایسے ہوتے ہیں اسی طرح بندہ خدا تعالیٰ کے حضور میں بوقت عبادت حاضر ہوتا ہے تو اس ذات مقدس کے لئے جو جسم اور عوارض جسم سے پاک اور احاطہ حس و ادراک سے باہر ہے، تو اس ذات مقدس کے لئے کوئی محسوس چیز ہونی چاہئے جو اس کی تجلیات کا مظہر اور اس کے جمال کا آئینہ ہو۔ یہ وجہ ہے کہ خانہ کعبہ کو سمت قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ جس میں نہ کسی قسم کی صنمیت ہے اور نہ اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ بلکہ وہ محض ذریعہ عبادت ہے۔

(۲) اسلام نے نماز کی جو اس قدر تاکید کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز انسان کو مرتبہ انسانیت پر فائز المرام کرتی ہے۔ یعنی نماز تکمیل نفس، تادیب نفس اور کسب سعادت کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور انسان کے کامل ہونے کے لئے طہارت ظاہری و باطنی اور عبادت جسمانی و روحانی دونوں کا ہونا لازمی ہے ورنہ تکمیل انسانیت میں نقص رہے گا۔ اس نقص کو دور کرنے اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے یعنی عبادت میں توجہ باطنی اور جوش قلبی کے برانگیختہ کرنے کو شریعت محمدی نے سمت قبلہ مقرر کی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس مقدس مکان کو اپنا گھر فرماتے ہیں۔ اس اعتبار سے ایک سچے مسلمان اور خدا پرست موحد کو اس خیال سے کہ میں اس مکان کی طرف متوجہ ہوں جس کو خالق کون و مکاں نے اپنی طرف

منسوب کیا ہے۔ اور اپنا گھر فرمایا ہے۔ کیسا کیف و سرور، ذوق و شوق، توجہ باطنی اور جوش قلبی حاصل ہوگا اور عبادت الٰہی میں کیسا کچھ لطف آئے گا جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ پس سمت قبلہ مقرر کرنے سے مقصود یہی ہے کہ عابد کا دل خالق کون و مکاں کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس مقام پر سمت قبلہ معلوم نہ ہو وہاں شریعت کا یہ حکم ہے کہ نمازی اپنے دل میں غور کرے اور جس طرف اس کا دل شہادت دے اسی طرف نماز پڑھ لے۔ [1] اس سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ عبادت کے لئے خانہ کعبہ مقصود بالذات نہیں بلکہ قبلہ محض توجہ الی اللہ کا ایک ذریعہ محسوس ہے۔

(۳) اسلام ملت ابراہیمی ہے اس لئے اس کے بنائے ہوئے بیت اللہ کی طرف اس کے ماننے والوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ ان خدا پرستوں کو اس ہادی، موحد اور خلیل خدا سے رابطہ و تعلق ہے، جس کو خدا تعالیٰ نے تمام عالم کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور رہنمائی کا مرکز بنایا تھا۔ پھر اسلام کی نظر اتفاق باہمی اور قوت اتحاد پر بھی ہے۔ اس غرض کو نماز کی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اتحاد باہمی کو یہاں بھی ملحوظ رکھا تاکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی یکجہتی سے اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ یہ سب یک دل ہو کر معبود یکتا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اور ان کا جس طرح خدا ایک ہے قبلہ بھی ایک ہے۔

ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے :

تعین قبلہ کی ان وجوہات کو موکد اور اس کی وجہ خصوصی وجہ الی اللہ کو واضح و مبرہن کرنے کے لئے اسلام نے صاف صاف اعلان کردیا ہے۔ وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ۔ [2] یعنی پورب (مشرق) اور پچھم (مغرب) سب اللہ کا ہے جدھر تم پھرو اسی طرف اللہ کی ذات ہے جو کسی یا کسی خاص جہت میں سمایا ہوا نہیں ہے، وہ ہر جہت و مکاں سے منزہ ہے۔ ہاں کعبہ شریف کو صرف اتنی خصوصیت حاصل ہے کہ وہ تجلی گاہ ربانی

---

[1] در مختار ج ا س ۳۳۲ [2] البقرۃ رکوع ۱۳

اور مورد انوار یزدانی ہے۔

نسبت حق تعالیٰ کو جمیع مکانات برابر ہیں۔ اس کی عبادت ہر جہت اور ہر مکان میں مقبول ہے اور صحیح عبادت کے لئے ہر سمت کفایت کرتی ہے۔ استقبال کعبہ محض برائے توجہ اذہان عوام اور توقیت و تحدید کے لئے ہے چنانچہ ترمذی میں بروایت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ وارد ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، رات کا وقت تھا اور رات بھی اتنی تاریک تھی کہ ستارے بھی نمودار نہ تھے اس وجہ سے لوگوں کو سمت قبلہ معلوم نہ ہوسکی اور انہوں نے اپنے تخمین و قیاس سے ایک سمت نماز ادا کرلی۔ اور اس طرف ایک نشان لگا دیا کہ صبح کو ہم معلوم کرسکیں کہ سمت ٹھیک تھی یا غلط؟ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ سمت جہت قبلہ کے خلاف تھی اس ماجرے کو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اور افسوس ظاہر کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے بڑی غلطی ہوئی کہ بہ سمت غیر قبلہ نماز ادا کی۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری نماز درست اور مقبول ہوئی۔ [1]

الغرض نسبت ظہور الٰہی ہر جگہ سے ہے مگر یہ ظہور عام چونکہ توجہ عبادت کا مصحح نہیں بن سکتا اس لئے ایک جہت خاص کو مقرر کیا گیا۔

علاوہ ازیں روح عبادت کہ خشوع اور وہ بغیر سکون و ترک التفات چپ و راست حاصل نہیں ہوسکتا اور سکون و ترک التفات اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک عابد حالت عبادت میں جہت معینہ کا التزام نہ کرے کیونکہ ظاہر کا تعلق باطن کے ساتھ ظاہر ہے۔ اس بناء پر توجہ ظاہری موجب توجہ باطنی ہوتی ہے۔

وجہ تخصیص خانہ کعبہ :

تعین قبلہ کی جس قدر وجوہات لکھی گئی ہیں ان سے یہ بات تو اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے اور اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ عبادت کے لئے تعین قبلہ کی

---

[1] ترمذی شریف ص ۴۸ جلد ۱، ابواب الصلوٰۃ "ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلۃ فی الغیم"

سخت ضرورت تھی لیکن وجہ تخصیص خانہ کعبہ کے متعلق میں نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا اس لئے اب تخصیص کی وجہ لکھی جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ نوع انسان کی اصل خاک سے ہے اور اصل کرۂ خاک یہی نقطہ ہے جہاں خانہ کعبہ موجود ہے۔ زمین کی پیدائش سے پہلے اس مکان کو پانی پر کیف جرمی کی مانند پیدا کیا گیا تھا۔ اس کے بعد پھر تمام زمین اسی کیفیت سے وسیع وفراخ ہوئی پس چونکہ اصل جسم انسان اس نقطہ کی طرف راجع ہے تو اس کو چاہئے کہ جب اپنے جسم کو عبادت میں مشغول کرنے لگے تو اس اصل ترابی کی طرف رجوع کرے۔ چنانچہ اس بناء پر اصل قریب پر جو ہر جگہ میسر ہے سجدہ کیا جاتا ہے۔ اور بسوئے اصل بعید اپنے جسم کو متوجہ کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان عبادت کے وقت ملائکہ کا خلیفہ ہوتا ہے کہ یہ شغل شریف انہیں کا کام ہے۔ غصہ وغضب کی حالت میں درندوں کا خلیفہ ہوتا ہے۔ شہوت کے وقت بہائم کا خلیفہ ہوتا ہے۔ مکر وکید کے وقت خلیفۃ الشیطان ہوتا ہے۔ چونکہ انسان عبادت کے وقت ملائکہ کا خلیفہ ہوتا ہے اور عبادت گاہ ملائکہ بیت المعمور ہے اور یہ مقام بیت المعمور کے محاذ میں ہے اس لئے خانہ کعبہ کو خاص کیا گیا۔ چنانچہ زرقیؒ، حضرت حسن بصریؒ اور دیگر تابعین سے روایت کرتے ہیں کہ:

البیت بحذاء البیت المعمور ومابینهما بحذائه الی السماء السّابعة وماسفل منه بحذائه الی الارض السابعة.

خانہ کعبہ ملائکہ کے قبلہ بیت المعمور کے مقابلہ میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ ساتویں آسمان کے مقابلہ میں ہے اور جو اس سے نیچے ہے وہ ساتویں زمین کے محاذ میں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس مکان مقدس میں عظیم الشان ظہور ربوبیت الٰہی ہے حضرت اسمٰعیلؑ، اولاد حضرت ابراہیمؑ تھے، ان کے لئے عجیب قدرت خداوندی کا ظہور ہوا۔ یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کے پاؤں کی رگڑ سے آب غیب یعنی چاہ زمزم

نمودار ہوا جواب تک موجود ہے اور جس سے لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کو آب رحمت مل رہا ہے۔[1] پس جبکہ اولاد حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ اور ان کے تابعدار حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہیں تو اس مکان مقدس کی سمت کو اختیار کرتے ہیں۔ چونکہ یہ مکان ظہور الٰہی ہے اور معبد خلائق، قبلہ عبادات، مرجع عاشقان صادق اور مطاف محبان خالص ہے اس لئے خانہ کعبہ کی تخصیص کی گئی۔

مکہ معظّمہ کی فضیلت وتقدیس:

مکہ معظمہ کے اطراف وجوانب کی تمام زمین گوناگوں تجلیات الٰہی کا مظہر ہے یہاں کوہ طور اور فاران جیسے تجلی گاہ ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی دکھائیں۔ درحقیقت تجلیات خاصہ الٰہیہ اس مقام سے بڑھ کر دنیا کا کوئی خطہ سرزمین نہیں۔ دنیا والوں کو یہیں ہمیشہ نور ہدایت اور آب رحمت ملتا رہا ہے اور سب سے آخر میں یہیں ہدایت کا وہ سرچشمہ اُبلا جس سے پیاسی روحیں سیراب ہوئیں انہی خصوصیات کی بناء پر خانہ کعبہ کو مسجودیت کا رتبہ مرتبہ ملا ہے۔ چنانچہ بیہقی شعب الایمان میں عطاء بن یسارؒ سے لائے ہیں:

النظر الی البیت عبادة والناظر الی البیت بمنزلة القائم الصائم المجاهد فی سبیل الله.

خانہ کعبہ پر نظر کرنا عبادت ہے اور اس کی طرف نظر کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کے راستہ میں ہمیشہ قائم وصائم اور جہاد میں رہے۔

ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ کی طرف نظر کرنا اس عابد کی عبادت سے افضل ہے جو اللہ کی راہ میں ہمیشہ قائم صائم اور جہاد میں رہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ دن ورات میں اللہ تعالیٰ ایک سوبیس (۱۲۰) رحمتیں اس مکان مقدس پر نازل کرتے ہیں۔ ستر اس کا طواف کرنے

---

۱ تفسیر عثمانی کا ملاحظہ کیجئے

والوں کے لئے۔ چالیس اس میں نماز پڑھنے والوں کے لیے اور دس اسکی طرف دیکھنے والوں کے لئے۔

ازرقی مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ حج کعبہ کے لئے آئے ہوئے تھے ایک شتر سرخ پر سوار تھے اور آپ نے مقام روحاء سے احرام باندھا (کلیم قسطوانی بیہقی)۔ غیب سے ان کے کان میں آواز پہنچی **لبیک عندی انا معک** حضرت موسیٰؑ اس آواز کو سن کر بے اختیار زمین پر سجدہ میں گر پڑے۔

ابن مردویہ صبہانی ترغیب وترہیب میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز فرشتے خانہ کعبہ کو دلہن کی طرح آراستہ وپیراستہ کر کے میدان محشر میں لائیں گے۔ اثناء راہ میں میری قبر پر سے بھی گزریں گے کعبہ بزبان فصیح کہے گا۔ **السلام علیک یا محمد** ﷺ میں جواب میں کہوں گا۔ **وعلیک السلام یا بیت اللہ** تیرے ساتھ میری امت نے کیا سلوک کیا اور تو اس کے ساتھ آج کے دن کیا سلوک کرے گا؟ وہ کہے گا اے خدا کے پیارے حبیب ﷺ! آپ کی امت میں سے جو شخص میری زیارت کو آیا میں اس کے لئے کافی ہوں اور اس کی شفاعت کروں گا اور جو میری زیارت کو نہیں آیا آپ اس کی شفاعت کریں۔

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک روزہ لاکھ روزوں کے برابر ہے اور وہاں کا ایک درہم دینا لاکھ درہم کے برابر ہے حاکم کی مستدرک میں ابن عباسؓ سے منقول ہے:

حسنات الحرم کل حسنة بمائة الف حسنة [۱]

وہ ہر نیکی جو حرم میں کی جاتی ہے لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

من مات بمکة بعثه اللّٰہ تعالیٰ من الأمنین یوم القیمة [۲]

جو مکہ میں مرا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امن والوں میں

---

[۱] ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۶۷ [۲] مشکوۃ المصابیح ص ۲۳۰

اٹھائیں گے۔

مکہ کو اولیت وفضیلت کا شرف حاصل ہے:

دنیا میں عبادت الٰہی کا یہ پہلا گھر ہے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام نے ایک عمارت بیت المعمور نامی تعمیر کی تھی۔ اور بعض کا قول ہے کہ بیت المعمور ملائکہ کی مسجد ہے جو ساتویں آسمان پر واقع ہے اور حضرت آدمؑ نے جو عمارت زمین پر بنائی تھی وہ بیت المعمور کے بالمقابل تھی۔ یعنی خانہ کعبہ عالم ملکوت میں بیت المعمور کا نمونہ اور عالم ناسوت میں رئیس الموحدین حضرت آدمؑ کی عبادتگاہ اور جلوۂ الٰہی کی کرسی ہے۔ لیکن مسلمان بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے زمانہ سے جانتے ہیں کہ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمارت کو طوفان نوحؑ نے منہدم کر دیا تھا۔ اس کو دوبارہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے بنایا پھر یہ پاک ومقدس مکان خدا کا ایسا پیارا اور مقبول ہوا کہ کسی وقت کسی کے ہاتھ سے اس کی بربادی خدا نے پسند نہیں کی۔ [۱] یہاں تک کہ ابرہہ بادشاہ جب اس کے مسمار کرنے کے لئے آیا تو خدا تعالیٰ نے اسے غیبی طاقت سے ہلاک کر دیا۔ [۲]

تاریخ عالم میں اس وقت اس واقعہ کی نظیر ملنا مشکل اور ناممکن ہے کہ اگرچہ وہاں بت پرستوں کے عہد میں بت رکھے ہوئے تھے مگر وہ نجاست ایک عارضی امر تھی جیسے کسی برگزیدہ شخص کے بدن پر کوئی نجاست لگ جائے اس سے برگزیدہ شخص کی ذات پر کوئی نقص وارد نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی نسبت فرماتے ہیں **ان طهر ابیتی** [۳] اس پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا ہے؟ اگر اس اضافت کی وجہ نسبت خالقیت ہے تو یہی نسبت خالقیت ہر بقعہ زمین رکھتا ہے۔ اگر نسبت سکونت کی وجہ سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا گھر کہا ہے تو اللہ تعالیٰ جہت ومکان سے منزہ ہے اور اگر تیسری وجہ یہ ہو کہ اس مکان کی طرف عبادت کی

---

[۱] بحاشیہ صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۱۵ [۲] تفسیر جلالین ص ۵۰۶ ج ۱ [۳] البقرۃ: ۱۲۵

جاتی ہے اور وہ شان معبودیت کا مظہر ہے تو اس صورت میں خانہ کعبہ مثل وارد
یکساں ہے خصوصیت کی کیا وجہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں صرف یہی ایک
مکان ایسا ہے جو برائے عبادت اور قضائے شوق طلب بنا کیا گیا ہے اور کسی طرح
بھی مخلوق سے کسی طرح کا علاقہ نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلہ میں کفار کے معابد یہ
شان خصوصیت نہیں رکھتے نہ وہ برائے عبادت الٰہی بنائے گئے ہیں اور وہ کسی
نہ کسی طرح مخلوقات سے علاقہ رکھتے ہیں مثلاً کوئی رام چندر کی طرف منسوب ہے
اور کوئی کشن کی طرف۔

نماز کے ظاہری و باطنی ارکان

ظاہری پہلو

نماز کے دو پہلو ہیں ظاہری اور باطنی یہاں میں پہلے ظاہری پہلو کو بیان
کرتا ہوں مگر پہلے ان دونوں پہلوؤں کے متعلق اسلام کے اس نقطہ نگاہ کو سامنے
رکھ لیجئے کہ نماز باطنی اور ظاہری دونوں اعمال وافعال سے مرکب ہے۔ جو لوگ یہ
سمجھتے ہیں کہ نماز صرف زبان سے چند کلموں کے دہرانے اور بعض معینہ حرکتیں
کرنے کا نام ہے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، حقیقت نماز سے نابلد اور نادان ہیں،
نماز اسلام کی بہترین عبادت ہے اور نماز کیا ہے؟ اللہ بزرگ و برتر کی بزرگی،
کبریائی اور پاکی کا بیان اور اپنی بندگی، بیچارگی اور کم مائیگی کا زبان و دل
اور اعضائے جسمانی سے اقرار واعتراف۔ اس میں کیا کیا ہوتا ہے؟ اللہ سے
صراط مستقیم مانگی جاتی ہے اور اس کے رحم و کرم اور لطف و عطا کی التجا کی جاتی ہے۔

نماز کا باطن کیا ہے؟ تکبیر و تہلیل اور خدا کی تسبیح و تقدیس اور اپنے جرم و خطا کا
اقرار اور گناہوں پر استغفار باقی رہے ظاہری ارکان اور جسمانی حرکات وسکنات
وہ صرف، اپنی عبودیت اور خدا کی خالقیت کے علانیہ اعتراف اور خشوع وخضوع
کے اظہار کے لئے ہے۔

یاد رکھئے کہ عبادات اسلامی کا بالعموم اور نماز کا بالخصوص تمام تر تعلق ہمارے

دل سے ہے۔ خدا کی نظر ہمارے دلوں پر ہے، اس کی نگاہ کرم خلوص قلب کو
ڈھونڈتی ہے جہاں ہمارے دل میں خدا کی عظمت و کبریائی اور درگاہ الٰہی میں
سر جھکانے کا خیال آیا وہ عبادت مقبول بارگاہ ہوئی۔ اب خواہ ہماری زبان ہلے یا
نہ ہلے، جسم حرکت کرے یا نہ کرے عبادت کے لئے صرف اس کی تسبیح و تقدیس
کی نیت اور ارادہ کافی ہے۔ خدا کے سامنے اپنی عبدیت کا اقرار کرے اور
عجز ونیاز ظاہر کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے دل میں اس کا
خیال پیدا ہو جائے اگر کوئی آدمی ارکان مقررہ کی بجا آوری سے معذور ہے تو اس
کی نماز بغیر معینہ الفاظ اور حرکتوں کے بھی ہو جاتی ہے۔

لیکن باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے نماز کے لئے کچھ الفاظ
مقرر کئے ہوئے ہیں جن کو ہم زبان سے ادا کرتے ہیں اور کچھ حرکتیں بھی مقرر
کر دی ہیں جن کے بغیر عبادت مکمل اور درست نہیں ہوتی اور عبادت ظاہری کی
پابندی کو بھی اسلام نے لازمی قرار دیا ہے کیونکہ اس لئے کہ دل ہی دل میں اللہ
میاں کو یاد کر لینا اگر چہ کافی تو ہے مگر اس کا کوئی اثر ہمارے اعضاء و جوارح پر
مرتب نہیں ہو سکتا اور نہ قلبی عبادت کسی نظام کے ماتحت آ سکتی ہے جو لوگ دل ہی
دل میں خدا کی یاد کر لینے کا دعویٰ کر لیتے ہیں یہ ان کی گمراہی ہے۔ جب
ظاہر و باطن میں زبردست علاقہ ہے تو وہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے باطن میں تو
خدا کی یاد ہو مگر ظاہر سے اس کا ثبوت نہ ملے۔ اسلام ظاہر و باطن دونوں و جناب
الٰہی میں جھکانا چاہتا ہے لہٰذا عابد کے لئے عبادت ظاہری کی قید سے رہائی ناممکن
ہے۔

عبادت ظاہری کی پابندی کا فائدہ :

یہ ہے کہ جب ہماری روح خدا سے پیوستہ ہوئی اور ہمارے دل میں خدا کی
عظمت و کبریائی کا خیال ہوتا ہے اور ہم دن میں پانچ بار دل میں اس کی یاد کرتے
ہیں تو ظاہری ارکان کی پابندی سے آہستہ آہستہ ہمارے حواس ظاہری حرکات
جسمانی سے تمام اعضاء و جوارح متاثر ہو کر الٰہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلام

نے مسلمانوں کے اندر صفات الٰہیہ پیدا کرنے اور اپنے آپ کو ربانی رنگ سے رنگین کرنے کے لئے نماز پنجگانہ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ونحن له عبدون ۱

اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کونسا اچھا رنگ ہوگا اس لئے ہم ربانی رنگ سے رنگین ہونے کے لئے خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

پس نماز کی ہیئت کذائی اگرچہ نماز کا جز لاینفک تو ہے مگر اس سے حقیقت نماز متحقق نہیں ہوتی حقیقت صلوٰۃ یہ ہے کہ ہم اپنے اندر صفات الٰہیہ پیدا کریں اور خدائے قدوس کی صفات کو اپنے سامنے رکھیں۔

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ نماز کی ہیئت کذائی اور معینہ حرکتوں سے معبود کو نہیں بلکہ عابد ہی کو نفع پہنچتا ہے۔ ظاہری ارکان کی پابندی میں اللہ پاک نے ہمارے لئے بیشمار انفرادی، اجتماعی، جسمانی، روحانی، دینی اور دنیاوی فوائد و منافع رکھے ہیں جن کا بیان گزشتہ اوراق میں کسی قدر کیا گیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان روحانی نفع کے ساتھ ساتھ جسمانی و مادی نفع بھی حاصل کریں اور وہ دارین میں ہر طرح فائز المرام و شادکام ہوں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جس زمانہ میں مسلمانوں نے نماز کو نماز سمجھ کر پڑھا اور اپنے اندر صفات الٰہیہ کو پیدا کیا تو انہوں نے اخلاق و روحانیت میں وہ بلند مرتبہ حاصل کیا جس پر فرشتوں کو بھی رشک تھا۔ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے وہ دنیا کی تمام قوموں میں سربلند تھے، حکومت ان کے قدم چومتی تھی، دولت ان کی ادنیٰ لونڈی تھی، فتح و نصرت ان کے آگے آگے چلتی تھی اور ان کے طاقت و اقتدار سے دنیا کی تمام طاقتیں لرزہ براندام تھیں۔ نماز نے ان کو نفس اور نفسانی خواہشات پر غالب کر دیا تھا اور وہ نجات و فلاح کے صحیح معنوں میں مستحق ہو گئے تھے وہ دن کو فوجوں کی کمان کرتے تھے اور رات کو تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت میں مشغول

۱ البقرۃ : ۱۳۸

رہتے تھے۔ نماز باجماعت نے ان کے اندر ہم آہنگی، یک رنگی، اتحاد، اتفاق، تنظیم، رواداری، انصاف پسندی، رعایا پروری، ایفائے عہد، رحم دلی، راست بازی اور ربط و نظم کی اعلیٰ صفات اور خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔

لیکن جب سے ہماری نمازیں محض رسمی نمازیں بن گئی ہیں، ان کی روح و حقیقت جاتی رہی ہے اور مسلمان نماز محض اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کی عادت پڑ گئی ہے، اس وقت نماز کے ان مادی و روحانی فوائد کا حصول و ظہور بھی جاتا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ زمانہ سلف کے مسلمانوں نے جو ملکی فتوحات کیں، وہ ان خصائص کی بناء پر وقوع پذیر ہوئیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور یہ خصائص ان کے اندر نماز باجماعت نے پیدا کئے تھے مگر اب ایسے نمازی مسلمان کہاں جن کے اندر یہ خصائص ہوں۔

نماز کے روحانی تاثرات

نماز ایک ایسی اہم عبادت ہے جو انسان اور خدا کے درمیان ایک روحانی رابطہ پیدا کرتی ہے اور اس رابطہ سے روح کو حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک ظاہری حقیقت ہے کہ دنیا میں جس قدر عالم و جاہل، سفیہ و عاقل اور شاہ و گدا ہیں سب مسرت و راحت کے جویاں اور اطمینان قلب کے متلاشی ہیں اور اس کے حصول کا ذریعہ یاد الٰہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الا بذکر الله تطمئن القلوب۔ ۱ تحقیق اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے اور نماز یاد الٰہی کی بہترین شکل ہے جب ایک مسلمان بذریعہ نماز اطمینان خاطر حاصل کر لے تو پھر وہ یقیناً دنیا و دین کے ہر کام میں کامیاب و بامراد ہوگا۔ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالے گا وہ بدرجہ احسن و اکمل پورا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر طمانیت قلب حاصل نہ ہو تو انسان کسی کام کو مرتبہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱ پارہ نمبر ۱۳ سورۃ رعد رکوع ۹

قدافلح من تزکٰی وذکراسم ربہ فصلی. ۱

تحقیق بامراد ہوا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کیا اور اپنے خدا کو یاد کیا اور نماز پڑھی۔

سورۃ مومنون میں فرمایا:

قدافلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون. ۲

بیشک ان مومنوں نے چھٹکارا پایا جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اطمینان قلب فلاح ونجات کا لازمی نتیجہ اور پہلا فیض واثر ہے۔ اب میں ذکر الٰہی اور فلاح کے مفہوم کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہوں تا کہ آپ پر نماز کے کمال کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

فلاح کے معنی ہیں کامیاب وبامراد ہونا۔ اس کے مفہوم میں حسب ذیل امور داخل ہیں:

انسان اخلاق وروحانیات کی منزلیں طے کرلے، صدق معاملات کی ضرورت واہمیت کا احساس کرنے لگے۔ اس میں پاکیزگی سیرت کی سچی طلب پیدا ہو جائے، عقائد وعبادات اور اخلاق ومعاملات کے تعلق کو سمجھ لے، امراض قلبی سے اس کی زندگی پاک وصاف ہو جائے اور انسان اپنی زندگی "حسن عمل" کی ایک زندہ مثال بنالے۔ اس بنا پر معنی یہ ہوئے کہ نمازی نماز کے ذریعہ اپنے مقصد حیات کو بدرجہ کمال حاصل کر لیتے ہیں اور پاکیزگی حیات کے نور سے ان کی زندگیاں جگمگا اٹھتی ہیں۔

ذکر الٰہی کی تشریح:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذکرونی پس یاد کرو مجھے جس رنگ میں بھی ممکن ہو۔ مثلاً تلاوت کلام الٰہی اور یاد الٰہی کے ذریعہ ذکر الٰہی کی مختلف صورتیں ، ہیں۔ مثلاً حلقہ ہائے ذکر وحمد میں تسبیح وتہلیل بیان کرنا، ہر فعل محمود پر بسم اللہ پڑھنا اور دلائل

۱ سورہ اعلیٰ پارہ ۳۰ ۲ پ ۱۸ رکوع ۱

نبوت ومعارف ذات وصفات میں غور وفکر کرنا وغیرہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ غافلوں کے جھمگٹے میں ذکر الٰہی کرنے والا ایسا ہے جیسا سرسبز وشاداب درخت سوکھے ہوئے درختوں کی جھنڈ میں ہے۔۱ ایک دوسرے مقام پر غافلوں کی جماعت میں ذکر الٰہی کرنے والا ایسا ہے کہ جیسا کوئی شخص معرکہ قتال سے بھاگنے والوں کے پیچھے صف دشمنوں میں گھس کر جہاد کرتا اور اپنے قیمتی خون کو پانی کی طرح بہادینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اہل تصوف کہتے ہیں کہ ذکر کی ایک ابتداء ہے یعنی سچی توبہ اور یقین رجوع۔ اس کے لئے ایک بیچ کا درجہ ہے اور حقیقی نورانیت وچمک ہے جو ذکر کرنے والوں پر طاری ہوا کرتی ہے۔ اور اس کے لئے ایک انتہائی درجہ ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے جلالی ناموں کی حرارت ہے جو ماسوا کو جلا کر نیست ونابود کر دیتی ہے۔ ذکر کی اصل دل کی صفائی ہے اس کی شرط حضور قلبی ہے اور اس کا اثر نیک وشائستہ عمل ہیں چونکہ نماز ذکر الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے اس لئے اندازہ لگایئے کہ نماز سے نمازی کی زندگی میں کیا روحانی کیف وسرور پیدا ہوتا ہے ہر نماز سے ہمیں روحانی غذا ذکر الٰہی حاصل ہوتی ہے جس سے لوگوں کو فرحت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

نماز کا دوسرا اثر:

نماز کا دوسرا اثر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء والمنکر۔۲ یعنی نماز انسان کو بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو شخص دن میں پانچ مرتبہ خدا کے دربار میں حاضری دیتا ہے اس کی صفات کو بیان کرتا ہے اور اس سے طلب ہدایت کرتا ہے۔ وہ ہرگز ہرگز اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ لامحالہ اس کے دل میں کبھی نہ کبھی یہ خیال ضرور آئے گا کہ مجھے نیک بننا چاہئے ورنہ میری درخواست ایک مضحکہ ہوگی۔ اور مجھے کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے مجھے خدا کے حضور میں جاتے شرم آئے۔

۱ مشکوٰۃ المصابیح باب ذکر اللہ عزوجل ص ۱۹۹ ۲ العنکبوت : ۴۵

فرض کیجئے ایک شخص شراب پیتا ہے اب اگر نماز شروع کر دے تو اولاً تو اسے دن میں پانچ مرتبہ نیکوں کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقعہ ملے گا۔ جس کا اثر اس کے دل پر ضرور پڑے گا۔ دوسرے اس کے دل میں خیال آئے گا کہ میں جس خدا کے سامنے اس کی عظمت وبزرگی اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتا ہوں اس نے شراب کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اور افسوس میں اس کا بندہ ہوکر اور اس کی عبادت کرتے ہوئے اس کی نافرمانی کرتا ہوں۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کسی نہ کسی دن ضرور شراب پینا چھوڑ دے گا۔ الغرض نماز ایک روحانی انقلاب پیدا کرتی ہے، نفس امارہ پر غالب آنا اور نفسانی خواہشات پر قابو حاصل کرنا سکھاتی ہے اور یہی مذہب کا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ نجات وفلاح کا مستحق ہوگیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نماز دینی ودنیاوی کامیابیوں کی ضامن ہے۔

نماز کے لطائف باطنی کی تشریح

جب نمازی نماز کے ظاہری ارکان وشرائط پورے کر لیتا ہے اور طہارت جسمانی حاصل کر لیتا ہے تو قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر اور عبادت کی نیت کر کے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتا ہے اس سے وہ اشارہ کرتا ہے کہ میں نے دونوں عالم سے ہاتھ اٹھایا اور حضرت حق جلّ علا شانہ کو سب سے اعظم واکبر جانتا ہوں اور اس اعتقاد وخیال کا موید دعائے استفتاح کو زبان پر جاری کرنا ہوتا ہے۔ اس کا قیام استقامت دین پر دلالت کرتا ہے۔ تلاوت سورۂ فاتحہ جو ثنائے زبانی ہے اور زبان دل کی ترجمان ہے۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ میں نے اپنے دل کو خدا کی طرف متوجہ کیا۔ اس میں سورۂ فاتحہ کے الفاظ مثل ایاک نعبد وایاک نستعین۔ اس میں تخصیص بعبادت واستعانت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے سبب کمال توجہ اور میل رتبہ ومشاہدہ حاصل ہوا اور اس پر کہ یہ عبادت واستعانت بنی آدم کے دو شغل ہیں۔ میں نے اغیار سے اعراض کلی کیا۔ سوال

ہدایت اور فرار راہ عمل غضب وضلالت اس امر پر دال ہے کہ میرے جذبات حب وبغض اور میل ونفرت سب کے سب جناب الٰہی کے تابع ہوئے۔ رکوع دلالت کرتا ہے کہ بہ سبب مشاہدہ عظمت خداوندی میری پشت خم ہوگئی ہے۔ قومہ دلالت کرتا ہے کہ اس انکسار کے سبب مجھے استقامت حاصل ہوئی ہے۔ پھر سجود کہ کمال تذلل وانکسار کی صورت ہے بر کمال تقرب دلالت کرتا ہے۔ انسان کے مقدور میں جو تقرب ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ اس کے بدن کا جو اشرف واکرم حصہ ہے اس کو اپنی اصل خاک پر رکھ دے دوسرا سجدہ رفع تکبر پر دلالت کرتا ہے جو حصول قرب کے خیال سے عابد کے دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور قعود اس اعزاز واکرام پر دلالت کرتا ہے جو جناب باری تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا ہے اور اس کے سجدے کو قبول فرما کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اور سلام اس سفر باطنی سے رجوع پر دلالت کرتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا وہ نماز کی صورت اور قالب کے متعلق تھا۔ اس کے علاوہ نماز کی ایک حقیقت وروح بھی ہے۔ صرف نماز ہی کی نہیں بلکہ اس کے ہر ہر ارکان کی ایک علیحدہ علیحدہ روح وحقیقت ہے۔ اگر نمازی نماز اور اس کے ارکان کی روح کو سامنے رکھے تو یقیناً نماز کے وہ اخلاق وروحانی اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں جن کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

نماز کے ارکان کی روح

نماز کے لئے ہمیں جس طریقہ پر تیاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً غسل یا وضو اور کپڑوں وجسم کی طہارت اس کا مقصد اور روح یہ ہے کہ ہم پاک وصاف طریقہ سے رہیں اور گندگی وغلاظت سے نفرت کریں اور اس میں ہماری ہی تندرستی کا راز پوشیدہ ہے اگر ہم اس ظاہری طہارت وپاکیزگی کی پابندی کریں تو بہت سی بیماریوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں[1]

---

[1] مراقی الفلاح ص ۱۲۲

قاعدہ ہے کہ جب کسی بادشاہ یا افسر کے دربار میں حاضر ہونا ہوتا ہے تو پہلے اس امر کی تیاری کی جاتی ہے کہ حسب استطاعت اچھے اور صاف کپڑے ہوں۔ صفائی اور پاکیزگی کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے حکم دیا ہے کہ نماز سے پہلے یہ طہارت و پاکیزگی بدرجہ اتم حاصل کرو تا کہ اس کے قرب و حضوری کے قابل بن سکو۔

اذان کو سن کر کیا کرنا چاہئے؟

پہلی صدا جو ایک مسلمان کے کان میں پڑتی ہے وہ بانگ نماز ہے اس میں اللہ والوں کو عبادت الٰہی اور فلاح و نجات کی طرف بلایا جاتا ہے جس وقت ایک مسلمان اس بانگ فلاح کو سنے تو چاہئے کہ اسے دل کے کانوں سے سنے جس کام میں مشغول ہو اسے چھوڑ دے۔ امور دنیا سے منہ موڑ لے اور خانہ خدا میں عبادت الٰہی کے لئے آ جائے۔

ان ظاہری آداب کے علاوہ اس کی روح یہ ہے کہ اس صدا سے ندائے قیامت یاد کرے اور یہ سمجھ کر اپنے دل کو شاد کرے کہ جو کوئی دنیا میں ندائے اذان پر اپنے دنیاوی امور چھوڑ کر لبیک کہے گا وہ قیامت کے روز ندائے قیامت سے بشارت پائے گا اور عذاب الٰہی سے نجات و رستگاری حاصل کرے گا۔

یاد رہے طہارت سے مقصود صرف بدن اور کپڑوں کا پاک کرنا نہیں بلکہ اس میں دل کی صفائی بھی شامل ہے۔ یعنی برے اخلاق اور خدا کی نافرمانی سے اپنے دل کو پاک کرے یہ طہارت باطنی طہارت ظاہری کی روح ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ نمازی کا غسل و وضو محض رسمی اور بے جان ہے۔ خدا کی نگاہ دل پر ہے۔ اس کا پاک و صاف ہونا اصل مقصود ہے بدن صورت نماز کی جگہ ہے اور دل حقیقت نماز کی منزل ہے۔

ستر عورت:

ستر عورت کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اپنے اعضائے نہانی کو چھپایا جائے۔ اس سے مقصود صرف یہی نہیں کہ اعضائے زشت و زبون کو خلق کی نگاہ سے

چھپایا جائے بلکہ اس کی روح یہ ہے کہ جو امر باطن میں برا اور ناجائز ہے اسے ترک کر دیا جائے اور یہ جان لے کہ حق تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ باطنی طہارت کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں پر نادم و پشیمان ہو اور یہ عزم بالجزم کر لے کہ آئندہ پھر گناہ نہ کروں گا۔ [1] توبہ گناہوں کو نابود کر دیتی ہے۔ [2] اگر کوئی ایسا نہیں کر سکتا تو ان گناہوں پر اپنے آپ کو اس قدر ذلیل و شرمسار کرے اور اس طرح اپنے پروردگار کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو جیسے غلام کوئی جرم و خطا کر کے بھاگ گیا ہو اور پھر ڈرتا ڈرتا اپنے مالک کے سامنے آئے اور ذلت و رسوائی سے سر نہ اٹھائے۔ گویا اسطرح اپنے بدن پر ندامت و پشیمانی کی موت طاری کر دے۔

استقبال قبلہ:

اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ سب طرف سے اپنا منہ پھیر کر قبلہ رو ہو جائے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اپنے دل کو خدا کی طرف متوجہ کرے تا کہ ظاہر و باطن دونوں میں مطابقت ہو جائے اور دل و زبان میں یکسانیت پیدا ہو جائے جس طرح ظاہری قبلہ ایک ہے اسی طرح قبلہ دل بھی ایک ہے یعنی حق تعالیٰ خیالات پریشان میں دل کو مشغول رکھنا ایسا ہے جیسا منہ کو ادھر اُدھر پھیرنا۔ جس طرح منہ پھیرنے سے نماز کی صورت باقی نہیں رہتی اسی طرح دل بھٹکنے سے نماز کی روح و حقیقت باقی نہیں رہتی۔

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں جو شخص نماز کو کھڑا ہو اور اس کا منہ، دل اور خواہش خدا کی طرف متوجہ ہوں تو وہ نماز سے اس طرح باہر آتا ہے گویا اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ یعنی وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

اچھی طرح سمجھ لو کہ جس طرح قبلہ سے منہ پھیر لینا نماز کی صورت کو باطل کر دیتا ہے [3] اسی طرح دل کا خدا تعالیٰ کی طرف سے پھیر لینا اور خیالات دنیوی میں مشغول رہنا نماز کی روح و حقیقت کو زائل کر دیتا ہے پس نماز میں اپنے

---

[1] ردالمحتار باب صلاۃ الجنازہ ج ۲ ص ۱۹۰ [2] ابن ماجہ "باب ذکر توبہ" ص ۳۱۳ [3] مراقی الفلاح ۱۸۶

دل کو خدا کی طرف متوجہ رکھنا چاہئے۔ اس مقصود کو حاصل کرنے اور دل کو مرکزِ اطمینان کی طرف لانے کے لئے قبلہ رو ہوتے وقت یہ قرآنی آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین۔ ۱؎

یعنی میں نے اپنے چہرہ کو خالق ارض وسماء کی طرف متوجہ کیا خالص طور پر اور میں مشرکین میں سے نہیں۔

یہ قول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ جس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

دعائے استقبال کی تشریح :

آج سے غالباً پانچ ہزار سال پیشتر جب کہ ظلمت کدہ عالم میں ہر طرف کفر وشرک کا اندھیرا چھایا ہوا تھا خلاق عالم معبود حقیقی کی عبادت تو کجا نام تک سے کوئی واقف نہ تھا۔ ایسے تیرہ وتار زمانہ میں ایک عظیم الشان وجلیل القدر ہستی عالم قدس سے عالم ناسوت میں جلوہ فرما ہوئی۔ جس کا پیارا نام ابراہیم بن آذر ہے۔ اللھم صل علی حبیبہ وخلیلہ

آپ ایک ایسے زمانہ میں آئے جبکہ ہر طرف کفر وشرک، انسان پرستی، بت پرستی اور ستارہ پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ہدایت ورہنمائی کی ایک ادنیٰ سی کرن بھی موجود نہ تھی۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مصنوعی وفرضی خداؤں کو ٹھکراتے ہوئے اور فریب نظر وکید تخیل کے پردوں کو تار تار کرتے معبود حقیقی تک جا پہنچے اور حضرت حق جل وعلیٰ شانہ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر فرمایا انی وجھت وجھی للذی یعنی میں اس فاطر السموات والارض پر ایمان لایا جس نے باغ عالم کو آراستہ ومزین کیا جس کے دست قدرت نے طرح طرح کی گلکاریوں سے عقل انسانی کو مبہوت بنا رکھا ہے۔ میں نے اپنے دل اور دماغ کو ماسوا اللہ اور اوہام باطلہ سے پاک وصاف کر لیا اور میں مشرکین میں سے نہیں۔ نمازی کو

۱؎ انعام : ۷۹

استقبال قبلہ کے وقت اس تاریخی منظر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

قیام :

اس کا ظاہر یہ ہے کہ اپنا سر جھکا کر اپنے خالق ومالک کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑا رہے۔ اور اس کی روح وحقیقت یہ ہے کہ دل سب حرکتوں سے ٹھہر جائے یعنی تمام خیالات سے باز رہے، حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اپنی ذلت وانکساری کے ساتھ بندگی پر قائم رہے قامت کے دن حق تعالیٰ کے سامنے قائم وحاضر ہونا اور اپنے اعمال وافعال ناشائستہ کا ظاہر ہونا یاد کرے اور سمجھے کہ اس وقت بھی حق تعالیٰ پر سب کچھ ظاہر اور عیاں ہے۔ میرے دل میں جو کچھ ہے خدا اس کا عالم وناظر ہے۔ میرے ظاہر وباطن دونوں پر اسکی نگاہ ہے۔ اور زبان سے جو کچھ کہے اس کو سمجھتا جائے اور اپنے اعمال پر نظر کرے کہ وہ کہاں تک ان الفاظ فاتحہ سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً نمازی سورۂ فاتحہ میں اپنے خدا سے یہ وعدہ واقرار کرتا ہے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین۔ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد بھی مانگتے ہیں تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے اس کی توفیق بھی مانگتے ہیں کہ ہم راہ عبودیت پر قائم رہیں۔ اب دیکھے کہ میرے اعمال کہاں تک اس عقیدہ کے مطابق ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ نماز مغرب میں امامت کر رہے تھے۔ جب مذکورہ بالا آیت پر پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا اے شیخ کیا وجہ تھی کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے؟ فرمایا کہ جب میں نے ایاک نستعین کہا تو میں ڈرا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ اے دروغ گو تو مجھ سے مدد مانگتا ہے تو پھر بیماری کی حالت میں طبیب کی طرف کیوں متوجہ ہوتا ہے۔

یہ ہے قیام کا حقیقی مفہوم اور اس کا باطن جو حضرت سفیان ثوریؒ کے اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ مگر یاد رہے یہ مقام انہی بزرگان دین کے لئے خاص تھا اور یہ غلبہ حال کا نتیجہ تھا۔ یہاں مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ نمازی کو قیام کی حالت

میں اس طرح اپنے اعمال واقوال پر نظر رکھنی چاہئے۔

رکوع وسجود :

رکوع وسجود کی ظاہری صورت عاجزی وفروتنی ہے اور دل کی فروتنی اس کا اصل مقصود ہے۔ رکوع وسجود اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ نمازی اپنے شریف وبہترین اعضاء کو خاک پر رکھ کر اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرے اور خدا کی عظمت وکبریائی کا عملی اظہار کرے۔ وہ جان لے کہ خاک میری اصل ہے اور خاک ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ رکوع وسجود سے نمازی کا تکبر وغرور خاک میں ملتا ہے اور عاجزی وانکساری کا پاکیزہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

قرأت واذکار نماز :

نماز میں جتنے کلمے زبان سے ادا کئے جاتے ہیں نماز میں صرف اس کا دہرا دینا مقصود نہیں بلکہ ان کی اصلی غرض یہ ہے کہ ان کی حقیقت اور ان کے مطلب کو بھی سمجھیں اور ان کے مطابق اپنے اعمال کریں۔ یعنی قائل کا دل اور جسم ان کلموں کے مطابق ہونا چاہئے۔ مثلاً اللہ اکبر کے یہ معنی ہیں کہ خدا سب سے بڑا ہے۔ اس بڑائی کا اعتراف صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے بھی کرنا چاہئے اس طرح کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرے، اسی کو خالق ومالک اور حاجت روا سمجھے اس سے محبت کرے اور صرف اسی سے ہی ڈرے۔ اگر نمازی کے دل میں خدا سے زیادہ اور کوئی چیز بھی بڑی اور محبوب وعزیز ہو تو وہ اللہ اکبر کہنے میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ جب اس کے نزدیک خدا سے زیادہ کوئی چیز عزیز ہوگی اور وہ بمقابلہ اللہ اور رسول ﷺ کسی اور چیز کا بھی مطیع وفرمانبردار ہوگا تو اس کے نزدیک تو وہی چیز خدا سے بزرگ ہوئی اور اس کا معبود وہی ہے جس کا وہ مطیع ہے۔ اس چیز کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ۔ [1] کیا دیکھا تو نے اسے جس نے ٹھہرالیا اپنی خواہش کو اپنا معبود پس ہمارا اللہ اکبر کہنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم

[1] جاثیہ : ۲۳

خدا سے زیادہ کسی کو بزرگ نہ سمجھیں اور کسی کی ناجائز اطاعت وفرمانبرداری نہ کریں۔

جب الحمدللہ زبان سے کہے تو چاہئے کہ اپنے اوپر خدا کے بے پایاں الطاف واکرام یاد کرے، اس کی بے انتہا نعمتوں پر نظر رکھے۔ اپنے دل کو شکر گزار بنائے جب ایاک نعبد کہے تو چاہئے کہ اخلاص کی حقیقت اپنے دل میں پیدا کرے۔ جب اھدنا کہے تو چاہئے کہ اس کا دل تضرع وزاری کرے اس لئے کہ وہ خدا سے ہدایت مانگتا ہے۔ اسی طرح تسبیح وتہلیل اور قرأت کے وقت ہر ہر کلمے میں یہی چاہئے کہ ہر کلمہ کی صفت سے اپنے دل کو متصف کرنے کی کوشش کرے تاکہ حقیقت نماز متحقق ہو۔

نماز کی روح

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ نماز کے ہر ہر ارکان کے متعلق تھا۔ اب اصل نماز کی روح حقیقت بھی معلوم کر لیجئے۔ ہر عبادت اور ہر ذکر کی ایک روح خاص ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز کی بھی ایک روح ہے۔ اگر نماز میں وہ روح نہ ہو تو وہ نماز مردہ اور بے جان ہے۔ نماز کی اصل روح یہ ہے کہ اوّل سے آخر تک خشوع اور خضوع قلب رہے۔ اس واسطے کہ نماز سے مقصود دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ راست و درست رکھنا اور یاد الٰہی کو کمال تعظیم وہیبت کے ساتھ تازہ کرنا ہے۔ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو اور ظاہر اعمال وارکان کی پوری پوری پابندی نہ کی جائے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کے آنکھ تو ہو مگر اس میں بصارت نہ ہو۔ ایسی ہی نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں جن کو نماز بجز رنج ودرماندگی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہ امر اس سبب سے ہوتا ہے کہ فقط بدن سے نماز پڑھتے ہیں اور دل غافل رہتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اس طرح پڑھنی چاہئے جس طرح کوئی کسی کو رخصت کرتا ہے یعنی نماز میں ماسوا اللہ کو اپنے دل سے رخصت کر دینا چاہئے اور

اپنے آپ کو بالکل نماز میں مصروف کر دینا چاہیئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہم اور رسول مقبول ﷺ باتیں کرتے ہوتے تھے۔ لیکن جب نماز کا وقت آ جاتا تو نہ آپ مجھے پہچانتے تھے اور نہ میں آپ کو۔ یعنی نماز کا وقت آتے ہی معبود برحق کی ہیبت و عظمت آپ کے ظاہر و باطن پر طاری ہو جاتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں دل حاضر نہ ہو حق تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ اپنی نماز میں ہوتا ہے تو جب تک وہ التفات نہیں کرتا خدا اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ پھر جب وہ التفات کرتا ہے تو خدا اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ جب بندہ خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ رحمت فرماتا ہے۔ بخشش کا دروازہ اس کے لئے کھول دیتا ہے اور جب بندہ اعراض کرتا ہے تو عذاب الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات عرض کرنی ضروری ہے کہ نماز دراصل توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع کا نام ہے۔ صرف اوضاع ظاہری کو نماز نہیں کہتے۔ اگر کوئی شخص نماز سے حقیقی فائدہ حاصل کرنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ نماز کی مذکورہ بالا روح و حقیقت کو مدنظر رکھے اور اسے اس طرح پڑھے جس طرح شارع علیہ السلام کا منشاء ہے اگر جسم نماز میں مشغول ہے اور روح دنیا میں منہمک تو ظاہر ہے کہ ایسی نماز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کسی طبیب کے نسخہ سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس طبیب کی ہدایات پر عمل کیا جائے ورنہ وہ نسخہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

آج کل ہماری نمازوں سے وہ فوائد و نتائج کیوں مرتب نہیں ہوتے جو خیر القرون میں ہوتے تھے؟ یہ نماز کا قصور نہیں بلکہ وہ خود ہمارا قصور ہے۔ نماز بے شک دل و دماغ کو روشن کرتی ہے۔ مگر ان کے جو اس کی حقیقت کو سمجھیں۔

---

[1] ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۳۶

اور نماز کو نماز سمجھ کر پڑھیں اور نماز بلاشبہ بے حیائی سے روکتی ہے بشرطیکہ حقیقی معنوں میں ادا کی جائے۔

نماز میں حضور قلب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟

نماز میں دو سبب سے غفلت ہوتی ہے، ایک ظاہری سبب سے اور دوسرے باطنی سبب سے ظاہری سبب مانع حضور قلب یہ ہے مثلاً ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں کوئی شور و غل ہو یا کچھ دکھائی سنائی دیتا ہو اور دل ادھر متوجہ ہو جانے کا احتمال ہو۔ احتمال ہی نہیں بلکہ ایسا ہونا بظاہر یقینی ہے کیونکہ دل آنکھ، کان کا تابع ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا علاج یہی ہے کہ ایسی جگہ نماز ہی نہ پڑھی جائے جہاں یہ جاذب توجہ چیزیں ہوں۔ خالی جگہ میں نماز پڑھے یہ بھی جائز ہے کہ کسی تاریک جگہ میں نماز پڑھے یا آنکھ بند کرے تو بہتر ہے۔ [1] اکثر عابدوں نے عبادت کے لئے خلوت نشینی اختیار کی ہے اور ایک چھوٹا سا مکان بنوایا ہے اس لئے کہ کشادہ مکان میں دل پراگندہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ دستور تھا کہ نماز پڑھتے وقت قرآن، تلوار اور ہر چیز جدا کر دیتے تھے تاکہ ان کی طرف دل متوجہ نہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ ایسے مکان میں اور ایسی جانماز پر نماز نہیں ہوتی جس پر تصویریں ہوں یا اور کوئی جاذب توجہ چیز موجود ہو۔

دوسرا باطنی سبب یہ ہے کہ پریشان اور پراگندہ خیالات دل میں آئیں خیالات پر قابو پانا بہت مشکل اور دشوار امر ہے اور یہ انسان کے اختیار میں ہے بھی نہیں مگر یاد رکھئے کہ خیالات کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ کسی دنیوی کام میں دل لگا ہوا ہے۔ اس کے سبب خیالات آتے ہیں۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ پہلے اس کام سے فارغ ہو لے اور پھر اطمینان خاطر کے ساتھ نماز پڑھے۔ سچی عبدیت اور کمال وفا یہ ہے کہ اپنے دل کو کوشش کر کے اس کام کی طرف سے ہٹائے اور خیالات پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ یہاں تک ملانوں نے ایک مسئلہ ایجاد کیا

---

[1] من الفلاح ص ۲۰۰

ہے کہ اگر کھانے اور نماز کا وقت ساتھ ہی آئے تو پہلے کھانا کھالے اور پھر اطمینان
کے ساتھ نماز پڑھے۔ ورنہ دل کھانے میں لگا رہے گا۔[۱] بظاہر تو یہ بات بڑی
خوبصورت ہے مگر درحقیقت چھپی ہوئی نفس پرستی اور شکم نوازی ہے۔ کیوں
صاحب؟ اس میں کھانے ہی کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر خیالات پر قابو پانے کا
اصول یہی ہے تو چاہئے کہ اگر ایک شخص کا دل جماع کرنے کو چاہتا ہے تو پہلے
جماع کرے۔[۲] اسی طرح ہزاروں خواہشات ہیں پہلے ان کو پورا کرے اور پھر
نماز پڑھے۔ اس میں کھانے ہی کیا خصوصیت ہے۔ یہ اچھی نماز ہے کہ پہلے
خواہشات کو پورا کرو اور پھر نماز پڑھو۔ حالانکہ کمال عبدیت تو یہ ہے کہ اپنے
خیالات اور خواہشات پر قابو حاصل کرکے نماز پڑھے۔ لغرض یہ بہت کمزوری کی
بات ہے کہ پہلے دنیاوی کاموں اور خواہشات کی پیروی سے فارغ ہولے اور
پھر نماز پڑھے۔ اس سلسلہ میں یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ اگر دنیاوی کام اور
نفسانی خواہش کے پورا کرنے کا وقت ہے اور اس سے نمز کے افضل و اولیٰ وقت
میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا تو پہلے ان سے فارغ ہولے اور اگر افضل وقت میں
تاخیر ہوتی ہو تو پہلے نماز پڑھے اور خیالات پر زبردستی قابو پائے بہرحال حکم الٰہی کو
اپنے کام پر مقدم رکھنا اور سچے خدا پرست بننا چاہئے۔

دوسری قسم ان خیالات کی ہے جو ایک ساعت میں تمام نہ ہوں یا خیالات
واہیات عادت کے خود بخود دل پر غالب آجائیں ان کو دور کرنے کی تدبیر یہ ہے
کہ نماز میں جو کچھ زبان سے پڑھتا ہے اس کے معنوں کو سمجھے، اور ان میں اپنا دل
لگائے اگر عربی زبان سے واقفیت نہیں تو کم از کم اتنا ہی دھیان رکھے کہ میں کون
کون سے الفاظ اپنی زبان سے ادا کر رہا ہوں ان کی حرکات پر نظر رکھے جو ان
دونوں باتوں کی پابندی نہ کرے گا وہ کسی طرح بھی حضور قلب حاصل نہیں کر سکتا۔

حضور قلب کا ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نماز میں اپنی طرف سے یہ نہ سوچے
کہ میں نماز پڑھ کر یہ کروں گا وہ کروں گا اور جو خیالات دل میں بغیر قصد کے
آئیں ان سے حضور قلب میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ ایسے خیالات تو صحابہ

[۱] ردالمختار ج ا ص ۳۲۸ [۲] درمختار ج ا ص ۳۲۸، ۳۲۹

کرام کو بھی آتے تھے اور ان کا روکنا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو
کوئی ایسی تکلیف نہیں دی جس کی وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ ہمارا خدا جس
نے ہمیں مذہبی قوانین دیئے ہیں، وہ ہماری تمام ضرورتوں اور ہماری تمام
کمزوریوں سے واقف تھا اور اس نے ہر معاملہ میں ہماری آسانی کو مقدم رکھا
ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔[۱]

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

چاروں ارکان کا تقابل

آنحضرت ﷺ نے نماز کو دین اسلام کا ستون قرار دیا ہے۔ آپؐ فرماتے
ہیں جس نے نماز ترک کی گویا اس نے اپنے دین کے ستون کو گرادیا۔ اس سے
نماز کی اہمیت حاصل ہے۔ یہ اہمیت بقیہ تین ارکان میں سے کسی رکن کو بھی حاصل
نہیں۔ نفس امارہ پر غالب آنا اور نفسانی خواہشات پر قابو حاصل کرنا یہی مذہب کا
مقصود ہے اور اس مقصود کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ اگرچہ یہ غرض
صیام رمضان سے بھی پوری ہوتی ہے مگر روزوں کے ذریعہ ضبط نفس کی مشق
صرف سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور نماز کے ذریعہ یہ مشق
اپنے قوی موثرات کے ساتھ دن میں پانچ مرتبہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ
بقرہ کے شروع میں جہاں علامات تقویٰ کو بیان کیا گیا ہے وہاں باری تعالیٰ نے
علامات تقویٰ کو صرف اقامت صلوٰۃ پر منحصر کردیا ہے اور اسی کے بیان پر اکتفاء
فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ۔[۲]

یعنی متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں۔

اس میں ایمان بالغیب کے بعد عبادات اسلامیہ میں سے نماز کو مقدم بیان

[۱] البقرۃ: ۱۸۵ [۲] البقرۃ: ۳

کیا ہے اور دوسری صفت متقین کی یہ بتائی ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حصول تقویٰ میں نماز کو بہت بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے بھی ظاہر ہے کہ نماز بے حیائی کے کاموں سے روکنے کا قوی تر ذریعہ ہے۔ نماز خیالات معصیت کو فنا کرتی ہے۔ اور ہر طرح انسانیت کی تکمیل کرتی ہے۔

اسلام کے بقیہ تین ارکان سے کوئی نہ کوئی وصف خصوصی حاصل ہوتا ہے مگر نماز تکمیل انسانیت کے اعتبار سے تمام اوصاف وخصائص پر حاوی ہے۔

نماز جامع جمیع عبادات بدنی ونفسی ہے:

نماز ہمہ عبادات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ اعمال اسلامی میں کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا۔ معلوم ہوا کہ عبادات اسلامیہ میں سے نماز کو سب پر فضیلت حاصل ہے پھر دیکھئے عبادات جمادات کا بیٹھنا ہے۔ عبادت جانوران چرندہ کا رکوع ہے۔ عبادت جانوران پرند ذکر وتلاوت اسماء الٰہیہ ہے، عبادات حشرات سجود ہے، عبادت اشجار ونباتات قیام ہے اور عبادت ملائکہ میں سے بھی ہر ایک کی یہی عبادتیں ہیں۔ نماز ان تمام اقسام پر مشتمل ہے۔ بقیہ تینوں ارکان میں یہ بات نہیں ہے۔

نماز کی فرضیت اس قدر قوی اور ہمہ گیر ہے کہ اس عبادت کی فرضیت کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتی، عابد ومعبود کا یہ تعلق کسی حالت میں بھی منقطع نہیں ہوتا اور ہو بھی کیوں بندہ ہونے کا تعلق تو جان نکلنے پر بھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ دیکھئے اگر کسی وجہ سے کوئی آدمی ارکان مقررہ کی ادائیگی سے معذور ہے تو ان کے بغیر ہی نماز ہوجاتی ہے[1] اگر کوئی کھڑا نہیں ہوسکتا تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے بیٹھ بھی نہیں سکتا تو لیٹے لیٹے ادا کرسکتا ہے اور اگر زبان بھی یاری نہیں دیتی تو اس کی ادائیگی صرف اشارہ ہی سے کافی ہے[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت نماز میں جو تعلق بندہ

[1] الدر المختار ج ۲ ص ۹۷ [2] الدر المختار ج ۲ ص ۹۹

کو خدا کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ کسی صورت اور کسی حالت اور کسی وقت میں بھی نہیں ٹوٹتا۔ برخلاف بقیہ ارکان ثلثہ کے کہ ان کے ارکان مقررہ کی معذوری اور فقدان سے وہ عبادتیں ہی نہیں ہوتیں۔ مثلاً حد سے زیادہ ناتواں بوڑھا شخص روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے[1] ارکان حج میں سے اگر کوئی رکن اور کوئی شرط مفقود ہوگی تو سرے سے حج ہی فرض نہ ہوگا[2] اور اگر کوئی صاحب نصاب نہ ہوگا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی[3] یعنی ان عبادتوں کو جامعیت، ہمہ گیری اور آسانی حاصل نہیں جو نماز کو حاصل ہے۔

روزہ، زکوٰۃ اور حج میں اخلاقی وروحانی، سیاسی اور مادی فائدے کچھ نہ کچھ ضرور ہیں اور ان کی فضیلت واہمیت اپنی اپنی جگہ ہے۔ لیکن لفظ عبادت بتلا رہا ہے کہ سب سے اچھی اور جامع عبادت وہی ہوسکتی ہے جس میں عبودیت کی سب سے زیادہ مثال پائی جائے یعنی جس میں ہمارا دل، زبان اور آنکھ اور کان وغیرہ جملہ اعضاء ظاہری وباطنی شریک عبادت ہوں۔ ارکان ثلاثہ میں سے یہ بات صرف نماز کو حاصل ہے۔

حج وزکوٰۃ صرف مالداروں کے لئے مخصوص ہیں اور روزے سال میں ایک ماہ کے رکھنے پڑتے ہیں مگر نماز سب کے لئے عام ہے۔ اس کے روحانی ومادی فوائد ہر شخص ہر حالت میں اور دن میں پانچ بار حاصل کرسکتا ہے۔ اور اس اعتبار سے نماز دینی ودنیاوی دونوں کامیابیوں کی ضامن وکفیل ہے۔

زکوٰۃ کا بیان

اسلام کی حقیقت کسی شخص میں اس وقت متحقق ہوسکتی ہے جبکہ اس کا وجود محض خدا تعالیٰ کے لئے وقف ہوجائے۔ اس کے تمام ظاہری وباطنی قویٰ خدا کی راہ میں خرچ ہوں اور وہ کلی طور پر خدا کا ہوجائے۔ نہ صرف اعتقادی اور زبانی طور پر بلکہ عملاً اور حقیقتاً خدا کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی دو چیزیں ہیں۔ جان اور مال

[1] ردالمختار ج ۲ ص ۴۷ [2] ردالمختار ج ۲ ص ۴۵۸ [3] ردالمختار ج ۲ ص ۲۵۹

اور انہی دونوں چیزوں کو خدا تعالیٰ نے خرید کر اپنا قبضہ کر لیا ہے تاکہ اس کے بندوں میں حقیقت اسلام متحقق ہو سکے اور بندہ وخدا کے درمیان رکاوٹ ڈالنے والی چیزیں راہ اطاعت سے ہٹ جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں جس کے عوض ان کو جنت ملے گی۔ سو حقیقی مومن خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، دوسروں کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ نے اپنے اوپر ٹھہرالیا ہے۔ بڑا پکا اور سچا ہے۔ اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا ہے۔ پس اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ اس سودے پر جو تم نے کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ [1]

اس آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ عز اسمہ نے مسلمانوں کو دینی ودنیاوی ترقی وکامیابی کا ایک کامیاب گر بتلایا ہے اور وہ یہ ہے کہ دین ودنیا کا ہر کام پوری توجہ یا پوری طاقت اور پورے دل کے ساتھ سرانجام دینا چاہئے۔ اگر کوئی کام ادھورے دل اور لاپرواہی سے کیا جائے گا تو اس میں بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ اس آیت میں ہمیں ترقی وکامیابی کا یہ اصول بتلایا گیا ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مسلمانوں کی جانیں اور دل گویا خدا کے ہیں انہیں ان کو اپنی ملکیت نہیں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح اور جہاں چاہیں خرچ کریں بلکہ ان چیزوں کے متعلق ان کی ذہنیت یہ ہونی چاہئے کہ یہ چیزیں خدا کی ہیں اور مسلمان ان کے امین ہیں۔ جب بھی خدا تعالیٰ ان کو مانگے تو بلاچون چرا اس کے سپرد کر دینا چاہئے پس معلوم ہوا کہ اسلام نے ترقی وکامیابی کا گر جانی اور مالی قربانی کو بتلایا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کے تمام کارناموں، فتح مندیوں اور کامرانیوں کی روح رواں بھی جانی ومالی قربانیاں تھیں۔ انہوں نے اسلام کی پہلی آواز پر ہی اپنا جان ومال سب کچھ قربان کر دیا تھا اور جانی ومالی قربانیوں نے ہی ہر طرح فائز المرام وشادکام کیا۔

[1] توبہ: ۱۱۱

نماز اور زکوٰۃ کو پہلو بہ پہلو رکھنے کی حکمت:

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اور جہد للحیات اسلام کی روح اعظم ہے اور جانی ومالی قربانی ترقی کا پہلا قدم۔ اس روح قربانی کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کو پہلو بہ پہلو رکھا ہے۔ سارے قرآن شریف میں نماز وزکوٰۃ کا ساتھ ساتھ حکم دیا گیا ہے قرآن میں جگہ بہ جگہ اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ [1] کی تکرار وتلازم نظر آتا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ نماز جانی قربانی کرنا سکھاتی ہے اور زکوٰۃ مالی قربانی۔ ان کے تلازم سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ نہ تنہا جانی قربانی کافی ہے اور نہ تنہا مالی قربانی بلکہ دین ودنیا میں فائز المرام وشادکام ہونے کے لئے دونوں قربانیوں کی ضرورت ہے صرف ایک قسم کی قربانی سے کام نہیں چلتا۔ حق وحریت کی راہ میں دونوں چیزیں قربان کرنی چاہئیں۔

تاریخ زکوٰۃ:

بعد نماز کے افضل العبادات زکوٰۃ ہے ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا اللہ تعالیٰ نے ۸۲ مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بیان کیا ہے جاننا چاہئے کہ ہر آزاد، بالغ، عاقل مسلمان پر جبکہ وہ نصاب کا مالک ہو زکوٰۃ فرض ہے۔ [2] زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر کافر ہے [3] اور نہ دینے والا فاسق اسلام کا عملی احکام دو حصوں پر منقسم ہیں ایک حصہ حقوق اللہ کے متعلق اور ایک حقوق العباد کے متعلق ہے اسلام کے ان عملی احکام میں سے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ایک رکن اعظم زکوٰۃ ہے محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ ماہ شوال سنہ ۲ ہجری میں فرض ہوئی۔ بعد زکوٰۃ فطر کے بعض کہتے ہیں کہ وہ ماہ شعبان سن ۲ ہجری میں زکوٰۃ فطر کے ساتھ فرض ہوئی۔ [4]

وجوب زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے اس قول واتوا الزکوٰۃ اور رسول اللہ ﷺ کے

[1] البقرۃ: ۴۳ [2] شرح التنویر ج ۲ ص ۲۵۸-۲۵۹ [3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۰ [4] بحاشی الترمذی شریف ج ۱ ص ۱۳۳

قول اقواز کوٰۃ اموالکم سے ثابت ہوتا ہے اس کے وجوب قطعی یعنی فرض ہونے پر اجماع امت ہے۔ [1]

زکوٰۃ کی تعریف :

لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں چونکہ زکوٰۃ انسان کے دل کو بخل اور خود غرضی کی نجاست سے پاک وصاف کرتی ہے، اس لئے اصطلاح شرع میں اس کا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے قرآن پاک میں وارد ہے:

خذمن اموالهم صدقة تطهرهم و تزکیهم بها۔ [2]

اے نبی! لوگوں کے مال سے صدقہ وصول کرو یہ صدقہ ان کے مالوں کو طاہر اور پاکیزہ بنادے گا۔

یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ انبیاء علیہم السلام پر واجب نہیں اس لئے زکوٰۃ بخل وخود غرضی کی نجاست سے پاک کرنے کے لئے فرض ہوئی ہے اور انبیاء علیہم السلام تمام گناہوں سے پاک ومعصوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت قرآن پاک میں جو آیا ہے واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ [3] یعنی مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی گئی ہے جب تک میں زندہ ہوں۔ اس زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس ہے ان رذائل سے جو مقامات انبیاء کے منافی ہیں یا اس سے مراد تبلیغ زکوٰۃ ہے۔

نماز اخلاقی مصلح ہے اور زکوٰۃ مالی مصلح۔ نماز شخصی اخلاق کو بالذات درست کرتی ہے اور زکوٰۃ قومی واجتماعی امراض کی خاص دوا ہے۔

ترک زکوٰۃ کی سزا :

ترک زکوٰۃ کی سزا ترک نماز کی سزا سے بھی بڑھ کر ہے اس سے زیادہ کیا ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا کیونکہ وہ اس کی فرضیت ہی کے منکر ہو گئے تھے۔ حالانکہ بقیہ ارکان کی ادائیگی کا ان کو اقرار واعتراف تھا۔ اللہ تعالیٰ ترک زکوٰۃ کی سزا یوں بیان فرماتا ہے: [4]

---

[1] الدر المختار ج ۲ ص ۲۵۶ ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵ [2] توبہ : ۱۰۳ [3] مریم : ۳۱ [4] صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۸۸

والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم۔ [1]

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں صرف نہیں کرتے۔ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو۔

پھر اس دردناک عذاب کی یوں تصریح کی:

یوم یحمیٰ علیها فی نار جهنم فتکویٰ بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

چاندی سونا قیامت کے روز آتش دوزخ میں لال کیا جائے گا اور پھر اس سے تمہاری پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغ لگائے جائیں گے یہ تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اس جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

شرائط وجوب زکوٰۃ :

زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں فرض اور واجب فرض زکوٰۃ مال ہے اور واجب صدقہ فطر۔ زکوٰۃ مال کی دو قسمیں ہیں۔ چاندی سونے کی اور اموال تجارت کی زکوٰۃ۔ دوسرے زروع واثمار کی زکوٰۃ۔ احناف کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کی آٹھ شرطیں ہیں۔ جن کو میں علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

(۱) اسلام۔ کافر اصلی اور مرتد پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۲) بلوغ۔ لڑکے پر واجب نہیں۔

(۳) عقل۔ مجنون پر واجب نہیں۔

(۴) حریت۔ یعنی آزاد ہونا۔ غلام اور مکاتب پر زکوٰۃ نہیں۔

(۵) قرض دار ہو۔ مثلاً اگر کسی کے پاس پانچ سو روپے ہوں اور وہ اتنے ہی کا قرض دار ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

---

[1] توبہ : ۳۵

(۶) مال نصاب پر پورا ایک سال گزر جائے۔ سال سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

(۷) مال نصاب کا مالک ہو، مال وقف پر اور نصاب سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں۔

(۸) مال بڑھنے والا یا تجارت کے لئے ہو۔ [1]

سونے چاندی کا نصاب :

جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور ایک سال تک باقی رہے روپے کے حساب سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ جس کے پاس چون ۵۴ روپے تیرہ آنے، ۲ رتی بھر چاندی ہو یا سات روپے بارہ آنے رتی بھر سونا ہو اور سال بھر تک باقی رہے تو سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر اس سے کم ہو تو واجب نہیں۔ [2]

اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دنبہ، گدھے، گھوڑے پر بھی زکوٰۃ ہے۔ مگر ان میں چار شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ یہ جانور گھر میں نہ پلتے ہوں بلکہ چراگاہ میں پلتے ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ایک سال ملک میں رہیں۔ اگر سال گزرنے سے پہلے ملکیت سے نکل جائیں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس مال سے تونگر ہو اور اس کے تصرف میں رہا ہو۔ اگر کم ہو گئے ہوں یا کوئی ظالم لے لے تو زکوٰۃ نہیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کے پاس مال کا نصاب اتنا جمع ہو جس سے وہ تونگر ہو۔ [3]

جانوروں کا نصاب :

اونٹ جب تک پانچ نہ ہوں، ان کی زکوٰۃ واجب نہیں اور پانچ اونٹ میں ایک بکری بطور واجب ہوتی ہے۔ [4] اور وہ بکری ایک سال سے کم کی نہ ہو۔ بیل، گائے جب تک تیس نہ ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں جب تیس ہو جائیں تو ان

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۱ تا ۱۷۵ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۹، محیط البرہانی ج ۳ ص ۳۸۳ ۳ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۶-۱۷۷ ۴ محیط البرہانی ج ۳ ص ۳۹۸

زکوٰۃ ایک سال کا بچھڑا واجب ہوتا ہے۔ اور چالیس ہوں تو دو سال کا بچھڑا چالیس بکریوں تک زکوٰۃ نہیں اگر چالیس ہو جائیں تو ایک بکری دینی پڑے گی۔ [1]

غلہ اور میوے پر بھی زکوٰۃ ہے۔ جس کے پاس آٹھ سو من گیہوں ہوں اتنے ہی جو، خرما اور منقی وغیرہ قوت حاصل کرنے والی چیزیں ہوں۔ جیسے مونگ، چنے اور چاول وغیرہ تو اس پر عشر واجب ہوگا یعنی دسواں حصہ۔ اگر پیداوار کو تالاب کے پانی سے بھی سیراب کیا گیا ہو تب بھی عشر واجب ہوگا۔ [2]

چند ضروری مسائل :

اگر سال کے اوّل و آخر حصہ میں مالک رہا مگر درمیان میں دو تین ماہ نصاب کا مال نہ رہا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے مثلاً کسی کے پاس چھ مہینہ تک دس تولہ سونا رہا۔ درمیان میں آٹھ تولہ جاتا رہا صرف دو تولہ رہ گیا۔ مگر پھر آخر سہ ماہی میں پورا دس تولہ ہو گیا تو اس کی زکوٰۃ دینی لازم ہے۔ [3] ہاں اگر سال کے درمیان میں سارا مال جاتا رہے اور پھر آخر سال اتنا ہی آ جائے تو جس وقت سے دوبارہ مال حاصل ہوا ہے تو سال کی ابتدا اسی وقت سے ہوگی۔ [4]

اگر کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار چاندی کی ہو اور نہ پوری سونے کی بلکہ کچھ چاندی ہو اور کچھ سونا اور دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی برابر ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی ہیں کہ دونوں کی قیمت ملا کر بھی چاندی یا سونے کا نصاب پورا نہیں ہوتا تو پھر واجب نہیں۔

سونا چاندی کے برتن و زیورات اور سچے گوٹہ وغیرہ سب پر واجب ہے۔ چاہے یہ اشیا استعمال کے لئے رکھی ہوں یا ویسے ہی غیر مستعمل۔ مطلب یہ

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۸ ۲ درمختار ج ۱ ص ۳۲۵ ۳ الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۲ ۴ رد المختار ج ۲ ص ۳۰۲

ہے کہ سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے۔[1] سونے چاندی کے علاوہ جو
چیزیں ہیں جیسے لوہا، تانبہ، پیتل اور کانسی وغیرہ اور ان چیزوں کے بنے ہو
برتن نیز کپڑا، جوتا اور دیگر سامان۔ اگر یہ سب چیزیں بھی تجارت کے لئے ہو
اور ان کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہوں تو زکوٰۃ واجب
ہے ورنہ نہیں۔[2]

گھر کے اسباب پتیلی، دیگچہ، سینی، لگن، صندوق، کھانے کے برتن، رہائش
کے مکانات، پہننے کے کپڑے، موتیوں کا ہار، جواہر کا زیور، چارپائیاں اور پلنگ
وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ چاہے یہ چیزیں مستعمل ہوں یا غیر مستعمل دونوں
صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں بشرطیکہ یہ گھریلو اشیاء تجارت کے لئے نہ ہوں
اور اگر یہ چیزیں تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔[3]

سوداگری کا مال شرع میں وہ سمجھا جاتا ہے جو سوداگری کرنے کی نیت سے
خریدا گیا ہو اب خواہ اس کو فروخت کرے یا نہ کرے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور جو
سوداگری کے لئے نہ خریدا گیا ہو اور بعد میں اس کو فروخت کیا جائے تو
سوداگری کا مال نہ سمجھا جائے گا اور نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی۔

زکوٰۃ نہ دینے کی سزا:

حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص مالک نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ دے گا اس
مال قیامت کے روز سانپ بن کر اس کے گلے کا طوق ہوگا[4] اس کے گالوں
کاٹے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں جس کی تو نے زکوٰۃ نہ دی تھی۔ نیز حدیث
شریف میں آیا ہے کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے زکوٰۃ نہ دینے والا جنت
میں داخل نہ ہو۔

[1] مراقی الفلاح ص ۴۰۸ [2] مراقی الفلاح ص ۴۱۰ [3] مراقی الفلاح ص ۴۱۰ [4] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ
ج ۱ ص ۱۸۸

مستحق زکوٰۃ کون ہیں؟

ہر مومن کا دعویٰ ہے کہ وہ سب چیزوں سے زیادہ خدا کو دوست رکھتا ہے اور
دعویٰ کے لئے دلیل وثبوت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس
دعویٰ کے جواب میں فرماتا ہے کہ لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون[1]
یعنی تم ہرگز ہرگز حقیقی نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی محبوب چیز کو راہ خدا میں
خرچ نہ کرو۔ سب جانتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں سب سے پیاری چیز مال ہے۔
انسان اس کی محبت میں اندھا ہو کر بڑے بڑے ہولناک جرائم کرتا اور اپنی زندگی
کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مال کی اس محبت اور بخل وخودغرضی سے
دلوں کو پاک وصاف کرنے کے لئے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ اپنے مال کا چالیسواں
حصہ لازمی طور پر زکوٰۃ نکالا کرو اور اس میں سے زیادہ بھی اگر ممکن ہو تو خیرات کیا
کرو۔ تاکہ تمہارا دعویٰ محبت سچا ثابت ہو۔

اسلام نے جو عبادت کے طریقے ہمارے لئے مقرر کئے ہیں، وہ ہمارے
ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ہیں، ان سے خود ہم کو، تمام بنی نوع انسان کو، اور اپنی
قوم کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

ان کے ذریعہ ہمارے اخلاق وعادات کی درستی واصلاح ہوتی ہے، ہماری
دنیاوی حالت بہتر ہوتی ہے اور ہماری حیات انفرادی واجتماعی میں توحید وانضمام
پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ وخیرات کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ ہم
بخل وخودغرضی کی خبیث عادت سے پاک ہوں دوسرے قوم کے امراء وغرباء
میں توازن وہمدردی قائم ہو اور تیسرے قومی جذبات کی تکمیل ہو۔ قوم کے دولت
مند غریبوں ونادارں کی امداد ودستگیری کریں اور قوم میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔

اسلام نے مال کو قوام زندگی بتلایا ہے اور زکوٰۃ کے ذریعہ ایک قومی بیت
المال قائم کرنا چاہا ہے، جس سے قومی مصارف پورے ہوں اور مسلمان مالی،
معاشی اور سیاسی اعتبار سے دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہ رہیں۔ ان اغراض کی

[1] آل عمران : ۹۲

تکمیل کے لئے اسلام نے زکوٰۃ وخیرات کا نظام قائم کیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں زکوٰۃ حکومت کے ٹیکس کی طرح وصول کی جاتی تھی اور اس طرح جو روپیہ جمع ہوتا تھا اسے بہترین قومی مصارف پر صرف کیا جاتا تھا۔

اسلام نے جہاں زکوٰۃ کی ادائیگی پر حد سے زیادہ زور دیا ہے۔ وہاں سختی کے ساتھ اس امر کی بھی تاکید کی ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ برمحل یعنی قوم کی حقیقی ضروریات پر خرچ ہو نہ کوئی انفرادی طور پر دے اور نہ لے بلکہ سب روپیہ ایک جگہ جمع ہو اور بہترین قومی مصارف پر صرف کیا جائے۔ اس لئے اسلام نے مصارف زکوٰۃ بھی کھول کر بیان کردیئے ہیں۔ [1]

جب تک مسلمان زکوٰۃ وخیرات کو ادا کرتے اور صحیح طور پر خرچ کرتے رہے، ان کی مالی حالت بہتر رہی اور ان میں گداگری کی لعنت پیدا نہ ہونے پائی، مگر جب انہوں نے اس نظام کو چھوڑ دیا تو ان پر غربت وافلاس نے قبضہ کرلیا اور لاکھوں کی تعداد میں بھیک منگے وگداگر پیدا ہوگئے۔ زکوٰۃ وخیرات کے بے محل خرچ نے اگر سچ پوچھو تو مسلمانوں کی مالی حالت اور غیرت وخودداری کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ اس لئے زکوٰۃ دینے والوں کو چاہئے کہ وہ زکوٰۃ دیتے وقت مستحق وغیر مستحق کا لازمی طور پر خیال رکھیں۔ تاکہ زکوٰۃ کے قومی وتمدنی فوائد ونتائج پیدا ہوں اور زکوٰۃ کے بے محل استعمال سے قوم تباہ نہ ہو۔

مسکین اور فقیر :

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں جہاں مصارف زکوٰۃ کو بیان فرمایا ہے۔ وہاں سب سے پہلے فقیروں اور مسکینوں کو رکھا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

انما الصدقات للفقراء والمسکین والعاملین علیها والمولفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم. [2]

یعنی زکوٰۃ وخیرات کے مذکورہ ذیل مصارف ہیں: اوّل یہ کہ زکوٰۃ وخیرات کا مال فقیروں اور مساکین کو دیا جائے۔

۱ شامی ج ۲ ص ۲۵۶ ۲ سورۃ توبہ پ ۱۰ رکوع ۱۳

اس آیت مقدسہ میں فقیر کو مقدم کیا ہے کیونکہ وہ سوائے عامل، مکاتب اور ابن سبیل کے جملہ مصارف زکوٰۃ کی شرط اوّل ہے۔ ردالمختار میں ہے:۔

ان المسکین من لا شیء له اصلا والفقیر من یملک شیأ

مسکین وہ ہے جو اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہو اور فقیر وہ ہے جو کسی قدر مال کا مالک ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ مسکینوں سے مراد وہ نیکوکار اور حاجت مند لوگ ہیں جو کسب معاش سے واقعی معذور ہوں یعنی کمانے کھانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ یعنی مسکین وہ شخص ہے جو باوجود حاجتمند ہونے کے شرم وحیا کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ باقی اصطلاح فقہاء میں فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس خود بھی کچھ مال ہو لیکن قدر نصاب سے کم ہو۔ ور مسکین وہ شخص ہے جو ایک دن کی خوراک اور بقدر پوش لباس کا بھی مالک نہو۔ اور بغیر سوال کئے ایک دن بھی بسر نہ کرسکتا ہو۔

عاملین :

مصارف زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے درجہ پر عاملوں کو رکھا ہے یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ وخیرات وصول کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہوں، ان کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کے مال سے دی جاتی ہیں۔ اگرچہ عامل غنی ہی ہو۔

زکوٰۃ کا تیسرا مصرف وہ لوگ ہیں جن کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو جیسے نومسلم ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

چوتھا مصرف غلاموں کو گردنوں کو قید غلامی سے آزاد کرانا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے روپے سے غلاموں کو بھی آزاد کرایا جاسکتا ہے۔ خواہ ان کو خرید کر آزاد کردیا جائے یا کسی اور صورت سے مال صرف کرکے انہیں آزاد کرادیا جائے۔

پانچواں مصرف قرضدار ہیں یعنی قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے میں زکوٰۃ کے مال سے مدد دی جائے تاکہ ایک مسلمان بھائی قرضہ کی مصیبت سے نجات پائے۔

چھٹا مصرف مجاہدوں کی امداد ہے۔ جو لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں ان

کے لئے ساز وسامان ہتھیار اور ضروری مصارف زکوٰۃ کے مال سے مہیا کئے جائیں، اس کے اندر وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کسی نہ کسی طرح دین الٰہی کی خدمت کرتے ہیں۔ مثلاً دینی مدارس، اسلامی انجمنیں، مبلغین اسلام اور مصنفین وغیرہ۔ اسی میں طلباء بھی داخل ہیں جو دینی علم حاصل کرتے ہوں۔

ساتواں مصرف مسافروں کی امداد ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے مال میں سے مسافروں کا زادراہ اور ضروری سامان خورد ونوش بھی دیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ مسافر اپنے وطن میں مالدار ہی ہوں۔ مثلاً اگر کوئی مالدار شخص سفر میں بے خرچ ہو جائے تو زکوٰۃ کے روپے سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا منع ہے

(۱) سادات کرام کو زکوٰۃ دینا منع ہے بہ سبب شرافت نفس اور خاندانی اعزاز کے، رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: ان هذه الصدقات انما هي من اوساخ الناس وانها لاتحل لمحمد وال محمد [۱] یعنی یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتا ہے اس لئے یہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں اور نہ آل محمد کے لئے۔

(۲) جو شخص مالدار یعنی صاحب نصاب ہو اس کو بھی زکوٰۃ دینا منع ہے۔ کیونکہ ایسا شخص شرعاً غنی اور مالدار ہے۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں۔ [۲]

(۳) مالدار شخص کے مفلس نابالغ بچہ کو بھی زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ [۳]

(۴) شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو زکوٰۃ دینا منع ہے۔ [۴]

(۵) کافر کو بھی زکوٰۃ دینا منع ہے۔ [۵]

(۶) اپنی اصلی دادی، دادا، پردادی، نانا، نانی، والدین اور وہ تمام رشتہ دار جن کی اولاد میں زکوٰۃ دینے والے داخل ہوں، ان سب کو زکوٰۃ دینا منع ہے۔ اور جو لوگ اس کی اولاد میں داخل ہیں مثلاً پوتا، پرپوتا، پوتی، پرپوتی، نواسا، نواسی اور بیٹا، بیٹی وغیرہ کو بھی زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔ یعنی اپنی اصل وفرع میں سے کسی کو

---

[۱] شامی ج ۲ ص ۲۵۸ [۲] درمختار ج ۲ ص ۲۵۸ [۳] فتاوی ہندیہ ص ۱۹۸ [۴] درمختار ج ۱ ص ۱۳۲ [۵] فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۲

زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ [۱]

(۷) زکوٰۃ کے روپے سے پل، کنواں اور مسجد نہیں بنوائی جاسکتی، نہ لاوارث مردہ کا گوروکفن کرنا جائز ہے۔ اور نہ مردہ کی طرف سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔ [۲]

نیز جو شخص گداگری کو اپنا پیشہ بنالے اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

کس کس کو زکوٰۃ دینا افضل ہے؟

اسلام نے سب سے پہلے زکوٰۃ وخیرات کا مستحق ذوی القربیٰ یعنی اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو قرار دیا ہے۔ اس لئے رشتہ داروں کی مدد کرنی سب سے مقدم ہے۔ اس سے دو ثواب حاصل ہوتے ہیں ایک تو صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے کا اور دوسرے زکوٰۃ کا بس عزیز واقرباء کو زکوٰۃ دینا افضل ہے۔ علاوہ ثواب کے تضعیف کے اس میں اور بھی بہت سے معاشرتی فائدے ہیں۔ اس سے کنبہ میں باہمی محبت اور رواداری پیدا ہوتی ہے۔ اور فتنہ وفساد کی جڑ کٹتی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہے کہ ذوی القربیٰ کا ہر حال میں خیال رکھو۔

ذوی القربیٰ سے مراد مقامی باشندے بھی ہیں یعنی اپنی بستی، اپنے گاؤں، اپنے شہر کے مسلمانوں کی اصلاح وفلاح پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنا بھی افضل ہے۔ پہلے اپنے شہر والوں کی ضرورتوں کو پورا کرو۔ اور پھر دوسری جگہ کے باشندوں کا خیال رکھو۔ یہ نہ ہو کہ تمہارے شہر کے دینی کام تو ادھورے پڑے رہیں اور تم دوسرے شہر والوں کی امداد کرتے رہو۔ [۳]

فقراء اور مساکین میں یتامیٰ بھی داخل ہیں اور فقراء ومساکین میں سب سے پہلے امداد کے مستحق یتیم ہیں۔ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جو ہنوز تعلیم وتربیت کا محتاج ہے اور کسب معاش پر قادر نہ ہو جو سن رشد کو بھی پہنچ گیا ہو۔ مگر اپنا نفع ونقصان سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ اور اس کا باپ چھوڑ کر مر جائے تو وہ بھی یتیم ہی ہے اگر باپ کا سایہ سن بلوغ کے بعد سر سے اٹھا ہے تو وہ یتیم نہ کہلائے

---

[۱] ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۶ [۲] فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۱۸۸ [۳] فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۷

گا۔ باقی رہا ماں کا زندہ رہنا یا نہ رہنا دونوں برابر ہیں۔ ایسے یتیم بچے سلوک وامداد کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور ان کو زکوٰۃ دینا بہت ہی افضل ہے۔

ضمناً روزوں کا بیان

نماز کے علاوہ اسلام نے اپنے معتقدین کے لئے اور بھی چند عبادتیں مقرر کیں ہیں جن میں نماز کی جامعیت تو نہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کسی خاص صفت کے حصول کے لئے فرض کی گئی ہے۔ اور یوں بالواسطہ اس کا اثر بہ ہیئت مجموعی انسان کے اخلاق اور طرز معیشت ومعاشرت پر پڑتا ہے۔ ان میں سے زکوٰۃ کا بیان ضمناً ختم ہوا۔ اب روزوں کا بیان شروع کیا جاتا ہے۔

روزہ کی تاریخ :

روزہ کی ابتداء نہ معلوم کب ہوئی۔ جہاں تک پتہ لگ سکا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود ونصاریٰ بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس سے زیادہ یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک کوئی آسمانی یا غیر آسمانی مذہب اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں روزہ کا مفہوم نہ پایا جاتا ہو اور تزکیہ نفس کا کوئی نہ کوئی ذریعہ مقرر نہ کیا گیا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں ایام ابیض یعنی ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخوں کے روزے فرض تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت پر ہماری ہی طرح رمضان کے روزے فرض تھے۔ ہندو دھرم اور بدھ مت میں بھی برت کا روزہ مذہب کا رکن ہے اور پارسیوں کے یہاں بھی روزے کو بہترین عبادت سمجھا گیا ہے۔ الغرض دنیا کے تمام مذاہب میں روزے کی فضیلت واہمیت پائی جاتی ہے۔

اسلام کا پہلا رکن نماز ہے۔ دوسرا زکوٰۃ اور تیسرا روزہ یہ اعظم ارکان اسلام میں سے ہے۔ روزہ کی تکلیف چونکہ نفوس پر شاق گزرتی ہے، اس لئے اس کو فرضیت میں تیسرا درجہ دیا گیا۔ اسلام نے احکام اسلامیہ کی فرضیت میں یہ روش اختیار کی کہ پہلے نماز جو ذرا ہلکی عبادت ہے اس کو فرض کیا۔ اس کے بعد زکوٰۃ کو

اور زکوٰۃ کے بعد روزوں کو۔ حدیث شریف میں بھی یہی ترتیب نظر آتی ہے۔

رمضان کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئے۔ ابتدائے اسلام میں جو چاہتا تھا روزہ کے بدلہ دونوں وقت ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا۔ مگر جب آیت شہر رمضان الذی نازل ہوئی اور اس میں حکم دیا گیا کہ جو تم میں سے یہ مہینہ پائے وہ روزہ رکھے تو روزہ کے بدلہ مسکین کو کھانا کھلانا موقوف ہوا اور روزہ رکھنا فرض ہوگیا۔ اس سے پہلے کوئی روزہ فرض نہ تھا۔ لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔

روزہ کی فرضیت :

روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے اور فرض ہے۔ رمضان کے روزے فرض عین ہیں۔ جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ [1]

اے ایمان والو! حکم ہوا کہ تم پر روزہ کا جیسا حکم ہوا تھا تم سے پہلوں پر شاید تم متقی اور پرہیزگار ہو جاؤ۔

رسول خدا ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا۔ ''اے لوگو! رمضان کا بابرکت مہینہ آپہنچا۔ اس ماہ میں روزے رکھنے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں۔'' چونکہ روزہ کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے قطعی طور پر ثابت ہے اس لئے اس کا منکر کافر ہے۔

روزہ کی تعریف :

روزہ کے لغوی معنی تو صرف رک جانے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں روزہ کے معنی یہ ہیں انسان صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک عبادت کی نیت سے کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکا رہے۔ روزہ کی تین قسمیں ہیں: فرض، واجب اور نفل۔ رمضان کے روزے اور کفارہ کے روزے فرض

[1] البقرۃ : ۱۸۳

ہیں۔ نذر معین یا غیر معین کے روزے رکھنے واجب ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے روزے ہیں سب نفل ہیں۔

روزہ کا وقت فجر صادق کے نکلنے کے وقت سے غروب آفتاب تک ہے۔

روزہ کی نیت فرض ہے۔ زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں۔ بلکہ دل میں صرف یہ دھیان کر لینا کافی ہے آج میرا روزہ ہے۔ اگر کوئی شخص زبان سے بھی کہہ دے کہ میں آج کے روزہ کی نیت کرتا ہوں تو مستحب ہے۔ [1]

روزہ کی فرضیت کی شرطیں تین ہیں:۔ اسلام، بلوغ اور درستی ہوش وحواس۔ نابالغ اور مجنون پر روزے فرض نہیں اور فرضیت ادا کی دو شرطیں ہیں۔ تندرستی اور افاقہ بیمار کو حالت بیماری میں اور مسافر کو حالت سفر میں افطار کر لینا جائز ہے۔ مگر پھر قضا دینی لازم ہے۔ روزہ صحیح ادا ہونے کے وقت عورت کے واسطے حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔ جو عورت حائضہ ہو یا نفساء ہو یا روزہ کی حالت میں حیض ونفاس آجائے تو اس کا روزہ نہ ہوگا قضا لازم ہے۔

فلسفہ صیام:

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کی رفعت وعظمت اور تسلط واقتدار کے آگے تمام کائنات سرنگوں اور خس بدندان ہے۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ انسان کے اس اشرف واعزاز اور عظمت واقتدار کا معیار اور سبب کیا ہے؟ سو جاننا چاہئے کہ انسان کا شرف واعزاز اس بات میں ہے کہ وہ نفس سرکش کو قابو میں لا کر اور اپنی خواہش پر غالب آکر فرائض عبدیت بجالائے اور اپنا منشائے تخلیق پورا کرے۔ تقرب الٰہی ورضائے خداوندی کی تلاش وجستجو اس کا مقدس واہم فرض ہے۔ اگر ایک انسان اپنے اس فرض عبدیت سے غافل اور نابلد ہے تو وہ ارذل المخلوقات ہے۔ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

قد افلح من زکٰها وقد خاب من دسّٰها۔ [2]

---
۱ فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۳۷۱   ۲ الشمس: ۸

جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کر لیا اس نے فلاح پائی اور جس نے ایسا نہ کیا اس نے اپنے آپ کو تباہ کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریف ومعزز اور سعادت مند انسان وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو حاصل کرے اور اسے پاکیزہ بنائے۔

نفس کو رام کرنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ نفس کو شہوتوں اور لذتوں سے روک کر رکھا جائے کیونکہ جب سرکش گھوڑے کو دانہ گھاس نہ ملے تو وہ تابع ہو جاتا ہے اسی طرح نفس کی سرکشی بھی دور ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر عبادت کا بہت سا بوجھ لاد دیا جائے۔ جس جانور کو دانہ گھاس کم ملے اور اس پر بوجھ بہت سا لاد دیا جائے تو وہ نرم ہو جاتا ہے۔ یہی حال نفس کا ہے۔ تیسرے یہ کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے مدد چاہے۔ یہی تین باتیں روزہ میں بدرجہ اتم واکمل رکھی گئی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ نفس کی قوت توڑنے کے لئے اور اپنی تمام قوتوں کو اعتدال پر لانے کے لئے ہمیں روزہ رکھنے کا حکم ہوا ہے۔ چونکہ روزہ مکسر شہوات ومقلل لغویات ہے اس لئے روزہ سے صفت تقویٰ حاصل ہو جاتی ہے۔

روزہ کے جسمانی وروحانی فوائد:

اگر دنیوی اور جسمانی اعتقاد سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ روزے مسلمانوں کو چست وچالاک، صابر وشاکر ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار اور ایک مضبوط باضابطہ قوم بنانے کا بہترین ذریعہ اور آلہ ہیں۔ اگر وہ حقیقت صوم کو مد نظر رکھ کر پابندی اور خلوص دل کے ساتھ روزے رکھیں تو حریص، طامع اور بندۂ شکم ہونے کا مادہ ان میں سے بالکل جاتا رہے اور وہ انسانی لباس میں فرشتے نظر آئیں اور وہ جسمانی ضبط وقوت حاصل کریں کہ دنیا کی تمام قوتیں وشوکتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو جائیں۔

اصول طب کی رو سے روزہ صحت جسمانی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ گیارہ مہینے تک جو ردی اور فاسد رطوبتیں بدن میں پیدا ہوتی اور جمع ہوتی رہتی ہیں، وہ ایک ماہ کے روزوں سے سب خشک ہو جاتی ہیں۔ صحت

وتوانائی میں نمایاں ترقی ہوتی ہے۔علاوہ ازیں روزوں کے اور بہت سے جسمانی ومادی فوائد ہیں۔یہاں نمونۃً صرف چند فوائد ومنافع کو بیان کردیا گیا ہے۔اب روحانی فوائد بھی سنئے۔

فرشتے کھانے، پینے اور جماع کرنے سے پاک ومنزہ ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ان خواہشات سے پاک ومنزہ ہیں۔اس لئے روزے رکھنے سے انسان ملکی صفات سے متصف اور متخلق باخلاق اللہ ہوجاتا ہے۔اخلاق وروحانیت کی قوتیں پیدا ہوجاتی ہیں اور دل ودماغ روشن ہوجاتے ہیں۔بھوک پیاس کی تکلیف گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے۔اور انسان ضبط نفس کے اعتبار سے مکمل انسان بن جاتا ہے۔

روزہ سے مزاج میں عجز وانکساری آجاتی ہے۔بھوکوں کی مصیبت وتکلیف کا اندازہ ہوجاتا ہے۔اور اس اندازہ کی وجہ سے بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی اور غرباء کی امداد کا تقاضا پیدا ہوتا ہے۔الغرض روزہ ایک بڑے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ایک اہل حقیقت کا قول ہے۔"روزہ مرض گناہ کی دوا ہے اور اس سے دل زندہ ہوجاتے ہیں۔" ایک اور اہل ریاضت نے کہا ہے کہ "روزہ بداعمالی کے لئے ڈھال ہے اور نیک اعمالی کے لئے باغ ہے۔" مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس کو محض ایک فاقہ کشی سمجھ رکھا ہے۔اور اس کی حقیقت پر نظر نہیں۔جب ہی تو یہ اخلاقی، روحانی اور مادی فوائد ونتائج حاصل نہیں ہوتے اور وہ بجز بھوک پیاس کی تکلیف کے روزوں سے اور کچھ حاصل نہیں کرتے۔

روزہ کی فضیلت وثواب:

رمضان رمض سے مشتق ہے جس کے معنی جلانے کے ہیں۔یعنی رمضان گناہوں کو جلادیتا ہے۔نفس کی سوختگی وتکلیف سے۔بخاری کی حدیث میں آیا ہے:۔

من صام رمضان ثواباً واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه [1]

[1] صحیح البخاری ج ۱ص ۲۵۵، صحیح مسلم ج ۱ص ۳۴۹

جس شخص نے رمضان کے روزے ثواب کی نیت سے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے رکھے تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے ایک دن بھی خدا کے واسطے روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ایسی چوڑی خندق بنائے گا جیسا کہ زمین وآسمان کا فاصلہ ہے۔مصابیح کی حدیث ہے کہ جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، تمام شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں یعنی بندہ کو وہ تمام اسباب حاصل ہوجاتے ہیں جن سے رحمت الٰہی ان کے شامل حال ہوجاتی ہے۔[1]

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ان ربکم يقول كل حسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف والصوم لي و انا اجزى به. [2]

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر نیکی پر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب ملتا ہے اور روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ کا ثواب بے حساب ہے کیونکہ روزہ بغیر صبر کامل کے ادا نہیں ہوسکتا اور قرآن شریف میں صاف طور پر آیا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا روزے دار صرف خوشنودی باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لئے خواہشات نفسانی پر قابو حاصل کرتا ہے ممنوعات الٰہی سے باز رہتا ہے، بھوک وپیاس کی تکلیف اور سختی پر صبر کرتا ہے اور مادیات کو ترک کرتا ہے،اس لئے وہ صفات الٰہی کا نمونہ بن جاتا ہے۔اس وجہ سے فرمایا کہ

[1] مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ص ۱۷۳ [2] ترمذی شریف ج ۱ص ۱۵۸، ترمذی شریف ج ۱ص ۱۴۷

روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ رکھنے سے بندہ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ صبر سے کام لیتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی اس کے ثواب کا متکفل ہو اور بے حساب اجر عطا فرمائے۔

ترمذی میں بروایت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہوتی ہیں۔ ایک خوشی تو روزہ افطار کرنے کے وقت اور دوسری خوشی دیدار الٰہی کے وقت۔ نیز صحیحین میں ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے اس میں صرف روزہ دار داخل ہوں گے۔ [1]

مسائل صیام

مسائل رویت ہلال:

شعبان کی ۲۹ ویں تاریخ کو رمضان کا چاند دیکھنا مسلمانوں پر واجب کفایہ ہے۔ اگر کسی بستی کے ایک مسلمان نے بھی چاند دیکھنے کی کوشش کی تو چاند دیکھنے کا حکم سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے۔ اگر ۲۹ ویں شعبان کو بوجہ گرد و غبار چاند نظر نہ آئے تو دوسرے دن شک کی حالت میں روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔ [2] ہمارے امام اعظمؒ کے نزدیک شک کے روزے نفل کی نیت سے تو روزہ رکھنا جائز ہے مگر رمضان کی نیت سے رکھنا ناجائز ہے۔

آسمان پر گرد و غبار کی وجہ سے صرف ایک دیندار اور عادل مسلمان کی گواہی مقبول ہے۔ [3] اور اگر آسمان غبار آلود نہ ہو اور مطلع صاف ہو تو رمضان اور شوال دونوں میں ایک بڑی جماعت کی شہادت معتبر سمجھی جائے گی۔ اس کے لئے کم از کم پچاس آدمیوں کی تعداد مقرر ہے۔ [4]

---

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۵۶، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۸ [2] سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۴۸، سنن نسائی ج ۱ ص ۳۰۷
[3] الدر المختار علی ہامش رد المختار کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۲۳ [4] الدر المختار علی ہامش رد المختار کتاب الصوم ج ۲ ص ۹۰

روزہ کی نیت:

روزہ کی آٹھ قسمیں ہیں: فرض، واجب، سنت، نفل، مکروہ، حرام، فرض معین اور فرض غیر معین۔ رمضان شریف کے روزے فرض معین کہلاتے ہیں اور اگر یہ کسی عذر شرعی کی بنا پر چھوٹ جائیں تو اس کی قضا یعنی ایک روزہ کے بدلہ میں ایک روزہ رکھنے کو فرض غیر معین کہتے ہیں۔ کسی کام کے پورا ہو جانے پر خاص دن یا خاص تاریخ میں روزہ رکھنے کی منت ماننے کو واجب معین یا نذر معین کہتے ہیں اور بلا تعیین تاریخ اور بلا تخصیص دن کسی منت پر روزہ رکھنا واجب غیر معین ہے۔ جو روزے خود رسول اللہ ﷺ نے رکھے۔ یا جن کی بابت آپ نے اپنی امت کو ترغیب و تحریص دلائی، ان روزوں کو مسنون یا سنت کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایام بیض کے روزے اور عاشورہ و عرفہ کے روزہ ان کے علاوہ جتنے روزے ہیں مثلاً دوشنبہ کا روزہ، پنج شنبہ کا روزہ اور شوال کے چھ روزے۔ یہ سب روزے نفلی کہلاتے ہیں۔ عورت کے لئے شوہر کی بلا اجازت روزہ رکھنا یا بلا افطار دو دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اور ایام تشریق کی تین روزے حرام ہیں۔ ان روزوں میں سے فرض واجب اور نفل روزوں کے لئے رات سے لے کر دوپہر تک اگر نیت کرلے تو درست ہوں گے ان تینوں قسموں کے سوا اور روزوں کے لئے رات ہی سے نیت کرنا لازمی ہے۔ ورنہ درست نہ ہوں گے۔

رمضان کے روزوں کی نیت عربی الفاظ میں یہ ہے:

بصوم غدٍ نویت من شهر رمضان.

یعنی میں نے ماہ رمضان کے روزے کی نیت کی۔

مسئلہ۔ اگر کسی نے دن بھر نہ کچھ کھایا اور نہ پیا اور نہ کوئی خلاف روزہ فعل کیا۔ لیکن روزہ کی نیت نہ کی تھی تو اس طرح روزہ نہ ہوگا کیوں کہ بغیر نیت و قصد کے روزہ نہیں ہوتا۔

رمضان کے روزہ کی نیت رات ہی سے کرنا افضل و مسنون ہے۔ اگر رات سے نیت نہ کی بلکہ صبح ہوگئی اور صبح کو روزہ کا ارادہ کرلیا تب بھی روزہ صحیح ہوگا۔ اسی

طرح دوپہر سے قبل ایک گھنٹہ نیت کرنا درست ہے۔ بعد دوپہر کے صحیح نہیں۔ رمضان کے روزہ میں بس اتنی نیت کر لینی کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے۔ یا رات کو اتنا سوچ لے کہ کل میرا روزہ ہوگا۔

سحری کھانا :

سحری کھانا مسنون ہے۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ''یہود و نصاریٰ اور ہمارے روزوں میں صرف سحری کا فرق ہے۔'' یعنی وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں۔ اگر بھوک نہ ہو اور کھانے کی خواہش نہ ہو تو اس سنت پر عمل کرنے کے لئے دو ایک چھوہارے کھا لے یا صرف پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لے تاکہ سنت پر عمل ہو جائے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں سحری کھانے میں برکت ہے۔[۱] یعنی بدن میں چستی اور نشاط و قوت قائم رہتی ہے۔

سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی اور پھر صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سحری کھانے میں تاخیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک صبح صادق کا یقین نہ ہو اس وقت تک کھاتے پیتے رہنا چاہئے اور جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو پھر کھانا پینا ترک کر دینا چاہئے۔ صبح صادق کی پہچان یہ ہے کہ جب صبح صادق نمودار ہوتی ہے تو مشرق میں سیاہی اور روشنی کی دو دھاریاں نمایاں ہوتی ہیں اور پھر یہ روشنی غالب آ کر تاریکی مٹ جاتی ہے۔ یہی صبح صادق ہے۔

کسی نے اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے کچھ کھا پی لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔ یا اسی طرح سورج غروب ہو جانے کے گمان سے روزہ افطار کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی دن باقی تھا تو ان دونوں صورتوں میں روزہ نہ ہوگا۔ قضا دینی پڑے گی۔ مگر دن بھر کھانے پینے سے بوجہ حرمت رمضان رُکے رہنا چاہئے۔

---

۱ بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۷، مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۰

افطار کے مسائل :

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور افطار میں جلدی کرنے والے بندے خدا کو بہت پیارے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک مسلمان روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے دین کو غلبہ رہے گا۔[۱] افطار میں جلدی کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے ہی روزہ کھول لیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب کا غروب ہونا متحقق اور یقینی ہو جائے تو پھر افطار میں محض شبہ اور وہم کی بناء پر افطار میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو افطار میں جلدی کرے۔[۲] روزہ کھولنے کی دعا یہ ہے:

اللهم انی لک صمت وبک امنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت.[۳]

الٰہی! میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا، تجھ ہی پر میرا یقین ہے اور تیرے رزق ہی سے میں نے روزہ کھولا۔

افطار کرنے میں حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچنا چاہئے۔ یعنی صرف اپنی کمائی کی حلال روزی سے افطار کرے۔ چھوارے یا کھجور سے روزہ افطار کرنا سنت اور باعث ثواب ہے اگر یہ میسر نہ آئیں تو پھر پانی ہی سے افطار کر لے اور اگر دودھ، شربت یا اور کسی چیز سے بھی افطار کر لے تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی روزہ کا ثواب کم ہوتا ہے۔

جہلاء میں مشہور ہے کہ نمک کی کنکری سے روزہ کھولنے کا بہت ثواب ہے۔ یہ بالکل غلط اور خود ساختہ عقیدہ ہے۔ اسی طرح بعض جہلاء کا خیال ہے کہ اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ کھولا جائے تو ثواب کم ہو جاتا ہے۔ بعض تو یہاں تک کہہ دیا کرتے ہیں کہ روزہ کھلوانے والے کو ثواب مل جاتا ہے۔ یہ خیال

---

۱ ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۵۰ ۲ ابوداؤد، ابن ماجہ ۳ رواہ ابوداؤد مرسلاً

بھی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

روزہ کھلوانے کا ثواب :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے تو اس کے صغیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملتی ہے اور اس کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا روزہ دار کو روزہ رکھنے کا۔ اس پر مزید لطف اور خداتعالیٰ کا احسان یہ ہے کہ روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔

صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ حضور ﷺ اگر کسی میں روزہ کھلوانے کی گنجائش نہ ہو تو وہ کیسے اس ثواب کو حاصل کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص دودھ کے ایک گھونٹ یا چھوارے کے ایک ٹکڑے یا پانی کے ایک گھونٹ سے بھی کسی کا روزہ کھلوائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی وہی ثواب عطا فرمائے گا۔ اور کوئی ہمت و گنجائش والا پیٹ بھر کر روزہ دار کو کھانا کھلادے تو اللہ تعالیٰ اس کو خاص میرے حوض سے پانی پلائیں گے جس کی ادنیٰ تاثیر یہ ہوگی کہ پھر اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ یہاں تک کہ جنت میں جا داخل ہو۔ [1]

مفسدات صوم :

جن باتوں سے قضا و کفارہ دونوں لازم آتے ہیں وہ یہ ہیں: قُبل یا دُبر میں عمداً جماع کرنا، فاعل اور مفعول دونوں پر، جان بوجھ کر کچھ کھانا پینا، مختصر یہ کہ جو شخص عمداً کچھ کھاپی لے یا جماع کرے تو قضا و کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ [2]

جن باتوں سے صرف قضا دینی پڑتی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) زبردستی روزہ دار کے منہ میں کوئی چیز ڈالی گئی اور وہ حلق سے اتر گئی۔

(۲) روزہ یاد تھا مگر کلی کرتے وقت بلاقصد وارادہ حلق میں پانی چلا گیا۔ (۳) آئی ہوئی قے قصداً حلق میں لوٹالی۔ (۴) قصداً منہ بھر بھر کے قے کرڈالی۔ (۵) کنکری یا پتھر یا مٹی یا کاغذ قصداً نگل گیا۔ (۶) دانتوں میں اٹکی ہوئی چنے کے برابر کوئی چیز نگل گیا۔ (۷) کان میں تیل ڈالنے یا عمل پچکاری

[1] رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ [2] الدر المختار علی ہامش رد المحتار، باب ما یفسد الصوم ج ۲ ص ۱۴۷

سے دوا پیٹ میں پہنچ گئی۔ (۸) نسوار سونگھ لی۔ (۹) دانتوں سے نکلے ہوئے خون کو نگل گیا۔ (۱۰) بھولے سے کچھ کھایا پیا اور یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً کچھ کھاپی لیا۔ (۱۱) یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی سحری کھالی اور پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق ہوچکی تھی۔ (۱۲) ابر وغبار کی وجہ سے یہ سمجھ کر آفتاب غروب ہوگیا روزہ افطار کرلیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی دن باقی تھا تو ان سب صورتوں میں قضا دینی پڑے گی۔ [1]

وہ باتیں جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا :

بھول کر کچھ کھاپی لینا یا جماع کرلینا خواب میں احتلام ہوجانا شہوت سے دیکھنے کے سبب منی کا نکل آنا، تیل ملنا، پچھنے لگوانا، سرمہ لگانا، بوسہ لینا بشرطیکہ جماع کر بیٹھنے اور انزال ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو، روزہ نہ رکھنے کی نیت کرکے پھر رکھ لینا، حلق میں دھوئیں، غبار یا آٹے کا چلا جانا، حلق میں دوا کا اثر محسوس ہونا، بحالت جنب صبح ہوجانا خواہ سورج ہی نکل آئے، مکھی کا منہ میں چلا جانا، سوراخ ذکر میں پانی یا دوا کا ڈالنا، نہر یا حوض میں غوطہ مارنے کے سبب ناک یا کان میں پانی کا چلا جانا، کان کے کھجانے یا لکڑی کرنے سے پیپ نکل آنا، ناک میں بتی ڈال کر چھینک لینا، یا قے کا ہوجانا، بشرطیکہ منہ بھر کر نہ ہو۔ دانت میں اٹکی ہوئی کوئی چیز کا نگل لینا بشرطیکہ وہ گیہوں کے دانہ سے کم ہو۔ ان سب باتوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ [2]

قضا اور کفارہ کی تعریف :

جس شخص کا روزہ کسی مجبوری یا غلطی یا کسی کی زبردستی کی وجہ سے رہ گیا یا ٹوٹ گیا تو اسے صرف ایک روزہ کے بدلہ میں ایک ہی روزہ رکھنا پڑے گا۔ اسی کو قضا کہتی ہیں، یعنی ایک روزہ کے عوض ایک روزہ رکھنا۔ اگر کسی کی کئی روزہ قضا ہوجائیں تو اسے اختیار ہے کہ جب چاہے اور جس طرح چاہے رکھے۔ پے

[1] تعلیم الاسلام، رد المحتار، باب ما یفسد الصوم ج ۲ ص ۱۳۳، الجوہرۃ النیرۃ کتاب الصوم ج ۱ ص ۱۴۸
[2] نور الایضاح، رد المحتار باب ما یفسد الصوم و ما لا یفسدہ ج ۲ ص ۱۳۵

در پے اور لگاتار رکھنا شرط نہیں۔

روزہ کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ اگر اتنی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے۔ اگر درمیان میں ایک بھی ترک ہو جائے گا تو پھر نئے سرے سے رکھنے پڑیں گے۔ اگر دو مہینے کے روزے رکھنے کی بھی قوت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلا دینا چاہئے۔ یا ہر فقیر کو نصف صاع گیہوں کا آٹا یا ستو دیدے۔ [1]

مکروہات صوم :

ان باتوں سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے:۔ کسی چیز کا ذائقہ چکھنا، مصطگی وغیرہ کا بلاضرورت چبانا، جس کو نفس پر قابو نہ ہو اس کو بوسہ لینا یا اختلاط کرنا، تھوک کا منہ میں جمع کر کے نگل جانا، روزہ دار کو ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ روزہ مکروہ نہ ہو۔ [2]

ان باتوں سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ نفس پر قابو ہونے کی صورت میں بوسہ لینا اور اختلاط کرنا۔ تیل ملنا، سرمہ ڈالنا، پچھنے لگوانا، ظہر کے بعد مسواک کرنا خواہ تر ہو یا خشک، وضو کے علاوہ کلی کرنا، نہانا اور بدن پر بھیگا ہوا کپڑا ڈالنا۔

آداب روزہ :

روزہ کا مطلب محض بھوکا مرنا نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بلاوجہ اور بلانتیجہ کھانے، پینے اور جماع کرنے سے روکا ہے۔ بلکہ یہ ایک بہترین عبادت ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کو پاکیزہ بنائیں اور اپنی خواہشات پر اپنا ضبط ونظام قائم رکھیں۔ پس اصلی روزہ یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات نفسانی اور تمام اعضاء جسمانی کو گناہوں سے روک کر ہمہ تن خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

اہل معرفت نے روزے کے تین درجہ قائم کئے ہیں۔ ایک عام لوگوں کا روزہ، دوسرے خاص لوگوں کا روزہ اور تیسرے خاص الخاص حضرات کا روزہ۔ عوام کا روزہ صرف کھانا پینا اور جماع ترک کرنا ہے۔ خواص کا روزہ یہ ہے کہ اس

[1] نورالایضاح ۱۳۲، ۱۳۳ [2] ابن ماجہ ج ا ص ۱۲۱

کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام اعضاء کو اپنے قبضہ میں رکھیں اور ان کو گناہوں کی طرف نہ جانے دیں۔ اگر کوئی ان پر زیادتی کرے تو اس کو معاف کر دیں اور اپنی زبان کو روک لیں اور خاص الخاص حضرات کا روزہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لو لگائے رکھیں اور سب چیزوں کو ترک کر دیں۔

روزہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی بداخلاقیوں اور لغویات وفضولیات سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔ کیونکہ روزہ کا مقصد اعظم تادیب نفس ہے۔ اگر نفس کھانے پینے اور جماع کرنے کے علاوہ اور دنیاوی جھگڑوں اور برائیوں وبداخلاقیوں میں بدستور پڑا رہے تو روزہ کا کچھ فائدہ نہیں۔ لڑائی جھگڑے، غیظ وغضب، سب وشتم، غیبت وچغل خوری سے روزہ دار کو بچے رہنا چاہئے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بہت سے روزہ داروں کو روزہ سے سوائے بھوکے پیاسے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ [1]

ترمذی شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنے کھانے پینے کو ترک کر دے۔ [2] یہی مضمون ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ بہت سے روزہ داروں کو سوائے بھوک پیاس کی اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

پس جان لینا چاہئے کہ روزہ سے مقصود صرف بھوکا پیاسا رہنا نہیں ہے بلکہ شہوت کو توڑنا اور نفس امارہ کو مغلوب کرنا ہے۔ جب یہ مقصود حاصل نہ ہو تو پھر کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ؟

ضمناً حج کا بیان

حج چونکہ مرکب ہے مالی اور بدنی عبادت سے، تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے اور اس کا سب سے بڑا منشاء یہ ہے کہ دلوں میں اسلام کی عظمت اور بانی اسلام کی محبت پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو تمام عبادات میں سب سے موخر اور مشروط رکھا ہے۔ تاکہ جب مسلمان دیگر فرائض بجالا کر تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن

[1] رواہ ابن ماجہ وابن خزیمہ فی صحیحہ والحاکم [2] رواہ البخاری والترمذی

کے مختلف مدارج طے کرلیں تو پھران سب باتوں کے اثر سے ان کے دلوں میں
اسلام کی محبت وعظمت پیدا ہو اور تمام دنیا کے مسلمانوں میں باہمی رشتہ اخوت
واتحاد مضبوط و مستحکم ہو۔

تاریخ حج :

بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارکان اسلامی میں حج کو موخر بیان فرمایا
ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے بنی الاسلام علیٰ خمس اس میں
حج کو آخر میں بیان کیا ہے۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض عین ہے۔ جو
کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۔ [1]
جو شخص استطاعت رکھتا ہے اس پر اللہ کے لئے حج کرنا فرض
ہے۔

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے
پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم پر حج کرنا ہر سال فرض ہے یا تمام عمر میں ایک
مرتبہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا صرف ایک مرتبہ!
حج غالباً ۷ ہجری میں فرض ہوا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے حج محض ایک رسمی
اور خیالی فریضہ نہیں بلکہ ایسا عمل اور ایسا فعل ہے جو سراسر عملی اور نتیجہ خیز ہے۔
چونکہ حج بعد تمام ارکان کے فرض ہوا ہے۔ اس لئے اس کے اندر عملیت اور حقیقی
رنگ سب سے زیادہ غالب ہونا چاہیے۔

حج کیا ہے؟

لفظ حج کے لغوی معنوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حج ایک ایسا عمل اور ایک ایسا
فعل ہے جو اپنے اندر عملی رنگ رکھتا ہو اور یہ اس وقت صحیح طور پر ادا ہوتا ہے کہ
مسلمان صحیح عزم اور صحیح رنگ میں اس کو ادا کریں۔ اس کے اندر تمام روحانی،
اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور فطری فرائض کی ادائیگی مضمر ہے اور اس کے اندر بے شمار

[1] عمران : ۹۶

مادی وروحانی فوائد ومنافع پنہاں ہیں۔ سو حج صرف مذہبی فریضہ ہی نہیں بلکہ تمدنی
بھی ہے، اخلاقی بھی مذہبی بھی ہے، سیاسی بھی اور مادی بھی ہے اور معاشی بھی۔
حج کیا ہے؟ مجمل طور پر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حج سنت ابراہیمی ہے۔
روحوں میں جولانی اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والا مذہبی فریضہ ہے، ایک
فرزند توحید کی عملی یادگار قائم کرنا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے
بالخصوص مخصوص ہے۔
اس کا مقصد یہ ہے کہ فرزندان توحید دنیا کے مختلف حصوں سے ایک وقت
مقررہ پر اسلام کے ابتدائی وطن اور مرکز توحید پر جمع ہو کر شعائر اللہ اور ہدایت کے
سرچشمہ کی زیارت کریں۔ ان کی زیارت سے اپنے دل ودماغ کو منور کریں اور
ان مذہبی رسوم کو بجالائیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اہل ایمان
ادا کرتے رہے ہیں۔ اس طرح ہدایت ومعرفت اور رحمت ورأفت کے چشمہ کو
دیکھ کر ان کے دلوں میں عشق الٰہی کی آگ بھڑکے، دلوں میں صداقت کی روشنی
چمکے، روحیں بیدار ہوں، طبیعتوں میں نیکی اور نیکوکاری کی امنگ پیدا ہو اور وہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صحیح طور پر اپنے پروردگار کے ساتھ تعلق قائم
کریں۔

حج کی دینی ومذہبی فرائض :

حج کے دو پہلو ہیں دینی ودنیاوی۔ ان دونوں اعتبار سے حج میں بے شمار
اسرار وفوائد مضمر ہیں۔ اس کا دینی ومذہبی فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے دلوں میں
اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی محبت وعقیدت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی چیز اسلام کی
روح اور عبدیت کا خلاصہ ہے۔ اس کے ضمن میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں جن
میں سے چند ایک یہ ہیں۔
اللہ کے گھر میں پہنچ کر ہیبت وجلال ربانی اور رحمت ورافت الٰہی کا جو گہرا
نقش دل پر قائم ہوتا ہے۔ اس کی قدر وقیمت کسی دل محبت آئین سے پوچھئے۔
اس کی کیفیت وسرور کا جواب کچھ وہی خوش قسمت انسان دے سکتے ہیں جو بادۂ

الفت سے مخمور نشۂ محبت میں چور ہو کر سروپا برہنہ مستانہ وار وادیٔ بطحا میں یہ کہتے ہوئے دوڑتے ہیں:

لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک [1]

حاضر۔ حاضر! اے اللہ میں حاضر ہوں اے کہ ترا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

صحرائے حجاز کی ایک ایک چیز اور حج کے ایک ایک فعل سے محسن حقیقی کے احسان کا صحیح احساس پیدا ہوتا ہے۔ خشوع وخضوع کی روح پیدا ہوتی ہے مذہب کی عظمت دل کی گہرائیوں میں پنہاں ہوجاتی ہے، عبادت کا شوق بڑھتا ہے، بے ثباتی عالم کی تصویر آنکھوں میں بھر جاتی ہے، اخروی ثواب وعذاب کی اہمیت نظروں کے سامنے آجاتی ہے، معاصی ومناہی سے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے، اپنی عجز وبے چارگی کا احساس پیدا ہوتا ہے، اخلاقی عیوب سے قدرتاً تنفر پیدا ہوتا ہے اور ابراہیمی یادگار کو دیکھ کر اسلام کے حقیقی معنی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اسلام میں ایمان وایقان کی قوت بڑھانے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

دنیوی فوائد:

اب اگر حج کو دنیاوی نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو اس اعتبار سے بھی اس میں بے شمار فوائد ومصالح نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ سال میں ایک مرتبہ وسیع پیمانہ پر اور بالکل صحیح طور پر عالم اسلام کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوتی ہے اور ایسے قومی اجتماعات کی افادی حیثیت آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور اس کانفرنسوں کے دور میں تو یہ امر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ تہذیب وترقی کا تمام تر دارومدار اسی بات پر ہے کہ مختلف خیالات کے لوگ ہر گوشہ دنیا سے آ آ کر کسی ایک جگہ پر جمع ہوں آپس میں ایک دوسرے کو اپنی رائیں اور خیالات سے مطلع کریں اور قومی فلاح وبہبود اور دینی ودنیاوی ترقی کی نئی نئی راہیں نکالیں اور بہترین تدبیریں سوچیں۔

۱ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۶۹

ذرا غور تو کیجئے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا وقت مقررہ پر ایک ہی جگہ، ایک ہی شہر، ایک ہی لباس، ایک ہی جذبہ، ایک ہی خیال، ایک ہی رنگ ایک ہی حالت میں اور ایک ہی مقصد کے لئے باہم جمع ہونا اخلاقی، ملی، معاشرتی، معاشی، تاریخی، اقتصادی، تجارتی، مذہبی، دینی دنیوی، بین الاقوامی اور سیاسی ہر اعتبار سے کتنا اہم اور نتیجہ خیز امر ہے؟ اور کیسی کیسی سودمند فائز المرامیوں وکامرانیوں کا باعث ہو سکتا ہے۔ ہر بالغ نظر اس کی اہمیت فائدہ مندی کو بیک نظر محسوس کرتا ہے۔

حج کے موقعہ پر تجارت کرنے اور اس سے نفع اٹھانے کی خدا تعالیٰ نے حاجیوں کو خاص طور پر اجازت دی ہے۔ کیونکہ یہ تجارت کرنے کا بہترین موقعہ ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم. [1]

یعنی اگر حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے پروردگار کے فضل وکرم سے تجارت وغیرہ کرنا چاہو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر تجارت کی اجازت دے کر اپنے بندوں کو یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کرادینا چاہا ہے کہ اتنے بڑے اجتماع سے حتی الامکان خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جائے۔

حج سے دنیا کے تمام مسلمانوں میں باہمی ربط وضبط پیدا ہوتا اور محبت واخوت میں ترقی ہوتی ہے اور یہی چیز تمام ترقیات کی بنیاد اصل ہے۔ تجارتی وکاروباری اغراض پوری ہوتی ہیں سفر اور قدرتی مناظر کے مشاہدے سے عقل بڑھتی اور تجربہ میں اضافہ ہوتا ہے جو فکری ترقی کی اساس ہے صعوبت سفر سے نفس کشی وجفاکشی کی عادت پختہ ہوتی ہے۔ اور تمام تر اخلاقی جواہر پیدا ہوتے ہیں۔ الغرض حج بیشمار تمدنی، اخلاقی اور مذہبی وسیاسی منافع پر مشتمل ہے۔

عبادات کی دو قسمیں:

اسلام نے ہمیں جتنی عبادات کا حکم دیا ہے انہیں ہم دو قسموں پر منقسم کرسکتے

۱ البقرۃ: ۱۹۷

ہیں ایک عاجزانہ اور دوسری عاشقانہ، ان میں سے حج عاشقانہ عبادت ہے۔ یعنی ایک مسلمان حج کے ذریعہ اپنے معبود و محبوب حقیقی کے عشق و محبت کا عملی ثبوت دیتا ہے اور اس پر خمار عشق و مدہوشی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ جس وقت حرم پر نظر پڑتی ہے اس وقت قلب و روح دونوں پروانہ بن جاتے ہیں، برق شوق ہر رگ و پے میں دوڑتی پھرتی ہے، تمام لطائف نہ صرف یہ کہ بیدار ہو جاتے ہیں بلکہ وہ تو روشنی و حرارت کے تنور بن جاتے ہیں۔ ہر طرف روشنی، ہر طرف انوار اور ہر طرف بہار ہی بہار ہوتی ہے۔ انوار الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ ایک بیخودانہ کیف طاری ہوتا ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ عارف وہاں کیا پاتے ہیں، کیا حاصل کرتے ہیں اور وہاں سے کیا لے کر آتے ہیں۔

دربار محبوب کے قریب عبادت عاشقانہ کے مظاہر ہوتے ہیں۔ جسمانی افعال کا اثر روح پر مرتب ہوتا ہے اور روح محبوب حقیقی پر قربان ہونے کے لئے بے قرار ہوتی ہے۔ اللہ والوں میں دربار الٰہی کی درباری شان پیدا ہوتی ہے۔ اور جانی و مالی قربانی کی وہ روح تازہ ہو جاتی ہے جو دارین کی فائز المرامی و کامرانی کی ضامن و کفیل ہے۔

احکاماتِ حج

جاننا چاہئے کہ جو شخص وقت پر حج کرے گا، اس کا حج درست ہوگا۔ یہ وقت تمام ماہ شوال و ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے نو دن ہیں۔ جب عید کی صبح طلوع ہو تو اس وقت سے حج کے لئے احرام باندھنا چاہئے۔ اگر اس سے پہلے احرام باندھ کر حج کیا تو وہ حج نہیں بلکہ عمرہ ہوگا۔ حج کی درستی کی شرائط تین ہیں:۔ اوّل حج کا وقت ہو یعنی وہ زمانہ جس میں احرام باندھنا بغیر کراہیت کے صحیح ہے یہ وقت یکم شوال سے ۱۰ ذی الحجہ تک ہے۔ شوال سے قبل احرام باندھنا مکروہ ہے۔ دوئم مقام حج ہو یعنی مکہ معظمہ کے علاوہ کسی اور مقام پر حج نہیں ہو سکتا۔ سوئم احرام باندھا ہو بغیر احرام کے حج صحیح نہیں ہے۔ [1]

---

[1] قدوری ص ۵۵

شرائط وجوب :

حج واجب ہونے کی چھ شرائط ہیں : (۱) مسلمان ہونا۔ (۲) بالغ ہونا (۳) عاقل ہونا۔ (۴) آزاد ہونا۔ (۵) بدنی تندرستی اور صحت جسمانی کا ہونا۔ (۶) استطاعت ہونا۔ بچہ پر، دیوانہ پر، غلام پر اور اپاہج یعنی لنگڑے، لولے اندھے اور بیمار پر حج فرض نہیں۔ اسی طرح اس شخص پر فرض نہیں جو اتنی مالی استطاعت نہ رکھتا ہو کہ سفر خرچ اور اپنے پیچھے اہل و عیال کے اخراجات پورے کر سکے۔ چھٹی شرط کا مطلب یہ ہے کہ اتنا مال ہو کہ راستہ کی آمد و رفت اور زمانہ حج میں مکہ میں قیام بسہولت ہو سکے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ پسماندگان کی خورد و نوش کا انتظام بھی کر جائے۔ [1]

استطاعت کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ توانا و تندرست ہو اور یہ استطاعت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک تو صحت و تندرستی دوسرے راہ میں امن ہونے سے یعنی راستہ میں کسی قسم کا جانی و مالی خطرہ نہ ہو اور تیسرے مالدار ہونے سے تاکہ مصارف حج برداشت کئے جا سکیں۔ دوسری قسم استطاعت کی یہ ہے کہ خود حج نہ کر سکے۔ مثلاً فالج پڑ گیا ہے اور یا ایسا صاحب فراش ہے کہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔ ایسے شخص کی استطاعت یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو مصارف حج دے کر حج کرائے۔

جب ان تفصیلات کے مطابق حج کی استطاعت ہو تو چاہئے کہ حج کرنے میں تاخیر نہ کرے۔ کیونکہ مستطیع اگر حج کرنے سے پہلے مر گیا تو گناہ گار مرے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک حدیث کے راوی ہیں اس میں فرماتے ہیں۔ جو شخص حج کی قدرت و استطاعت رکھتے ہوئے حج نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں چاہے یہودی مرے یا نصرانی۔

حج کے ارکان :

حج کے پانچ ارکان ہیں: (۱) احرام باندھنا۔ (۲) طواف زیارت یعنی

---

[1] فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۳۵۸، ۳۵۹

درمیانی طواف کرنا۔(۳)اس کے بعد سعی۔(۴)عرفات میں کھڑے ہونا۔(۵)اور بال مونڈھنا۔ان میں سے اگر کوئی رکن فوت ہوجائے گا تو حج باطل ہوجائے گا اور آئندہ سال قضا کرنی واجب ہوگی۔[1]

وہ واجبات حج جن کے ترک کرنے سے حج باطل نہیں ہوتا،صرف ایک بکرا ذبح کرنا لازم آتا ہے یہ ہیں:۔(۱)میقات سے احرام باندھنا۔اگر وہاں سے بغیر احرام کے گزرے گا تو ایک بکری واجب ہوگی۔(۲)غروب آفتاب تک کنکریاں پھینکنا۔(۳)عرفات میں ٹھہرنا۔(۴)اور رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا۔(۵)منٰی میں قیام کرنا۔(۶)اور طواف کرنا۔[2]

حج میں یہ چیزیں منع ہیں:

(۱)سلا ہوا لباس پہننا کیونکہ احرام میں پیراہن،شلوار،دستار،اور موزہ وغیرہ پہننا جائز نہیں۔بلکہ بے سلا ایک ہی کپڑا باندھے،وہی اوڑھے اور نعلین پہنے اگر نعلین میسر نہ ہو تو کفش درست ہے۔سر کھلا رکھے اور عورت کو چاہئے کہ عادت کے موافق لباس پہنے لیکن منہ نہ چھپائے۔اگر عورتیں محمل یعنی عماری میں رہیں تو درست ہے۔دوسرے یہ کہ خوشبو نہ لگائی۔اگر عطر میں بسا ہوا کپڑا پہنا تو ایک گوسفند واجب ہوگی۔تیسرے یہ کہ بال نہ مونڈے اور نہ ناخن تراشے اگر بال مونڈے یا ناخن تراشے تو ایک بکری واجب ہوگی۔سرمہ لگانا،حمام میں جانا اور بالوں میں کنگھی کرنا جائز ہے۔تاکہ جوئیں نہ پڑیں اور بدن و کپڑے صاف رہیں۔چوتھے جماع کرنا منع ہے۔اگر جماع کرے گا تو ایک اونٹ یا سات گائیں واجب ہوں گے اور حج بھی باطل ہوجائے گا۔دوسرے سال قضا کرنی چاہئے یاد رہے اس صورت میں حج باطل ہوجائے گا مگر فاسد نہ ہوگا۔پانچواں عورت کو چھونا اور اس کا بوسہ لینا بھی منع ہے۔یہ جماع نہ کرنے کی پیش بندی کی وجہ سے ہے۔اگر بغیر جماع عورت سے کسی طرح لطف و سرور حاصل کرے گا تو ایک بکرا واجب ہوگا۔چھٹے یہ کہ کسی جانور کو نہ مارے شکار کرنا درست ہے مگر صید کا مارنا جائز نہیں۔اگر مارے گا تو اس کی مانند واجب ہوگا۔[3]

---

[1] فتاوی عالمگیری ج ۱ص ۲۱۹ [2-3] ھدایہ ج ۲ص ۲۳۹،صحیح مسلم ج ۱ص ۳۷۲

ممنوعات احرام:

احرام کے دو رکن ہیں:نیت کرنی اور لبیک پڑھنا احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو یا غسل کرے سلے ہوئے کپڑے اتار ڈالے اور صرف چادر اور تہبند دو کپڑے پہن لے۔یہ دونوں نئے ہوں تو بہتر ہے۔اگر نئے نہ ہوں تو دھلے ہوئے ہی کافی ہیں۔مونچھیں کتروا ڈالے،ناخن بھی ترشوائے اور اصلاح بھی کرائے۔[1]

جب ان امور سے فارغ ہولے تو دو رکعت نماز پڑھے سلام پھیرنے کے بعد کہے:

اللهم انى اريد الحج فيسره لى وتقبله منى.[2]

یا اللہ میں حج کرنا چاہتا ہوں تو مجھ پر حج آسان کردے اور اس کو قبول فرما۔

اس کے بعد یہ کلمات کہے:

لبيک اللهم لبيک لبيک لاشريک لک لبيک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشريک لک.[3]

اس عبارت میں سے کچھ کم کردینا ناجائز ہے۔ہاں اگر اس میں کچھ دعائیہ الفاظ بڑھادیئے جائیں تو کچھ حرج نہیں۔

لبیک کہنے کے بعد احرام مکمل ہوجاتا ہے۔اس کے بعد حسب ذیل امور سے اجتناب کرنا لازمی ہے۔فحش بکنا،بدکاری کا ارتکاب کرنا،لڑائی جھگڑا اور فساد و قتل کرنا،خود شکار کرنا،شکار کو چھیڑنا،کسی شکاری کی طرف اشارہ کرکے بتانا،یا زبان سے شکار کا پتہ بتانا،شکار کرنے میں مدد کرنی،سلا ہوا کپڑا پہننا،بال کٹوانا،یا منڈوانا،ناخن تراشنا،خوشبو لگانی،کھٹمل،پسو اور جوں وغیرہ کا مارنا،سر یا منہ ڈھانکنا،یہ تمام امور آداب احرام کے خلاف ہیں۔ان امور کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔[4]

---

[1] ھدایہ ج ۲ص ۲۳۶ [2-3] ترمذی شریف ج ۱ص ۱۶۹ [4] ھدایہ ج ۲ص ۲۳۸

حج کا مقصد طبیعتوں میں نیکی اور نیکوکاری کی امنگ پیدا کرنا ہے اس لئے ان امور کو منع کیا گیا ہے۔ جنگ وجدل اور فسق وفجور سے تو حاجیوں کو خصوصیت کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔[1]
حج میں نفسانی خواہش، گناہ اور جھگڑے کی کوئی بات نہیں ہونی چاہئے۔

حج مبرور:

حج مبرور اس حج کو کہتے ہیں جو خلوص نیت کے ساتھ تمام آداب وارکان ظاہری وباطنی کو ملحوظ رکھ کر کیا جائے اور اس میں حتی الامکان کسی قسم کا نقص وکمی نہ رہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے محض اللہ کے لئے حج کیا وہ ایسا پاک ہو کر واپس آئے گا جس طرح پیدائش کے دن تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوران حج میں فحش وبدکاری جنگ وجدل اور تمام قولی وفعلی گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے، تو اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حج گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے کہ گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔[2]
ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس نے تمام لوازم حج ادا کئے اور تمام مسلمان اس کی زبان وہاتھ سے محفوظ رہے تو اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[3] بخاری ومسلم میں تو یہاں تک آیا ہے کہ حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ کعبہ شریف کے گرد ستر ہزار فرشتے ہیں جو طواف کرنے والوں کے لئے مغفرت چاہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مکہ کے راستے میں آتے یا جاتے ہوئے مر جائے تو اللہ تعالیٰ ہر سال اس کے لئے ستر حج اور ستر عمرہ کے ثواب لکھتا رہے گا۔

حج کو جانے سے پہلے کیا کرنا چاہئے:

جو شخص حج مبرور کرنا چاہے اور مذکورہ بالا ثواب حاصل کرنا چاہے تو اس کے

[1] پارہ ۲۔ سورۂ بقرہ [2] غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۶۱ [3] ترمذی شریف ج ا ص ۱۶۷

لئے لازم ہے کہ حج کا ارادہ کرنے سے پہلے ہی گناہوں اور خدا کی نافرمانیوں سے حتی الامکان اجتناب کرے، بری عادتوں کو چھوڑ دے اور نیکی وپاکبازی اختیار کرے۔ حج کے فرائض، واجبات اور سنن سے واقفیت بہم پہنچائے اور بروقت حج ان سب امور کا خیال رکھے، حالت احرام میں تمام ممنوعات سے بچا رہے۔
حج کرنے سے قبل گناہوں سے توبہ کرے، درود واستغفار کی کثرت کرے، حقوق العباد کی اچھی طرح حفاظت ونگہداشت کرے۔ یعنی جن لوگوں کے حقوق واجب الادا ہوں ان کو ادا کرے، تا کہ اگر راستہ میں موت آجائے تو کسی بندہ کا حق واجب الادا نہ رہے۔
حج کے لئے جتنا خرچ لے وہ اپنی حلال کمائی کا ہو۔ حرام یا مشتبہ مال نہ ہو ورنہ حج قبول نہ ہوگا۔ اپنے ساتھ اتنا زاد راہ بھی رکھے کہ فقیروں اور محتاجوں کو بقدر گنجائش امداد ودستگیری کر سکے۔ اپنے ساتھ ایسے رفیق صالح کو لے جو راہ کے امورات سے اچھی طرح واقف اور حقیقی غمخوار اور دردمند ہو۔

حج کی کیفیت:

جب گھر سے نکلے تو دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ پہلی رکعت میں بعد فاتحہ کے قل یاایہا الکفرون اور دوسری میں فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد یوں دعا مانگے۔

اللھم انت الصاحب فی السفر وانت الخلیفۃ فی الاھل والمال احفظنا وایاھم من کل آفۃ اللھم انا نسلک فی مسیرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ماترضی۔

اس کے بعد حج کو روانہ ہو۔ جس وقت ملک حجاز میں قدم رکھے۔ اور بطحا کی مقدس زمین میں پہنچے تو حاجی کو لازم ہے کہ کسی ٹیلہ پر چڑھتے اور اترتے وقت لبیک بلند آواز سے پڑھے اگر راستہ میں کوئی شخص ملے تب بھی لبیک پڑھے صبح

وشام لبیک کہے۔ الغرض لبیک کی کثرت رکھے۔ جب مکہ میں داخل ہوتو اوّل مسجد حرام میں جائے اور جس وقت بیت اللہ پر نظر پڑے تو اللّٰہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہے۔ پھر یہی کلمات کہتا ہوا اور دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے حجر اسود کو بوسہ دے۔ حجر اسود کو بوسہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر حجر اسود تک پہنچنا ممکن ہو اور کسی کو اذیت وتکلیف نہ پہنچے تو اس پر دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر بوسہ دے اور اگر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے دوسروں کو دھکے لگتے ہیں اور ایذا پہنچنے کا احتمال ہے تو کسی لاٹھی یا لکڑی کو سنگ اسود پر لگا کر اس کو چوم لے، خود لوگوں کو دھکے دے کر اور ہٹا کر چومنے کی کوشش نہ کرے۔ حجر اسود کو چومنا سنت ہے اور کسی کو ایذا نہ دینی واجب ہے اس لئے واجب کا خیال مقدم رکھنا چاہئے یعنی لوگوں کو ایذا دے کر حجر اسود کو چومنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ اگر حجر اسود کو لاٹھی یا رومال سے بھی چھونا ممکن نہ ہوتو اس سنت کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حجر اسود کی سیدھ میں کھڑا ہو جائے اس کی طرف منہ کر کے شانوں تک دونوں ہتھیلیاں اٹھائے اور حجر اسود کی طرف اشارہ کرتا ہوا اللّٰہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔

طواف کا طریقہ:

جب حجر اسود کو بوسہ دینے کی سنت ادا کر چکے تو اپنی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال لے اور طواف شروع کرے۔ طواف کرتے وقت ''حطیم کعبہ'' کو اندر لے لینا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حطیم بھی کعبہ کا ایک حصہ ہے۔ طواف کی ابتداء دروازے کی دائیں جانب حجر اسود کے پاس سے شروع کرے اور سات چکر لگائے پہلے تین طواف میں اکڑ کر چلے اور باقی چار معمولی رفتار سے پورے کرے۔ ہر چکر کے اختتام پر ''رکن یمانی'' کا بوسہ دینا ضروری نہیں موقعہ ملے تو دیدے ورنہ طواف پورے کرے۔ جب اس طرح ساتواں طواف ختم کر چکے تو حجر اسود کو بوسہ دے کر ''مقام ابراہیم'' میں جائے اور وہاں دو رکعت نماز واجب الطواف پڑھے اور اگر

اژدھام زیادہ ہوتو وہاں نماز پڑھنی ضروری نہیں۔ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے۔ یہ نماز ساتویں چکر کے بعد پڑھنی واجب ہے۔[۱]

اس کے بعد مسجد سے نکل کر صفا پہاڑی پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہے اور درود شریف پڑھے پھر ہاتھ اٹھا کر جو کچھ چاہے دعا مانگے[۲] اس کے بعد صفا سے مروہ کی طرف معمولی چال سے چلے، جب ''وادئ بطن'' میں پہنچ جائے ''میلین اخضرین'' کے درمیان دوڑ کر چلے یہاں تک کہ وادی کے درمیان سے گزر جائے اس کے بعد مروہ تک معمولی رفتار سے پہنچے۔ مروہ پر چڑھ کر وہی عمل کرے جو صفاء پر کیا تھا۔[۳] یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے تکبیر وتہلیل اور حمد وصلوٰۃ پڑھے۔ اس کے بعد مروہ سے اتر کر صفا پر آئے اور اسی طرح صفا سے مروہ کی طرف جائے اور سات چکر لگائے۔

قیام مکہ:

جب ان امور سے فارغ ہولے تو حالت احرام ہی میں مکہ میں قیام پذیر ہو اور جب بیت اللہ کی طرف گزر ہوا کرے تو طواف کرلیا کرے۔ کیونکہ یہ مسنون ہے۔ ۸ ذی الحجہ تک دوران قیام میں یہی عمل جاری رکھے۔ ۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں جا کر قیام کرے۔ یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کی فجر تک منیٰ میں ٹھہرا رہے۔ پھر قیام عرفات میں جا کر سوائے ''مقام بطن عرفہ'' کے جس جگہ چاہے قیام کرے، عرفات[۴] میں اسی تاریخ کو نماز ظہر اور عصر ملا کر پڑھے بعد دیگرے پڑھے نماز کے بعد غسل کر کے ''موقف'' میں چلا جائے وہاں غروب آفتاب تک رہے۔ جب آفتاب غروب ہو جائے تو ''مزدلفہ'' میں جا کر قیام پذیر ہو۔ یہاں سوائے ''وادی محسر'' کے جس جگہ چاہے ٹھہرے۔ ''جبل قزح'' کی پاس ٹھہرنا مسنون ہے۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھے۔ ان نمازوں کے لئے

---

[۱] ترمذی شریف ج۱ص۱۷۲ [۲] ھدایہ ج۱ص۲۴۳، صفا پر کھڑا ہو کر بیت اللہ کیطرف منہ کر کے خوب اچھی طرح دعا مانگے (علوی) [۳] مروہ پر کھڑے ہو کر دعا مانگے یہاں سے بیت اللہ نہیں نظر آتا (علوی) [۴] لیکن جن شرائط کے ساتھ ظہر عصر ملا کر پڑھی جاتی ہیں وہ شرائط آج کل مفقود ہیں اس لئے حجاج کرام ظہر کے وقت ظہر کی نماز اور عصر کے وقت عصر کی نماز با جماعت ادا کریں (علوی)

اذان اور تکبیر بھی کہنی چاہئے۔

۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو نماز فجر کا وقت داخل ہوتے ہی نماز فجر پڑھ کر تکبیر و تہلیل اور حمد و صلوٰۃ پڑھے اور جو چاہے دعا مانگے۔ جب صبح خوب روشن ہو جائے تو منٰی میں آ کر بطن وادی سے نیچے نکل کر ''جمرۃ العقبۃ''[1] پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری مارتے وقت زبان سے یہ کلمات ادا کرے، بسم اللہ اللہ اکبر۔ رغماً للشیطٰن ورضیً للرحمٰن دل میں یہ نیت کرے کہ شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے اور رحمٰن کو راضی کرنے کے لئے کنکری مارتا ہوں۔ اس کے بعد متمتع اور قارن قربانی کرے اس سے فارغ ہو کر سر کے بال منڈائے جو افضل عمل ہے۔

ان امور سے فارغ ہونے کے بعد تمام ممنوعات احرام جائز ہو جاتے ہیں سوائے عورتوں کے۔ اس کے بعد اسی تاریخ کو یا گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو طواف زیارت کرے لیکن درمیانی رفتار سے چلے صفا مروہ کے درمیان سعی کرے۔ ۱۱ ذی الحجہ کو دو پہر ڈھلنے کے بعد منٰی میں آ جائے اور کنکریاں پھینکنی شروع کرے۔ اوّل اس جمرہ پر سات کنکریاں مارے جو ''مسجد خیف'' کی برابر ہے۔ پھر درمیانی جمرہ پر اور آخر میں ''جمرہ عقبہ'' پر۔ کنکریاں مارنے میں یہ ضروری ہے کہ پہلے اور دوسرے جمرہ پر کنکریاں مارنے کے بعد کچھ دیر توقف کرے اور دعا مانگے[2] مگر جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد نہ ٹھہرے۔ ہر دفعہ کنکری پھینکتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہے، اس کے بعد اگر مکہ میں قیام رہے تو اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن بھی کنکریاں پھینکتا رہے اور منٰی میں رات کو قیام کرے۔ ان امور کے ادا کرنے کے بعد حج مکمل ہو جاتا ہے۔

واپسی کے آداب:

ان امور سے فارغ ہونے کے بعد اگر واپسی کا ارادہ ہو تو سات مرتبہ پھر طواف کرے لیکن معمولی چال سے نہ اکڑ کر چلے اور نہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرے۔ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے، پھر چاہ زمزم کا پانی پی کر مکہ

۱؎ بڑا شیطان ۲؎ اتنی دیر دعا کرے جتنی دیر میں ایک مرتبہ سورہ یٰسین پڑھی جاتی ہے۔ (علوی)

معظمہ کے پاس آئے، کعبہ کی چوکھٹ پر بوسہ دے، اپنا سینہ اور منہ مقام ''ملتزم'' پر رکھے اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی عاجزی و تضرع کے ساتھ دعا مانگے پھر الٹے پاؤں مسجد سے نکل آئے۔

عورتوں کے چند مخصوص مسائل یہ ہیں

حج کی جو کیفیت اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس میں عورت کی حالت بھی مرد کی طرح ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عورت سلا ہوا کپڑا پہنے اور سر نہ کھولے۔ صرف منہ کھولے رکھے۔[1] آہستہ اور پست آواز سے لبیک کہے۔ حجر اسود کے پاس اس وقت جائے جب وہاں مجمع نہ ہو طواف کے وقت اکڑ کر نہ چلے نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے، معمولی رفتار سے چلے، سر نہ منڈوائے، صرف ایک لٹ کٹوا دینی چاہئے۔ اگر احرام سے قبل حائض ہو جائے تو غسل کر کے احرام باندھ لے اور صرف طواف نہ کرے، باقی تمام امور بدستور ادا کرتی رہے اور اگر طواف زیارت کے بعد حائضہ ہو تو طواف صدر نہ کرے۔

تمتع اور قران

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ حج مفرد کا بیان تھا۔ حج مفرد کے معنی یہ ہیں کہ ایک سال میں صرف حج کرے عمرہ نہ کرے۔ اگر عمرہ بھی کرے تو ایام حج یعنی شوال کے قبل یا ۱۰ ذی الحجہ کے بعد۔ الغرض ایام حج میں صرف حج کرنے کو حج مفرد کہتے ہیں۔[2]

تمتع کے معنی یہ ہیں کہ ایام حج میں اوّل عمرہ کا احرام باندھے[3] اور عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھول کر یا بغیر احرام کھولے حج کے امور کی تعمیل و تکمیل شروع کر دے اور قران کے معنی یہ ہیں کہ حج اور عمرہ کا ایک ساتھ ہی احرام

۱؎ واضح رہے کہ حالت احرام میں عورتوں کے منہ پر کپڑا بھی نہ پڑے اور غیر محرم کی نگاہ بھی نہ پڑے اس سلسلہ میں چھجہ پیشانی پر باندھ لیں تاکہ نقاب منہ پر نہ پڑے۔ (علوی) ۲؎ ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۶۹ ۳؎ شامی ج ۲ ص ۵۳۰

باندھ لیا جائے اور میقات سے دونوں کے لئے ساتھ ساتھ لبیک کہے۔ جب کوئی حاجی حج کے ساتھ عمرہ بھی ادا کرنا چاہے تو چاہئے کہ غسل کر کے حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھے۔ مکہ سے نکل کر میقات عمرہ تک جائے جو تنعیم، جعرانہ اور حدیبیہ ہے۔ یہاں آ کر عمرہ کی نیت کرے اور کہے لبیک بعمرۃٍ پھر مسجد عائشہ میں جائے اور دو رکعت نماز ادا کرے، واپسی میں مکہ کو آوے تو راہ میں لبیک کہے اور مسجد میں پہنچنے کے بعد سر منڈوائے بس عمرہ تمام ہو جائے گا۔ اس کا نام عمرہ ہے۔

عمرہ ہر سال کر سکتے ہیں اور جو لوگ وہاں کے باشندے ہیں، وہ جتنی بار چاہیں عمرہ بجالا سکتے ہیں۔[1]

تمتع اور قران کا فرق :

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تمتع کرنے والا عمرہ سے فارغ ہو کر حج سے قبل ممنوعات احرام سے فائدہ اندوز ہو سکتا ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ عمرہ کے بعد احرام کھول کر حلال ہو جائے اور[2] ہر اس شخص سے نفع پذیر ہو سکے جس کی حالت احرام میں ممانعت تھی۔ البتہ اگر تمتع کرنے والے کے ساتھ قربانی ہو تو حج سے قبل حلال ہونا جائز نہیں۔ اور قران کرنے والا اگر حج سے قبل کوئی قصور یا جنایت کرے گا تو قربانی کرنی لازم ہوگی تا کہ ارتکاب ممنوع کا کفارہ ہو جائے۔

حنفیہ کے نزدیک قران سب سے افضل اور اعلیٰ ہے اس کے بعد تمتع کا درجہ ہے اور آخر میں حج مفرد کا۔

قران کا طریقہ :

جو شخص حج قران کرنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ احرام کا ارادہ کرتے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد یہ نیت کرے :

اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرھمالی وتقبلھما منی[3]
یعنی اے اللہ! میں حج اور عمرہ دونوں کا ارادہ کرتا ہوں پس میرے لئے دونوں کو آسان کر اور میری طرف سے دونوں کو قبول فرما۔

---

[1] فتاوی شامی ج ۲ ص ۵۳۵ [2] ترمذی ج ۱ ص ۱۷۰ [3] هدایہ ج ۱ ص ۲۵۷

اس کے بعد جب مکہ پہنچے تو عمرہ کے لئے سات طواف کرے۔ طواف کا طریقہ وہی ہے جو کیفیت حج کے بیان میں مذکور ہوا۔ اس کے بعد بغیر سر منڈائے حج کرنا شروع کر دے۔ اس کے بعد نحر کے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو جب رمی سے فارغ ہو جائے تو قربانی کرنی لازم ہے۔ اگر قربانی کرنے کی توفیق نہ ہو تو دس روزے رکھنے واجب ہیں تین روزے ۷ ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک اور سات روزے ایام تشریق کے بعد۔ اگر شروع کے تین روزے فوت ہو جائیں تو لامحالہ قربانی کرنی ہوگی۔

ایک ضروری مسئلہ :

اگر قران کرنے والا مکہ میں نہ گیا اور عرفات میں جا کر پہلے ہی سے قیام پذیر ہو گیا تو اس کا عمرہ باطل ہو گیا اور بطور کفارہ کی قربانی کرنی لازمی ہے اور پھر آئندہ سال عمرہ کی قضا بھی واجب ہے۔ اس صورت میں قران کی قربانی اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ جب عمرہ ہی صحیح نہیں ہوا تو قران کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور قران کے صحیح نہ ہونے کے وجہ سے قران کی قربانی بھی ساقط ہو گئی۔

زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت کرنا ہر وقت مستحب ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو عشاق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو یہ عاشقانہ فرض ہے[1] جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص میری وفات کے بعد میری زیارت کرے گا اس نے گویا میری حیات میں میری زیارت کی۔[2] نیز فرمایا جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کی لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی[3] اور جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی بیشک اس نے مجھ پر جفا کی[4] نیز فرمایا کہ جو کوئی مدینہ میں آئے اور سوائے زیارت کے

---

[1] قاضی عیاض مالکی نے "الشفاء" میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو متفق علیہ سنت لکھا ہے (علوی)
[2] ابن عمر کی روایت روض المربع فقہ حنبلی [3] شرح اللباب رواہ البزار والدار قطنی از قطنی [4] رواہ ابن عدی فی الکامل وغیرہ کذا فی شرح اللباب

اس کی اور کوئی غرض نہ ہو تو حق تعالیٰ کے نزدیک اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ مجھے اس کا شفیع کرے۔

مذکورہ بالا احادیث سے صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر خلوص قلب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کی جائے تو حصول جنت یقینی ہے کیونکہ علماء امت کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے کہ جو شخص دلی ایمان اور قلبی اخلاص کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کے دیار پرانوار سے فیضیاب ہوا اس کے لئے جنت یقینی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما ہی دیا ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو اس نے گویا میری حیات میں زیارت کی۔ [1]

ایک حکایت:

ایک بزرگ حضرت شیخ صالح سید احمد رفائیؒ کا یہ دستور تھا کہ عشق نبوی ﷺ میں تڑپتے اور ہر سال حاجیوں کی معرفت نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجتے اور فرماتے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کے سامنے کھڑے ہو کر میرا سلام عرض کرنا۔ جب تک آپ میں حج کرنے کی مقدرت نہیں تھی یہی دستور رکھا اور اپنے بیقرار دل کو یونہی تسکین دیتے رہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کرنے کی توفیق وقدرت دی اور آپ مدینہ منورہ میں پہنچے تو حضور ﷺ کے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کرتے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وھی نائبتی

جب میں آپ سے دور تھا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا کہ وہ میری قائم مقام ہو کر میری طرف سے اس زمین کو بوسہ دیتی تھی۔

وھذا دولة الاشباح قد حضرت
فامدد بیمینک کے تحظی بها شفتی

[1] طبرانی قال النووی وقال ابن حجر فی شرح المناسک

اب چونکہ حضوری کی دولت میسر ہوئی تو آپ اپنا داہنا ہاتھ پھیلایئے تاکہ میرے ہونٹ اسے بوسہ دے کر حظ حاصل کریں۔

جونہی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے فوراً جناب رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک قبر شریف سے ظاہر ہوا اور شیخ نے پروانہ وار آگے بڑھ کر چوم لیا۔ [1]

جاننا چاہئے کہ دست مبارک قبر شریف سے ظاہر ہونا کوئی مستبعد بات نہیں۔ مگر ان کے لئے جو یقین وایمان کی دولت سے مالامال ہیں اور جو اولیائے کاملین سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔ کیونکہ عقل ونقل کی رو سے اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے۔ اور حضور سرور کائنات ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ [2]

قبر شریف کے پاس درود شریف پڑھنے کی فضیلت

اکثر علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص حیات النبی ﷺ کے روضہ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر آیا ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی الخ پڑھے تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ اے شخص خدا نے تجھ پر اپنی رحمت نازل کی اور اس شخص کی کوئی حاجت نہیں رہتی جو بر نہ آئے۔

یہ تو آپ نے معلوم کر لیا ہے کہ روضہ پاک حضور اکرم ﷺ کی زیارت افضل مستحبات سے ہے۔ [3] اور اگر خلوص قلب کے ساتھ روضہ پاک کی زیارت کی جائے تو حصول جنت یقینی ہے اب اس کا طریقہ معلوم کر لیجئے۔ اگر حج کرنا ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ پہلے فریضہ حج کی ادائیگی سے بطریق احسن واکمل فارغ ہو اور اس کے بعد روضہ پاک کی زیارت کو جائے۔ اور اگر حج نفل کرنا مقصود ہو تو حاجی

[1] الحاوی للسیوطی۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا جس میں امام ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی موجود تھے (البنیان المشید) (از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

[2] امام بیہقی نے انبیاء کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور حضرت انسؓ کی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور یہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے (علوی) [3] فقہ حنبلی کی مستند کتاب "المغنی" میں ابن قدامہ نے قبر کی زیارت کو مستحب لکھا ہے (علوی)

کو اختیار ہے کہ خواہ پہلے حج کرے یا زیارت۔

مدینہ میں داخل ہونے کے آداب :

جس وقت روضہ پاک کا ارادہ ہو تو گھر سے نکلتے ہی روضہ پاک کی زیارت کی خالص نیت کرے اور راستے میں ہر وقت درود شریف کا ورد رکھے۔ حتیٰ الامکان کوئی بات سنت نبوی ﷺ کے خلاف نہ کرے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو روضہ مبارک میں داخل ہونے سے قبل غسل کرکے اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے اور انتہائی ادب واحترام کے ساتھ داخل ہو تاکہ تعظیم نبوی کا جسم وروح دونوں سے کامل مظاہرہ ہو۔ جب مدینہ میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق اللھم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من زیارۃ رسول اللہ ﷺ مارزقت اولیاءک واھل طاعتک واغفرلی وارحمنی یاخیر مسئول.

جب مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو تو باب جبرئیل علیہ السلام سے داخل ہو۔ اوّل داہنا پاؤں مسجد میں رکھے اور اس وقت یہ دعا پڑھے۔

اللھم صلّ علیٰ محمدٍ وّعلیٰ ال محمدٍ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اللھم اجعلنی الیوم من اوجه من توجه الیک واقرب من تقرب الیک وابتغی مرضاتک.

اس کے بعد مستحب ہے کہ قبر شریف اور ممبر کے درمیان محراب کے سامنے کھڑے ہوکر دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرے۔ کیونکہ یہ مقام جنت کے باغوں میں سے ایک تروتازہ اور شاداب باغ ہے۔ علماء کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مقام جنت کے سبز باغ ہونے کا استحقاق رکھتا ہے۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ بیت الحرام کی مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب لاکھ نماز کے برابر ہے اور

میری مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ہزار نماز کے برابر ہے۔[1] الغرض یہ مقام روضہ اطہر میں داخل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف ہے۔ یہاں سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ خدائے قدوس نے یہ دولت عظمٰی نصیب کی کہ مہبط قرآن ووحی اور احکام اسلامیہ کے سرچشمہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر مزار مبارک کے پاس آئے، قبلہ کی طرف پشت کرے اور دیوار مزار کی طرف منہ کرکے یہ دعا پڑھے:

السلام علیک ایھاالنبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا من خیرہ اللہ من جمیع خلقه السلام علیک یا حبیب اللہ السلام علیک یاسید ولد ادم السلام علیک ایھاالنبی ورحمة اللہ وبرکاته یارسول اللہ انی اشھد ان لااله الااللہ وحدہ لاشریک له وانک عبدہ ورسوله اشھد یارسول اللہ انک بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وکشفت الغمة فجزاک اللہ خیراً جزاک اللہ عنا افضل ماجازی الانبیاء عن امتھم. اللھم اعط سیدنا محمداً عبدک ورسولک الوسیلة والفضیلة والشرف والدرجة العالیة الرفیعة وابعثه المقام المحمود الذی وعدته وانزله المنزل المقرب عندک سبحانک انک ذوالفضل العظیم.

یہ دعا پڑھ کر بوسیلہ نبی اکرم ﷺ خدا سے اپنے دینی ودنیوی حاجات کے لئے دعا مانگے۔ یہ نیت اور خیال کرے کہ حضور ﷺ زندہ موجود ہیں اور میرے کلام کو سنتے ہیں۔ انشاء اللہ دعا قبول ہوگی۔ جب اپنے اور متعلقین کے لئے دعا کرنے سے فارغ ہوچکے تو جن لوگوں نے سلام کہلا کر بھیجا ہو، ان کی طرف سے

---

[1] ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ

بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام عرض کردے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے پاس آ کر یہ الفاظ کہے۔

السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ وثانیۃ فی الغار ابی بکرن الصدیق جزاک اللہ عن امۃ محمد ﷺ خیراً۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے پاس جا کر یوں خطاب کرے۔

السلام علیک یا امیر المؤمنین عمر الفاروق الذی اعز اللہ بک الاسلام جزاک اللہ عن امۃ محمد ﷺ خیراً۔

پھر ممبر اور روضہ مبارک کے درمیان حضور اقدس ﷺ کے سرہانے کھڑے ہو کر دعا مانگے اپنے اور اپنے والدین کے لئے شفاعت کا طلب گار ہو اور دعا ختم کرنے کے بعد آمین کہے اور بکثرت درود سلام بھیجے۔

بیانِ نماز

ترغیب وترہیب

چونکہ یہ ہماری یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان دار ہیں اس لئے انہی کے مسلمات پر ہمارا یہ مضمون ہے۔ قرآن مجید وفرقان حمید نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ انسان کا مقصد حیات عبادت ہے اور عبادت کے معنی کسی بالاتر ہستی کی عظمت وکبریائی تسلیم کر کے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے اور اس کے سامنے سرنیاز جھکانے کے ہیں۔

انسانی فطرت اور اس کی بناوٹ صاف طور پر بتلاتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے ساری دنیا اس کے لئے ہے اور وہ خود خدا کی عبادت وپرستش کے لئے ہے جہاں کائنات ارضی وسماوی کا ذرہ ذرہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری

میں لگا ہوا اپنے منشائے تخلیق کو پورا کر رہا ہے وہاں انسان کے شرف ومجد کا زبردست اور بدرجہ اولیٰ تقاضہ ہے کہ وہ اپنے مالک وخالق کی عبادت وپرستش کر کے اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دے۔

ساتھ ہی یہ بھی ایک ظاہر بات ہے کہ انسان ایک نفع پسند ہستی ہے۔ یہ بات اس کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ نفع بخش چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بھاگتا ہے اور اس بناء پر اس کی فطرت کا زبردست تقاضا ہے کہ وہ اپنے خالق ومعبود کی عبادت سے ابدی راحت پائے، کیوں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ نفع بخش چیز عبادت الٰہی ہے۔ اس فطرت انسانی کو ملحوظ رکھ کر قرآن کریم ہمیں یہ حکم دیتا ہے:۔

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ [۱]

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو وہ رب جس نے تم کو اور تمہارے آباؤ اجداد کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

یعنی عبادت الٰہی سے تم متقی بن جاؤ گے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری تمام حرکات وسکنات اور خواہشات احکام اسلامیہ کی روشنی میں ایک ضبط ونظام کے ماتحت آ جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس دنیا میں بھی راحت واطمینان پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ پھر دوسری جگہ انسانی خلقت کی علت غائی بھی عبادت بتلائی۔

وماخلقت الجن والانس الالیعبدون۔ [۲]

میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

تو چونکہ انسانی فطرت کا زبردست اقتضاء عبادت الٰہی ہے اس لئے اس کے قویٰ کی اندرونی ساخت زبردستی اس کے منہ سے ایاک نعبد کہلوا لیتی ہے۔ اور

---

[۱] البقرۃ: ۲۰ [۲] ذاریات: ۵۵

انسان اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے مجبور ہے کہ خدا کی عبادت کرے۔ اس فطرت انسانی کا اعلان قرآنی زبان میں یوں ہوا ہے۔

فاقم وجھک للذین حنیفاً فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم۔[1]

یعنی ان تمام عقائد واعمال پر اپنے آپ کو اور اپنے تمام اعضاء جوارح کو قائم کرو۔ اس طرح کہ ہر پہلو سے اسی کی طرف جھک جاؤ کیونکہ یہ فطرتی دین ہے جس پر نیک سرشت انسان پیدا کئے گئے ہیں۔ سو تم ایسی چیز کو مت بدلو جو بوجہ فطرتی ہونے کے غیر متبدل ہے۔

الغرض

انسانی فطرت عبادت کے لئے بنائی گئی ہے:

مذکورہ بالا امور سے بخوبی روشن ومبرہن ہوگیا کہ انسانی فطرت عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور اسی لئے اس کو اس قسم کے قویٰ اور سامان بھی مولائے کریم نے دیئے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ عبادت کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ رسمی طور پر چند رٹے رٹائے الفاظ دن میں پانچ مرتبہ دہرالئے جائیں اور سمجھ لیا جائے کہ ہم نے اپنے منشائے فطرت کو پورا کرلیا۔ ایسا سمجھنا عبادت کی توہین ہے۔ سنئے عبادت سے مراد توحید ہے جس کے تین اقسام ہیں:

(۱) توحید فی الذات، (۲) توحید فی الاسماء والصفات اور (۳) توحید فی الافعال۔ عبادت کے مفہوم میں توحید کی یہ تینوں اقسام داخل ہیں۔

عبادت کی حقیقت لفظ "عبد" سے صاف طور پر معلوم ہوجاتی ہے۔ جس کے معنی پامال زمین کے ہیں۔ سو عبادت کی حقیقی غرض یہ ہے کہ انسان الوہیت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو حقیر وناچیز اور لاشئے سمجھے جو اس طرح مسلک عبادت پر قدم مارتا ہے وہ خدا کا "عبد" کہلاتا ہے۔

[1] روم: ۲۹

قرآن شریف میں عبادت کے مختلف مدارج:

قرآن حکیم نے عبدیت کی تکمیل وترفیع کے لئے مختلف احکام وہدایات دی ہیں اور عبادت کے مختلف مدارج واصول بیان کئے ہیں۔ جو اپنی اپنی جگہ نہایت مہتم بالشان اور اہم ہیں۔ ان سب سے مقدم واہم اور ان سب کی روح رواں نماز ہے۔ جس کو قرآن پاک میں لفظ "صلوٰۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نماز کیا ہے؟ نماز ایک دعا ہے جو انسان کے جمیع مشکلات کی کلید ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مغز نماز دعا ہے۔[1]

نماز کا سب سے بڑا فائدہ:

نماز کو محض ایک بوجھ سمجھ کر اور محض رسمی طور پر ادا کیا جاتا ہے اس طرح نماز کی پابندی کرنے والے نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ اس غنی وحمید اور غنی عن العالمین خدائے کریم کو اس بات کی کیا حاجت ہے کہ انسان تسبیح وتہلیل اور عبادات وریاضت میں مصروف ہو یا نہ ہو، اس کو انسان کی عبادت کے متعلق ضرورت نہیں۔ وہ تو بے نیاز ہے اگر اس نے ہمیں عبادت کا تاکیدی اور بار بار حکم دیا ہے تو اس میں سراسر انسان ہی کا فائدہ مدنظر ہے۔ وہ صحیح معنوں میں عبادت کرکے متقی یعنی سچا عامل، کامل مومن بن جاتا ہے۔ اور یہ تھوڑا فائدہ ہے کہ انسان عبادت کرکے عبد کامل اور سچا مومن بن جاتا ہے۔ جو عبد مومن بن گیا وہ دارین میں فائز المرام وشادکام بن گیا۔

چونکہ نماز انسانی خلق کی غایت اور مقصد اعظم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت جاریہ کے مطابق نماز میں ایک لذت وسرور اور اطمینان قلب رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔[2] جان لو کہ اطمینان قلب ذکر الٰہی میں ہے۔

اس دنیا میں انسان کی ساری تگ ودو، جدوجہد اور سعی وکوشش اس لئے ہے کہ اسے اطمینان قلب میسر آجائے مگر یہ چیز سوائے ذکر الٰہی کے کسی طرح بھی

[1] ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۷۵ [2] رعد: ۲۸

میسر نہیں آسکتی خواہ انسان ہفت اقلیم کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سچ پوچھو تو اطمینان کامل ہی حقیقی راحت اور لذت کا مفہوم حقیقی ہے۔

چونکہ زمانہ کی رسم پرستی، آداب نماز اور حقیقت صلوٰۃ سے ناواقفی کی وجہ سے لوگوں کو نماز میں لطف و سرور نہیں آتا اور اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا اس لئے وہ اپنی ناسمجھی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ نماز میں کوئی لذت وسرور ہی نہیں ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مریض ایک عمدہ سے عمدہ اور خوش ذائقہ چیز کا مزہ نہیں اٹھا سکتا اور اسے بالکل تلخ یا پھیکا سمجھتا ہے۔ حالانکہ نفس الامر میں وہ چیز مزہ سے خالی نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ حقیقت نماز سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اور نماز کو محض رسمی طور پر ادا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی اس بیماری کا علاج کرنا چاہئے۔

نماز کا حظ و سرور:

خالق ارض وسماء نے دنیا میں جس قدر اشیاء انسان کے لئے بنائی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی قسم کی لذت بھی رکھ دی ہے۔ جو انسان کی توجہ کو اپنی طرف جذب کرتی ہے۔ مثلاً دیکھئے خالق کائنات نے اناج اور تمام خوردنی ونوشینی اشیاء انسان کے لئے پیدا کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ان سے لذت وحظ پاتا ہے اور ان کے لئے حریص ہے، ان مادی چیزوں کے مزہ اور ذائقہ کے احساس کے لئے قدرت نے اس کے منہ میں زبان دی ہے۔ وہ خوبصورت اشیاء کو دیکھ کر خواہ وہ نباتات ہوں یا جمادات اور یا حیوانات، حظ وسرور پاتا ہے۔ دلکش اور سریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ ہوتے ہیں۔ اسی طرح عورت و مرد کے تعلقات میں ایک خاص سرور رکھا گیا ہے۔ جس کا لطف سب چیزوں سے زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چونکہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کا حظ وسرور رکھا ہے۔ اگر اس کا احساس پیدا ہو جائے تو انسان پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے کیونکہ یہ غایت انسانی ہستی کی لازوال اور دائمی ہے۔ اس بناء پر دنیا کی تمام چیزوں کی لذتیں فانی،

عارضی اور لاشئے ہیں۔ اور عبادت کا سرور راحت مستقل اور ابدی ہے۔ لیکن اس کے حاصل کرنے کے لئے بڑی کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

جاننا چاہئے کہ عبادت کا لطف وسرور عبودیت اور ربوبیت کے رشتہ پر موقوف ہے اس رشتہ تعلق میں جس قدر صلاحیت، استواری اور عمدگی ہوگی اسی قدر عبادت میں حظ وسرور حاصل ہوگا۔ لیکن جب اس میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا ہو جائے تو پھر نظام عبدیت بگڑ جاتا ہے۔ اور تمام عبادتیں ایک بوجھ معلوم ہونے لگتی ہیں۔

خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جب تک عبودیت الوہیت کے ساتھ سچا اور مستحکم رشتہ رکھتی ہے اس وقت تک وہ ان فیضانوں اور برکات وانوار سے بہرور ہوتی رہتی ہے۔ جو الوہیت کے چشمہ سے نازل ہوئے ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں جو حظ اس تعلق میں موجود ہے اگر ساری عمر میں ایک بار بھی مل جائے تو وہ اس میں فنا ہو جائے۔ لیکن ایک عالم اس لذت سے ناآشنا اور بے خبر ہے پس دعا کرتے رہو۔ رسمی اور بے حضوری و بے خیالی نماز کو کافی نہ مجھو۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو نماز کو دلی توجہ سے ادا کرو۔ اگر دلی توجہ باوجود کوشش اور خیالی کشمکش کے پیدا نہ ہو تو پنج وقتہ نمازوں کے بعد سجدہ میں یا کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں تضرع وزاری کے ساتھ یوں دعا کرو کہ ''اے خدائے قادر وقیوم ذوالجلال! بندوں کی فلاح وکامرانی صرف تیرے ہاتھ ہے۔ میں گناہ گار ہوں۔ سراپا غریق بحر معصیت ہوں۔ گناہوں نے مجھے اپنا بنا لیا ہے۔ میں معصیت وسیہ کاری کے سیلاب میں بہا جا رہا ہوں۔ گناہوں کے زہر نے میرے دل اور رگ وریشہ میں ایسا اثر کیا ہے کہ مجھے نماز میں حضوری حاصل نہیں ہوتی۔ عاجز نواز خدائے قدوس! مجھے محض تیرے فضل وکرم کا سہارا ہے، تیری رحمت وبخشش پر نظر ہے، میرے گناہوں کو بخش دے۔ میری تقصیرات اور نافرمانیوں کو معاف کر دے، میرے دل کو نرم کر دے۔ مجھ میں ایسی صلاحیت واستعداد پیدا کر دے کہ میں عبودیت کے رشتہ کو قائم رکھ سکوں اور میرے دل میں اپنے عظمت، اپنا خوف اور اپنی محبت پیدا کر دے تا کہ میری سخت دلی، بے رغبتی اور

کو ذوقی دور ہو کر نماز میں حضوری اور لطف و سرور حاصل ہو۔

اگر اس طرح پورے صبر اور پوری استقامت کے ساتھ دعا کی جائے تو خصوصاً تہجد کی نماز کے بعد تو انشاء اللہ یقیناً حضوری حاصل ہو جائے گی۔ الغرض حضوری حاصل کرنے کے لئے چاہئے کہ گناہوں کی معافی چاہیں۔ ہر وقت توبہ استغفار کرتے رہیں، موت کو یاد رکھیں، دنیا کی زندگی کو آخرت کی کھیتی سمجھیں اور موت کو بالکل قریب سمجھیں۔ حضوری حاصل کرنے کا یہی طریق ہے۔ یاد رکھیں گناہوں کے باعث دل سخت ہو جاتا ہے۔ اگر اس میں سختی کو دور کرنا ہو تو توبہ واستغفار کریں۔ اب ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت نماز یہیں بیان کر دی جائے۔

حقیقت نماز

یہ زمانہ دہریت وزندقہ کا زمانہ ہے۔ انسان کی نظر صرف ظواہر تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اور وہ سرے سے خدا ہی کے وجود کا منکر ہے۔ مگر دہری انسان کی یہ حماقت ونادانی انسانی فطرت پر پردہ ڈال کر آقائے حقیقی کے تصور کو مٹا نہیں سکتی خواہ ساری دنیا زبان سے خدا کی ہستی کا انکار کر دے لیکن اس کی روح برابر خدا کا اقرار واعتراف کرتی رہے گی۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ ہے کہ دنیا کے مذاہب پر غور کرنے، کل اقوام عالم کو ایک مرکزی قوت کے سامنے سربسجود دیکھنے، قانون قدرت کے مطالعہ کرنے، فطرت سلیم، قوت ایمانی اور نور فراست کے اتفاق سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ومبرہن ہو جاتی ہے کہ ہمارا ایک خالق و مالک اور معبود ومسجود ضرور ہے خواہ اس کا وجود ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور ہم اس کو مانیں یا نہ مانیں۔ ہمیں خود اپنے وجود میں شبہ ہو سکتا ہے لیکن ایک خالق و مالک ہستی کے وجود میں ہرگز ہرگز شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔

کائنات کا ذرہ ذرہ بزبان حال اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ خالق ارض وسما کی قدرت کاملہ کل عالم پر محیط اور تمام اشیاء میں جاری وساری ہے۔

الغرض ایک ہمہ قدرت فوق الکل وجود کا خیال واعتقاد کل اقوام دنیا میں پایا جاتا ہے اور یہ فطرت کا اشتراک اور قوائے باطنیہ کی اضطراری توجہ ایک اعلیٰ وبرتر ہستی کے وجود کی ایک عجیب دلنشین دلیل ہے۔

قلبی شکر گزاری کا مرکزی نقطہ:

جب ہم عالم اسباب پر غور ونظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کون وفساد کے انقلابات میں انسان ہمیشہ مجبور ومعذور رہتا ہے۔ اگرچہ وہ اشرف المخلوقات ہے لیکن تمام اختیارات کے مواد اور مقدورات کے اسباب اس کی قدرت سے باہر ہیں۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے قوائے طبعی مثلاً سورج، چاند، ستارے، ہوا اور بادل وغیرہ اسی مجبور ومعذور اور بے مقدور انسان کے بے ضرر خدمت گار اور مطیع ہیں۔ تیسری طرف جب ہم اپنے اسباب قریبہ یعنی جسم کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ہمیں قدرت نے نہایت ہی مناسب اعضاء وجوارح اور آلات وادوات دیئے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو جائے تو اس کے مثل بے نقص ایک آلہ کا موجود کرنا اس کے امکان سے خارج ہے۔

یہ تصورات انسان کے دل میں یقیناً نور ایمان پیدا کرتے ہیں ساتھ ہی عجیب لگن سخت جوش اور پاکیزہ جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور دلی نیاز وشکر گزاری کے انسان کو منعم ومحسن حقیقی کی حمد وستائش کی طرف خود بخود دل کو مائل کرتے ہیں۔ انسان کو جس قدر اپنی احتیاج واقتصاد کا علم اور فوق القدرت سامانوں کے بآسانی بہم پہنچ جانے کا یقین ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کا دل منعم کے احسانات کی شکر گزاری کی طرف مائل ہوتا جاتا ہے یہی علم یا یہی یقین یہی دلی نیاز اور قلبی شکر گزاری جو نور فراست، صحیح علم، سچی محبت اور باطنی اخلاص سے پیدا ہوتی ہے۔ عبادت کی اصل اور حقیقت نماز ہے۔

اچھا بیج اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ یعنی جو کچھ ہمارے قلب میں ہے وہی ظاہری اقوال وافعال اور حرکات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے

ظاہری حرکات وسکنات کا اثر بھی قلب پر پڑتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ تمام واردات اور عوارض مثلاً انبساط وانقباض، یاس ورجاء فرحت وغم اور محبت وعداوت اعضائے ظاہری کو باطنی اعضاء سمیت یکساں متغیر ومتاثر کردیتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ اسلام نے دلی نیاز اور قلبی شکر گزاری کے ساتھ ظاہری اقوال وافعال اور حرکات وسکنات کو بھی نماز میں ملحوظ رکھا ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ ایک خالق، مالک اور منعم کا تصور انسان کے قلب میں گزرے اور اس کے انعامات وعطایات کی تصدیق دل وجان سے ہو، مگر ظاہری اعضاء متحرک نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم میں جوش قلبی کی تحریک اور حمد وستائش کی آگ بھڑکانے کے لئے ظاہری اعمال کا التزام بھی پایا جاتا ہے۔

تقسیم احکام :

مذہب کیا ہے؟ عبد ومعبود کا رشتہ۔ وہ دنیا میں کیوں آیا ہے؟ اس لئے کہ عبد ومعبود کے رشتہ کو قائم وبرقرار رکھے اور انسان کو حقیقی نجات وکامرانی اور ابدی راحت وآرام کا راستہ بتلائے۔ اس کی غرض بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ خالق ومخلوق کا رشتہ استوار ومحکم رہے اور بندے اپنے خود ساختہ قانون کی بجائے قانون الٰہیہ کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اسلام نے اس تعلق کو باقی رکھنے اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے پنج وقتہ نمازوں کا حکم دیا ہے۔

یہاں اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اسلامی احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک تو احکام اصلی اور دوسرے تابع یا محافظ اصلی۔ مقصود بالذات اصلی احکام ہیں اور احکام تابع، صرف اس لئے دیئے گئے ہیں کہ احکام اصلی باقی رہیں اور ان کی حفاظت ہو۔ نماز کے ارکان ظاہری احکام تابع محافظ ہیں اس امر کا روشن ثبوت یہ ہے کہ یہ ارکان عذر کی حالت میں انسان کے ذمہ سے ساقط ہوجاتے ہیں، مثلاً نماز میں بحالتِ مرض علی اختلاف الاحوال قومہ، قعدہ، سجدہ، جلسہ اور قیام وغیرہ سب معاف ہوجاتے ہیں لیکن وہ اصلی حکم اور حقیقی فرض یعنی قلبی خشوع وخضوع جو مقصود بالذات چیز ہے بہرحال انسان کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ جب تک

کہ انسان کی سانس کی آمد ورفت کا سلسلہ باقی ہے یہ فرض کبھی بھی نہیں ٹلتا۔ صرف یہی نماز ہے جو خدا کے نزدیک لائق اعتبار اور مستحق ثواب ہے۔

نماز کی علت غائی اور قرآن :

نماز تمام دینی ودنیوی کامرانیوں اور فائز المرامیوں کی کفیل، تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی ضامن اور شادابی روح وپختگی ایمان کا یقینی ذریعہ ہے اس کی علت غائی خدا کے ساتھ وابستگی پیدا کرنا اور عبدیت کا کامل مظاہرہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجھر من القول بالغدو والأصال ولا تکن من الغفلین۔ [1]

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑانے اور ڈرنے اور پکارنے سے کم آواز بولنے میں صبح اور شام کے وقتوں میں اور غافلوں میں ہرگز مت رہ۔

یعنی اپنے رب کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو، خدا کی یاد سے غافل ہونا روحانی موت ہے اللہ تعالیٰ روحانی موت سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ دوسری جگہ فرمایا:

اتل مآ اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوة ان الصلوٰة تنھٰی عن الفحشآء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون۔ [2]

تیری طرف جو کتاب اتری ہے اسے پڑھ اور قائم رکھ نماز، بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو خبر ہے۔

ان آیات سے نماز کی علت غائی بخوبی ظاہر ہوتی ہے یعنی نماز منکرات وفواحش سے محفوظ رہنے کے لئے فرض کی گئی ہے۔ یعنی نماز کی اقامت ومداومت

[1] سورہ اعراف : ۲۰۵ [2] سورہ عنکبوت : ۴۵

سے صفت تقویٰ و پرہیزگاری اور تصفیۂ باطن حاصل ہوتا ہے۔ اگر نماز کی پابندی سے روحانی ترقی حاصل نہ ہو اور اخلاقی خوبیاں پیدا نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی نماز رسمی اور بے جان ہے۔

نماز اور قرآن و حدیث

نماز کے معانی:

نماز کو عربی زبان میں ''صلوٰۃ'' کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ صلی سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی لکڑی کو گرم کر کے سیدھا کرنا چونکہ نماز انسان کی تمام عملی و علمی کجیوں اور کمزوریوں کو دور کر کے اسے منشاء فطرت کے مطابق مقصد حیات کے لئے تیار کرتی ہے اس لئے نماز کو ''صلوٰۃ'' کہا گیا ہے۔ یعنی نماز میں نفس کی ٹیڑھی لکڑی کو اطاعت و عبادت کی آگ پر سینک سینک کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ اور اس سے دل میں سوز و گداز پیدا کیا جاتا ہے۔ اور عشق الٰہی کی آگ ماسوی اللہ کے خس و خاشاک کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔

جب ایک نمازی دنیا کی تمام چیزوں سے کنارہ کش اور دست بردار ہو کر اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتا ہے اور اپنی عبودیت کا کامل اور شاندار مظاہرہ کرتا ہے تو دل کی کجی دور ہوتی ہے اور اس کے بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے راستی اور استقامت عطا ہوتی ہے جس کو وہ اھدنا الصراط المستقیم کہہ کر مانگتا ہے۔ پھر اس استقامت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایمان کے دونوں شعبے:۔

(۱) شفقت علیٰ خلق اللہ (۲) تعظیم لامر اللہ۔

نشو و نما پانے لگتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ نماز وہ طریق مستقیم ہے جو عبودیت اور الوہیت کے درمیان واقع ہے جب انسان اس پر چلنے لگتا ہے تو اسے الوہیت کا فیضیاب پانے کے لئے ایک صعود ہوتا ہے پھر رحمت الٰہی جوش میں آتی ہی اور الوہیت کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہادی کامل نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ''نماز مومن کی معراج ہے۔''

میں ببانگ دہل، بڑی جرأت اور قوی ایمان کے ساتھ کہتا ہوں اسلامی عبادت نماز کی مثال، اور یا اس سے بڑھ کر مقبول مطبوع صورت، نہ تو کسی مذہب میں رائج ہے اور نہ اور کوئی صورت عقل میں آ سکتی ہے، یہ جامع دماغ طریق اور ان تمام عمدہ اصولوں اور مسلمہ خوبیوں کو حاوی ہے جو دنیا کے اور مذاہب میں فرداً فرداً موجود ہیں اور دلی نیازمندی و شکرگزاری کے ان تمام آداب کو شامل ہے جو معبود حقیقی کے سامنے قوائے انسانی میں پیدا ہونے ممکن ہیں۔ اس سے بہتر عبادت کی عاجزانہ صورت نہ وجود میں آئی اور نہ تصور میں۔ عجز و خشیت الٰہی کی پوری شان صرف اسلامی عبادت میں پائی جاتی ہے۔

سات سو مقامات پر فریضہ نماز کی تاکید:

آپ نے گزشتہ تفصیلات سے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ نماز ایک نہایت ہی مہتم بالشان عبادت ہے۔ یہ تو وجہ ہے کہ قرآن پاک میں پوری سات سو مقامات پر باری تعالیٰ نے اس فریضہ مہمہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے لیکن یہاں ہم چند جامع آیات کو پیش کرتے ہیں۔

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔ [1]

نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

قل لعبادی الذین امنوا یقیموا الصلوٰۃ وینفقوا مما رزقنھم سرا وعلانیۃ من قبل ان یاتی یوم لابیع فیہ ولاخلال۔ [2]

اے میرے رسول! میرے جو بندے مجھ پر ایمان لے آئے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز برابر ادا کرتے رہیں اور ہم نے جو دولت انہیں عطا کی ہے اس سے ہماری راہ میں بھی خرچ کریں ایسا نہ ہو وہ غفلت میں ہی پڑے رہیں۔ اور وہ دن آ پہنچے

---

[1] البقرۃ: ۴۳ [2] سورہ ابراہیم: ۳۱

جس دن نہ بیع وشریٰ ہوگی اور نہ وہ مستیاں قائم رہیں گی۔

الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون اولئک ھم المومنون حقا۔ ۱

سچے اور حقیقی ایماندار وہ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

حافظو علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قٰنتین۔ ۲

نماز کی پوری طرح حفاظت وپابندی کرو خصوصاً نماز عصر کی اور اپنے اللہ کے احکام ماننے اور ان پر عمل کرنے کے لئے مستعد رہو۔

نماز کا اجر وثواب :

نماز کی پابندی کرنے والوں کی تعریف وتوصیف سے قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں اور نماز پر جو اجر وثواب ملنے کا خدائے کریم نے وعدہ کیا ہے اس کا جگہ بہ جگہ ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا سے ڈرنے والے اور نیکوکار بندے وہی ہیں جو ایمان بالغیب کا یقین حاصل کرتے اور نمازیں پڑھتے ہیں دوسری جگہ اس اجر وثواب کی یوں تصریح کی:

ان الذین اٰمنو وعملو الصلحٰت واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ لھم اجرھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ ۳

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور نماز پابندی کے ساتھ پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اس کا اجر وثواب اللہ کے پاس جمع رہے گا۔ اور نہ انہیں کوئی رنج وغم اور حزن والم ہوگا۔

۱ انفال : ۳ ۲ البقرۃ : ۲۳۸ ۳ البقرۃ : ۲۷۷

اللہ اللہ نماز کا کتنا بڑا اجر وثواب ہے اور کتنی اعلیٰ ترغیب ہے۔ نمازی سے زیادہ کسی کی زندگی کامیاب اور ہشاش بشاش ہو سکتی ہے؟ ان کے لئے نہ کوئی رنج ہے، نہ فکر، مسرت واطمینان انہیں کا حصہ ہے۔ دین ودنیا کے سارے عیش انہیں کے لئے ہیں۔ اور ان کے لئے دین ودنیا میں نعماء واکرام کی بشارت ہے کہ بندہ نوازی کا لطف انہیں کو حاصل ہوتا ہے جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اور اپنی عبدیت کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں۔

اب احادیث رسول سے نماز کا اجر وثواب معلوم کیجئے:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے پوچھا۔ ائی الاعمال احب الی اللہ؟ قال الصلوٰۃ لوقتھا۔ یعنی اللہ کے نزدیک تمام اعمال میں بہتر کونسا عمل ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا وقت پر نماز پڑھنا۔ ۱

نماز تمام گناہوں کو دھوڈالتی ہے :

صحاح میں ایک حدیث آئی ہے کہ جس کا مضمون یہ ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کی مثال اس نہر کی سی ہے جو تمہارے دروازے پر بہہ رہی ہو اور تم روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتے ہو۔ اب بتلاؤ کہ کچھ میل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں فرمایا اسی طرح نماز بدن سے تمام گناہوں کو دھوڈالتی ہے۔ ۲

حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ سے سب سے پہلے قیامت کے دن توحید کے بعد نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر اس نے نماز اچھی طرح ادا کی ہوگی تو حساب آسانی سے ہو جائے گا۔ اور اگر کچھ کمی کی ہو تو خدا تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس شخص کے اعمال میں کچھ نفل ہوں تو فرض کی کمی نفل سے پوری کرو کیونکہ اعمال کی جزا بقدر اعمال کے ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ بندہ

۱ صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۶ ۲ بخاری شریف ج ۱ ص ۷۶

جب نماز میں اللہ اکبر کہتا ہے تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا پیدائش
کے وقت تھا۔ اس کے بعد سبحانک اللھم پڑھتا ہے تو اس کے ہر بال کے
بدلہ میں ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔ اس کی قبر میں وسعت ہوتی ہے۔
پھر جب اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتا ہے تو اس پر موت کی سختی
آسان ہو جائے گی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے سے چار ہزار نیکیاں
لکھی جاتی ہیں اور چار ہزار گناہ معاف ہو کر چار ہزار مراتب بڑھتے ہیں۔ پھر
سورۂ حمد پڑھنے سے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ رکوع کرنے سے کوہ اُحد کے برابر
سونا خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ سبحان ربی العظیم پڑھنے سے وہ اجر
ملتا ہے جو خدا کی تمام نازل کردہ کتابوں کی تلاوت کرنے سے ملتا ہے۔ پھر جب
بندہ سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کیطرف نظر
رحمت سے دیکھتا ہے۔ سجدہ کرتا ہے تو گویا قرآن کے حرفوں کے برابر غلام آزاد
کرتا ہے۔ جب سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے تمام
انسانوں، شیطانوں اور جنوں کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھتا ہے۔ جب التحیات
پڑھنے بیٹھتا ہے تو جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے۔ جب سلام پھیر کر فارغ
ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لئے دوزخ کے ساتوں دروازے بند کر کے آٹھوں
جنتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ (یہ حدیث ضعیف ہے۔)

نماز کی بدولت بڑی بڑی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نماز کے برابر کسی اور
چیز سے حاجات طلب نہیں ہوتی۔ یعنی نماز سے بڑھکر قضائے حاجت کے لئے
کوئی چیز نہیں اس واسطے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نماز اور صبر کے ذریعہ استعانت
مانگو بزرگان دین کے واقعات تاریخ اسلام میں بھرے پڑے ہیں۔ ان سے
معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی بدولت ان سے بڑی بڑی مصیبتیں ٹل گئی ہیں۔ جس
وقت ان پر کوئی مصیبت، آفت اور بلا آتی ہے تو وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ
ہو جاتے ہیں اور ان کو نجات مل جاتی ہے۔ پس جو شخص پانچوں وقت کی نمازیں

پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے تو خدا تعالیٰ اس کو تمام دینی و دنیوی مصائب
و آلام سے نجات دیں گے۔ اور وہ دارین میں فائز المرام وشاد ہوگا۔ باری تعالیٰ
عزاسمہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کی
تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت تک ان کو خلاصی نہ ملتی۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر
میں یوں فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نماز نہ پڑھتے تو مچھلی کے پیٹ
میں قیامت تک رہتے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ
سے نجات دینے والی نماز ہی تھی۔ بریدہ اسلمیؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ رات کے اندھیرے میں نماز پڑھنے کے لئے
مسجد میں جاتے ہیں ان کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے قیامت کے دن ایک
چمکتا ہوا نور ہے۔[1]

نماز دین کا ستون ہے:

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز دین
کا ستون ہے اور اس میں دس عمدہ باتیں ہیں۔

(۱) دین و دنیا میں چہرہ کا نور (۲) نیک کاموں میں دل کا
سوز و تڑپ (۳) تمام بیماریوں سے بدن کی حفاظت (۴) خدا تعالیٰ کی رحمت
نازل ہونے کا سبب اور عبادت کے آسمان پر پہنچنے کی کنجی۔ (۵) قبر کی تاریکی اور
تنہائی میں بہترین مونس و مددگار (۶) نیکی کے پلہ کا بھاری وزن۔ (۷) نعمائے
جنت کے حصول کا سبب (۸) آتش دوزخ سے نجات اور مصائب و آلام سے
رہائی۔ (۹) قیامت کے دن پروردگار عالم کی خوشنودی کا سبب (۱۰)
دیدار خداوندی کا حصول۔[2]

صاحب تنبیہ الجہال فرماتے ہیں کہ جو شخص دلی نیاز اور قلبی شکر گزاری کے
ساتھ پانچوں نمازیں ٹھیک وقت پر پڑھتا رہے گا تو اس کو تیرہ بزرگیاں اور نعمتیں
حاصل ہوں گی:

---

[1] رواہ ابن ماجہ [2] منبہات لابن حجر عسقلانیؒ

(۱) اس کے دل میں خدا کی محبت و عظمت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہی چیز ایمان کی روح ہے۔

(۲) اس کی جسمانی صحت اچھی رہے گی۔

(۳) فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔

(۴) اس کے گھر اور کاروبار میں خیر و برکت نازل ہوگی۔

(۵) اس کے چہرہ سے نیک بختی اور بزرگی کے آثار ظاہر ہوں گے۔

(۶) خدا تعالیٰ اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔

(۷) وہ پل صراط سے تیز ہوا کی طرح گزر جائے گا۔

(۸) اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۹) اس کو میدان کی سختی سے نجات ملے گی۔

(۱۰) حضور اکرم ﷺ اس کی شفاعت کریں گے۔

(۱۱) رب العزت اس کو امراء کے سامنے تاج خلعت عطا فرمائے گا۔

(۱۲) قیامت کے دن اس کو نہ کوئی غم اور نہ کوئی حزن و ملال۔

(۱۳) وہ خدا تعالیٰ کے دیدار سے فیضیاب و شادکام ہوگا۔[۱]

اللہ اللہ نماز کی کیسی خوبیاں اور عظمتیں ہیں۔ سچ پوچھو تو دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوبی اور نیکی نہیں۔ جس نے نماز کی پابندی کی اس نے دونوں جہان کی بھلائیاں اور خوبیاں حاصل کر لیں۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ کی امت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ لوگ ایسی پانچ نمازیں پڑھتے ہیں کہ جن کو اگر قوم نوح پڑھتی تو غرق نہ ہوتی۔ اگر قوم عاد پڑھتی تو اس پر آندھی مسلط نہ کی جاتی۔ اگر قوم ثمودؑ پڑھتی تو چیخ سے بیہوش نہ ہو جاتی۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کسی شخص کو دو رکعت نماز کی اجازت دیدی جائے تو اس سے بہتر اور کوئی بات اس کو نہیں مل سکتی۔

---

۱ منبہات لابن حجر عسقلانی

تمام آیات واحادیث اور اقوال کا خلاصہ :

ان تمام آیات واحادیث اور آثار و اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ عبدیت والوہیت کا رشتہ، غذائے روح، مومن کی پہچان، خدا تعالیٰ کی خوشنودی، فرشتوں کی محبت، انبیاء کا طریقہ عبادت و معرفت، پختگی ایمان اور صحیح علم و عمل کی اصل، دعا اور اعمال کی قبولیت کا سبب، رزق میں برکت دینے والی، صحت وتندرستی کو قائم و برقرار رکھنے والی، امراض ومصائب کو دور کرنے والی، جسمانی وروحانی کثافتوں کو دور کرنے والی، دشمنوں پر ہتھیار کا کام دینے والی، شیطان سے نفرت پیدا کرنے والی، قبر کی مونس، قیامت میں شفاعت کرنے والی، ملک الموت کے آنے کے وقت انسان کی رفیق، منکر نکیر کو صحیح جواب دینے والی، پل صراط سے پار اتارنے والی، دوزخ سے آڑ و حجاب، جنت کے دروازہ کی کنجی، سر کا تاج، بدن کا لباس، نیکی کے پلّہ کو بھاری کرنے والی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نماز تمام نیکیوں، بھلائیوں اور سعادتوں کا خزانہ اور تمام اعمال و عبادات سے افضل و اکرم ہے۔

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دریا کے کنارے کھڑے ہوئے تھے آپؑ نے دیکھا کہ ایک نور کا پرندہ کیچڑ میں غوطہ کھانے لگا اور پھر پانی میں نہا کر پاک وصاف ہو گیا اور اپنے اصلی حسن و جمال پر آ گیا، اسی طرح اس نے پانچ مرتبہ کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی حرکت کو دیکھ کر متعجب ہوئے اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے عیسیٰؑ! حق تعالیٰ نے اس پرندے کو اس شخص کی مثال بنا کر آپ کو دکھایا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے یعنی نمازی اسی طرح ہر قسم کی جسمانی کثافتوں اور غلاظتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

حکایت :

یہ ایک مشہور حکایت ہے۔ جس کو عام طور پر واعظ بیان کیا کرتے ہیں کہ ایک شخص کسی امام مسجد کی عورت پر عاشق ہو گیا اور اس کو اپنے دام عشق میں لانا چاہا۔

بہ ہزار وقت اپنے معشوق تک رسائی حاصل کی اور اپنا عشق ظاہر کر کے اپنا مطلب بیان کیا۔ عورت تھی عفت مآب اور پارسا اس نے جواب دیا کہ میں اپنے نفس کو تیرے حوالہ کرنے کے لئے تیار ہوں مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ پہلے چالیس یوم متواتر میرے خاوند کے پیچھے پانچوں وقت کی نمازیں باجماعت پڑھ لے پھر میں تیری ہوں اس شخص نے اس شرط کو منظور کیا اور نماز پڑھنی شروع کر دی۔ چالیس یوم کے بعد عورت نے بلایا اور کہا اب میں حاضر ہوں مگر وہاں نماز اپنا کام کر چکی تھی اور نفس شیطان کے بچھائے ہوئے جال کو تار تار کر چکی تھی۔ مرد نے کہا اب مجھے آپ کی ضرورت نہیں، میں گناہوں سے توبہ کر چکا ہوں اور تمہاری جگہ اور ہی کسی پر عاشق ہو گیا ہوں۔ الغرض نماز نے اس شخص کو فسق و فجور سے بچالیا اور نیکی کا سیدھا راستہ بتلا دیا۔ اگر نماز کو دلی نیاز کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ اسی طرح انسان کو گناہوں سے بچا کر پرہیزگار بنا دیتی ہے۔

نماز کی برکت سے شیر ادنیٰ پہرہ دار بن گیا:

وعظ کی ایک کتاب میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک بار ایک بزرگ عامر بن قیس کا گزر کسی جنگل میں ہوا جہاں سانپ بکثرت تھے، آپ نے اسی سانپوں کے جنگل میں اقامت کی اور نماز پڑھنی شروع کر دی، شام کے وقت ایک نصرانی عابد آیا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ کہا میں ایک مسافر ہوں۔ نصرانی نے کہا کہ یہ جنگل سانپوں کا ہے۔ رات کو یہاں قیام نہ کیجئے گا۔ میرا مکان حاضر ہے آپ وہاں آ جائیں۔ ہر قسم کی ایذا سے محفوظ رہیں گے، آپ نے فرمایا آپ کی اس اخلاقی ہمدردی کا شکریہ لیکن آپ اطمینان رکھیں میرا خالق خود میری حفاظت کرے گا اور وہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ وہ نصرانی یہ جواب سن کر چلا گیا اور اپنے مکان میں جا کر سو رہا۔ آدھی رات کے وقت اتفاقاً اس کی آنکھ کھل گئی اور چھت پر گیا کہ عامر بن قیس کو دیکھے، قدرتِ خداوندی کا عجیب تماشہ نظر آیا کہ وہ نماز پڑھنے میں مصروف ہیں اور ایک شیر ان کے پاس بیٹھا ہوا پہرہ دے رہا ہے اور ایک سپاہی کی طرح ٹہلتا جا رہا ہے۔ جب آپ نماز سے

فارغ ہو گئے تو شیر کو مخاطب ہو کر کہا: سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میرے لئے یہ تکلیف کیوں گوارا کر رہے ہیں، معاف فرمایئے مجھے آپ کی حفاظت کی پہرہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں جو کچھ میرے لائق کام ہو شوق سے فرمایئے ورنہ رخصت ہو جایئے، ناحق میری نماز میں خلل انداز نہ ہو۔ یہ سنتے ہی شیر سلام کر کے دم ہلاتا ہوا چل دیا۔ نصرانی عابد نے جب ان کی یہ کرامت دیکھی تو حیران رہ گیا اور تعجب سے پوچھا آپ کیا مذہب رکھتے ہیں؟ کہا میں ایک گناہ گار مسلمان ہوں۔ نصرانی نے کہا سبحان اللہ جب اس مذہب کے گناہ گار ایسے باکمال، خدا پرست اور فرشتے ہوتے ہیں تو اس مذہب کے اچھوں کا تو کہنا ہی کیا ہو گا یہ کہتے ہی مشرف باسلام ہو گیا۔

ترکِ صلوٰۃ پر وعید

جب نماز کے دینی و دنیوی محاسن اور بزرگوں کی تیز روشنی دل کی آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے اس کے برکات و حسنات کے دفتر بھرے پڑے ہیں اور وہ ہر ایک عمل سے افضل ہے تو ضروری بات ہے کہ اس کا ترک کرنا بھی زیادہ خراب اور بدتر عمل ہوگا، جس طرح نماز انسان کو نیکی و سعادت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچاتی ہے اسی طرح اس کا ترک بھی انتہائی پستی و ذلت میں لے جاتا ہے۔ جو مسلمان مسلمان ہو کر نماز نہیں پڑھتا وہ خدا کا باغی اور نفس و شیطان کا دوست ہے، بے نمازی کو اسلام کا دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ جب وہ خدا کے حکم کی تعمیل میں نماز خمسہ کی پابندی تک نہیں کر سکتا نہ جس میں کچھ خرچ ہے اور نہ تکلیف، تو وہ خدا کے لئے جہاد و قربانی کیا خاک کر سکتا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو تارک صلوٰۃ کا خدا تعالیٰ پر صحیح ایمان نہیں ہے، ورنہ یہ ناممکن ہے کہ ایک مسلمان خدا پر ایمان لائے اور اس کے حکم کی تعمیل سے انحراف کرے۔ اس میں شک نہیں کہ بے نمازی مسلمان بھی ہے اور کلمہ بھی پڑھتا ہے مگر اس کی مسلمانی رسمی اور اس کا کلمہ پڑھنا محض زبان تک محدود ہے۔ اس کا دل کافر اور نافرمان ہے اور ایمان کا تعلق

دل ہی کے ساتھ ہے۔ اس تعلق کا پتہ اعمال سے چلتا ہے، یہ تعلق جتنا زیادہ قوی ہوگا اتنا ہی زیادہ اعمال صالحہ کی پابندی ہوگی اور یہ تعلق جتنا زیادہ کمزور اور کم ہوگا اتنا ہی زیادہ احکام اسلامیہ کی بجا آوری میں غفلت وکوتاہی ہوگی۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا وہ اپنے پاس اسلام کا عملی ثبوت کوئی نہیں رکھتا، اس کا زبانی دعویٰ ایک دھوکہ اور فریب ہے اور اس کا ایمان کمزور ہے۔

تارک صلوٰۃ واجب القتل ہے:

یہ وعید سن کر ہر مسلمان بے نمازی کو لرزنا چاہئے کہ بہت سے صحابہؓ، تابعین اور ائمہ امت کے نزدیک جو شخص قصداً نماز ترک کرے وہ واجب القتل اور کافر ہے۔ بہت سی حدیثوں سے اس کا خارج اسلام ہونا ثابت ہے، اس کے تمام اعمال باطل ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے سے خارج ہے اور نہ اس کا کوئی دین ہے نہ ایمان۔ محتاط علماء ان احادیث کا مطلب یہ لیا کرتے ہیں کہ بے نمازی کے کافر اور خارج اسلام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کامل مومن اور عملی مسلمان نہیں۔ بہر حال اس میں تو شک نہیں ہے کہ ترک صلوٰۃ اسلامی نقطہ نگاہ سے سخت جرم اور بہت بڑا گناہ ہے اور بے نمازی خدا کا سب سے بڑا نافرمان ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے جو شخص قصداً نماز ترک کر کے قضا کا ارادہ نہ کرے اور خدا کے عتاب سے نہ ڈرے وہ کافر ہے۔ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ کو حبس دوام کیا جائے گا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جائے گا جب تک وہ خالص توبہ نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے: فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات [1] یعنی ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی۔ مفسرین کہتے ہیں "من بعدھم" سے مراد بعد النبین ہیں۔ سدی کہتے ہیں اس میں یہودیوں کی مذمت

[1] سورہ مریم: ۵۹

ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد امت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قصداً نماز ترک کی۔

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

قال صلی اللہ علیہ وسلم ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اور شرک وکفر کے درمیان ترک صلوٰۃ ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

یعنی مسلمان اور کفر وشرک کے درمیان صرف نماز ہے۔ گویا تارکِ صلوٰۃ بوجہ ترکِ صلوٰۃ کے کفر وشرک کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی تو فرماتا ہے:

واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین [2]

نماز پڑھو اور مشرکین میں سے مت بنو۔

یعنی ترکِ صلوٰۃ ایسی بری بلا ہے کہ مسلمان کو مشرک بنا دیتی ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

من حافظ علی الصلوٰۃ کانت لہ نوراً وبرھاناً ونجاۃ یوم القیٰمۃ ومن لم یحافظ علیھا لم تکن لہ نوراً ولا برھاناً ولا نجاۃ وکان یوم القیٰمۃ مع قارون وفرعون وھامان وابی بن خلف۔ [3]

جس شخص نے نماز کی حفاظت کی قیامت کے روز اس کے لئے ایک نور، برہان ہوگا اور وہ نجات حاصل کرے گا، اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات اور قیامت کے روز اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کی تشریح میں علماء نے کہا ہے کہ دنیا میں مال حاصل کرنے کے جائز طریقے چار ہیں: (۱) بادشاہ وریاست، نوکری، عہدہ اور وزارت وغیرہ (۲)

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱ [2] [3] مسند احمد، دارمی، بیہقی، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۹

زراعت (۳) صنعت و دستکاری (۴) تجارت۔ جو شخص بسبب ریاست و امارت اور نوکری و ملازمت نماز سے غافل رہا اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا اور ہامان وزیر کے ساتھ جو صنعت و حرفت کے سبب نماز سے غافل رہا وہ قیامت کے روز قارون کے ساتھ ہوگا، کیوں کہ قارون دست کار تھا اور جو شخص تجارت و زراعت کے سبب نماز چھوڑے گا وہ ابی بن خلف کے ساتھ دوزخ میں جائے گا، کیوں کہ وہ سوداگر تھا۔

قیامت کے روز بے نمازوں کی رسوائی :

لکھا ہے کہ جو شخص دنیا میں ریاست و ملازمت کے سبب اداءِ نماز سے غافل رہا ہوگا اور قیامت کے روز نماز چھوڑنے کے اس عذر کو پیش کرے گا تو باری تعالیٰ حکم دے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاضر کرو، جب یہ حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو یہ بھی تو بادشاہ تھے ان کی عظیم الشان سلطنت نے ان کو نماز سے کیوں نہ روکا، تیرا یہ عذر نا قابلِ سماعت ہے۔ سلطنت و ملازمت کسی کو نماز سے نہیں روکتی، بلکہ تو خود غافل تھا، ملائک اس کو جہنم میں ڈال دو۔ اسی طرح اگر کوئی بیماری کا عذر کرے گا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور اسی طرح آخر میں جہنم میں ڈال دیئے جانے کا حکم ہوگا۔ اگر کوئی اولاد کی محبت و پرورش کا عذر کرے گا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور ان کو دکھا کر جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ اور کوئی عورت اپنے شوہر کے ظلم یا کوئی غلام اپنے آقا کے ظلم و ستم کا عذر کرے گا تو حضرت بی بی آسیہ فرعون کی بی بی کو بلایا جائے گا، جب وہ حاضر ہوں گی تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس مومنہ کا خاوند فرعون نہایت ظالم اور قہرمان تھا مگر یہ ہماری یاد سے غافل نہ رہی، یہ سب تمہارا فریبِ نفس ہے، لے جاؤ ایسی بے نماز عورت اور غلام کو جہنم میں جھونک دو۔

ایک دن نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! رات کو میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے راستہ میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص زمین پر لیٹا ہوا ہے اور ایک دوسرا شخص ہاتھ میں ایک پتھر لئے

کھڑا ہے زور سے پتھر اس لیٹے ہوئے شخص کے سر پر مارتا ہے، پتھر دور جا لگتا ہے اور سر چور چور ہو جاتا ہے وہ شخص پتھر لینے جاتا ہے کہ اتنے میں اس کا سر پھر صحیح و سالم ہو جاتا ہے، اور پھر اس طرح سر چور چور ہو جاتا ہے، میں نے یہ دردناک عذاب دیکھ کر فرشتوں سے پوچھا کہ اس شخص کا کون سا ایسا سخت گناہ ہے جس کی سزا میں ایسی سخت سزا دی جا رہی ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ شخص تارکِ الصلوٰۃ ہے۔ (۱)

ایک وقت کی نماز ترک کرنے کا عذاب :

ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص عمداً ایک وقت کی نماز ترک کر دے گا تو اس ایک نماز کے لئے تین حقبہ دوزخ میں عذاب پائے گا۔ ایک حقبہ اسی (۸۰) ہزار برس کا ہوتا ہے، اس حساب سے تین حقبوں کے دو لاکھ چالیس ہزار برس ہوئے۔ (۲)

بے نمازیو! ذرا غور کرو اور خدا کے لئے ہوش میں آؤ کہ ایک وقت کی نماز چھوڑنے کی سزا دو لاکھ چالیس ہزار برس تک دوزخ کی آگ میں جلتے رہنا ہے۔ چنانچہ بخدا یہ وہ دردناک اور ہولناک عذاب ہے کہ اگر پہاڑ بھی سنیں تو خوفِ خدا سے پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ پھر جس شخص نے عمر بھر نماز ہی نہیں پڑھی اس کو تو لاکھوں کروڑوں برس دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ پس اے بے نمازیو! توبہ کر کے جلد نماز پر قائم ہو جاؤ۔ اگر تم واقعی مسلمان ہو اور تمہارا قرآن و حدیث پر یقین ہے اور ایمان ہے، اگر کوئی بے نمازی اس دردناک عذاب کو سن کر بھی نماز پر قائم نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا عذابِ دوزخ پر اعتقاد نہیں، اور وہ اپنے نفسوں کے بدترین دشمن ہیں۔

منقول ہے کہ قیامت کے روز گناہ گاروں کا منہ کالا ہوگا مگر ان میں بے نمازیوں کا منہ سب سے زیادہ کالا ہوگا۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص نماز صبح ادا نہ کرے گا اس کے رزق

---

۱ ترغیب ۲ کذا فی مجالس الابرار

میں برکت نہ ہوگی، جو ظہر کی نماز ترک کرے گا اس کے دل سے نورالٰہی جاتا
رہے گا، جو عصر کی نماز ترک کرے گا اس کے اعضاء میں نیک اعمال کرنے کی
قوت باقی نہ رہے گی۔ مغرب کی نماز چھوڑنے والے کو کھانے میں مزا نہ ملے گا
اور عشاء کی نماز چھوڑنے والا دنیا و آخرت میں مومن نہ سمجھا جائے گا۔

اللہ اللہ آج مسلمان بے نمازیوں کے دل کتنے سخت ہو گئے ہیں کہ وہ ان
وعیدات کو سنتے ہیں اور پھر بھی نماز پر قائم نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا واقعی ان میں
اثر پذیری کا مادہ اور عمل کی قوت جاتی رہی ہے۔ وہ گویا اسلام کی طرف سے
مر گئے ہیں، انہیں غفلت و معصیت نے اپنا بنالیا ہے، ان کی روحیں فنا ہو گئی ہیں،
اور بداعمالیوں نے اندھا بہرا اور گونگا بنادیا ہے۔ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ
ہماری ساری تباہیوں اور بربادیوں کا باعث ہماری غفلت و معصیت ہے۔ ہم
نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے اور ہم نے اپنی زندگی جان بوجھ کر وبال
بنائی ہے۔

بے نمازوں کی ڈھٹائی :

ذرا بے نمازوں کی ڈھٹائی، بے حیائی، گستاخی، نافرمانی اور بے پروائی تو
دیکھئے کہ اول تو نمازوں کے نزدیک نہیں جاتے اور اگر کوئی اللہ کا بندہ ان کو نماز کی
تاکید کرے تو نمازیوں میں کیڑے ڈالے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ نمازیوں
کی حالت بھی ہماری ہی جیسی ہے۔ یہ بہت ہی بڑی گستاخی ہے کہ اول تو جرم
کریں اور پھر طرح طرح کے عذر، حیلے، بہانے اور توجیہیں کرتے پھریں
اور اپنے معاصی و جرائم پر اظہار ندامت کی جگہ الٹا ناصح کے منہ آئیں یہ قلوب کج
اور ذہنیتیں تاریک ہو جانے کی علامت اور بربادی کی دلیل ہے۔

آج مسلمانوں کی اکثریت اسلام سے بے تعلقی پر استوار ہے، اس کی عملی
حالت نہایت سقیم و زار ہے، غفلت و معصیت کے نشہ میں سرشار ہے۔ مسلمان
ہو کر اور کہلا کر اپنی مسلمانی کی رسوائی کا باعث بن رہے ہیں۔ بے نمازوں کو ذرہ
برابر شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ان کے اس فعل سے اسلام اور دین الٰہی کی عظمت

وجلالت پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ اور وہ کیوں کر مغضوب الٰہی بن رہے ہیں؟
مسلمانوں کی اکثریت اس اہم ترین فریضہ اسلام سے غفلت برت کر دنیا
جہان کی نحوستوں اور بربادیوں کا شکار ہیں۔ سب کے سب قومی وبال میں گرفتار
ہیں، مگر یاد رکھئے جب کشتی ڈوبتی ہے تو نیک و بد دونوں ہی ڈوب جاتے ہیں۔ جو
نمازی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ذاتی فکر میں مبتلا ہیں، اپنی نماز پڑھ لی اور
مطمئن ہو گئے۔ دوسرے مسلمانوں کو نصیحت کرنا تو کجا اپنے گھر والوں کو تاکید بھی
نہیں کرتے۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ انہوں نے اپنا فرض عبدیت تو بے شک ادا
کر دیا لیکن دوسروں اور اپنے گھر والوں کو نماز کی ہدایت نہ کرنے کا وبال ان پر
ضرور ہے۔

بے نمازیوں کے نامعقول عذرات :

نماز اسلام کا ایک ایسا اہم اور اٹل فریضہ ہے کہ جب تک ایک مسلمان کے
جسم میں جان باقی ہے، اس وقت تک سوائے شرعی عذرات کے کسی حالت میں
بھی نماز معاف نہیں ہو سکتی، کوئی عذر اور مجبوری ایسی نہیں کہ مسلمان اس فرض اتم
سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ نفس پرست مسلمان عبادت کرنا
ہی نہیں چاہتے، ذرا آپ بے نمازیوں کو نماز کی ہدایت کر دیکھیں، نئے نئے
عذرات اور عجیب عجیب مجبوریاں پیش کریں گے اور ہر طرح اپنی بے دینی کا
ثبوت دیدیں گے۔ حالانکہ خود اسلام نے کسی سختی، عذر اور مجبوری کو روا نہیں رکھا
اور اس میں اس قدر سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی ہیں کہ ان کے بعد حقیقتاً کوئی
مسلمان بھی مجبوری کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ وہ حکم جو تلوار کے سائے میں بھی نہ ٹل
سکے اس کے متعلق کوئی عذر اور مجبوری بھی قابل سماعت نہیں۔

اس سے زیادہ اس فرض کی بجا آوری کی تاکید اور اہمیت کیا ہو گی کہ جہاد کی
حالت میں بھی جب کہ سر دھڑ کی بازی لگ رہی ہو، یہ فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔ ذرا
غور کرو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں پر کتنا سخت
وقت تھا، آگ کا سمندر چاروں طرف لہریں مار رہا تھا، دشمن سر پر موجود تھا اور

تین دن کی بھوک پیاس تھی، لیکن خاندان رسالت ﷺ کے کسی فرد نے بھی ان ہولناک ایام میں ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں کی اور دنیا والوں کے سامنے اپنی عبدیت کا ایک ایسا شاندار نمونہ قائم کیا جس کی نظیر لانا محال ہے۔

الغرض مسلمان، مسلمان ہو کر اور بندہ، بندہ ہو کر نماز اور بندگی کے متعلق کوئی عذر اور مجبوری پیش نہیں کر سکتا، اس کا کوئی عذر ہرگز ہرگز قابلِ سماعت نہیں۔ جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا وہ خدا کا بہت بڑا نافرمان اور نمک حرام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے قلوب تاریک ہو گئے ہیں۔ ان میں احساس فرض باقی نہیں رہا، خوف خدا ان میں ذرا بھی نہیں اور وہ اللہ کے نہیں بلکہ وہ نفس وشیطان کے بندے بنے ہوئے ہیں، ہم نے اپنی زندگی کو خود وبالِ جان بنا رکھا ہے، ہم ذلیل وپسماندہ ہیں، مفلس وقلاش ہیں، منتشر اور متفرق ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں کے سامنے عاجزانہ گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم اسلامی فرائض کی بجا آوری سے آزاد ہیں۔ ہم نے خدا کو اور اس کی عبادت کو چھوڑ دیا، اس کے سامنے سر جھکانا ترک کر دیا، پھر ہم دین ودنیا میں کیونکر فلاح یاب ہو سکتے ہیں۔

نماز کی حفاظت

اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور ہم اس کے حبیب ﷺ کی امت میں ہیں، لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ ہم نماز کی ذرا بھی حفاظت نہیں کرتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ہمیں جگہ بہ جگہ نماز کی حفاظت ونگہداشت کرنے کا حکم دیا ہے، تم ہی انصاف سے کہو کہ کیا یہ مسلمانی ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں تو ہر وقت سرگرم وساعی رہتے ہیں اور ذرا ذرا سے کام بڑی توجہ سے کرتے ہیں، ہر ایک چیز کی دیکھ بھال رکھتے ہیں لیکن نماز کی ذرا پرواہ نہیں کرتے، یہ اچھی مسلمانی ہے کہ دنیا کے کاموں میں تو چست وچالاک، مگر دین کے کاموں میں عہدی اور لاپرواہ، پس غور سے سن لو کہ نماز کیا ہے؟ اللہ کو

یاد کرنا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انّنی انا اللّٰہ لآ الٰہ الآ انا فاعبدنی واقم الصلوٰۃ لذکری۔[1] "بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو اور میری یاد قائم کرنے کے لئے نماز قائم کرو۔"

یعنی نماز اللہ کو یاد کرنا ہے، جس نے نماز کو ترک کر دیا اس نے خدا کو بھلا دیا اور خدا کو بھلانا ہلاکت آفرین ہے۔ قرآن پاک میں گزشتہ امتوں کا ذکر ہے، ان کی سرگزشتوں سے ہمیں عبرت دلائی گئی ہے۔ گزشتہ امتوں کی سرگزشتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انہوں نے اللہ کو یاد رکھا، وہ دنیا میں کامیاب وبامراد رہیں اور جب انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی۔ اپنی دی ہوئی تمام نعمتیں ان سے چھین لیں، طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوئیں اور بالآخر فنا ہو گئیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض قومیں ہم سے طاقت میں اور فضیلت میں زیادہ تھیں لیکن جب انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو ان کی طاقت وفضیلت اور تہذیب وترقی کچھ کام نہ آئیں اور صفحہ ہستی سے نسیاً منسیاً ہو گئیں۔

کیا ہم اب بھی خدا کی یاد کرنے کے لئے نمازوں کو قائم نہ کریں گے؟ اگر ہم اب بھی نماز کی حفاظت نہ کریں تو انہیں قوموں کی طرح مٹنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ مگر آہ! ہمیں اس کی کیا پرواہ، خواہ مٹیں یا باقی رہیں، جب کسی قوم میں احساس زیاں ہی باقی نہ رہے تو اسے نقصان وضرر اور تباہی وبربادی کا کیا خطرہ۔ جب ہی تو ہم برابر غافل ہیں۔ ہم پر عذاب الٰہی نازل ہے اور ہم اپنی قسمتوں کو رو رہے ہیں۔

کون مسلمان نہیں جانتا کہ نماز کی بڑی تاکید آئی ہے اور وہ دین کا ستون اور کفر وایمان کی عملی نشانی ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر مسلمان اس سے غافل ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے بھی فرعون بے سامان ہیں جنہوں نے ساری عمر اس

---

[1] سورۂ طٰہٰ: ۱۴

معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز کو خم نہیں کیا۔ انہیں میں ایسے مسلمان بھی ہیں جو
جاننے کے باوجود کہ نماز فرض موکدہ ہے نماز نہیں پڑھتے۔ انہیں ان کی بد...
خوش حالی نے خدا کی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔
مسلمانو! اپنی جان پر رحم کھاؤ۔ خدا کی یاد سے غافل ہو کر شقی نہ بنو اور احکام
الٰہی بجالاؤ۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ یہ اسلامی احکام کی بجا آوری ہی تو تھی
جس نے عرب کے مٹھی بھر مسلمانوں کو تمام دنیا کے کفار پر غلبہ دیا تھا اور وہ تمام [cut off]
پر چھا گئے تھے۔

اس کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی تاریخ کو وضاحت کے ساتھ
پیش کیا جائے اگرچہ ہم اس کی مشروعیت کی تاریخ پچھلے ابواب میں کہیں لکھ بھی
چکے ہیں۔ تاہم یہاں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ فرضیت صلوٰۃ کے متعلق
تدریجی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

فرضیت صلوٰۃ اور اس کے تدریجی احکام

نماز صرف مسلمانوں ہی پر فرض نہیں بلکہ اگلی تمام امتوں پر بھی فرض
تھی۔ ہاں نماز کی یہ کامل و اکمل صورت نمازوں میں ہے ان امتوں میں نہ تھی۔
دنیا میں جس قدر انبیاء و مرسلین وقتاً فوقتاً مبعوث ہوئے، وہ برابر اپنی اپنی امتوں
میں نماز کی تاکید و ہدایت کرتے رہے اور خود بھی نمازیں پڑھتے رہے۔ جب تک
گزشتہ امتوں نے نماز کے ذریعہ یاد الٰہی کو قائم رکھا وہ راہ راست پر قائم رہیں
اور جب خدا کو بھلا دیا اور نمازوں کو چھوڑا تو راہ ہدایت سے بھٹک کر فنا ہو گئیں۔
اسلام کے تمام احکام و اوامر تدریجی طور پر آئے۔ کیونکہ اسلام نے اپنے
ہر حکم کا مسلمانوں کو پابند بنانا چاہتا تھا۔ اسلام کا سب سے بڑا کمال اور معجزہ یہ ہے
کہ اس نے عرب جیسی وحشی اور اکھڑ قوم کو دیکھتے ہی دیکھتے ایک باخدا اور خدا
رسیدہ قوم بنا دیا۔ اسلام کے احکام کچھ ایسی ترتیب کے ساتھ نازل ہوتے گئے کہ
ان کے دل و دماغ میں پیوست ہوتے گئے تدوین شریعت کا کام ایسی خوبصورتی

سے تکمیل پذیر ہوا اور صدیوں کی بگڑی ہوئی طبائع کو اس طرح اصلاح پذیر کیا کہ
عقل انسانی وجد میں آجاتی ہے۔ یعنی جیسے جیسے حالات درست ہوتے گئے
فرائض و احکام نازل ہوتے گئے۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے عذاب و ثواب کی
آیتیں نازل ہوئیں جن کا مقصود یہ تھا کہ دلوں میں رقت و استعداد پیدا
ہو جائے۔ جب دلوں میں یہ رقت و استعداد پیدا ہو گئی تو پھر احکام و اوامر کا نزول
شروع ہوا۔ گویا پہلے زمین ہموار کی گئی اس کے بعد تخم عمل کا کاشت کیا گیا۔ روزہ
مدینہ میں جا کر فرض ہوا اور زکوٰۃ اس کے آٹھ سال بعد۔ لیکن نماز اسلام کے
وجود ہی کے ساتھ فرض ہو گئی تھی۔ البتہ اس کی تکمیل بتدریج ہجرت کے آٹھ سال
بعد ہوئی۔
ابتدائے اسلام چونکہ کفار درپے آزار تھے اور وہ گویا مسلمانوں کے لئے
ایک طوفانی دور تھا اس لئے مسلمان دو تین برس تک اعلانیہ نماز نہ پڑھ سکے۔
اس وقت تک صرف رات کو نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ چنانچہ سورۂ مزمل کی ابتدائی
آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اے کملی اوڑھ کر سونے والے رات کو
تھوڑی دیر کے سوا اٹھ کر نماز پڑھا کر آدھی رات تک یا اس سے کچھ کم یا اس
سے بھی کچھ زیادہ بڑھا دے۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ ہم عنقریب تجھ پر
ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ اس حکم کے مطابق دو تین سال نماز کی یہ
ہی کیفیت رہی۔
جب اس حکم میں پختگی ہو گئی تو کچھ مدت کے بعد صبح و شام دو دو رکعتیں فرض
ہوئیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

واذکر اسم ربک بکرۃً واصیلاً ومن اللیل
فاسجدلہ وسبحہ لیلاً طویلاً۔ [1]

صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کر اور رات کے وقت دیر تک اسے
سجدہ کیا کر اور اس کی تسبیح بیان کر۔

---

[1] الدھر: ۲۶،۲۵

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا حکم صرف ایک برس تک قائم رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کا عمل اس حکم پر بارہ برس تک رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پیر متورم ہوجاتے تھے۔ ایک سال کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا:

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفه وثلثه طآئفة من الذین معک واللہ یقدر الیل والنھار علم ان لن تحصوه فتاب علیکم فاقرءوا ماتیسر من القران علم ان سیکون منکم مرضیٰ واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ واخرون یقتلون فی سبیل اللہ فاقرءوا ماتیسر منه. [۱]

ترجمہ: تیرا پروردگار واقف ہے کہ دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات کو تو نماز پڑھا کرتا ہے۔ اس لئے جان لیا اور سمجھ لیا کہ تم اسے گن نہیں سکتے اس لئے تجھ پر مہربان رات کا اندازہ کرتا ہے۔ اس لئے جان لیا اور سمجھ لیا کہ تم اسے گن نہیں سکتے اس لئے تجھ پر مہربانی کی اب تم سے جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھا کرو۔ اس نے جان لیا ہے تم بیمار بھی ہوگے مسافر بھی ہوگے۔ جو خدا کا فضل ڈھونڈے اور معاش تلاش کرنے کے لئے سفر کریں گے اور ایسے بھی لوگ ہوں گے جنہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہوگا۔ اس لئے اب تم سے جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھ لیا کرو۔

تہجد کی نماز کے بعد تین نمازیں:

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ پہلے صبح وشام کی دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، پھر رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا حکم ایک سال تک قائم رہا۔ اس کے بعد فجر، مغرب اور عشاء کی تین نمازیں فرض ہوئیں۔ ارشاد باری ہوا:

اقم الصلوٰة طرفی النھار وزلفاً من اللیل. [۲]

---

۱ المزمل : ۲۰ ۲ ھود : ۱۱۴

دن کے دونوں انتہائی حصوں فجر ومغرب اور تھوڑی رات گزرنے کے بعد نماز پڑھا کرو۔

اس کے بعد نبوت کے پانچ سال بعد شب معراج میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوگئیں۔ فرمان الٰہی ہوا:

اقم الصلوٰة لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل وقران الفجر ان قران الفجر کان مشھودا. ومن اللیل فتھجد به نافلة لک. [۱]

یعنی نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لے کر ظلمت شب تک ہیں۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تہجد پڑھ۔ یہ تیرے اوپر فرض ہے۔

نماز کے متعلق یہ ہیں وہ تدریجی احکام واوامر جو قرآن سے ثابت ہیں۔ پانچ وقت کی نمازیں قرآن پاک سے قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں اور اسی پر آج تیرہ سو سال سے تمام امت محمدی ﷺ کا اجماع ہے۔ ان اوقات کی فرضیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کو مطلق دخل نہیں۔

تعداد رکعات میں وسعت:

مکہ کے قیام تک صرف دو ہی رکعتیں فرض ہوئیں اور جب مسلمان مدینہ منورہ میں آگئے اور کچھ اطمینان نصیب ہوا تو رکعات نے وسعت اختیار کی اور دو کی بجائے چار رکعت فرض قرار پائیں۔ جب تک مسلمانوں کی حالت اطمینان بخش نہ تھی اس وقت تک نماز میں خشوع وخضوع کی تاکید بھی نہیں آئی۔ چنانچہ پہلے مسلمان نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ نماز کی حالت میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ اگر کوئی سلام کرتا تو نماز ہی کی حالت میں سلام کا جواب دیدیا کرتے۔ قریب کھڑے ہوئے نمازی باہم بات چیت کر لیتے تھے۔ یا اگر کسی کو کوئی چیز نماز میں یاد آجاتی تو نماز ہی کی حالت میں کہہ دیتا۔ جب

---

۱ سورۃ الاسراء : ۷۸، ۷۹

مسلمانوں کو اطمینان نصیب ہوگیا تو یہ تمام باتیں رسول اللہ ﷺ نے ممنوع قرار دیں اور نماز کے منافی ٹھہریں۔ اس کے بعد نماز پورے سکون، خشوع وخضوع اور خاموشی کے ساتھ ادا ہونے لگی اور نماز کی صورت ظاہری و باطنی طور پر مکمل ہوگئی۔

تشہد کی پہلی یہ صورت تھی کہ نمازی مختلف اشخاص کے نام لے کر "السلام علی فلان" کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ خود نبی کریم ﷺ بچوں کو بحالتِ نماز اپنے دوشِ مبارک پر بٹھالیا کرتے تھے۔ (اور جب سجدہ میں جاتے تھے تو اتار دیتے تھے اور پھر بٹھالیتے تھے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دروازہ کھٹکھٹاتیں تو آپ ﷺ نماز کی حالت میں ہی جا کر کنڈی کھول دیتے۔ [۱]

تکمیل احکام اور خشوع وخضوع:

اس طرح جب نماز کے احکام کی تکمیل ہوگئی تو نماز کی روح رواں خشوع وخضوع قرار پائی اور نماز سراسر پیکر محویت واستغراق بن گئی۔ دلی توجہ اور اطمینان وسکون کے ساتھ نماز کا ادا کرنا فرض ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

قد افلح المومنون. الذین هم فی صلوتهم خشعون. [۲]

فلاح پائی مومنوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔

اس کے بعد عہد نبوت میں نماز کی یہ صورت وکیفیت تھی کہ نماز جسم وروح پر ایک استغراقی کیفیت طاری کردیتی تھی اور بعض صحابہؓ تو نماز کی حالت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے اور ان کی نماز صحیح معنوں میں معراج بن گئی۔

اللہ اللہ! اسلام کے ان تدریجی احکام اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتزکیہ نے صحابہؓ میں کیسی صلاحیت، استواری اور کس قدر خلوص ایثار کی روح پیدا کردی تھی کہ جو حکم بھی آیا دل وجان سے اس کی تعمیل کی۔ ایک دفعہ نماز جمعہ ہورہی تھی اس حالت میں ملک شام سے ایک قافلہ تجارت آ گیا۔ اس قافلہ کی آواز سنتے ہی

---

۱ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۳۸ ۲ المومنون : ۱،۲

تمام نمازی دوڑ پڑے صرف چند نمازی باقی رہ گئے اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

واذا راوا تجارةً اولهواً انفضوا الیها وترکوک قائماً قل ماعندالله خیر من اللهو ومن التجارة. [۱]

لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی کھیل تماشہ ہوتا ہے یا تجارتی قافلہ آتا ہے تو اس کی طرف دوڑتے اور اس پر ٹوٹ کر گرتے ہیں اور تجھے اپنی جگہ کھڑا چھوڑ دیتے ہیں ان سے کہہ دے کہ جو کچھ خیر و برکت اور اجر وثواب خدا کے ہاں ہے وہ ان کھیل وتماشوں اور قافلوں سے بہتر ہے۔

قرآن پاک کے یہ پیارے الفاظ صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے دل میں اتر گئے۔ یا تو ان کی یہ حالت تھی کہ نماز کو چھوڑ کر تجارتی قافلہ میں چلے گئے یا اس آیت کے نزول کے بعد ان کے خشوع ومحویت کی یہ حالت ہوئی کہ نماز میں تن بدن کا ہوش نہ رہتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالت نماز میں مجروح ہوئے اور تڑپے مگر اس دلدوز منظر کو دیکھ کر پوری جماعت میں سے ایک شخص بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا یعنی نماز کی محویت واستغراق اور لطف ولذت کی وجہ سے کسی کو کچھ خبر بھی نہ ہوئی۔

اسی طرح ایک اور تاریخی واقعہ ہے کہ ایک انصاری نماز پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں ان کے جسم پر تین تیر آ کر لگے مگر آپ پر بدستور استغراق اور محویت کی حالت طاری رہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جسم مبارک میں ایک تیر اس طرح پیوست ہوگیا تھا کہ کھینچنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ جب آپ نماز میں مشغول ہوئے تو لوگوں نے آسانی کے ساتھ اس تیر کو کھینچ لیا اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی الغرض جب صحابہؓ کی نمازوں میں استغراق ومحویت کا یہ عالم ہوگیا تو خود باری تعالیٰ عز اسمہ نے اپنے ان بندوں کی یوں تعریف وتحسین فرمائی:

رجال لاتلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله. [۲]

---

۱ الجمعة : ۱۱ ۲ سورۂ نور : ۳۷

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اور کوئی نفع خیز خیال بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

نماز اور خدا کی یاد :

حقیقت یہ ہے کہ نماز سے بڑھ کر خدا کی یاد کا کوئی طریقہ نہیں۔ نماز ہی ایک ایسی چیز ہے جو بندہ کو خدا سے وابستہ کرتی اور اس کے دل ودماغ پر محویت کا عالم طاری کرتی ہے۔ بشرطیکہ ایک نمازی حقیقت نماز سے باخبر ہو اور دلی نیاز وقلبی شکر گزاری کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔ نماز پڑھنے والے خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ پانچ وقت کی نمازوں سے ان کے دلوں میں خدا کی یاد کا کتنا زبردست اثر ہوتا ہے۔ نماز کا یہ یقینی اثر ہوتا ہے کہ مصیبت وتکلیف کے وقت ان کے دل عاجزی کے ساتھ خدا کی طرف جھکتے ہیں، خوشی اور راحت وآرام کی حالت میں ان کی رگ رگ منعم حقیقی کا شکر ادا کرتی ہے وہ بہت سی برائیوں سے خود بخود بچ جاتے ہیں مگر یہ حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دلی رجوع کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں، ورنہ انہیں نمازیوں میں ایسے نمازی بھی ہوتے ہیں کہ نیت باندھنے کے بعد زبان کا انجن برابر چل رہا ہے اور مشین کی طرح اعضائے جسمانی حرکت کررہے ہیں مگر دل ودماغ کو کچھ بھی خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے جو کچھ زبان کہتی ہے دل کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ جسم نماز میں ہوتا ہے اور دل کہیں اور ہی کی سیر کرتا ہے۔ دماغ میں عجیب عجیب منصوبے بندھتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں۔ بیرونی باتوں کے خیالات یکے بعد دیگرے آتے اور چلے جاتے ہیں، ایسے نمازیوں کے رکوع وسجود محض عادۃً ہوتے ہیں۔ حالانکہ تکبیر تحریمہ کے بعد نمازی کو ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حج کے دوسرے رکوع میں فرماتا ہے:

ومن الناس من یعبداللہ علی حرف فان اصابہ خیرن اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃن انقلب علی وجھہ

خسر الدنیا والاٰخرۃ ذلک ھوالخسران المبین۔ [1]

ترجمہ: اور آدمیوں میں کوئی ایسا ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر (یعنی بے اطمینانی کی حالت میں) کرتا ہے۔ پس اگر اسے کوئی فائدہ پہنچ گیا تو اس سے خوش ہوگیا اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچی تو اپنے منہ پر لوٹ گیا۔ اس نے دنیا وآخرت کا نقصان اٹھایا۔ یہی صریح نقصان اٹھانا ہے اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتا ہے جو اسے نہ نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع دے سکے۔ یہی بڑی گمراہی ہے۔

اس آیت مبارکہ سے ایسے نمازیوں کی نماز کے متعلق معلوم ہوگیا کہ ان کی نمازیں اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا ان کی نمازوں کا حال کھلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے بلکہ اپنی عادت کو پورا کرتے ہیں۔

منصورؒ کا ایک عجیب واقعہ :

سب جانتے ہیں کہ حضرت منصور علیہ الرحمہ نہایت ہی باخدا بزرگ تھے۔ جس وقت ان کو دار پر چڑھانے کے لئے لوگ لئے جارہے تھے تو اس وقت ایک موذن اذان کہہ رہا تھا۔ جب اس نے نماز میں اللہ اکبر کہا تو حضرت منصورؒ کھڑے ہوگئے اور کہا چپ رہ کیوں بڑائی کررہا ہے، تیرا خدا تو میرے پاؤں کے نیچے گر رہا ہے۔ اس کفریہ کلمہ پر لوگوں نے ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا لیکن ان میں سے بعض لوگوں کو خیال آیا کہ منصور فقیر کامل مشہور ہے۔ اس کی اس بات میں کوئی بھید اور اصلیت ضرور ہے، معلوم کرنا چاہئے کہ آخر اس نے یہ کیا بات کہی ہے، انہوں نے موذن سے پوچھا کہ اذان دیتے وقت تیرا کہاں خیال تھا؟ اس نے کہا ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اس وقت مجھے بار بار خیال آرہا تھا کہ لڑکی جوان ہوگئی ہے اگر کہیں سے شادی کے لئے روپیہ آئے تو کام بنے۔ اس کے بعد لوگوں نے اس جگہ کو کھودا جہاں منصورؒ نے وہ بات کہی تھی۔ وہاں ایک بہت بڑا

[1] سورۃ الحج: ۱۱

دفینہ ظاہر ہوا اور منصورؒ کی بات پوری ہوئی۔

یاد رکھئے! ایسی نمازیں جن میں دل حاضر نہ ہو کسی کام کی نہیں۔ نماز... پراگندہ خیالات دل ودماغ کو کند کردیتے ہیں۔ اگر دل لگا کر اطمینان وسکون... ساتھ نماز پڑھی جائے تو عجیب لطف آتا ہے۔ دل لگا کر نماز پڑھنے سے... بڑھتا ہے، دل ودماغ نورِ ایمان سے منور ہوتے ہیں اور نماز کے اثرات وکما... ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

نماز میں توحید کے اسرار ونکات

مذہب کے متعدد اغراض ومقاصد ہیں۔ ان میں سے ایک مقدم واہم غر... یہ ہے کہ وہ انسان کو حضرت باری تعالیٰ عزاسمہ کی ذات وصفات کے متعلق ا... اعلیٰ واکمل، جامع ومانع اور فطری وعقلی تعلیم دے جو اس کی ذات اقدس کے... شایانِ شان ہوتا کہ اس کی ذات وصفات کا صحیح اور یقینی علم حاصل کرکے انسان... خدا سے وابستگی پیدا ہو، وہ خدا سے محبت کرے صفاتِ الٰہیہ کا اعلیٰ تخیل اس کے دل... ودماغ میں گھر کرلے۔ وہ شرابِ معرفت سے مدہوش ہوجائے۔ وہ نہایت ذوق... وشوق اور دلی توجہ سے قربِ الٰہی کے وسائل وذرائع اختیار کرے۔ صفاتِ الٰہیہ کا رنگ اختیار کرے اور وہ خدا کی محبت میں فنا ہوجائے۔

خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا صحیح علم توحید پر موقوف ہے۔ جب تک کوئی مذہب، اعتقادی وعملی طور پر اپنے اندر توحید کی تعلیم نہ دکھائے، اس وقت تک وہ ہرگز خدائی مذاہب ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حقیقی توحید کی تعلیم کسی مذہب نے بھی نہیں دی۔ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو انسان کو اعتقادی وعملی رنگ میں توحید کامل کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کی تعلیم میں سب سے اعلیٰ اور ممتاز خصوصیت یہی ہے کہ اس نے دنیا میں توحید خالص کا مسئلہ رائج کیا اور ہر قسم کے شرک کی قطعی طور پر بیخ کنی کردی۔ اسلام اسی مقصد کو لے کر دنیا میں آیا ہے اور توحید کا اعتقاد دلوں میں راسخ کرنا چاہا ہے۔ اس کی سب سے

بڑی، صحیح اور نمایاں خدمت یہی ہے کہ اس نے توحید کی نشر واشاعت کی۔ توحید کی اس شدت وتکرار کے ساتھ تعلیم دی کہ آج ساری دنیا نے اس اعتقاد کو زبانی پر تسلیم کرلیا۔ آج ہندوستان کی وہ قومیں جو شرک وبت پرستی اور تثلیث کے جال میں پھنسی ہوئی ہیں، توحید کا زبانی اقرار ودعویٰ کررہی ہیں۔ اسلام نے ان کو مجبور کردیا ہے کہ وہ توحید کا اقرار کریں ورنہ اسلام کے مقابلہ میں ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اسلام نے توحید کامل کی جو تعلیم دی ہے وہ اعتقادی وعملی رنگ میں نماز کے اندر موجود ہے اس کا ہر لفظ اور ہر عمل توحید کا شاندار اور مسحور کن مظاہرہ ہے۔

نماز کے لئے ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والا قبلہ کی طرف منہ کرے۔ اس پر ان کم فہم اور نادان لوگوں نے جن کے دل ودماغ میں شرک وبت پرستی جمی ہوئی ہے۔ اعتراض کئے ہیں کہ یہ تو قبلہ یا کعبہ پرستی ہے۔ اگرچہ اس اعتراض کے جواب پر ہم اجمالی روشنی پچھلے کسی عنوان کے ماتحت ڈال چکے ہیں۔ تاہم یہاں مزید واقفیت اور اطمینان کے لئے نماز کے توحیدی اسرار ولطائف کو بیان کرتے ہیں تاکہ نماز کی شان واہمیت اچھی طرح واضح ہوجائے لیکن اس سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے معنی بتادیئے جائیں۔

شرک کیا چیز ہے؟

شرک کے معنی ہیں ساجھی بنانا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور ہستی کو ملادینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں سے کسی ایک میں کسی کو ملادینا۔ شرک کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی اور عملی۔ اعتقادی شرک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسماء وافعال میں دوسروں کو شریک مانا جائے۔ اس شرک کی اسلام نے یہاں تک بیخ کنی کی ہے کہ ریا کو بھی اس میں داخل کردیا ہے اور عملی شرک یہ ہے کہ ان افعال واعمال میں جو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے کئے جانے چاہئیں کسی دوسرے کو ملایا جائے۔ یہ شرک کبھی عبادت کے رنگ میں پیدا ہوتا ہے، کبھی شرک فی الطاعت کی صورت میں اور کبھی شرک فی المحبت کی صورت میں جلوہ گری

کرتا ہے۔ اسلام نے ان سب صورتوں سے شرک کو اڑا دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تعظیم میں، عبادت میں، طاعت میں اور محبت میں کسی غیر کو خدا کا شریک نہ کیا جائے۔

اس کے بعد یہ بھی سمجھ لیجئے کہ شرک پیدا کیوں کر ہوتا ہے؟ یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی غیر کو اللہ کے سوا کامل علم، کامل تصرف اور کامل قدرت والا مانا جائے۔ پس جو انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کامل علم، کامل تصرف اور کامل قدرت والا مانتا ہے وہ مشرک ہے، مگر یہاں یہ بھی یاد رکھئے کہ دنیاوی مطالب کے حاصل کرنے اور مکروہات سے بچنے کے لئے مسبب الاسباب نے جو امید و بیم کا سلسلہ انسان میں جاری کیا ہے، وہ شرک میں داخل نہیں، کیوں کہ اس میں علم کامل اور تصرف کامل کا اعتقاد نہیں ہوتا۔ پس اس طرح کی مطلب برآری میں کسی کا علم و تصرف کیوں کر خدا کے علم و تصرف میں مزاحم ہوسکتا ہے؟ محتاج انسان اپنی مطلب برآری کے لئے جس علم اور تصرف والے کے آگے کامل محبت اور سچی ارادت سے بہ تعظیم تام پیش آتا ہے، وہ صرف خدائے واحد ہے، جس کے علم و تصرف میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

عبادت کیا ہے؟

عبادت یا پرستش چار چیزوں کے مجموعی مفہوم کا نام ہے۔ اوّل کسی ہستی کی نسبت کسی قسم کی امید و بیم کا پیدا ہونا، دوم اس ہستی کی صفات کاملہ کا اعتقاد اور اس کا علمی و عملی اظہار، سوم امید و بیم کے باعث اس ہستی کی حمد و ثناء بیان کرنا، اور اس کی صفات کاملہ پر توجہ کرنا، چہارم حمد و ثناء کے بعد اس ہستی سے کچھ مانگنا یہی چاروں چیزیں نماز میں بدرجہ اتم و اکمل پائی جاتی ہیں۔ جس سے نتیجہ نکل آیا کہ نماز اسلامی توحید کا کامل مظاہرہ ہے یہیں سے اس اعتراض کا جواب بھی نکل آیا جو قبلہ پر کیا جاتا ہے یعنی قبلہ کی طرف منہ کرنے میں عبادت و پرستش کا کوئی مفہوم بھی نہیں پایا جاتا۔ ساری نماز میں کہیں مکہ معظمہ کا نام تک نہیں آتا۔ چہ جائیکہ اس کی تعریف کی جائے یا اس سے کچھ مانگا جائے معلوم ہوا کہ جو نادان سمت قبلہ پر

اعتراض کرتے ہیں وہ نہ توحید کو جانتے ہیں نہ شرک کو اور نہ عبادت و پرستش کے مفہوم سے آشنا ہیں بلکہ وہ تو صرف آفتاب پر خاک ڈالنا جانتے ہیں۔

اسلام نے صاف اور کھلے لفظوں میں اپنے متبعین کو یہ حکم دیا ہے: فلیعبدوا رب ھذا البیت۔ ۱؎ یعنی اس گھر کے رب کی عبادت کرو، اب بغور ان لطائف کو سنئے جو نماز میں توحید کے متعلق ہیں۔

لطیفہ اوّل وضو

نماز کا مقدمہ وضو ہے۔ جس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ طہارت کاملہ کے بغیر کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں۔ اگرچہ وضو کو صرف طہارت ظاہری تک محدود سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ طہارت باطنی کو بھی شامل ہے۔ ظاہری شست وشو تو طہارت باطنی کا پیش خیمہ ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ وضو کے بعد ہمارے ہادی نے جو دعا ہمیں سکھائی ہے اس میں طہارت باطنی کو اور اس کے حصول کو صاف طور پر بیان کردیا ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

اللھم اجعلنی من التوّابین واجعلنی من المتطھرین. ۲؎

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنی طرف خالص رجوع کرنے والوں سے بنا اور مجھے پاک رہنے والوں کی جماعت میں شامل کردے۔

ایک دوسری جگہ ہمارے ہادی نے صاف لفظوں میں بتلادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور پکاروں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پاک ہے یا نہیں؟ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ظاہری شست وشو طہارت باطنی کے حصول کا پیش خیمہ ہے۔ پھر دیکھئے وضو کی دعا کا ایک ایک لفظ توحید کامل کا مظہر ہے۔

۱؎ القریش : ۳ ۲؎ ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۸

لطیفہ دوم اذان :

وضو کے بعد اذان کا نمبر ہے۔ یہ نماز کے لئے ایک بلاوا ہے اور ہر نماز سے پہلے ضروری ہے تا کہ نماز میں جماعت کا حتی الامکان کامل مظاہرہ ہو اور اللہ والے جماعتی حیثیت سے زمین پر سجدہ ریز ہو کر دنیا کے سامنے اپنی عبدیت اور توحید الٰہی کا ایک ولولہ انگیز اور شاندار نقشہ کھینچ دیں۔ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے اور لا الٰہ الا اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ یعنی توحید ہی سے شروع ہوتی ہے اور توحید ہی پر ختم ہوتی ہے۔ اذان کا ایک ایک لفظ توحید الٰہی کی منادی اور پکار ہے بتلایئے دنیا کے کسی اور مذہب نے بھی عبادت کے لئے بلانے کا ایسا اعلیٰ اور سادہ طریقہ مقرر کیا ہے اور اس میں توحید کو مدنظر رکھا ہے۔

لطیفہ سوم تکبیر :

اذان کی غرض تو یہ ہے کہ محلّہ کے تمام لوگ عبادت الٰہی کے لئے مسجد میں جمع ہو جائیں تا کہ ان کی عبادت میں بھی توحید و یکجہتی کا رنگ پیدا ہو اور انفرادیت کو اجتماعیت کا سبق دیا جائے۔ اس کے بعد تکبیر کی غرض یہ ہے کہ مسجد میں جمع شدہ نمازی عبادت الٰہی ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اپنے مقصد اصلی کو حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ تکبیر میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں قدقامتِ الصلوٰۃ یعنی نماز قائم ہو گئی ہے۔ اب اللہ والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے سروں کو معبود حقیقی کے سامنے جھکا لیں، تکبیر اور اذان کا مضمون اور الفاظ قریباً ایک ہی ہیں صرف مذکورہ بالا الفاظ زائد ہوتے ہیں اور تکبیر بھی اذان کی طرح توحید سے شروع ہوتی ہے اور اسی پر ختم ہوتی ہے۔

لطیفہ چہارم سمت قبلہ :

تکبیر سنتے ہیں تمام نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں یہ قیام ان کو ہر دعوت الٰہی پر لبیک کہنا سکھاتا ہے اور مادیت کے جراثیم کو فنا کر کے روحانیت کی تعلیم دیتا ہے جب نماز کے لئے تمام نمازی کھڑے ہوتے ہیں تو یہ قرآنی آیت پڑھی

جاتی ہے:

انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وماآ انا من المشرکین۔[1]

ترجمہ: بیشک میں اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس کی طرف منہ کرنے کے وقت میں دنیا اور اس کی مشغولیتوں سے الگ اور یکسو ہوتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور افعال وصفات میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔

اس آیت مبارکہ سے جو توحید ظاہر ہوتی ہے وہ تو ظاہر ہی ہے۔ ساتھ ہی ان الفاظ سے دنیا کے موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا نقشہ بھی ذہن میں پھر جاتا ہے اور نمازی اپنے سینے میں توحید کا ایک جوش بے پایاں پاتا ہے اور محویت واستغراق کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔

لطیفہ پنجم نماز :

ان خارجی اعمال کے بعد اب اصل نماز پر غور کرو وہ تو سراسر خدا کی حمد وثناء، تعظیم وتکریم اور طلب اعانت سے بھرپور ہے۔ اللہ اکبر کہہ کر خدا کی حمد وثناء بیان کرنا۔ اپنے مطالب حقیقی کو اس کے حضور میں پیش کرنا۔ رکوع میں سبحان ربی العظیم کہنا سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا اور تکبیرات انتقالی کہنا یہ سب امور توحید کامل کو اپنے اندر رکھتے ہیں الغرض ساری نماز خدا کی حمد وثناء توحید اور اپنی عبودیت کے اقرار واعتراف سے بھری ہوئی ہے۔

پھر اسلام کی توحید پرستی دیکھئے عین حالت نماز میں نمازیوں کی زبان سے لازمی طور پر دنیا کے ہادی اعظم نبی اکرم ﷺ کی عبودیت کا اقرار کرایا جاتا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ دنیا میں بنیادی اور سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ دنیا میں جس قدر ہادی خدائی طرف سے آئے وہ توحید ہی کی تعلیم لے کر آئے تھے۔

---

[1] سورۃ الانعام : ۸۰

جب تک وہ زندہ رہی ان کی امتیں توحید پر قائم رہیں لیکن جب وہ دنیا سے اپنا مشن پورا کر کے چلے گئے اور ان کی تعلیم انسانوں کے ہاتھوں منحرف ہو گئی تو ان ہادیوں کو معبود بنالیا گیا اور توحید الٰہی کا سرچشمہ شرک وبدعت کے غبار سے اٹ گیا۔ اسلام دنیا میں آیا اور اس لئے آیا کہ وہ کامل طور پر قیامت تک کے لئے اس گمراہی کی جڑ کاٹ دے۔ اس لئے اس نے آخری نبی کی عبودیت کو عین حالت نماز میں لازمی طور پر رکھ دیا تا کہ تمام اندیشوں اور تصوروں کی جڑ کٹ جائے اور مسلمانوں کے لئے شرک میں ملوث ہونے کا احتمال وامکان ہی باقی نہ رہے الغرض نماز سراسر توحید کامل کو اپنے اندر رکھتی ہے اور یہی وہ روح ہے کہ اگر مسلمان آج اس کو حاصل کر لیں تو ایک دم خاک سے اٹھ کر افلاک پر پہنچیں۔ دنیا ان کے قدم چومے، آسمان سے ان پر رحمتوں کی بارش ہو، زمین اپنے خزانے اگل کر ان کے قدموں پر ڈھیر کر دے اور کائنات ارضی وسماوی پر انہیں کی حکومت وسرداری ہو۔

یہ نمازوں کی پابندی ہی تو تھی جس نے صحابہؓ کی عظمت واقتدار کو دنیا سے تسلیم کرایا اور اونٹوں کے چرانے والوں نے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔

دنیا کے بدقسمت اور پریشان حال مسلمانو! اگر دنیا میں عزت وترقی چاہتے ہو تو نمازوں کی پابندی کرو۔ مسجدوں کو آباد کرو اور کائنات ارضی وسماوی کے مالک بن جاؤ۔ صرف اکیلی نماز تمہارے تمام عقائد واعمال کو شریعت اسلامیہ کے مطابق بنادے گی۔ اور تمہاری جھولیوں کو دارین کی دولتوں اور نعمتوں سے بھر دے دی گی بشرطیکہ تم نماز کی حقیقت کو سمجھ لو۔

نماز کی اصل غرض وغایت :

مسلمانو! تمہیں جس نورِ حق، جس آب حیات اور جس قانون امن وحیات کی ضرورت ہے وہ نماز کے اندر موجود ہے۔ اسلام دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ تمہیں دین ودنیا کا مالک بنادے اور تمہارے قدموں میں تسخیر کائنات کی کنجیاں ڈال دے۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے اس نے نماز کو ایک اتم واہم فریضہ

قرار دیا ہے۔ نماز کے اندر وہ روح بند ہے جس کو حاصل کر کے تم دین ودنیا کے مالک بن سکتے ہو۔ نماز کی اصل غرض وغایت ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اعلیٰ مدارج ترقیات پر پہنچا دے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز کے ہر رکن میں اخلاقی وروحانی ترقی کے لئے اعلیٰ درجہ کے حقائق روحانی رکھے گئے ہیں۔ جن کے سمجھنے کے لئے نماز کی مداومت کی ضرورت ہے۔

ایک نمازی جس قدر زیادہ نماز کے اغراض ومطالب سمجھ سمجھ کر اور سنوار سنوار کر پڑھے گا اسی قدر وہ حقائق اس کے سامنے شہودی مرتبہ میں نظر آ جائیں گے۔ نماز کی روح الٰہی رنگ اختیار کرتی جائے گی۔ اس کی زندگی اسلامی قالب میں ڈھلتی جائے گی اور اس میں سکنت وطمانیت اور قوت آتی جائے گی یہاں تک کہ مقصود بالذات شے یعنی ولی نیاز، قلبی شکر گزاری یعنی خشوع وخضوع حاصل ہو جائے گا۔ اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے:

واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیة ودون الجھر من القول بالغدو والأصال ولاتکن من الغفلین۔[1]

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے جی میں خشوع وخضوع سے یاد کر اور ایسی آواز کہ پکارنے سے کم آواز میں ہو صبح وشام کے وقتوں میں۔ غرض یہ ہے کہ کبھی غافل نہ ہو۔

افسوس صد ہزار افسوس کہ اول تو مسلمان نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے بھی ہیں تو نماز کے اغراض ومطالب کو نہیں جانتے اور نہ اس کے روحانی حقائق کو شہودی رنگ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ ہماری بے جان نمازوں سے وہ اخلاقی اور روحانی اثرات ونتائج مرتب نہیں ہوتے جو شارع کا مقصود اصلی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ نماز منکرات وفواحش سے محفوظ رکھنے کے لئے فرض کی

---

[1] سورہ اعراف : ۲۰۵

گئی ہے یعنی نماز کا سب سے بڑا اثر یہ ہونا چاہئے کہ نمازی منکرات وفواحش سے رُک جائے۔ اب اگر نماز کی اقامت ومداومت کا یہ اثر نہ ہو اور اس کے اقوال وافعال میں روحانی ترقی نہ ہو تو اس نمازی کو سمجھ لینا چاہئے کہ میری نماز رسمی نماز ہے۔

قرآن کی تعلیم خیالی اور وہمی تعلیم نہیں:

جو لوگ نماز کے اغراض ومطالب سمجھے بغیر نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے روحانی حقائق حاصل نہیں کرتے اور یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم نے اس فریضہ کو ادا کر دیا ہے اور ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام نے کوئی حکم بھی اس لئے نہیں دیا کہ اس کی یونہی اندھا دھند پیروی کی جائے اور اس سے کوئی روحانی یا اخلاقی نتیجہ حاصل نہ ہو۔ قرآن کی تعلیم خیالی اور وہمی تعلیم نہیں۔ اس نے کوئی عمل ایسا نہیں بتلایا جس کا ثمرہ اور نتیجہ واقعی اور عملی طور پر اس جہان میں ظاہر نہ ہو اللہ تعالیٰ نماز محض اس لئے نہیں پڑھواتا کہ اس کے عوض میں جنت کے اندر ستر ستر حوریں مل جائیں بلکہ اس لئے پڑھواتا ہے کہ ہم واقعی اور سچے مسلمان اور کامل مومن بن جائیں اور جو کامل مومن بن گیا اس نے دارین کی تمام بھلائیاں اور کامرانیاں حاصل کرلیں۔ پس نماز پڑھنے والو! نماز کے اغراض ومطالب کو اچھی طرح سمجھ لو اور پھر نمازیں پڑھو۔ تاکہ صرف نماز ہی ہماری تمام بگڑی کو بنا دے۔

نماز کی بے اثری:

آج ایک دنیا اپنی نمازوں کی بے اثری کی شاکی ہے۔ کچھ تو ایسے ہیں جن کو اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہماری نمازیں بے اثر ہیں یا با اثر اور کچھ تھوڑے سے مسلمان ایسے ہیں جن کو اس بات کا احساس ہے اور چاہتے ہیں کہ ان کی نمازوں میں خشوع وخضوع اور کیف وسرور پیدا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حقیقی نماز ہم میں سے کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ ہاں جو اللہ کے خاص خاص اہل دل بندے اب بھی اس دنیا میں موجود ہیں ان کو اس سے مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی بے اثری کے شاکی ہیں، وہ نری تمنا تو ضروری رکھتے ہیں کہ ان کی نمازوں

میں کیف وسرور پیدا ہو مگر اس کے حصول کے جو طریقے ہیں ان پر عمل کرنا نہیں چاہتے۔ پھر نری تمنا سے کیا بنتا ہے؟

اس بے اثری کی عام وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ ہماری مادری زبان عربی نہیں اس لئے ہم نمازوں میں جو کچھ زبان سے پڑھتے ہیں دل کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی لاکھوں نمازی تو ایسے ہیں جو نمازیں پڑھتے پڑھتے بوڑھے ہو گئے۔ ساری عمر نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں مگر ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ الحمد للہ رب العلمین کے کیا معنی ہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ ہم نمازوں میں کیا پڑھتے ہیں؟ کس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں؟ اور کیا مانگتے ہیں؟ بتلایئے ایسی نمازوں کا روح ودل پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟

شاید اب یہ کہا جائے کہ جناب سب نمازی عالم تو بننے سے رہے کہ وہ نماز کی ساری باتیں سمجھنے لگیں اور پھر ان کی نمازوں میں اثر پیدا ہو۔ مگر یہ الزام مالایلزم ہے اور نامعقول بات ہے۔ آپ سے یہ کون کہتا ہے کہ پہلے عالم بنو اور پھر نمازیں پڑھو۔ مطلب تو صرف یہ ہے کہ نمازی نماز کے متعلق ضروری باتیں، ظاہری آداب وارکان اور اس کے اصلی اغراض ومطالب معلوم کرلیں اور اتنی معلومات ان کو صرف چند ماہ میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر وہ نماز کو بامعنی سیکھنا چاہیں تو چند روز میں سیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے لئے صرف قلب کو خدا کی طرف رجوع کرنے کا سوال باقی رہ جاتا ہے اور اس کے چند قاعدے ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں اس کے بعد بھی اگر کوئی نماز کی بے اثری کا شاکی رہے تو یہ خود اس کا قصور ہوگا۔

اللہ کا شکر ہے یہ زمانہ پریس کا زمانہ ہے دینی تعلیم کے متعلق اس قدر آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ آپ گھر بیٹھے ہی دین کی ضروری معلومات چند پیسے خرچ کر کے حاصل کر سکتے ہیں پس نماز کی بے اثری دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازیوں کو نماز کا ترجمہ جاننے اور سیکھنے کی طرف متوجہ کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نمازوں کو دلی شوق ورغبت کے ساتھ نہیں پڑھتے بلکہ اپنے سر سے فرض کا بوجھ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو بلا سوچے سمجھے نماز

پڑھتے ہیں۔ اور نماز کا ترجمہ تک نہیں جانتے۔ ان کی تو شکایت کیا مگر رونا تو
ہے کہ جو عربی زبان اور ترجمہ سے واقف بھی ہیں وہ بھی معانی اور مفاہیم کا خیال
نہیں رکھتے۔ نماز میں اوّل سے لے کر آخر تک کوئی تصور قائم نہیں کرتے۔ غرض
نہ جہلا کی حالت اچھی ہے اور نہ علماء کی۔ بات یہ ہے کہ ہم نماز کے اثرات
وکمالات حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے ورنہ یہ ناممکن ہے کہ نمازی پر نماز کے الفاظ
ان کی فصاحت وبلاغت کلام الٰہی، معانی اور مفاہیم کا اثر نہ ہو، کلام الٰہی کا اثر تو
زبردست اثر ہے۔ جس کو عرب کے کفار نے جادو سمجھا تھا۔ واقعی کلام الٰہی دلوں پر
جادو سے زیادہ کام کرتا ہے۔

الفاظ کے خاص اثرات:

یوں تو تمام قرآن کریم فصاحت وبلاغت کا ایک سمندر ہے۔ جس کے لفظ
لفظ میں جادو سے زیادہ تاثیر ہے، یہ قرآن کریم کی فصاحت ہی تو تھی جس کو سن کر
اور دیکھ کر فصحائے عرب انگشت بدندان رہ گئے اور اسلام کی پہلی ہی آواز پر اپنا تن
من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ پھر خاص کر نمازوں میں جو سورۃ رکھی گئی ہے یعنی
سورۂ فاتحہ وہ تو فصاحت وبلاغت میں اپنی نظیر آپ ہے اس کا ایک ایک حرف
اور ایک ایک لفظ اپنی جگہ ایک عبادت اور ایک تفسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس
کے مفہوم کو ایک نمازی مدنظر رکھے تو اس پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی
ہے۔ ادب وانشاء تو جوانو میں سورۂ فاتحہ کے لفظ لفظ سے ظاہر ہوتی ہیں، وہ انسان
کو سرشار و بے خود بنا دیتی ہیں، اسی طرح نماز کے تمام الفاظ اپنے اندر بے پناہ
روح تاثر رکھتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان نماز پڑھے اور قرآن پاک کی
فصیح معجزہ کار اور جادو بھری زبان اپنا اثر نہ کرے۔ اس کے پہلو میں دل ہو اور وہ
رقص وبسمل کا نظارہ بن کر نہ رہ جائے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ زبان پر اللہ کا کلام ہو،
حضور قلب سے پڑھی جائے اور اثر نہ ہو۔ ہاں اگر پہلو میں بجائے دل کے پتھر کا
ٹکڑا ہو تو یہ دوسری بات ہے۔

صحابۂ کرام جو نماز پڑھتے وقت دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے اور

معبود حقیقی کے جمال جہاں آراء کے مشاہدہ میں محو ومستغرق ہو جاتے تھے، اسکی
وجہ یہی تھی کہ قرآنی الفاظ کا اثر ان کے دل ودماغ اور جسم پر پورا پورا اثر کرتا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ ان کی زندگیاں مرضیات اللہ کے لئے وقف ہو گئی تھیں، وہ احکام
الٰہیہ کی پوری پوری پابندی کرتے تھے اور نماز نے انہیں دین ودنیا میں ہر طرح
فائز المرام وشاد کام کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بندگی اور بندہ نوازی کے
مزے انہیں بزرگوں نے اٹھائے تھے۔

نماز اور خشیت الٰہی:

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور مقصود یہ ہے کہ ہم اپنی تمام خواہشات پر احکام
الٰہیہ کے مطابق ضبط ونظام قائم رکھیں۔ یہی وہ روح اتقاء ہے جس کے حصول پر
تمام مراتب روحانیہ موقوف ہیں۔ خواہشات پر ضبط ونظام قائم رکھنے کے لئے
خشیت الٰہی اور خدا ترسی کی ضرورت ہے۔ اگر دل میں خشوع اور خدا ترسی کا
مادہ نہ ہو تو ایک مسلمان کبھی صفت اتقاء سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اور احکام الٰہیہ کی
پوری پوری پابندی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں آتے ہی احکام
پیش نہیں کئے۔ کیونکہ صدیوں کی بگڑی ہوئی طبائع اور سہل پسند عادتیں یکبارگی
احکام کی پابندگی کی خوگر نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے پہلے عذاب وثواب کی
آیتیں نازل ہوئیں تا کہ دلوں میں رقت واستعداد کا مادہ پیدا ہو جائے۔ جب
اس طرح دلوں میں عاجزی اور نرمی پیدا ہو گئی تو پھر احکام واوامر کا نزول ہوا۔
پس جب تک خدائے قدوس کی ہیبت وجلال کا تصور قلب کی گہرائیوں میں راسخ
نہ ہو جائے اس وقت تک اعمال صالحہ اور تقویٰ وپرہیزگاری کی اصل روح پیدا
نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قد افلح المومنون الذین ہم فی صلاتہم خاشعون۔ [1]
تحقیق فلاح پائی ان مومنوں نے جو اپنی نمازیں خشوع وخضوع
کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

[1] سورۃ المومنون : ۱-۲

یعنی فلاح وکامیابی ان ہی بندوں کو حاصل ہوتی ہے جنہیں ان کی نمازوں
میں خشیت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ وہی بندے اس قابل ہیں کہ آسمان ان
کے قدم چومے، دوسری جگہ فرمایا۔

قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا ۱؎

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کرلیا اس نے فلاح پائی اور
جس نے اپنے نفس کو برائیوں کی کیچڑ میں دھنسادیا وہ برباد ہوا۔

خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو دل میں نرمی اور عاجزی پیدا کردے اور
آہستہ آہستہ دل کو گھلائے۔ جب دل میں خشوع اور خداترسی کا مادہ پیدا ہوجاتا
ہے تو اپنے معاصی اور بداعمالیوں پر نگاہ پڑتے ہی ایک شدید ندامت کا احساس
پیدا ہوتا ہے۔ ندامت کی آگ بدکاری کے جراثیم کو کھا جاتی ہے۔ غرور وتکبر کا
خاتمہ ہوجاتا ہے۔ واقعات بعد الموت کا ہولناک تصور سامنے آکر دنیا سے دل
ٹھنڈا کردیتا ہے۔ اکثر فرط وتاثر سے آنسو نکل آتے ہیں۔ اور ایک مسلمان کی
زندگی ہر قسم کی نقص وکمزوری سے پاک ہوجاتی ہے یہاں سے یہ بات آپ پر
اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی کہ نماز ہمیں منکرات وفواحش سے محفوظ رکھتی ہے اور
ساتھ ہی اس کا سبب بھی معلوم ہوگیا، کہ ہماری نمازیں ہمیں کیوں منکرات
وفواحش سے نہیں روکتیں؟ اس لئے کہ ہمارے دلوں میں خشیت الٰہی کا مادہ نہیں
اس لئے ہماری نمازیں بے روح اور بے اثر ہیں۔ اگر نمازوں میں روح واثر پیدا
کرنا ہے تو دلوں میں خشوع اور خداترسی کا مادہ پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

الم یان للذین امنوآ ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ
ومانزل من الحق ولایکونوا کالذین اوتوا الکتٰب من
قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم
فسقون۔ ۲؎

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے

۱؎ الشمس: ۹-۱۰ ۲؎ الحدید: ۱۶

قلوب خوف الٰہی سے لرزنے لگیں۔ اللہ کے ذکر اور جو کچھ ہم
نے نازل کیا ہے اس کا اقتضاء تو یہ ہے کہ خشوع وخوف پیدا ہو۔
مگر ان کی حالت یہ ہے کہ ایک مدت گزرنے پر ان کے قلوب
میں سختی وقساوت پیدا ہوگئی۔ اور ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں
جو فسق وفجور میں گرفتار ہیں۔

آہ! ہماری حالت کس قدر ردی اور ناقابل اصلاح ہوگئی ہے کہ ہم نمازیں
پڑھتے ہیں مگر معاصی ومناہی کے ارتکاب سے باز نہیں آتے۔ دل کھول کر خدا
کی نافرمانی کررہے ہیں اور ندامت کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ چاہئے تو
یہ تھا کہ نماز جو ذکر الٰہی کی بہترین صورت ہے اس سے ہمارے قلوب خوف الٰہی
سے لرزنے لگتے اور ہم خالص مومن بن جاتے مگر ہمارے قلوب میں اور بھی
زیادہ سختی آگئی ہے۔ اگر ہماری غفلت وبے پرواہی کی یہی حالت رہی تو ایک
روز ہم خدا کو بالکل بھول جائیں گے اور ہمارے چشم وقلب پر مہر لگ جائے گی۔
پس کیا ہمارے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہمارے دل خوف الٰہی سے
لرزنے لگیں؟

نماز کی روح:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ انسان کو خدا کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں
سے روکنے والی اور اس کو صحیح معنوں میں نیک اور باخدا انسان بنانے والی چیز
خشیت الٰہی یا خداترسی ہے اور یہی چیز نماز کی روح ہے۔ اس کے حاصل ہونے
کے بعد ایک مسلمان کے ظاہر وباطن پر خدا کی حکومت قائم ہوجاتی ہے اور اخلاق
وروحانیت کے جذبات پختہ ہوجاتے ہیں۔

ذرا غور کرو کہ اسلام کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔ قانون، حکومت اور سوسائٹی
کی حکومت صرف ظواہر تک محدود رہتی ہے۔ یعنی حکومت اور قانون کا خوف
صرف اسی وقت تک ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو نہ قانون ہمیں کسی جرم پر

پکڑتا ہے جو علانیہ طور پر کیا جائے اور جس پر قانون کی نظر پڑ جائے۔ لیکن اسلام کی گرفت جسم وروح دونوں پر اتنی مضبوط ہے کہ ایک سچا مسلمان اور خاص کر نمازی نہ علانیہ گناہ کر سکتا ہے اور نہ خفیہ۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ خدا کی نظر دل کی گہرائیوں پر ہے۔ وہ ہمارے ہر ارادہ اور لغزش کا نگراں ہے۔

درحقیقت خوفِ خدا دینی زندگی کی بنیادی اینٹ ہے۔ جب تک دل میں خوف خدا نہ ہو ایک مسلمان کبھی سچا مسلمان نہیں بن سکتا۔ آج دنیا میں کیوں گناہوں کا سمندر لہریں مار رہا ہے اور وہ مسلمان جو کبھی اپنے اعمال واخلاق کے اعتبار سے خیر الامم تھے کیوں ارذل الامم بن گئے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے دلوں میں خوف خدا نہیں رہا۔ خدا ترسی وخشیت خدا کے فقدان نے دنیا والوں کو نفس وشیطان کے چنگل میں بری طرح پھنسا رکھا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ نماز وہی ہے جو خشوع وخضوع کی حامل ہو۔ ورنہ نماز ایک جسد بے روح کی مانند ہے۔ وہی نماز انسان کو معراج ترقی پر پہنچاتی ہے۔ جس میں خشوع وخضوع ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات ہے تو ہماری نمازیں فضول وبیکار ٹھہریں۔ کیوں کہ ہمیں کسی نے خشوع حاصل کرنے کا طریقہ نہیں بتلایا کہ ہماری نمازیں خشوع وخضوع کا مظہر بن سکیں۔

نمازیوں کا یہ عذر کسی حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ نماز کسی حال میں بھی فضول وبیکار نہیں۔ اگر نمازوں میں روح نہیں جھکتی تو ظاہری جسم تو سب کا جھکتا ہی ہے اور بحالت موجودہ یہ بھی غنیمت ہے اور نمازی بہر حال اپنے پاس اپنے مسلمان ہونے کا ایک عملی ثبوت رکھتے ہیں۔ پس نماز کسی حال میں بھی بیکار وفضول نہیں۔ بہر حال پڑھتے رہو۔ مگر اتنی بات ضرور کرو کہ نماز کے اغراض ومقاصد کو سمجھ لو اور دل سے پڑھو۔

ہر مسلمان نمازی کو چاہئے کہ وہ نماز کی حقیقت معلوم کرے۔ اس کے الفاظ وعبارت کا پورا ترجمہ ومطلب سیکھے اور اس کے ظاہری وباطنی آداب وارکان کو

ملحوظ رکھے۔ پھر نماز پڑھتے وقت نماز کے ہر لفظ وجملہ کے معانی کو پیش نظر رکھے۔ دل لگا کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔ اگر چہ پریشان حالات اس میں خلل انداز ہوں گے۔ تاہم مستقل مزاجی اور دلی شوق سے تمام خارجی تصورات وخیالات کا مقابلہ کرے۔ انشاء اللہ کچھ دنوں کے بعد نماز میں دل لگنے لگے گا اور خشوع وخضوع بھی پیدا ہو جائے گا۔ باقی رہا محویت واستغراق کا حصول تو یہ چیز مامور بہ نہیں بلکہ اللہ کی دین ہے۔ آپ مذکورہ بالا طریقہ پر عمل کریں ایک نہ ایک دن شہود کا یہ درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ نماز کے اثرات وکمالات کے متعلق تھا۔ اس کے بعد اب ہم مختصر طور پر اوقات نماز کا روحانی فلسفہ بیان کرتے ہیں:۔

اوقاتِ نماز کا روحانی فلسفہ

تعین اوقات کی ضرورت اور اس کے فوائد پر ہم کسی دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں تکرار مقصود نہیں۔ یہاں صرف اتنا کہنا ہے کہ اوقات نماز سے انسان کے اندر وقت کی پابندی اور اس کی قدر وقیمت کا جوہر پیدا ہوتا ہے، جو تمام متمدن اور شائستہ قوموں کا پہلا اصول ہے۔ علاوہ ازیں ذرا صحیفۂ فطرت پر نظر غور ڈالو تو تمہیں اس میں تغیر اوقات کا عام اصول کام کرتا ہوا نظر آئے گا۔ آپ مشاہدہ کریں گے کہ دن اور رات اوقات مقررہ کا نمونہ ہیں، تبدیل موسم سے بھی سبق ملتا ہے اور کائنات کی ہر چیز ایک نظام میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ جب یہ فطرتی نظارہ تعین اوقات کو چاہتا ہے تو دین فطرت کیوں نہ اس کی پابندی کرے۔ پھر دیکھو انسان کے لئے تمام کاموں کے لئے ایک انضباط اوقات ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی حاضر ہونے کی اس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو پانچ وقت نماز کے لیے مقرر کئے ہیں یہ پانچ تغیرات ہیں جن سے دنیا کی کوئی چیز بھی خالی نہیں۔ انسان میں بھی یہ پانچ تغیرات ہوتے

ہیں۔ کم فہم اور محدود نظر انسان کی آنکھ دنیا کی اور چیزوں کے تغیرات کا تو ذرا مشکل سے مشاہدہ کر سکتی ہے۔ البتہ آفتاب کے تغیرات کو نہایت آسانی اور صفائی سے محسوس کر سکتی ہے۔ ان تغیرات کو دیکھ کر ایک عارف صادق کے دل میں ایک ہیبت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ گو نادان انسان جس کی آنکھ پر غفلت و جہالت کے موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کی طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ اور ان تغیرات کے مطالعہ سے اس کا ذکر خدا تعالیٰ کے جلال و جبروت کی طرف منتقل نہیں کرتا۔ لیکن ایک صحیح نظر رکھنے والا سعادت منداور عاقل انسان ان کی طرف نظر کر کے عظمت الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور جوں جوں وہ ان پر غور کرتا ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا رعب پیدا ہوتا جاتا ہے۔

اب ہم آفتاب کے ان تغیرات خمسہ کو بیان کرتے ہیں ذرا غور سے سنئے۔ کیونکہ اوقات نماز کو آفتاب کی انہی تغیرات خمسہ پر رکھا گیا ہے۔

پہلا تغیر:

پہلا وقت تغیر آفتاب کا وقت زوال ہے۔[1] یہ وقت مشابہ ہے اور اشارہ کرتا ہے اس مصیبت پر جو اقبال کے بعد آئے۔ اس میں اقبال کے آثار زوال شروع ہو جاتے ہیں اور مصیبت وادبار کے کچھ کچھ نشان پیدا ہونے لگتے ہیں۔ لیکن شک کی حالت ہوتی ہے۔ یعنی اقبال وزوال کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں۔ یہ ظہر کا وقت ہے۔ یہ وقت قوموں کے عروج وزوال پر غور کرنے کا کتنا بہترین وقت ہے۔ اگر مسلمان اپنے نور بصیرت سے اس تغیر کا مطالعہ کریں اور اس سے کچھ درس عبرت لیں تو آج ہی ان کی بگڑی بن جائے۔[2]

دوسرا تغیر:

دوسرا تغیر یا وقت، وقت عصر ہے۔ عصر تنگی اور تکلیف کو کہتے ہیں۔ اس وقت نورانیت کا غلبہ کم ہوتا جاتا ہے۔ یہ وقت اس مصیبت سے مشابہ ہے جب مصیبت کے ایسے آثار ظاہر ہو جائیں کہ دل کو تنگ کرنے لگیں۔ زوال کے وقت

[1] درمختار ج ۱ ص ۳۳۲ [2] شامی ج ۱ ص ۳۳۲

تو گویا نزول مصیبت کا اندیشہ تھا اور اس وقت ظن غالب پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا آنے والی ہے۔[1]

تیسرا تغیر:

آفتاب کا غروب ہو جانا ہے۔ یہ وقت مغرب ہے۔ آفتاب کا زمانہ نورانیت ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے آثار وعلائم باقی رہتے ہیں جو اس کی نورانیت کا پتہ دیتے ہیں اور رات کی تاریکی ان کو بھی دبا دینا چاہتی ہے۔ یہ وقت مشابہ ہے اقبال کے اس زوال سے کہ اس میں اقبال کے کچھ کچھ آثار باقی ہوں اور زوال کی تاریکی آ دبائے۔[2]

چوتھا تغیر:

آفتاب کی نورانیت کا بالکل زائل ہو جانا ہے۔ یہ وقت عشاء ہے اس وقت دن کی نورانیت جاتی رہتی ہے اور رات کی تاریکی کائنات ارضی پر اپنا قبضہ جمالیتی ہے۔ گویا اقبال کے اثرات بھی مٹ جاتے ہیں اور زوال کے اثرات کامل طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔[3]

پانچواں تغیر:

پانچواں تغیر ڈوبے ہوئے آفتاب کی نورانیت کے اثرات کا ظاہر ہونا ہے یعنی آفتاب اقبال کے طلوع ہونے سے پہلے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور پتہ دیتے ہیں کہ اب آفتاب نکلنے والا ہے اور دنیا کی تمام چیزیں تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنے والی ہیں۔ یہ صبح کی نماز کا وقت ہے۔[4]

ان تغیرات سے ایک عارف اور مرد مومن جو سبق حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے بیان کرنے کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں مختصر طور پر اتنا سمجھ لیجئے کہ ان اوقات خمسہ یا تغیرات خمسہ سے کسی وجود کا چھٹکارا نہیں اور یہ اوقات اپنے اندر مادیت اور روحانیت کا ایک زبردست سبق پنہاں رکھتے ہیں۔

[1] درمختار ج ۱ ص ۳۳۲ [2] درمختار ج ۱ ص ۳۳۳ [3] درمختار ج ۱ ص ۳۳۵ [4] شامی ج ۱ ص ۳۳۲

تعدد رکعات

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ نماز کے تمام ارکان اپنے اندر بے شمار دینی و دنیوی اور اخلاقی و روحانی فوائد رکھتے ہیں صرف ایک چیز کے فوائد بتلانے باقی رہ گئے ہیں اور وہ تعدد رکعت ہے۔ یہ بھی ایک قابل قدر شے ہے۔ اس باب میں اس چیز کو بھی ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض نادان کہا کرتے ہیں کہ تعدد رکعت نماز میں حضور قلب کے لیے حارج ہے۔ یہ خیال نہایت ہی بودا اور کمزور ہے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے ظاہر ہوگا۔

ہر سلیم العقل جانتا ہے کہ حد بست ضروری ہے اگر یہ نہ ہو تو کسی چیز کی خاطر خواہ پابندی نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر نماز کے لیے متعدد رکعتوں کا ہونا ضروری تھا۔ کم از کم فرض نمازوں میں جو جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان میں تو تعدد رکعت کا ہونا نہایت ضروری تھا۔ اگر ان میں تعدد رکعت نہ ہوتا تو نماز باجماعت کی اصل غرض اتحاد اور وحدت و یکجہتی فوت ہو جاتی۔ اور ہر شخص اپنے دخل و مشورہ سے کچھ کچھ قائم کرنا چاہتا۔

تعدد رکعت سے حضور قلب میں اس لیے فرق نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی قویٰ کو کچھ ایسی صلاحیت و قوت دی ہے کہ وہ باتوں کو یاد رکھتے ہیں اور اپنے حسب حال جن باتوں کو پاتے ہیں ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور پھر وہ امور ان سے بلا تکلف بھی صادر ہونے لگتے ہیں۔ تعدد رکعت کی وجہ سے نمازی کو حاجت نہیں رہتی کہ رکعت شماری کرے۔ نماز کی مداومت اس کے جسم کے اندر یہ قوت و صلاحیت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ تمام ارکان قیام، قعدہ، رکوع اور سجدہ وغیرہ اپنے اپنے محل اور اپنے اپنے موقع پر خود ادا کرتا جاتا ہے۔ اور اس طرح تعدد رکعت سے حضور قلب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

تعیین کعبہ کے بعض اسرار

نماز کی غرض ہرگز یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان اور جہت کی قید سے مقید کر دے یا کوئی خاص مکان اس کے لیے تجویز کرے۔ اسلام خدائے قدوس کو جہت و مکان سے منزہ قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

ولله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله [1]

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں جدھر منہ کرو ادھر ہی اللہ موجود ہے۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب [2]

ترجمہ: اس بات کا نام نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ سمت قبلہ کی طرف متوجہ ہونا مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کی غرض کچھ اور ہی ہے۔ وہ عظیم الشان سرّ اور غرض کیا ہے؟ سنئے۔

بیت اللہ، اللہ کی ہستی کا ثبوت ہے:

یعنی اس مادی دنیا میں بیت اللہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک روشن اور نمایاں ثبوت ہے اور اس کے عالم غیب السموات والارض ہونے کی بے نظیر دلیل ہے اگر بیت الحرام کے وجود پر غور کیا جائے تو ایک دہریہ کو بھی لازمی طور پر خدا کی ہستی کا اقرار و اعتراف کرنا پڑے گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو بادل ناخواستہ اقرار کرنا پڑے گا۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس کو "مقام امن" قرار دیا ہے۔ اب ہم جب اس قرآنی پیشن گوئی کو تاریخی واقعات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو ہر جویائے حق کے دل میں قرآنی عظمت قائم ہو جاتی

[1] البقرۃ: ۱۱۵ [2] البقرۃ: ۱۷۷

ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں انسان ایک مکان بناتا ہے جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے تو کوئی اور ہی اس کا وارث ہوجاتا ہے جس غرض کے لیے وہ مکان بنایا جاتا ہے وہ غرض فوت ہوجاتی ہے اور وہ مکان کسی اور ہی غرض کے لیے استعمال ہونے لگتا ہے۔

دنیا کی تاریخ بتلاتی ہے کہ جس طرح دنیا کی اور چیزوں کو تغیر اور انقلاب کے دور سے گزرنا پڑتا ہے اور بے شمار مذہبی وملکی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح مذہبی مکانات بھی تغیر وانقلابات کے اچھے یا برے اثرات سے محفوظ نہیں رہتے۔ ہزارہا مندر کسی وقت مسجد بنا لیے گئے اور ہزاروں مسجدیں دھرم شالوں میں تبدیل کردی گئیں اور ایسے نظارے قریباً ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔

اس کے مقابل میں مکہ معظمہ پر غور کرو کہ آج سے کئی ہزار برس پیشتر ابوالملۃ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں مکہ معظمہ کی نسبت یہ پیشن گوئی کی گئی تھی، اس وقت سے لے کر اب تک اس کے معزز ومکرم ہونے میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا۔ یہ فخر دنیا میں کسی مذہبی عمارت کو حاصل نہیں اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

مکہ معظمہ رحمانیت کا مظہر ہے:

نماز کا لازمی جزء قرأت سورۂ فاتحہ ہے اور اس صورت میں نمازی خدا کی الوہیت، رحمانیت، رحیمیت، ربوبیت اور مالکیت کا اقرار کرتا ہے، اور خارجی طور پر مکہ معظمہ رحمانیت کا مظہر ہے اس طرح کہ یہیں رحمانیت کاملہ کا نزول ہوا۔ یعنی قرآن کریم جیسی نعمت، فضل اور رحمت کا نزول یہیں ہوا اور یہیں ہمارے آقا ومولیٰ رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ ان دو چیزوں سے بڑھ کر رحمانیت کا مظہر اور کیا ہوگا۔ [۱]

اسی طرح مکہ معظمہ رحیمیت کا مظہر بھی ہے۔ اس طرح کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایثار کو قبول

[۱] شامی ج ا ص ۴۴۶

فرمایا ان کی اولاد کو ایسی ایسی نعمتوں اور خیر کثیر سے سرفراز کیا کہ ان کا شمار ہی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مکہ معظمہ سے خداتعالیٰ کی مالکیت کا بھی پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ الغرض بیت اللہ کی طرف منہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے نمازی کی روح آستانہ الٰہی پر جھکے اور جوارح پر بھی بیت اللہ کی ان خصوصیات سے خداتعالیٰ کی ہیبت وجلال طاری ہوجائے۔

نماز کی ظاہری وباطنی آداب وارکان کے متعلق بقدر امکان کافی مواد فراہم کردیا گیا ہے۔ بقیہ ارکان کے متعلق انشاء اللہ آئندہ ان کی جگہ روشنی ڈالی جائے گی۔

نماز پڑھنے کی ترکیب

مردوں کے لیے حنفی مذہب کے مطابق نماز پڑھنے کا وہ طریقہ لکھا جاتا ہے جو منقول متواتر ہے اور جس میں فرض، واجب، سنت اور مستحب تمام ہی امور آجاتے ہیں۔ وضو کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرکے قبلہ رو کھڑے ہوجاؤ۔ دونوں قدموں کے درمیان صرف چار انگشت کا فاصلہ رکھو۔ پھر دل میں نماز پڑھنے کی نیت کرو اور زبان سے بھی کہو مثلاً اگر کوئی صبح کی فرض نماز پڑھتا ہے تو یوں نیت کرے۔ نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز فجر کی خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ پھر دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں۔ انگلیاں جدا جدا ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو تک پہنچ جائیں۔ اس وقت فوراً تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھ لو کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ہو۔ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کے پہونچے کا حلقہ کرلو اور باقی تین انگلیاں کلائی کے اوپر رکھو اور کمال ادب وتذلل کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ۔ گویا تم خدا کے حضور میں حاضر ہو اور اس کی جناب میں اپنی یہ عبادت پیش کررہے ہو۔ اسی کا نام قیام ہے۔ قیام میں سب سے اوّل یہ دعا پڑھو۔

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولآ الہ غیرک اعوذباللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔[۱]

ترجمہ: اے اللہ! تیری ذات ہر قسم کے نقص اور کمزوریوں سے پاک اور خوبیوں والی ہے اور تیرا نام مبارک ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے حضور شیطان مردود سے، شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو نہایت مہربان اور بخشش کرنے والا ہے۔

اس کے بعد سورۂ فاتحہ یعنی الحمد شریف خوب سوچ سوچ کر پڑھو اس طرح کہ اپنی عبودیت کا اعتراف کرو۔ دعا کے لیے دلی جوش سے التجا کرو۔[۲] سورۂ فاتحہ مع ترجمہ یہ ہے:

الحمدللہ رب العالمین الرحمن الرحیم ملک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین امین۔[۳]

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پیدا کرنے والا، پالنے والا بن مانگے اور بن کئے دینے والا، اور مانگنے پر عمدہ دینے والا اور جزا کے دن کا مالک ہے ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو سیدھی راہ بتا (اور اسی پر چلا) جو کہ تجھ سے انعام پانے والوں کی راہ ہے۔ نہ غضب شدہ لوگوں کی اور نہ گمراہوں کی (یعنی نہ یہود کی اور نہ نصاریٰ کی)

یہ سورۂ ختم کرکے آہستہ سے آمین کہو[۴] اور اس کے بعد قرآن کی جونسی

---

[۱] درمختار ج ۱ ص ۳۳۳، مراقی الفلاح ص ۱۵۷-۱۵۸ [۲] درالمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۴۴۷-۴۵۸ [۳] شامی ج ۱ ص ۴۳۶، الفاتحہ: ۱-۶ [۴] مراقی الفلاح ۱۵۹

سورت اور آیت بھی اچھی طرح یاد ہو پڑھو اور پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جاؤ۔ رکوع میں پہنچنے سے پہلے تکبیر پوری ہو جانی چاہیے۔ اگر تکبیر رکوع میں پہنچ کر ختم ہو تو اس سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔ رکوع کی صورت یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر گھٹنوں کو مضبوط پکڑ لو، پنڈلیاں سیدھی رکھو دونوں ہاتھ بھی بالکل تنے ہوئے رہیں، پشت بالکل سیدھی رہے اور سر اس کے برابر، رکوع میں کم از کم تین بار سبحان ربی العظیم[۱] (میں اپنے رب کو سب نقصوں سے پاک یقین کرتا ہوں) کہو۔ اس کے بعد امام سمع اللہ لمن حمدہ[۲] (اللہ سنتا ہے اس کی جو حمد کرتا ہے) کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اور مقتدی ربنا لک الحمد (اے ہمارے رب تیرے ہی لیے سب تعریف ہے) کہتا ہوا کھڑا ہو۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں چلے جاؤ۔ سجدہ کا طریقہ یہ ہے پہلے دونوں زانو زمین پر ٹیکو۔ کہنیوں کو بغلوں سے علیحدہ رکھو۔ اس طرح سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ (میں اپنے رب کو پاک یقین کرتا ہوں جو بہت بلند ہے) کہو۔ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی رکھو تاکہ سب کے سر قبلہ کی طرف رہیں۔ چہرہ، دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھو۔ پھر پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے ہوئے اٹھو اور سیدھے بیٹھ جاؤ۔ اس کو جلسہ کہتے ہیں۔ اس میں کم از کم اتنی دیر بیٹھو جتنی دیر میں ایک بار سبحان اللہ پڑھا جائے۔ اگر جلسہ میں یہ دعا پڑھے تو مسنون ہے۔

اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی۔[۳]

ترجمہ: اے اللہ! میری کمزوریوں کے بدنتائج سے اور آئندہ کمزوریوں سے مجھے بچا اور مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی حفظ وامان میں رکھ اور مجھے ہر ایک امر کی سیدھی راہ بتا اور مجھے پاک وحلال رزق عطا فرما۔

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرے سجدہ میں جاؤ۔ دوسرے سجدہ کے بعد ایک رکعت پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تکبیر کہتے ہوئے دوسری رکعت کے لیے اٹھو یعنی گھٹنے اٹھا کر پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہاتھ زمین پر ٹیک

[۱-۲] مراقی الفلاح ۱۵۹ [۳] مراقی الفلاح ص ۱۵۹، ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۳، ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۳

کر بغیر عذر کے اٹھنا صحیح نہیں۔ [1]

دوسری رکعت میں بسم اللہ پڑھ کر الحمد شریف پڑھو اور قرآن کی کوئی سورۃ یا تین آیتیں پڑھو بشرطیکہ اکیلے نماز پڑھ رہے ہو۔ اگر امام کے پیچھے پڑھ رہے ہو تو پہلی رکعت میں صرف ثنا پڑھ کر خاموش ہو جاؤ خواہ امام بلند آواز سے قرأت پڑھے خواہ آہستہ اور دوسری رکعت میں امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھو۔ خاموش کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ مذکورہ بالا سورتیں اور آیتیں پڑھ کر رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ حسب طریقہ کرو۔ دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے اللہ اکبر کہہ کر قعدہ میں اس طرح بیٹھو کہ دایاں پیر کھڑا رکھو اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھو۔ قعدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنی چاہئیں۔ ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھ کر یہ تشہد پڑھو:

التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلىٰ عباد الله الصلحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله. [2]

ترجمہ: سب تحفے اور نمازیں اور پاکیزہ اعمال اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی ﷺ تجھ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

التحیات پڑھتے وقت جب اشھد ان لا الہ پر پہنچو تو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لو چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر لو اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو۔ لا الہ پر انگلی اٹھاؤ اور الا اللہ پر جھکا دو۔ اور اس طرح آخر تک حلقہ باندھے رکھو۔ [3] تشہد ختم کر کے اگر دو رکعت والی نماز ہے تو دونوں درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دو، وہ درود شریف اور دعا یہ ہیں:

۱ مراقی الفلاح ص ۱۶۲ ۲ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۱۵ مسلم شریف ج ۱ ص ۱۷۳ ۳ ابن ماجہ ص ۶۶

اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ ال محمد كما صليت علىٰ ابراهيم وعلىٰ ال ابراهيم انك حميد مجيد. اللهم بارك علىٰ محمد وعلىٰ ال محمد كما باركت علىٰ ابراهيم وعلىٰ ال ابراهيم انك حميد مجيد. [1]

دعا یہ ہے: اللهم انى ظلمت نفسى ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب الا انت فاغفرلى مغفرة من عندك وارحمنى انك انت الغفور الرحيم. [2]

ترجمہ: اے اللہ! تو اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور ان کی آل پر۔ بیشک تو صفت کیا گیا اور بزرگ ہے۔ اے اللہ تو برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر جیسی کہ تو نے برکت نازل فرمائی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر بے شک تو صفت کیا گیا اور بزرگ ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر تیری نافرمانی کر کر بہت بڑا ظلم کیا ہے اور سوائے تیرے کوئی میرے گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔ پس اپنی مغفرت سے مجھے بچا اور میری حالت پر رحم فرما بیشک تو معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

اور اگر نماز تین رکعت یا چار رکعت والی ہے تو تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور بقیہ ایک یا دو رکعتیں حسب طریق سابق پڑھ کر آخر میں درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیرو۔ داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنی طرف کے فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرو۔ یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہو اور بائیں طرف کے سلام سے بائیں طرف کے فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرو۔ [3]

۱ بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۰، مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۸۶ ۲ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۱۵ ۳ درمختار ج ۱ ص ۴۷۸ مراقی الفلاح ص ۱۶۳

نماز سے فارغ ہونے کے بعد کی مسنون دعائیں:

سلام پھیرنے کے بعد ذرا اونچی آواز سے تین بار استغفر اللہ کہو اور مسنون دعاؤں میں سے جونسی دعا چاہو پڑھو۔

دعائے اوّل:

اللھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت ربنا وتعالیت یاذالجلال والاکرام۔ ۱

ترجمہ: خداوند تو سلام ہے اور تجھ ہی سے سلامتی آتی ہے اور تیری ہی طرف سلامتی رجوع کرتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ اور ہمیں دار السلام یعنی بہشت میں داخل کرے بزرگی وبخشش والے تو بڑا بابرکت ہے۔

دعائے دوئم:

لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد۔ ۲

ترجمہ: خدا کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں وہ تنہا اور اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے سلطنت اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ خداوند جو چیز تو عطا کرے اس کا کوئی منع کرنے والا نہیں اور جو چیز تو منع کرے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور تیرے قہر سے دولت مند کو اس کی دولت مندی کبھی فائدہ نہیں دیتی۔

دعائے سوئم:

۱ مسلم شریف ج ۱ ص ۲۱۸ ۲ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۱۷ ۳ مسلم شریف ج ۱ ص ۲۱۸

اللھم انی اعوذبک من الجبن واعوذبک من ان اردلی ارذل العمر واعوذبک من فتنة الدنیا وعذاب القبر۔ ۱

ترجمہ: خداوند! میں نامردی اور بخیلی اور نکمی عمر کی طرف لوٹ جانے پر دنیاوی فتنے اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔

دعائے چہارم کا طریقہ یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ایک بار آیت الکرسی۔ ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھیں۔ نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل رہ جاتی ہے۔ یعنی مرنے کے بعد یہ شخص فوراً جنت میں داخل ہوگا۔ ۲

ان دعاؤں میں سے جونسی دعا چاہو پڑھو اختیار ہے۔ سب کا ثواب ہے۔

تزکیہ نفس کے متعلق چند خاص وظائف

مومن کا مظہر قلب اسرار الٰہی کا خزینہ ہے اور وہ ایک آئینہ خدانما ہے۔ لیکن جب انسان بمقتضائے بشریت ارتکاب معاصی کرتا ہے اور برابر گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے، توبہ واستغفار کرنے کا خیال تک نہیں آتا تو دل پر سیاہ رنگ بیٹھ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے اور اس پر نادم وشرمسار ہو کر توبہ نہیں کرتا تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جتنا زیادہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اس سیاہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ سیاہی تمام دل کو گھیر لیتی ہی اور وہی قلب جو ابتداءً خشیت الٰہی سی گداز اور شفاف آئینہ خدانما تھا۔ سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے گویا یہ قلب کی روحانی موت ہے۔ ۳ لیکن قدرت نے انسان میں جہاں یہ کمزوری رکھی ہے وہاں اس نے

۱ بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۲، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۸ ۲ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۹ ۳ مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۰۴

اس حالت کی اصلاح کے لیے بھی ایک ایسی آسان تدبیر بتلادی ہے کہ اگر انسان اس سے کام لے تو اپنے قلب کو مصفا و مجلی کر سکتا ہے۔ اگر سچ پوچھو تو تمام اسلامی عبادات وریاضات کا مقصد و مفاد یہی ہے کہ انسان تزکیہ نفس و تصفیہ قلب حاصل کرے۔ چنانچہ جونہی انسان اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوا اس کی قساوت وسیاہی دور کرنا چاہے اور شب و روز نماز و دعا اور استغفار و زاری میں مشغول رہے تو خدائے قدوس اس پر اپنی رحمت و مغفرت نازل فرماتے ہیں اور تجلیات الٰہی اپنے فضل کے پانی سے قلب کی تختی، ناپاکی اور سیاہی کو دھو ڈالتے ہیں اور انسان ایک نئی روحانی زندگی حاصل کرتا ہے۔[1]

انسان اس دنیا میں دو لشکروں کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ ایک رحمٰن کا لشکر اور دوسرا شیطان کا۔ اگر وہ حصول سعادت کی طرف جھکے اور لشکر رحمٰن سے دوا کا طالب ہو تو اس کو مدد دی جاتی ہے اور وہ نفس و شیطان کی دشمنیوں اور زبردست حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اگر وہ نیکی و حصول تقویٰ کا طالب نہ ہو، غفلت و معصیت سے نکلنے کی کوشش نہ کرے اور لشکر شیطان کی طرف رجوع کیے رہے تو گناہوں کے سیلاب میں بہا چلا جاتا ہے۔ معصیت و سیاہ کاری کا زہر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اس کی روح مردہ اور قلب تاریک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس حالت سے محفوظ رکھے۔

معلوم ہوا کہ انسان کو ہلاک کرنے اور دین و دنیا میں ذلیل و رسوا کرنے والی چیز خدا کی نافرمانی اور گناہ ہے جو اس سے بچ گیا وہ اپنے مقصد حیات کو پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی گود میں پناہ لی اور جس نے گناہ گارانہ زندگی بسر کی اور اس سے نکلنے کی کوشش نہیں کی وہ برباد ہوا اور شیطان کے قبضہ میں آیا۔[2]

گناہ سے بچنے کے طریقے:

گناہ سے انسان صرف اسی صورت میں بچ سکتا ہے کہ وہ اس سے بچنے کی

[1] ابن ماجہ ص ۳۱۳، ۳۱۴ [2] مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۱۰۷

خود کوشش کرے۔ اگر وہ خود گناہ سے بچنا نہیں چاہتا تو ہزاروں برس کی نمازیں اور کروڑوں اوراد و وظائف بھی اس کو گناہ سے نہیں بچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ لیس للانسان الاماسعی[1] یعنی انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ سعی و کوشش کرے۔ نری تمناؤں اور دعاؤں سے کچھ نہیں بنتا دعاؤں کے ساتھ کوششوں کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر وہ خود گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی کرے اور پھر اوراد و وظائف سے بھی کام لے تو بیشک وہ حصول تقویٰ و پرہیزگاری میں یقیناً کامیاب ہوتا ہے پس اگر گناہ سے بچنا چاہتے ہو تو اول تو خود بچنے کی کوشش کرو اور پھر خدا سے مدد مانگو۔ تزکیہ نفس کا یہی طریقہ ہے۔

جو لوگ شب و روز اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن خود گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے لوازمات زندگی و حقوق العباد کو بھی تلف کرتے ہیں، ان کے تمام اوراد و وظائف فضول بیکار ہیں۔ وہ اپنے قیمتی وقت کو ضائع اور خداداد دماغی استعدادوں کو تباہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حالت اس پھوڑے سے مشابہ ہے جو اندر سے تو پیپ سے بھرا ہوا ہے اور باہر سے شیشہ کی طرح چمکتا ہے۔ یعنی وہ زبان سے تو ورد و وظائف کرتے ہیں گویا شیشہ کی طرح نظر آتے ہیں اور باطن میں گناہ و بدکاری کی پیپ بھری ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا.[2]

ترجمہ: یعنی جو کوئی ہماری راہ میں کوشش کرے ہم اپنا راستہ دکھلا دیتے ہیں۔

صاحبو! ہماری عقل پر کیسے پتھر پڑے ہیں کہ دنیا کے ذرا ذرا سے کاموں میں تو بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں مگر مغفرت و ہدایت کے لیے چاہتے ہیں بغیر مشقت ہی کے محض زبان ہلانے سے حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسی خیال خام کے جواب میں فرماتا ہے کہ ہم تو اپنی راہ اسے دکھایا کرتے ہیں جو اس

[1] النجم: ۳۹ [2] العنکبوت: ۶۹

میں کوشش کرے۔ پس بغیر سعی وکوشش نرے وظائف اور دعائیں کسی کام کی نہیں۔ [۱]

پھر ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو کہ انسان دنیا میں محض اس نہیں آیا کہ لمبی تسبیح لے کر ہر وقت اللہ، اللہ اور سبحان اللہ کرتا رہے۔ باقی دیگر حقوق اللہ اور حقوق العباد اور لوازمات زندگی کا خیال نہ رکھے۔ اپنے اوقات گرامی کو تباہ کرے اور اوروں کو تباہ کرنے میں کوشاں رہے۔ اللہ بچائے اس دینداری اور زبانی اللہ، اللہ سے۔ وہ تو دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ حقوق العباد، حقوق اللہ اور تمام لوازمات زندگی کا پورا پورا فکر واہتمام کرے اور فارغ اوقات میں اورادو وظائف کے ذریعہ تزکیہ نفس کی کوشش کرے۔ [۲] حقیقی نیکی پرہیزگاری اور دینداری یہ ہے کہ انسان مرضیات الٰہی پر چل کر اپنے مقصد حیات کو پورا کرے۔

بہترین وظیفہ کیا ہے؟

جو اورادو وظائف خلاف شریعت مسنون دعاؤں اور وظیفوں کے علاوہ لوگوں نے بنا لیے ہیں۔ مثلاً واہیات اور فضول دم کشی وغیرہ ہم ایسے منتر جنتر کے قائل نہیں۔ ان ڈھکوسلہ بازیوں نے مسلمانوں کو شیطان کی غلامی میں دے دیا ہے۔ ہم صرف ان دعاؤں اور وظیفوں کے قائل ہیں جو خدا اور خدا کے رسول نے قرآن وحدیث میں بتلائے اور ہر مسلمان کو بھی انہیں کا قائل وعامل ہونا چاہیے۔

بہترین وظیفہ خدا کی دل اور زبان سے یاد ہے اور دعا۔ دعا خواہ کسی زبان میں کرو مگر سچے اضطراب اور سچی تڑپ سے جناب الٰہی میں گداز ہو کر کرو۔ اور اس طرح کہ وہ قادر وقیوم خدا دیکھ رہا ہے۔ جب انسان اس طرح کی یاد اور دعا کرے تو وہ کبھی بھی گناہ پر دلیری نہیں کر سکتا۔ جس طرح انسان آگ یا اور ہلاک کرنے والی اشیاء سے ڈرتا ہے اس سے زیادہ گناہ سے ڈرنا چاہیے۔ گناہ گارانہ زندگی انسان کے لیے دنیا میں مجسم دوزخ ہے جس پر غضب الٰہی کی سموم چلتی ہے

۱ مشکوٰۃ ج ا ص ۲۰۳ ۲ مشکوٰۃ "باب استغفار" ج ا ص ۲۰۳

اور اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ [۱]

گناہ سے بچنے کی خود بھی کوشش کرو اور پھر نمازیں پڑھ پڑھ کر اور رو رو کر خدا سے دعائیں مانگو پھر دیکھو کہ کیونکر تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے اور زندگی کیونکر خالص کندن بنتی ہے پہلے نماز اور دعا کا وظیفہ پورا کرو پھر دیگر اورادو وظائف کی طرف توجہ کرنا جبکہ سلوک کے مقامات طے کرتے ہوں۔

یاد رکھو نماز سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں کیونکہ اس میں بہترین حمد الٰہی ہے، دعا ہے، استغفار ہے اور درود شریف ہے اور یہ سب خدا کی فرمودہ چیزیں ہیں۔ نماز تمام اورادو وظائف کا مجموعہ ہے۔ اس سے گناہ کا زہر دور ہوتا ہے، نفس وشیطان پر موت طاری ہوتی ہے ہر ایک قسم کے غم وہم دور ہوتے ہیں اور دونوں جہان کی مشکلیں حل ہوتی ہیں [۲] بتلایئے اس سے بہتر وظیفہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور اس کے ہوتے ہوئے دوسرے وظیفہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟

دیکھئے انسان کی سب سے بڑی حاجت اور کوشش یہ ہے کہ اسے غم وفکر سے نجات مل جائے اور اس کی دونوں جہان کی مشکلیں آسان ہو جائیں۔ جب یہی دونوں اسے نماز کے ذریعہ حاصل ہو جائیں تو پھر اور کیا چاہیے؟ آنحضرت ﷺ کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، اسی طرح تمام صحابہؓ، تابعین، ائمہ، مجتہدین اور بزرگان دین کا یہی طریقہ رہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نماز اور صبر کے ذریعہ مدد چاہو سو دنیا میں ایک سچے مسلمان کی مددگار یہی دو چیزیں ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. [۳]

اطمینان قلب صرف ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور اطمینان قلب کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر افسوس لوگوں نے قسم قسم کے وظائف واوراد اپنی اپنی طرف سے بنا کر اس ذریعہ اور وظیفہ کی شان کو اتنا گھٹایا ہے کہ لوگ اپنا فرض عبدیت سمجھ کر نماز نہیں پڑھتے بلکہ وظائف کرنے کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں۔ آہ! لوگوں کی یہ کیسی گمراہی ہے جس

۱ مشکوٰۃ ج ا ص ۲۰۳ ۲ مشکوٰۃ ج ا ص ۵۸ ۳ الرعد : ۲۸

کو دیکھ کر کلیجہ شق ہوتا ہے اور حسرت سے ڈوبی ہوئی اک آہ نکلتی ہے کہ خداوندا! وہ قوم دنیا میں کیوں کر فلاح یاب ہو سکتی ہے جو تیری فرمودہ تعلیم کو چھوڑ کر انسانوں کی تعلیم کے ذریعے کل معاملات دنیوی و دینی کو حل کرنا چاہے۔

خلاف قرآن و حدیث وظائف نے دنیا کو ایسا گمراہ کیا ہے کہ مسلمان خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو ہی چھوڑ بیٹھے ہیں اور نظام شریعت میں ہر طرف سے فتور آ رہا ہے۔[1] پس مسلمانو! اگر دین و دنیا میں فلاح و کامیابی چاہتے ہو تو نماز ہی کو سمجھ کر دل لگا کر اور سنوار سنوار کر پڑھو، اس کے بعد مسنون دعائیں کیا کرو۔ بہترین وظیفہ یہی ہے، اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوگا اور سب مشکلات انشاء اللہ حل ہو جائیں گی۔[2]

دانہ شماری یا تسبیح پھیرنے کی حقیقت :

تسبیح کا اصلی مقصود گنتی ہوتا ہے اور تسبیح پھیرنے والا ایک مقررہ گنتی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ یہ کیسا بیہودہ اور پست خیال ہے کہ خدا کو گن گن کر یاد کیا جائے دوسرے تسبیح توجہ اور اصل مقصود میں حارج ہے۔ تم خود سمجھ لو کہ تسبیح پھیرنے والا گنتی پوری کرے یا توجہ کرے۔ گنتی پوری کرنے والا سچی توجہ کبھی نہیں کر سکتا۔ یہ خدا کی یاد نہیں بلکہ بنیا پن ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین جن کے مبارک و مطہر سینوں میں محبت الٰہی کے دریا موج زن تھے اور عشق الٰہی میں فنا شدہ تھے انہوں نے بھی لمبی تسبیحیں نہیں پھیریں اور نہ ان کی ضرورت سمجھی۔ کیونکہ وہ خدا کو اپنے مطلب کے لیے نہیں بلکہ طبعی ذوق سے یاد کرتے تھے۔

اہل حق اور کامل بزرگ اللہ کو ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے گنتی کا سوال اور خیال لغو اور بیہودہ ہے۔ کیا کوئی اپنے محبوب کا نام گن گن کر لیا کرتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ سے سچی محبت ہو اور پوری طرح توجہ الی اللہ حاصل ہو تو پھر گنتی کا خیال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ خدا کا سچا محبّ ذکر الٰہی کو اپنی روح کی غذا سمجھتا ہے۔ جس قدر زیادہ کثرت کے ساتھ کرتا ہے اتنا ہی زیادہ ذوق و لطف

[1] صحیح مسلم ج اص ۷ [2] صحیح مسلم ج اص ۱۶۶

محسوس کرتا ہے۔ اور اس میں برابر ترقی کرتا جاتا ہے جب تک ذکر الٰہی کثرت اور طبعی شوق سے نہ ہو، وہ لذت اور ذوق جو اس میں رکھا گیا ہے، حاصل نہیں ہوتا۔ اس امر میں جناب رسول خدا ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر غور کیجئے۔

دنیا جانتی ہے کہ بعد خدا کے ہمارے نبی کریم ﷺ کا مرتبہ ہے۔ آپ سے زیادہ مشغولی بحق فنافی اللہ اور کامل نہ آج تک کوئی ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔ تمام فضائل و کمالات ممکنہ آپ کی ذات پر ختم ہو گئے۔ آپ کی محبت الٰہی و طاعت الٰہی کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات آپ میرے پاس تھے، اتفاقاً میری آنکھ کھلی تو میں نے آپ کو بستر پر نہ پایا مجھے خیال گزرا کہ کسی دوسری بیوی کے گھر ہوں گے۔ چنانچہ میں نے سب گھروں میں دیکھا مگر آپ کو نہ پایا۔ پھر میں باہر نکلی تو قبرستان میں دیکھا کہ آپ سفید چادر کی طرح گرد میں پڑے ہوئے سجدہ کی حالت میں فرما رہے ہیں۔ ''سجد لک روحی''[1] اب ذرا غور کرو یہ مرتبہ اور یہ مقام کیا دانہ شماری سے حاصل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت جوش زن ہوتی ہے تو دل سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے۔ اور ایسی محبت دانہ شماری سے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان کو بغیر تسبیح پھیرے من کا منکا صاف کرنا چاہئے۔ یعنی اس کو چاہئے کہ اپنے دل کو صاف کرے۔ اور خدا سے سچا تعلق پیدا کرے۔ تب محبت الٰہی کی کیفیت پیدا ہوگی۔

ایک عورت کا قصہ :

ایک عورت کا قصہ ہے کہ وہ کسی پر عاشق تھی۔ اور اس کی محبت میں اندر ہی اندر گھلی جاتی تھی۔ اس نے ایک فقیر کو دیکھا کہ تسبیح ہاتھ میں لیے پھیر رہا ہے۔ عورت نے پوچھا کہ تو یہ کیا کر رہا ہے؟ کہا میں اپنے یار کو یاد کر رہا ہوں۔ عورت نے کہا کہ تیری محبت بھی عجیب ہے یار کو یاد کرنا اور گن گن کر کرنا۔

مسلمانو! اگر واقعی تمہیں خدا سے محبت ہے تو اس محبت کا مذاق تسبیح سے نہ

[1] ترمذی شریف ج اص ۱۲۲

اڑاؤ۔ بلکہ نماز کو حقیقی اور مغزدار نماز بناؤ جو تسبیح و تہلیل سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے بعد دعاء و استغفار اور درود شریف کا التزام رکھو اور خدا تعالیٰ سے ہمیشہ نیک خیالوں، نیک ارادوں اور نیک کاموں کی توفیق مانگتے رہو۔ بجز اس کی توفیق اور اپنی کوشش کے کچھ نہیں ہوسکتا۔

اطمینان قلب کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟

انسان کے لیے اصل چیز کیا ہے اطمینان قلب کا حصول قلب مطمئن ہفت اقلیم کی بادشاہی سے بھی زیادہ وقیع ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس کے واسطے صبر اور محنت کی ضرورت ہے۔ اگر انسان گھبراتا اور تھک جاتا ہے تو پھر اطمینان حاصل نہیں ہوتا[1] دیکھو ایک کسان کس قدر صبر اور محنت کرتا ہے۔ نہایت حوصلہ افزا صبر کے ساتھ اپنا غلہ زمین میں بکھیرتا ہے۔ اور چھ ماہ تک اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہتا ہے کہ کب فصل پکے اور میں اپنی کوٹھیاں بھروں آخر وہ وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی محنت اور صبر کا پھل پاتا ہے اور پکی ہوئی فصل اپنے گھر لاتا ہے۔ اسی طرح جب ایک مومن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا سچا تعلق قائم کرکے نمازیں پڑھتا ہے اور دعائیں کرتا اور صبر و استقامت کا نمونہ دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر مہربانی کرتا، اسے ذوق وشوق اور معرفت عطا کرتا اور اطمینان قلب کی لازوال دولت سے مالامال کرتا ہے۔

یہ لوگوں کی بڑی غفلت ہے۔ نادانی اور عہدی پن ہے۔ کہ وہ سعی و کوشش کرتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس میں ذوق وشوق اور معرفت و اطمینان حاصل ہوجائے، اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

ذرا غور تو کرو کہ جب دنیوی امور کے لیے محنت اور صبر کی ضرورت ہے تو

[1] مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۷

خدا تعالیٰ کو کیسے نری تمناؤں سے پایا جاسکتا ہے۔ لوگ بھی عجیب ذہنیت کے ہیں۔ دنیا کے کاموں میں تو چست و چالاک اور سرگرم سعی۔ مگر دین کے کاموں میں ست و کاہل اور عہدی انہیں تو کوئی آسان سا عمل اور چٹکلہ بتلا کر جنت میں ستر ستر حوریں دلا دے۔ اس سے زیادہ کچھ کرنے کی نہ کہے۔ اگر کوئی اصلاح حال کی طرف توجہ دلادے اور احکام الٰہیہ کی تعمیل کو کہے تو انتہائی بے پروائی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے۔ وہ آپ سب کام بنا دیں گے۔ واہ رے عہدیو کیا کہنا ہے تمہاری دینداری اور مسلمانی کا۔ یاد رکھو جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی محنت و مشقت نہ کرنی پڑے وہ خیال خام میں مبتلا ہیں اور یہ غفلت و تساہل کی پٹی ان کو شیطان نے پڑھائی ہے۔

تو مے بہ جد و جہد گرفتند وصل دوست
تو مے دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند

تزکیہ نفس کے متعلق قرآن وحدیث سے جتنی ضروری باتیں اور ہدایتیں تھیں ہم نے ان کو اپنے فہم ناقص اور نامکمل معلومات کے مطابق لکھ دیا ہے، طالب صادق کے لیے اتنی ہی باتیں کافی ہیں، اب ہم اس عقلی اور تقریری سلسلہ کو ختم کرکے اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[1]

حنفی مذہب کے مطابق عورتوں کے نماز پڑھنے کا قاعدہ

عورتوں کی نماز کی ترکیب بھی وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی۔ اس کے علاوہ عورتوں کی نماز مرد کی نماز سے ۲۱ باتوں میں مختلف ہے، وہ ۲۱ باتیں یہ ہیں:

(۱) عورت تکبیر تحریمہ کے وقت صرف شانوں تک ہاتھ اٹھائے۔[2]

(۲) آستینوں یا دوپٹہ کے اندر سے ہاتھ باہر نہ نکالے۔

(۳) دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے، بائیں ہاتھ کی کلائی پر نہ

[1] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۷ [2] درمختار ج ۱ ص ۳۸۳

رکھے۔ [1]

(۴) سینہ پر ہاتھ باندھے۔ [2]

(۵) مرد کی نسبت رکوع میں کم جھکے۔

(۶) رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دے۔

(۷) رکوع میں گھٹنوں میں انگلیوں کو کشادہ نہ رکھے۔

(۸) رکوع میں گھٹنوں کو جھکا لے۔

(۹) رکوع میں گھٹنوں پر صرف ہاتھ رکھ لے زور سے نہ پکڑے۔

(۱۰) رکوع میں سمٹی رہے۔

(۱۱) سجدہ میں بغلیں نہ کھولے بلکہ سمیٹے رہے۔

(۱۲) سجدہ میں دونوں ہاتھ کہنیوں تک زمین پر بچھا دے۔ [3]

(۱۳) قعدہ میں دونوں پاؤں کو باہر نکال کر سرین پر بیٹھے، کوئی پاؤں کھڑا نہ رکھے۔ [4]

(۱۴) قعدہ اور جلسہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی رکھے۔ [5]

(۱۵) عورت کی نماز کے سامنے سے اگر کوئی گزرے تو یہ ہاتھ پر ہاتھ مارے، [6] زبان سے کچھ نہ کہے اور مرد زبان سے سبحان اللہ کہے۔

(۱۶) عورت مرد کی امامت نہیں کر سکتی، البتہ مرد عورت کی امامت کر سکتا ہے [7]

(۱۷) عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور مردوں کی جماعت واجب۔ [8]

(۱۸) اگر عورتیں مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود پھر جماعت کرنا چاہیں تو عورت امام بیچ میں کھڑی ہو، مردوں کی طرح آگے نہ کھڑی ہو۔ [9]

(۱۹) عورتوں پر جمعہ اور عیدین کی نماز نہیں اور مردوں پر یہ نمازیں واجب ہیں [10]

(۲۰) عورتوں پر ایام تشریق میں تکبیریں واجب نہیں اور مردوں پر واجب ہیں [11]

(۲۱) عورتوں کے لیے فجر کی نماز اندھیرے میں مستحب ہے اور مردوں کے لیے اجالا ہونے کے بعد۔

---

[1] شامی ج ا ص ۴۸۷ [2] درمختار ج ا ص ۴۸۷ [3] درمختار ج ا ص ۴۹۳ [4] درمختار ج ا ص ۵۰۳
[5-6-7] عالمگیری ج ا ص ۸۰ [8-9] عالمگیری ج ا ص ۸۵ [10] عالمگیری ج ا ص ۱۴۴ [11] ھدایہ اولین ص ۱۷۵

بیان احکامات

کِتابُ الطَّھَارۃ

اسلام اور طہارت

اسلام میں طہارت و پاکیزگی کو بہت بڑی عظمت واہمیت حاصل ہے، اسلام میں جس طرح توحید مذہبی اعتقادات کا اصل اصول ہے اسی طرح عبادات میں طہارت اصل اصول ہے، طہارت کے بغیر کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں۔ رسول کریم ﷺ کو خدا کی طرف سے ابتدائے وحی میں یہ صدا آئی تھی......؟

وثیابک فطھر والرجز فاھجر. [1]

یعنی اپنے لباس کو پاک وصاف رکھو اور ہر قسم کی نجاست سے الگ رہو۔

اسلام دنیا میں انسان کی نجات کے لیے آیا اور ببانگ دہل اعلان کیا کہ میرا اولین مقصد دنیا سے روحانی واخلاقی نجاستیں وکثافتیں دور کرنا ہے، چنانچہ قرآن کا اعلان ہے:

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ. [2]

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین. [3]

ترجمہ: تحقیق اللہ تائب اور طاہر لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

---

[1] المدثر پ ۲۹ [2] الجمعہ پ ۲۸ [3] البقرۃ پ ۲

توابین کے معنی ہیں بہت توبہ کرنے والے اور متطہرین کے معنی ہیں پاک وصاف رہنے والے یعنی وہ لوگ جو اپنے جسم اور روح دونوں کو ہر قسم کی غلاظت ونا پاکی اور عیب ونقص سے پاک وصاف رکھتے ہیں اس آیت میں جو مطھر کا لفظ آیا ہے وہ ہر قسم کی ظاہری اور باطنی صفائی پر حاوی ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنے ظاہر و باطن کو ہر قسم کی غلاظت اور عیب سے پاک وصاف رکھیں۔

پھر تیسری جگہ قرآن مجید فرماتا ہے: ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبآئث ۱؎ یعنی وہ ان کے واسطے تمام پاک اشیاء ہر طرح سے صاف وستھری اور پسندیدہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر تمام ناپاک اشیاء حرام کرتا ہے۔ اس آیت میں طیبات سے مراد وہ تمام افعال واشیاء ہیں جو بذات خود پاکیزہ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہوں اور اپنے نتائج بھی مفید اور صحت بخش رکھتی ہوں اور خبائث سے مراد وہ تمام افعال واشیاء ہیں جو بذاتِ خود نفرت انگیز اور ناپسندیدہ ہوں اور ان کے نتائج بھی پُرضرر اور قبیح ہوں۔ پس اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ طیبات کو اختیار کرو اور خبائث سے بچو اللہ! اللہ! کیا قرآنی فصاحت وبلاغت ہے۔

اسلام نے صرف یہیں تک اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مکانات، محلہ شہر اور گردونواح کو پاک وصاف رکھنا قرآن مجید کی رو سے اعلیٰ درجہ کی نعمتوں میں سے ایک خدا کی نعمت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وینزل علیکم من السمآءِ مآءً لیطھر کم. ۲؎
یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تا کہ تمہاری بستیوں کو پاک وصاف کردے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بارش ہوتی ہے تو تمام درختوں اور مکانات کی بیرونی سطح کو کس طرح صاف کردیتی ہے۔ زور کی بوچھاڑ تمام جمے ہوئے گردوغبار اور میل کچیل کو دھوڈالتی ہے، پانی زور اور افراط کے ساتھ بہتا ہوا گلیوں

۱؎ الاعراف پ ۹ رکوع ۹ ۲؎ الانفال پ ۹ رکوع ۶

اور نالیوں کی تمام گندگی وغلاظت کو بہالے جاتا ہے۔ غرض شہروں کی تمام غلاظت بارش کے پانی سے دھوئی جاتی ہے۔ نیز اس کی اور بھی بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں جن کی تفصیل کے یہ اوراق متحمل نہیں ہو سکتے۔

اس طرح ہواؤں کی گردش بھی ہمارے لیے صفائی کا موجب ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ کھانے پینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کلوا واشربوا ولاتسرفوا۔ ۱؎
یعنی کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو اور فضولیات میں نہ پڑو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ حظ نفس اور زندگی باقی رکھنے کے لیے ضروری اور لابد ہے وہ کھاؤ مگر ایسی چیزیں نہ کھاؤ جن کا اثر ونتیجہ مضر ہو۔

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ ان تمام تفصیلات سے ثابت ہوا کہ اسلام اور طہارت دو مترادف الفاظ ہیں، جسم پارچہ جات، ظروف اور مکانات وغیرہ کی صفائی اور پاکیزگی کی نسبت تمام اقوام ومذاہب میں طرح طرح کے احکامات ورسومات پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ طبعاً ہر سلیم الفطرت انسان صفائی وپاکیزگی کو پسند کرتا اور غلیظ وبدبودار اشیاء سے نفرت کرتا ہے کیوں کہ اسلام کی طہارت کاملہ کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب بھی نہیں کرسکتا، اس نے تو صفائی وپاکیزگی کو انتہائی نقطہ پر پہنچا دیا ہے اس نے طہارت جسمانی وروحانی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی نوع انسان کو ضرورت نہیں۔ یہ ایک علیحدہ امر ہے کہ مسلمان طہارت کے اصل معنی یہ نہ سمجھ سکیں اور محض رسم پرستی کے طور پر اس کو کرتے ہیں۔

طہارت کے معنی اور اقسام:

طہارت کے معنی پاکی پاکیزگی اور صفائی کے ہیں اس میں ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی صفائی شامل ہے۔ اسلام جہاں دل کی صفائی پر زور دیتا ہے وہاں

۱؎ الاعراف پ ۸ رکوع ۱۰

لباس اور جسم کی صفائی بھی لازمی طور پر چاہتا ہے۔ اس نے جسم و لباس کی صفائی کو داخل عبادت رکھا ہے اور دل کی صفائی کے لیے جو باتیں ضروری تھیں ان کو اس نے اپنی عبادتوں میں خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے اسلام دین فطرت ہے وہ اس راز فطرت کو جانتا ہے کہ دل کی پاکیزگی جسم کی صفائی کے بغیر ممکن نہیں اب دیکھئے اسلام نے ظاہری و باطنی صفائی و پاکیزگی کے کیسے کیسے اہتمام کئے ہیں۔

واضح ہو کہ اسلام نے عبادت کے ساتھ طہارت کو لازم کیا ہے اور اس کی بہترین عبادت پنج وقتہ نماز ہے جس میں طہارت روحانی وجسمانی کی تمام ضروریات شامل ہیں۔

نماز سے پہلے وضو فرض ہے۔ وضو صرف ظاہری شست وشو کا نام نہیں بلکہ اس میں طہارت باطنی بھی شامل ہے۔ وضو میں چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کو دھویا جاتا ہے۔ جسم کے بھی حصے ہیں جن پر زیادہ سے زیادہ گرد و غبار پڑتا اور زیادہ میل کچیل جمتا ہے۔ ہر وقت برہنگی کی وجہ سے ان پر طرح طرح کی غلاظت وگندگی لگنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ان کا دھویا جانا شریعت نے فرض رکھا ہے۔

خراب اور متعفن ہوائیں چونکہ ناک، منہ اور آنکھ کے اندر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں اس لیے ہر وضو کے ساتھ ناک کو اندر سے دھونا اور غرغرہ کرنا سنت ہے۔ [1]

جو خراب ذرات یا بیماریوں کے ذرات ناک میں داخل ہوتے ہیں ان کی صفائی کے لئے ہر وضو کے ساتھ ناک کو اندر سے دھونا حفظ صحت کا نہایت اچھا انتظام ہے۔

منہ کے اندر جو کثافت وغلاظت جمع ہو اس کے لئے کلی اور مسواک تجویز کئے گئے ہیں۔ [2] آج ڈاکٹری کے تجربات نے ثابت کردیا ہے کہ تمام بیماریاں دانتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن ہمارے حضور آقائے نامدار ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس ضروری اور لازمی صفائی کا انتظام کلی اور مسواک کے ذریعہ کردیا تھا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو نماز مسواک کرنے کے

۱؎ ابن ماجہ ص ۲۲-۲۳ ۲؎ شامی ج ا ص ۱۱۲

بعد پڑھی جائے اس سے بدرجہا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ [1]

کان کے راستے کان کے اندر بھی اکثر میل کچیل جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے انگلی سے اسے بھی صاف کرنا مستحب ہے۔ [2]

چونکہ وضو میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ دھوئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان حصوں کو ٹھنڈک پہنچ کر سر کی طرف خون کا رجحان زیادہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے سر کا مسح کرنا بھی ضروری رکھا گیا ہے۔ تاکہ سر کو بھی ساتھ ہی ہلکی ٹھنڈک پہنچ کر خون کی میزان برابر ہوجائے۔ [3]

وضو کے علاوہ جسم اور لباس کو پاک وصاف رکھنا بھی لوازمات نماز میں سے ہے اور جگہ کا پاک ہونا بھی لازمی ہے۔ مساجد جہاں نمازیوں کا اجتماع ہوتا ہے ان کی پاکی وصفائی کا بھی شریعت نے اعلیٰ انتظام کیا ہے۔ اس کے اندر تھوکنا اور ناک سنکنا منع ہے کسی بدبودار چیز کا کھا کر آنا بھی منع ہے بلکہ گاہے بگاہے اس میں خوشبودار چیزیں جلائی جاتی ہیں۔ [4]

عام اور بڑے بڑے مجمعوں میں تھوڑی دیر ٹھہرنا اور عطر لگانا سنت ہے۔ اور طرح طرح کی خوشبوئیں جلائی جاتی ہیں۔ یہ انتظام والتزام شریعت نے اس لئے کیا ہے کہ غلیظ اور مضر ہواؤں کی صفائی ہو۔ اور لوگوں کو ان کے مضر نقصانات پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے۔ اسلام نے حفظ صحت اور صفائی کا یہاں تک خیال رکھا ہے کہ چونکہ جمعہ میں شہر کے تمام لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں ہجوم زیادہ ہوتا ہے۔ [5] کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس جو ایک مضر زہریلی ہوا ہے۔ کثرت سے جمع ہو کر تمام ہوا کو ناقص ومضر بنادیتی ہے۔ اس لئے نماز کے فرض نصف کردیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ جب نماز ختم ہوجائے تو زمین پر منتشر ہوجاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ [6] یعنی گھٹے ہوئے ایک ہی جگہ نہ بیٹھے رہو۔

عیدین کی نمازوں میں چونکہ تمام گردونواح کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور مجمع زیادہ ہوتا ہے۔ [7] اس لئے اس کی نسبت یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر ادا کی جائے اور حج

۱؎ ابن ماجہ ۵ ۲؎ ابن ماجہ ص ۳۲ ۳؎ در مختار ج ا ص ۱۲ ۴؎ مراقی الفلاح ص ۱۲۲ ۵؎ مستدرک فی الحاکم ج ۴ ص ۲۵۶، مراقی الفلاح ص ۲۹۵ ۶؎ الجمعۃ: ۹ ۷؎ نسائی ج ا ص ۲۳۱

میں چونکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع واژدھام ہوتا ہے اس لئے اس کے
لئے مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک ریتیلہ میدان تجویز کیا گیا۔

الغرض اسلام نے نماز میں جس ظاہری پاکیزگی وصفائی اور تدابیر حفظ صحت
کا التزام کیا ہے اس کو کہاں تک بیان کیا جائے اور یہ سارا انتظام اس لئے کیا گیا
ہے کہ ایک مسلمان کو باطنی طہارت وپاکیزگی حاصل ہو۔ ہر سلیم العقل انسان
جانتا ہے کہ ظاہری صفائی کا دماغ، روح، عقل اور اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہے۔
مشاہدہ وتجربہ بتلاتا ہے کہ جو انسان اپنے جسم ولباس کو پاک وصاف رکھتا ہے اور
جو نفاست پسند ہوتا ہے اس کے خیالات بھی عموماً نیک اور اچھے ہوتے ہیں اور جو
شخص گندہ رہتا ہے اس کے خیالات بھی عموماً گندے ہوتے ہیں۔ چنانچہ سائنس
کی جدید تحقیقات نے بھی آج فیصلہ کیا ہے کہ دل ودماغ کی حالت صحت جسمانی
کی کیفیت پر موقوف ہے دیکھنے میں آتا ہے کہ صحت وتندرستی میں دماغ کے
خیالات بھی پاکیزہ ہوتے ہیں اور دل نیکیوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور جب
طبیعت اچھی نہیں ہوتی تو مزاج چڑچڑا، دماغ پراگندہ خیالات اور دل مشوش ہوتا
ہے۔

اللہ اللہ! اسلام کی نگاہ کتنی بلند، کتنی حقیقت وفطرت شناس اور مستقیم ہے کہ
جس نتیجہ پر آج دنیا کے سائنسدان پہنچے ہیں، اس کو اسلام کی نگاہ اوّلین نے دیکھ
لیا تھا اور پہلی وحی کے اندر ہی انسان کو یہ نکتہ سمجھا دیا گیا تھا کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ
باطن بغیر جسمانی وظاہری صفائی کے حاصل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اس نے نماز
میں چن چن کر پاکیزگی وصفائی اور حفظ صحت کی تدابیر رکھ دیں اور عملاً ثابت کر دیا
کہ دنیا کا آخری نجات دہندہ اور پاک ومطہر مذہب صرف اسلام ہے۔

ایک سوال:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ طہارت کاملہ کی ایسی پرحکمت تعلیم ایک
امی انسان کی زبان سے کیسے جاری ہوئی۔ جو ایک ریگستان کی سخت جاہل، وحشی
اور اکھڑ قوم میں پیدا ہوا اور جس کے زمانہ میں نہ علم وعقل کی روشنی تھی اور نہ کوئی

سوسائٹی وکالج۔ بلکہ ساری دنیا جہالت وحماقت کے سخت اندھیرے اور واہیات
رسومات کے ظلمات میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نبی امی دنیا کے
لئے نور ہدایت بن کر آیا جس نے آتے ہی تاریک دنیا کو روشن کر دیا چنانچہ ارشاد
ہے:

قد جآء کم من اللہ نور و کتاب مبین.[1]

خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب مبین آئی۔

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر
وحدت کی تجلی کوندگئی آفاق کے سینہ زاروں میں

اس نور نے ظلمات کے تمام پردوں کو چاک کر کے دنیا والوں کو مشاہدہ جمال
حقیقی کرادیا اور تمام تاریکیاں اس خورشید وحدت کے قدموں پر آرہیں۔ اصل
حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام تعلیم اور انتظام محض وحی الٰہی کا نتیجہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام
کو کشفی حالت میں تمام اشیاء کی حقیقت کھول دی جاتی ہے۔

اب ہم اسلامی طہارت وپاکیزگی کی بقیہ صورتیں اور انتظامات بتلاتے ہیں
تا کہ ناظرین پر اسلامی طہارت وپاکیزگی کی عظمت وشان اچھی طرح واضح
ہو جائے۔ سنئے:

اسلامی تعلیمات کی رو سے جسم اور کپڑوں کو پاک وصاف رکھنا ہمیشہ کے
لئے ضروری ہے اس کے علاوہ بعض حالتوں میں اسلام نے غسل کو بھی فرض
کر دیا ہے، چنانچہ جمع یا احتلام کے بعد تمام جسم کو دھونا فرض ہے[2] جو بڑی بڑی
اخلاقی وطبّی مصلحتوں پر حاوی ہے۔ غسل میں مصلحت وحکمت یہ ہے کہ ہر انزال
کے ساتھ اجتماع خون ہو کر تمام اعضاء وقویٰ کا خلاصہ منی کے ساتھ خارج ہوتا ہے
جس سے تمام عضلات واعصاب کو خفیف سا ضعف پہنچتا ہے۔ غسل کرنے سے
خون منتشر ہو کر تمام جسم میں پھر برابر تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور ضعف رفع ہو کر پوری
تازگی وبشاشت حاصل ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ہفتہ میں کم از کم ایک بار جمعہ کے دن نہانا، صاف اور پاکیزہ

---
[1] المائدہ پ ۶ رکوع ۷ [2] ابن ماجہ ص ۴۳

لباس پہننا اور عطر وغیرہ لگانا سنت ہے۔[1]

لباس کی صفائی پر بھی اسلام نے زور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خواہ تمہارا لباس پُر تکلف اور بیش قیمت نہ ہو مگر اس کو پاک صاف ضرور رکھو۔ اگر کھدر کے کپڑے بھی ہوں تو کم از کم آٹھویں دن ان کو دھولیا کرو۔ پھر پیشاب اور پاخانہ کے بعد استنجا کرنے کا حکم ہے جس میں اچھی طرح صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور گندگی وغلاظت کا اثر تک نہیں رہتا۔

اسلام نے ختنہ کرانے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس میں میل کچیل جمع ہوتا رہتا ہے اور طرح طرح کے امراض کا باعث ہوتا ہے۔[2] سر کے بالوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ تمام بال منڈوا دو یا تمام بال چھوڑ دو۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ سر کی تمام سطح یکساں رہنے سے تمام دماغ کو یکساں حرارت یا سردی پہنچے۔

پاخانوں کی نسبت حکم یہ ہے کہ مکانوں میں نہ ہوں بلکہ اوپر یعنی چھت پر ہوں تاکہ متعفن ہوائیں جلد ادھر ادھر پھیل جائیں۔ ایام حیض ونفاس میں جماع کی قطعی ممانعت ہے۔ موئے زہار لینا اور بغلوں کے بال صاف کرانے کا تاکیدی حکم ہے۔ ان تمام احکامات سے آپ اندازہ لگالیں کہ اسلام کس قدر صفائی وپاکیزگی چاہتا ہے۔

تمام بحث کا خلاصہ :

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے جسم، لباس، مکان، ماحول، دل، دماغ اور روح کو ہر طرح پاک وصاف رکھو اور ہر قسم کی نجاست سے الگ رہو۔ طہارت کا مفہوم ہے پاکیزگی اور صاف رہنا اور چونکہ یہ پاکیزگی وستھرائی جسم اور روح دونوں کی ہوتی ہے اس لیے مسلمانوں کے لئے طہارت جسمانی وروحانی دونوں لازم وملزوم ہیں۔ جس طرح بدن، لباس اور مکان کو گندگی وغلاظت سے پاک رکھنا اسلامی فرض ہے اسی طرح ہر قسم کے کفریہ، شرکیہ اور بیہودہ عقائد، لغو وبیکار رسومات بدخیالات اور اخلاق ذمیمہ سے

[1] ابن ماجہ ص ۷۶ [2] بدائع الصنائع ج ا ص ۲۷۹، درمختار ج ۶ ص ۲۷۱ م ۴۰۶ م ۴۰۷

اپنے دل ودماغ اور روح کو بچانا طہارت باطنی بھی فرض اتم ہے۔ اگر جسمانی طہارت میں کوئی نقص رہ جائے تو چنداں قابل مواخذہ نہیں۔ لیکن اگر طہارت باطنی میں کوئی نقص رہ جائے تو یہ چیز قابل گرفت اور موجب تباہی ہے۔ پس مسلمان کے لئے سب سے زیادہ فکر واہتمام کرنے کے قابل دل ودماغ اور روح کی صفائی ہے۔ اس کے بغیر جسمانی صفائی فضول ہے۔

اسلام کا مقصد طہارت یہ ہے کہ اپنے جسم ولباس کو پاک رکھو۔ پھر اخلاق رذیلہ کی کثافت دور کر کے اخلاق، اعمال، فضائل حمیدہ اور عبادت وریاضت سے اپنی روحوں کو پر جلا کرو اور پھر اس کو تسلیم ورضا، صبر واستقامت اور محبت الٰہی کے زیور سے آراستہ کر کے جناب الٰہی میں پہنچاؤ۔ عبودیت تضرع انکسار یاد الٰہی اور دعا میں ہمیشہ مشغول رہو، اپنے خیالات کو پاکیزہ رکھو، جذبات وشہوات پر قابو حاصل کرو اور اس طرح خدا کے بن کر کائنات ارضی وسماوی پر حکومت کرو۔

اے چودھویں صدی کے سادہ لوح اور کور بصیرت مسلمان! ایسی صفائی اور پاکیزگی حاصل کر۔ پھر دیکھ تجھ پر کیوں کر خدا اپنی رحمت اور بخششوں کے دروازے کھولتا ہے۔

باب الانجاس

نجاستوں کا بیان

احکام شرعیہ کے اقسام

جاننا چاہئے کہ حکم شرع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک امر دوسرے نھی۔ یعنی شرع کے احکام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ احکام جو کسی چیز کے کرنے کے متعلق ہوں۔ ایسے احکام کو اوامر کہتے ہیں۔ یہ جمع ہے امر کی۔ امر وہ حکم شرع ہے جس سے کسی فعل کی طلب ثابت ہو۔ دوسرے وہ احکام جو کسی چیز کے ترک کرنے کے متعلق ہوں۔ ایسے احکام کو نواہی کہتے ہیں۔ یہ جمع ہے نھی کی اور نہی وہ حکم شرع ہے جس سے کسی فعل کی ممانعت ثابت ہو۔

اوامر کی قسمیں اور ان کی تعریف :

اوامر کی تین قسمیں ہیں۔ فرض، واجب اور سنت۔ پھر ان میں سے واجب اور سنت کی دو دو قسمیں ہیں۔ واجب عین، واجب علی الکفایہ۔ یہ دو قسمیں واجب کی ہیں۔ سنت کی دو قسمیں یہ ہیں۔ موکدہ اور غیر موکدہ۔ ان سب کو علیحدہ علیحدہ تعریف یہ ہے:

(ا) فرض: وہ ہے جو قرآن کریم یا حدیث متواتر سے قطعی طور پر ثابت ہو، یعنی جس امر کا حکم قرآن یا حدیث متواتر نے قطعی طور پر دیا ہو وہ فرض ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص فرض ادا کرے وہ ثواب پائے اور اپنا فرض منصبی ادا کرے اور اگر غفلت و سستی کی وجہ سے نہ ادا کرے تو خدا کا سخت نافرمان اور عذاب کا مستحق ہے۔ اور اگر کوئی اس کی فرضیت ہی کا انکار کر دے مثلاً یوں کہہ دے کہ میں پنج وقتہ نماز کو فرض نہیں مانتا یا زکوٰۃ کو فرض نہیں جانتا تو وہ کافر ہے۔[1] بشرطیکہ اس کی

---

[1] شامی ج ۱ ص ۳۲

فرضیت بہ نص قرآن یا حدیث متواتر اور یا اجماع امت سے ثابت ہو اور اس کی فرضیت کی جملہ مجتہدین قائل ہوں۔ ورنہ اگر بعض مجتہدین اس کی فرضیت کے قائل ہوں اور بعض منکر تو ایسے فرض کا منکر کافر نہیں بلکہ فاسق ہے۔ فرض کی دو قسمیں ہیں۔ فرض عین و فرض کفایہ۔ فرض عین وہ ہے جو ذاتی طور پر سب کو اپنی جگہ ادا کرنا پڑے۔ مثلاً پنج وقتہ نماز اور فرض کفایہ وہ ہے کہ ایک یا زیادہ کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے مثلاً نماز جنازہ[1] فرض عین فرض کفایہ سے افضل ہوتا ہے۔

(۲) واجب: وہ ہے جس کا ثبوت وجوبا دلیل ظنی یعنی حدیث غیر متواتر وغیرہ سے ہو اس کا منکر فاسق و گمراہ[2] ہے۔ جاننا چاہئے کہ دلائل شرعیہ سمعیہ چار ہیں:

(ا) قطعی الثبوت و الدلالۃ یعنی وہ دلائل جو اپنے ثبوت اور دلائل میں قطعی ہوں جیسے نصوص قرآن، آیات محکمہ اور سنت متواترہ کہ ان کا مفہوم قطعی ہے۔

(ب) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یعنی ثبوت میں قطعی اور دلالت میں ظنی۔ جیسے آیات ماؤلہ۔

(ج) اس کے برعکس جیسے خبر آحاد جن کا مفہوم قطعی ہو۔ یعنی اس کا ثبوت ظنی ہوتا ہے اور دلالت قطعی۔

(د) ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہوں۔ جیسے وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم ظنی ہو اور ثبوت بھی۔ واضح ہو کہ یہاں دلالت سے مراد مفہوم ہے۔

پس اب جاننا چاہئے کہ پہلے قسم کے دلائل سے فرض اور حرام ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے قسم کے دلائل سے بھی فرض اور حرام ثابت ہوتا ہے مگر وہ ثبوت میں اتنا قوی نہیں ہوتا جتنا کہ قسم اوّل میں ہوتا ہے۔ تیسری قسم کے دلائل سے واجب اور کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ اور چوتھے قسم کے دلائل سے سنت و مستحب (رد المحتار)

---

[1] شامی ج ۱ ص ۳۲ [2] شامی ج ۱ ص ۴

(۳) سنت: وہ ہے جو رسول خدا ﷺ سے قولاً وفعلاً ثابت ہو۔ اگر حضور ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو، کبھی ترک نہ کیا ہو۔ اور وہ حضور ﷺ کے مخصوصات سے بھی نہ ہو۔ ایسی سنت کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا منکر اور تارک بدعتی وگنہ گار ہے۔ بشرطیکہ اس کا ثبوت خبر واحد سے ہوتا ہو۔ خبر واحد اس کو کہتے ہیں جس حدیث کا راوی صرف ایک ہو۔ اگر سنت خبر مشہور سے ثابت ہو تو اس کا منکر فاسق ہے۔ خبر مشہور اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی دو سے زیادہ ہوں۔ اور اگر اس کا ثبوت خبر متواتر سے ہوتا ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ سنت کے قبول واعتقاد کے بعد اگر کوئی اس کا تارک ہو، عقبیٰ میں اسے سرزنش ہوگی۔ اور کرنے والا ثواب پائے گا۔ دوسری قسم سنت کی سنت غیر مؤکدہ ہے۔ اسی کو مستحب بھی کہتے ہیں۔ سنت غیر مؤکدہ وہ مستحب وہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک بھی کر دیا ہو۔ مستحب کا منکر نہ کافر ہے نہ فاسق وگنہ گار اور کرنے والا ثواب کا مستحق اور فضیلت حاصل کرنے والا ہے۔ [1]

منہیات کی تعریف اور قسمیں:

منہیات یعنی جن امور سے خدا اور خدا کے رسول ﷺ نے روکا ہے ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) حرام (۲) مکروہ تحریمی (۳) اور مکروہ تنزیہی۔ حرام وہ ہے جس کی ممانعت قطعی دلیل سے وجوباً ثابت ہو۔ حرام کو ترک کرنے والا ثواب پائے گا۔ کرنے والا عذاب اور اس کی حرمت کا منکر کافر ہے۔ [2]

مکروہ تحریمی وہ ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے وجوباً ثابت ہو۔ مکروہ تحریمی کا نہ کرنے والا ثواب پائے گا اور کرنے والا مستحق عتاب ہے۔ [3]

مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کی ممانعت شفقتاً یا ادباً ہو۔ اس کا ترک کرنے والا فضیلت حاصل کرنے والا ہوگا۔ اور کرنے والے پر نہ عذاب ہے نہ عتاب۔ اور مباح کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ [4]

فائدہ: مکروہ تحریمی حرام کے نزدیک ہوتا ہے اور مکروہ تنزیہی حلال کی

۱ درمختار ج ۱ ص ۱۰۳ ۲ شامی ج ۱ ص ۲۷۰ ۳ شامی ج ۱ ص ۹۷ ۴ شامی ج ۵ ص ۳۲۹

...ائل ہوتا ہے۔ لہٰذا مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی میں صرف اعتقادی فرق ...یعنی حرام کو جائز سمجھنے والا کافر ہے۔ باقی عمل میں دونوں برابر ہیں۔

...رض اور حرام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعتقادی دوسرے عملی۔ اعتقادی وہ ...جس پر عمل کے ساتھ اعتقاد بھی فرض ہو۔ اس اعتقاد کا منکر کافر ہے۔ اور عملی ...جس کا صرف عمل ہی فرض ہو۔ اس کے فوت ہو جانے سے عمل کی صحت ...ت ہو جائے۔

نجاستوں کا بیان

انسان کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو نجاستیں وہ ہیں ...و انسان کے اندر سے نکلتی ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو باہر سے اس کو نجس وملوث ...رتی ہیں۔ اس اعتبار سے نجاست کی دو اصولی اقسام ہوئیں۔ (۱) داخلی ...ور (۲) خارجی۔ پھر ان دو کی بھی اقسام ہیں۔ بعض نجاستیں حقیقی ہیں اور بعض ...یر حقیقی۔ جو غیر حقیقی ہیں ان کو شارع علیہ السلام نے اپنے حکم سے داخلی نجاست ...ہا ہے۔ اس قسم کی نجاستوں کو حکمی کہتے ہیں۔ ذیل میں ہم نجاست کا ایک شجرہ ...یتے ہیں جس سے نجاستوں کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

شجرۂ نجاست

روحانی — جسمانی

داخلی — خارجی

حقیقی ...... حکمی — حقیقی ...... حکمی

مکروہ — مکروہ

طہارت اور ازالہ نجاست دو جدا جدا چیزیں ہیں

یہاں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ "طہارت اور ازالہ نجاست دو جدا جدا

چیزیں ہیں طہارت اور ازالہ نجاست ایک چیز کا نام نہیں۔ طہارت ازالہ نجاست سے بڑھی ہوئی ہے۔ نماز کے لئے صرف ازالہ نجاست کی ضرورت نہیں بلکہ طہارت بھی ضروری چیز ہے۔

عربی زبان میں نجاست کا مفہوم ادا کرنے کے لیے تین لفظ ہیں (۱) خبث (۲) حدث (۳) نجس۔ خبث کا اطلاق نجاست حقیقی پر ہوتا ہے۔ حدث کا نجاست حکمی پر۔ اور نجس کا ان دونوں پر۔ تطہیر النجاست یعنی ازالہ نجاست مفہوم میں تین چیزیں داخل ہیں۔ (۱) بدن (۲) کپڑے (۳) اور مکان۔ کپڑوں کی طہارت کا وجوب عبارۃ النص سے یعنی قرآن پاک کے صاف وصریح الفاظ سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وثیابک فطھر اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ۔ بدن اور مکان کا پاک رکھنا بھی اسی آیت سے بطریق دلالۃ النص ثابت ہوتا ہے۔ یعنی یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ بدن اور مکان پاک وصاف ہوں۔ اس دلالۃ کی تفصیل یہ ہے کہ کپڑوں کی پاکیزگی نماز کے لئے واجب ہے۔ اور نماز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرنا۔ پس نمازی کو چاہئے کہ وہ حالت نماز میں احسن احوال میں ہو اور یہ احوال کی اچھائی اس وقت حاصل ہوگی جبکہ نمازی سے متعلق اور متصل تمام چیزیں پاک ہوں نمازی سے متعلق و متصل تین ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ بدن، کپڑا اور مکان۔ اور مقصود آیت کا انہی تینوں کی پاکیزگی حاصل کرنا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کی اور آیتوں سے بدن اور مکان کا صاف رکھنا عبارۃ النص سے بھی ثابت ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ نمازی کے کپڑوں، بدن اور نماز پڑھنے کی جگہ کو پاک کرنا۔ یعنی ان تینوں کی پاکی واجب ہے۔

نجاست حکمی و حقیقی :

نجاست دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک نجاست حکمی دوسری نجاست حقیقی۔ نجاست حکمی وہ ہے جو نظر سے محسوس نہ ہو۔ صرف شرعی حکم کی وجہ سے اس کو ناپاک کہا جاتا ہو۔ اس نجاست کا دور کرنا واجب ہے۔ کسی قسم کا کوئی عذر اس کے

ازالے سے روکنے کے لئے کافی نہیں۔ تندرست ہو یا بیمار، بوڑھا ہو یا جوان اور طاقتور ہو یا کمزور بہر حال اور بہر صورت ہر شخص پر اس کا دور کرنا واجب ہے ایسے طہارت حاصل کرنا نماز کی شرط مقدم ہے، جو کسی عذر سے بھی ساقط نہیں ہوتی بخلاف دوسری شرط کے۔ مثلاً استقبال قبلہ، بدن کا ڈھانکنا اور لباس و مکان کا پاک ہونا یہ سب شروط عذر سے ساقط ہو جاتی ہیں مگر ازالہ نجاست حکمی ایسی کڑی شرط ہے جو کسی عذر سے بھی ساقط نہیں ہوتی۔ ہاں اس میں شریعت نے اتنی آسانی ضرور کردی ہے کہ اگر غسل و وضو سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ یا پانی نہ مل سکے تو تیمم کر لیا جائے۔

نجاست حکمی کی دو صورتیں ہیں حدث اکبر اور حدث اصغر جس کو نہانے کی حاجت ہو اس کی حالت کو حدث اکبر کہتے ہیں اور بے وضو ہونے کی حالت کا نام حدث اصغر ہے۔ یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ اگرچہ بظاہر بدن پر کوئی ناپاکی لگی ہوئی نہیں ہوتی لیکن شریعت نے ان دونوں حالتوں کو ناپاک قرار دیا ہے۔

نجاست حکمی خالص پانی سے دور ہوتی ہے اور اگر کوئی عذر ہو تو مٹی سے بھی دور ہو جاتی ہے جیسے پانی نہ ملنے کی حالت میں یہ طہارت مٹی یعنی تیمم سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نجاست حکمی مطلق پانی سے دور ہوتی ہے نہ کہ مقید پانی سے مطلق اور مقید پانی کی تعریف یہ ہے: مطلق یا خالص پانی اس کو کہتے ہیں جس میں یہ چار اوصاف ہوں:

(۱) سیال یعنی بہنے والا ہو۔

(۲) اس میں پیاس بجھانے کی صلاحیت ہو۔

(۳) سبزہ و نباتات میں روئیدگی پیدا کر سکتا ہو۔

(۴) شفاف ہو۔ یعنی اس میں کوئی رنگ ملا ہوا نہ ہو۔

خالص پانی کی مثالیں یہ ہیں جیسے دریا، نہر، ندی، چشمہ، کنوئیں، بارش، تالابوں اور جھیلوں کا پانی۔ ان سب پانیوں میں یہ چار اوصاف ہوتے ہیں۔ یہ پانی ناپاک بھی ہوتے ہیں جن کی پاکی ناپاکی کا بیان آگے آئے گا۔

مقید پانی وہ ہے جو بغیر قید کے نہ بولا جائے یعنی لفظ ''پانی'' کے ساتھ اور کوئی لفظ بھی لگایا جائے۔ یا مذکورہ بالا چار اوصاف میں سے کوئی وصف نہ ہو۔ مثلاً عرق گلاب، عرق کیوڑہ اور تربوز کا پانی وغیرہ۔ ان میں پانی کا مفہوم تو پایا جاتا ہے مگر اس کو ادا کرنے کے لئے اور لفظ بھی بڑھائے جاتے ہیں۔ [1]

نجاست حقیقہ کا بیان :

نجاست حقیقہ اس نجاست کو کہتے ہیں جو نظر سے محسوس ہو جیسے پیشاب وخون وغیرہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نجاست غلیظہ دوسری نجاست خفیفہ۔ یعنی جو نجاست سخت ہو اسے نجاست غلیظہ کہتے ہیں اور جس کی نجاست ہلکی ہو اسے نجاست خفیفہ کہتے ہیں۔ [2]

نجاست غلیظہ :

نجاست غلیظہ کی اس تعریف کو بھی یاد رکھئے کہ نجاست غلیظہ اس کو کہتے ہیں جس کے ناپاک ونجس ہونے کی صراحت قرآن وحدیث میں موجود ہو۔ کوئی نص اس کی ناپاکی کے خلاف موجود نہ ہو اور سب ائمہ مجتہدین کے نزدیک وہ نجس ہو۔ اور نجاست خفیفہ اس کو کہتے ہیں جس کا ناپاک ہونا بعض آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہو اور بعض آیات واحادیث سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہو اور اسی بناء پر اس کی پاکی کے متعلق ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہوا۔

مذکورہ ذیل اشیاء نجاست غلیظہ میں داخل ہیں: لحم خنزیر اور اس کے تمام اجزاء، مردہ کا گوشت اور اس کا چمڑا دباغت کرنے سے پہلے، کتے کا جھوٹا، شراب، خون جاری ان جانوروں کا پیشاب اور پاخانہ جن کا گوشت حرام ہے، خواہ وہ درندے ہوں جیسے بلی، بھیڑیا اور شیر وغیرہ۔ یا چرندے ہوں جیسے گدھا، بطخ، مرغی، جونک اور سانپ وغیرہ کا پیشاب پاخانہ گھوڑے، خچر اور گدھے کی لید، گائے، بھینس کا گوبر، آدمی کا پیشاب خواہ جوان آدمی کا ہو یا بوڑھے کا اور شیر خوار بچہ کا ہو یا کھانا کھانے والے بچہ کا۔ منی، مذی، ودی، کچلہو،

[1] درمختار ج اص ۳۰۸ تا ۳۱۰ [2] مراقی الفلاح ص ۹۵

پیپ، منہ بھر قے، خون، حیض، خون نفاس، خون استحاضہ (الانوار الساطعہ)

نجاست غلیظہ اگر گاڑھی ہو تو ساڑھے چار ماشہ کا وزن۔ اور اگر پتلی ہو تو ہتھیلی کے گڑھے کے برابر معاف ہے۔ گاڑھی نجاست غلیظہ اگر ایک درہم سے زیادہ بدن یا کپڑے پر لگی ہوئی ہے تو وہ جواز نماز کے مانع ہے یعنی اس سے نماز نہ ہوگی اوپر لکھا گیا ہے کہ چار ماشہ وزن معاف ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کو دور نہیں کرنا چاہئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنی نجاست کا دور کرنا بھی واجب ہے۔ اگر اتنی مقدار مجبوراً رہ جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے اگر بلا عذر اور مجبوری کے اتنی نجاست دور کئے ہوئے نماز پڑھ لی جائے تو مکروہ تحریمی ہوگی۔ اگر اس مقدار سے کم نجاست ہو تو اس کا دور کرنا سنت ہے۔ اگر اس کو دور نہ کیا جائے تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اور اگر مقدار معاف سے زیادہ ہو، اس کو دور نہ کیا جائے اور نماز اس حالت میں پڑھ لی جائے تو نماز بالکل نہ ہوگی۔

بلی اور چوہے کے پیشاب سے چونکہ احتیاط ناممکن ہے۔ اس لیے معاف ہے۔ البتہ اگر پانی یا برتنوں میں بلی یا چوہا پیشاب کر دے تو پانی اور برتن نجس ہو جاتے ہیں۔ [1]

نجاست خفیفہ :

مذکورہ ذیل اشیاء نجاست خفیفہ ہیں۔ حلال جانوروں کا پیشاب، حرام وحلال جانوروں کی بیٹ اور گھوڑے کا پیشاب ولید اور بیٹ ان پرندوں کی جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کے بارے میں اختلاف ہے اگر نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے یا چوتھائی عضو سے کم ہو تو معاف ہے۔ مثلاً اگر نجاست ہاتھ پر لگی ہوئی یا کمر پر یا پیٹ پر اور ان اعضاء کے چوتھائی سے کم پر ہے تو معاف ہے اسی طرح اگر کوٹ کی آستین نجاست آلودہ ہوگئی مگر چوتھائی سے کم پر ہے معاف ہے۔ مطلب یہ ہے تمام بدن اور تمام کپڑے کی چوتھائی معاف نہیں۔ بلکہ ان کے مختلف حصوں کی چوتھائی مراد ہے۔ یعنی ہر ہر عضو اور حصہ کی چوتھائی مجموعہ بدن یا

[1] درمختار ج اص ۳۱۶-۳۱۷، مراقی الفلاح ۹۶

مجموعہ لباس کا اعتبار نہیں۔ یہاں بھی معاف ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اتنی مقدار اگر کسی وجہ سے بھول کر کپڑے یا بدن پر لگی رہ جائے تو نماز ہوجاتی ہے۔ چھوڑ دینے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ [۱]

نجاست حقیقیہ کیسے دور ہوتی ہے؟

نجاست حقیقیہ چاہے غلیظہ ہو یا خفیفہ کپڑے پر ہو یا بدن پر۔ پانی سے تین بار دھو لینے سے پاک ہوجاتی ہے۔ کپڑے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو تین بار دھو کر نچوڑ بھی لیا جائے۔ نجاست حقیقیہ کو آب مطلق اور آب مقید دونوں دور کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف اشیاء کو پاک کرنے کے مختلف طریقے اور مختلف صورتیں ہیں جن کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ [۲]

(۱) بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو رگڑنے اور پونچھنے سے پاک ہوجاتی ہیں۔ جیسے آئینہ اور روغنی برتن وغیرہ۔ ان کو اگر اس طرح پونچھ دیا جائے کہ نجاست باقی نہ رہے تو ایسی چیزیں پاک ہوجاتی ہیں۔ رگڑنا خواہ لکڑی سے ہو یا ناخن سے یا پتھر سے تینوں صورتیں برابر ہیں۔ [۳]

(۲) خشک ہونے سے جو چیزیں زمین پر قائم اور ثابت ہیں وہ خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہیں۔ جیسے زمین، زمین کی ناپاکی اور ان چیزوں کی ناپاکی کو جو زمین پر ثابت اور قائم ہوں آفتاب کی حرارت اور ہوا پاک کر دیتی ہے۔ [۴]

(۳) بعض چیزیں چھیلنے سے پاک ہوجاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی لکڑی کی چیز ناپاک ہوگئی تو اس ناپاکی کو کھرچ دینے یا چھیل دینے سے لکڑی پاک ہوجائے گی۔ [۵]

(۴) ذات کے بدل جانے سے بھی بعض چیزیں پاک ہوجاتی ہیں جیسے شراب سرکہ بن جائے تو وہ پاک ہوجائے گی۔

(۵) بعض چیزیں آگ میں تپانے سے پاک ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی مٹی

---

[۱] درمختار ج ا ص ۳۱۸-۳۲۱ مراقی الفلاح ص ۹۸-۹۹ [۲-۳] مراقی الفلاح ص ۱۰۰-۱۰۱ [۴] درمختار ج ا ص ۳۲۲ [۵] حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۹

یا برتن کے اجزاء میں نجاست جذب ہوجائے تو اس کے پاک کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس کو آگ میں خوب تپا لیا جائے اور اگر نجاست اس کے اجزاء میں جذب نہ ہوئی ہو تو صرف دھو ڈالنا کافی ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کی بناء پر یہ فتویٰ ہے کہ جو برتن نجس مٹی سے بنائے جائیں یا اینٹیں اور پھر اس کو آگ میں پکایا جائے تو یہ پاک ہوجاتی ہیں۔ گوبر اور لید کی راکھ پر بھی طہارت کا فتویٰ ہے۔ [۱]

(۶) اکثر میں سے بعض نکال دینے سے جیسے اناج کو گاہیا جاتا ہے تو اس میں بیل گوبر اور پیشاب بھی کر دیتا ہے۔ پھر یہ کیا جاتا ہے کہ بھوسہ الگ نکال لیا جاتا ہے اور اناج الگ چونکہ اکثر میں سے بعض حصہ بھوسہ نکال دیا جاتا ہے اس لئے سب اناج پاک ہوجاتا ہے اسی طرح اگر روٹی کا کچھ حصہ ناپاک ہوگیا اور وہ ناپاک حصہ توڑ کر الگ پھینک دیا تو روٹی کا بقیہ حصہ پاک ہوگیا۔ (عالمگیری، درمختار، الانوار الساطعہ)

نجاست حقیقیہ کا نقشہ

نجاست اور ازالہ نجاست کا تفصیلی بیان کرنے کے بعد مزید تفہیم کے لئے ان کا ایک نقشہ ذیل میں دیا جاتا ہے جس سے آسانی کے ساتھ معلوم ہوجائے گا کہ کون کون سی نجاستیں کس کس طرح دور ہوتی ہیں۔ پہلے نقشہ سے نجاست کی قسمیں ذہن نشین کرلو۔

نجاست

حکمی — حدث اکبر۔ حدث اصغر

حقیقی — نجاست غلیظہ۔ نجاست خفیفہ — گاڑھی۔ پتلی

اس نقشہ سے آپ نجاست حکمی و حقیقی کے اقسام کو اچھی طرح ذہن نشین کرسکتے ہیں۔ اس کے بعد اب نجاستوں کے ازالہ کا نقشہ بھی دیکھ لیجئے۔

---

[۱] درمختار ج ا ص ۳۲۲

نمبر شمار	قسم نجاست	نجاست کی جگہ	طریقہ ازالہ نجاست	کیفیت
(۱)	پیشاب یا پاخانہ	مخرج براز	ڈھیلوں اور پانی کے ساتھ یا صرف پانی سے نجاست دور کرنا یعنی دھوڈالنا۔	ہڈی کوئلہ ڈھیلہ کا کام نہیں دے سکتی
(۲)	منی	مخرج بول	کھرچ کر جرم منی کو دور کرنا اگر غلیظہ ہو تو پانی سے خوب مل کر صاف کرنا اور اگر رقیق ہو تو پانی سے دھونا۔	
(۳)	مذی	مخرج بول		
(۴)	ودی	مخرج بول		
(۵)	خون حیض	عورتوں کی اندام نہانی	کپڑے سے پونچھنا یا دھوڈالنا	
(۶)	خون نفاس	"	"	
(۷)	خون استحاضہ	"	"	
(۸)	خون سیال	خون کسی حصہ سے	"	
(۹)	پیپ			

یہ نقشہ صرف نجاست حقیقی داخلی کا ہے جس کی ضرورت ہر مسلمان مرد وعورت کو پڑتی ہے نجاست حقیقی خارجی کو کسی نقشہ میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔

چند خاص اور ضروری مسائل

یہاں ہم نجاست حقیقی دور کرنے کے چند خاص قواعد کلیہ لکھتے ہیں جن کو یاد

رکھنا چاہئے۔

(۱) جن چیزوں میں چکنائی ہو ان سے نجاست حقیقی دور نہیں ہو سکتی۔ مثلاً دودھ، چھاچھ اور تیل وغیرہ۔ (عالمگیری)

(۲) مستعمل پانی سے نجاست حقیقیہ تو دور ہو سکتی ہے مگر نجاست حکمیہ دور نہیں ہو سکتی یعنی اگر کسی پانی سے وضو کیا اور وہ پانی کسی برتن میں جمع ہو گیا تو ایسے پانی کو مستعمل کہتے ہیں۔ اس سے دوبارہ وضو یا غسل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس سے نجاست حقیقی کو دور کر سکتے ہیں۔ پانی مستعمل کس وقت ہوتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے ہدایہ میں ہے کہ جس وقت وہ اعضاء سے دور ہو گیا مستعمل ہے۔ محیط و ظہیریہ میں ہے کہ وہ اس وقت تک مستعمل نہیں ہوتا جب تک کسی جگہ ٹھہر کر ساکن نہ ہو جائے۔ اس پر فتویٰ ہے ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستعمل پانی نجس خفیف ہے۔ [۱] (قدوری)

(۳) اگر بدن یا کپڑے پر نجاست غلیظہ اور خفیفہ دونوں لگ جائیں اور ہر ایک کی مقدار معافی سے کم ہو تو اس صورت میں نجاست خفیفہ غلیظہ کے تابع ہو جائے گی۔ یعنی دونوں کی مقدار کو ملا کر دیکھا جائے۔ اگر غلیظہ کی مقدار کو پہنچ جائے تو غلیظہ ہی کا حکم ہوگا۔ [۲]

(۴) جو نجاست کپڑے پر نمایاں نہ ہو تو اس جگہ کو دھو دینا چاہئے۔ اگر پاک ہونے کا یقین غالب ہو گیا تو اس کو پاک سمجھو۔ پھر اس میں وسوسہ و تردد نہ کرو۔ اگر کسی کی طبیعت زیادہ شکی ہو تو اس کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اس کپڑے کو سات بار دھو کر نچوڑ دے۔ مگر یہ حکم اس نجاست کا ہے جس کا رنگ اور اثر کپڑے پر نمایاں نہ ہو۔ جو نجاست نمایاں ہو اس کو بالکل دور کرنا چاہئے خواہ رگڑ کر یا چھیل کر یا دھو کر۔ بہر حال نجاست کو بالکل دور کرنا چاہئے۔ [۳]

(۵) اگر کسی چیز پر کوئی بدبودار نجاست لگ جائے اور دھونے سے بھی نہ جائے۔ یا ناپاک تیل اور مردار کی چربی لگ جائے اور وہ دھونے سے زائل نہ ہو سکے تو اس کو تین بار دھوڈالنا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر بدبو یا تیل یا چربی

---

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۴۱ ۲ درمختار ج ۱ ص ۳۳۱ ۳ درمختار ج ۱ ص ۳۳۱

کے آثار باقی رہیں تو کچھ ہرج نہیں۔ اس چیز کو پاک سمجھنا چاہئے۔ اور زیادہ وہم نہ کرنا چاہئے۔[۱]

(۶) اگر تیل میں چوہے کی قلیل مینگنیاں گر جائیں تو تیل پلید نہیں ہوتا کیونکہ اس سے احتیاط ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر مرغی کا بیضہ پانی یا شوربے میں گر پڑے تو وہ پانی اور شوربہ ناپاک نہیں ہوتا۔[۲]

(۷) تمام چمڑے دباغت سے پاک ہوجاتے ہیں اور ان سے نماز جائز ہے۔ سوائے آدمی اور خنزیر کے چمڑے کے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس چمڑے کو دباغت کیا جائے وہ پاک ہوجاتا ہے۔ دباغت کے معنی ہیں بدبو اور رطوبات نجسہ کو دور کرنا۔ اور یہ کبھی تو ادویہ کے ذریعہ ہوتا ہے کبھی خاک کے ذریعہ اور حرارت شمس کے ذریعہ لیکن جو چمڑا ادویہ کے ذریعہ مدبوغ کیا جاتا ہے اس میں پھر بدبو پیدا نہیں ہوتی اور جو مٹی اور آفتاب سے مدبوغ کیا جاتا ہے۔ اس پر پانی پڑنے سے بو عود کر آتی ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں عود کرتی۔[۳]

(۸) نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے بخارات اور دھواں اگر کپڑے پر لگ جائے اور اس کا رنگ یا بو کپڑے میں پیدا ہوجائے تو وہ ناپاک ہے اور اگر رنگ یا بدبو پیدا نہ ہو تو پاک ہے۔[۴]

قاعدہ:

طہارت اور نجاست کا اعتبار و یقین علم پر موقوف ہے۔ پس اگر نجاست کا علم ہی نہ ہو اور نہ اس بات کا یقین ہو کہ کس جگہ لگی ہے تو طہارت کا حکم ہوگا۔ اگر کسی کپڑے پر نجاست لگی اس بات کا تو یقین ہے کہ کپڑا نجاست آلود ہوا ہے مگر اس بات کا یقین نہیں ہے کہ نجاست کہاں لگی ہے تو جس جگہ کے متعلق یقین غالب ہو اسی جگہ کو دھو ڈالے کپڑا پاک ہوجائے گا۔ اور اگر کپڑا پاک کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ نجاست والی جگہ نہیں دھوئی گئی بلکہ کوئی اور جگہ دھوئی گئی ہے تو اس کپڑے کو

---

۱ درمختار ج ا ص ۳۱۲ ۲ منیۃ المصلی ۳ عالمگیری ج ا ص ۴۵ ۴ درمختار ج ا ص ۳۳۵

ناپاک سمجھنا چاہئے اور دوبارہ اس جگہ کو دھونا چاہئے۔[۱]

قاعدہ۔ جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد جو خون رگوں میں باقی رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، کیونکہ وہ خون جاری نہیں ہوتا، پس اگر ذبح کئے ہوئے جانور کا خون کپڑے اور بدن پر لگ جائے تو ناپاک نہیں ہوتے۔[۲]

قاعدہ۔ وہ تمام حیوان جو بسم اللہ کے ساتھ ذبح کئے جاتے ہیں تو ان کے گوشت و پوست، جلد اور تمام اجزاء پاک ہوجاتے ہیں، سوائے آدمی اور خنزیر کے۔[۳]

قاعدہ۔ جس جانور کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے اور جس کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے اس کا پتہ بھی نجاست خفیفہ ہے۔ جس جانور کا پاخانہ نجس ہے اس کا جگال بھی نجس ہے۔ آدمی کے سر کے بال پاک نہیں۔ مردہ جانور کے بال، ہڈی، لکڑی، پٹھا، سم، سینگ، دانت، پر، چونچ اور ناخن پاک ہیں۔[۴]

مسئلہ۔ اگر چوہے کی مینگنیاں گیہوں کے ساتھ پس جائیں مگر قلیل مقدار میں تو آٹا پاک ہے۔[۵] اگر کثیر مقدار میں ہوں کہ آٹے کا مزہ بھی بدل جائے تو ناپاک۔ مردہ جانور کے تھنوں میں جو دودھ باقی رہ جائے، وہ پاک ہے۔[۶]

دیوار یا چھت جو گوبر اور مٹی سے لپی ہوئی ہو اور خشک ہو، اس پر اگر گیلا کپڑا رکھ دیا جائے تو ناپاک نہیں ہوتا۔[۷]

مسئلہ۔ اگر دودھ دُہتے وقت بکری کی مینگنی دودھ میں گر جائے جب تک سالم ہے دودھ پاک ہے مینگنی کو نکال کر پھینک دینا چاہئے اور اگر ٹوٹ جائے تو دودھ ناپاک ہے۔[۸] مچھلی، پسو، جوں، کھٹمل، مچھر اور ہر دریائی جانور کا خون پاک ہے۔[۹]

مسئلہ۔ اگر گھی جما ہوا ہو یعنی ایسا جما ہوا ہو کہ اگر اس میں سے کچھ حصہ نکال لیا جائے تو فوراً ٹل کر برابر نہ ہوجائے۔ ایسے جمے ہوئے گھی میں چوہا مر جائے یا اور کوئی نجس چیز پڑ جائے تو مردہ چوہے کو نکال کر پھینک دینا چاہئے اور تھوڑا تھوڑا

---

۱ درمختار ج ا ص ۳۱۵ ۲ درمختار ج ا ص ۳۱۹ ۳-۴ عالمگیری ج ا ص ۴۳ ۵ درمختار ج ا ص ۳۱۹ ۶ عالمگیری ج ا ص ۴۳ ۷ بزازیہ علی حاشیہ الہندیہ ج ا ص ۲۶ ۸ بزازیہ علی حاشیہ الہندیہ ج ا ص ۲۷ ۹ عالمگیری ج ا ص ۴۳

گھی آس پاس سے بھی نکال دینا چاہئے۔ باقی گھی پاک ہے۔ [۱]

اگر پتلا گھی یا تیل ہو اور اس میں کوئی نجاست گر جائے تو اس کو پاک کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس میں ایک بٹا پانچ پانی ڈال کر جوش دینا چاہئے، جب پانی خشک ہو جائے تو پھر دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح کرنا چاہئے، وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ [۲]

مسئلہ۔ بڑی دری، فرش اور دوسرے بھاری کپڑے جن کا نچوڑنا ناممکن ہو ان کو پاک کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ جاری پانی سے ان کی نجاست دور کر دی جائے بس وہ پاک ہے نچوڑنے اور سکھانے کی ضرورت نہیں۔ [۳]

اگر خشک ناپاک کپڑا پانی سے تر ہو جائے۔ اور یہ بھیگا ہوا ناپاک کپڑا کسی دوسرے خشک پاک کپڑے سے لگ جائے اور اس میں اتنا اثر اور تری پیدا کر دے کہ نچوڑنے سے قطرے نکل آئیں تو یہ پاک کپڑا ابھی ناپاک ہو گیا، اور اگر صرف معمولی نمی پہنچی ہو تو کچھ حرج نہیں۔ پاک سمجھنا چاہئے۔ [۴]

مسئلہ۔ اگر لوٹے میں مردہ چوہا اور کوئی نجاست پائی جائے اور وہ پانی حمام یا مٹکے سے لیا جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ چوہا مٹکے میں مرا یا حمام میں یا کنوئیں میں، تو اس صورت میں اس برتن ہی کو ناپاک سمجھا جائے گا جس میں سے وہ نجاست یا چوہا نکلا۔ مٹکا، حمام یا کنوئیں کے نجس ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ۔ منی نجس ہے۔ اگر وہ تر ہے تو اس کا دھونا ضروری ہے اور اگر وہ کپڑے پر لگ کر خشک ہو جائے تو رگڑنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔

احناف نے منی کو اس حدیث کی بناء پر ناپاک قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا تھا: فاغسلیہ ان کان رطبا وافرکیہ ان کان یابساً یعنی اگر وہ تر ہے تو دھو دے اور اگر خشک ہے تو رگڑ دے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک منی اس حدیث کی بناء پر پاک ہے۔ رسول خدا ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا تھا: المنی کالمخاط یعنی منی تھوک کی مانند ہے۔ دوسرے اس بناء پر کہ یہ آدمی کی اصل ہے، جیسے مٹی پاک

۱ درمختار ج ۱ص ۳۱۴ ۲ درمختار ج ۱ص ۳۳۳ ۳ تنویر الابصار ج ۱ص ۳۱۱ ۴ بزازیہ علی حاشیہ الہندیہ ج ۱ص ۳۲

اسی طرح یہ بھی پاک ہے۔ لیکن ہمارے امام صاحبؒ کا دار و مدار حدیث عائشہؓ پر ہے جس کی تائید عقل و نقل سے ہوتی ہے۔ [۱]

جھوٹے پانی کے احکام

اس کے متعلق مختصر طور پر اتنا یاد رکھو کہ آدمی کا جھوٹا پاک ہے۔ خواہ کافر ہو یا مسلمان سب انسانوں کا جھوٹا پاک ہے، چاہے دیندار ہو یا بے دین۔ مرد ہو یا عورت۔ جنب ہو یا حائضہ، البتہ عورت کے لیے اجنبی مرد کا جھوٹا مکروہ تو ضرور ہے بشرطیکہ علم ہو، لیکن اصلاً پاک ہے۔

بہت ممکن ہے یہاں کسی سطحی النظر کو یہ شبہ ہو کہ قرآن پاک میں کفار کو نجس کہا گیا ہے پھر ان کا جھوٹا کیسے پاک ہو سکتا ہے؟ سو جاننا چاہئے کہ قرآن میں کفار کو بیشک نجس بتلایا گیا ہے مگر اس سے مراد روحانی نجاست ہے، یعنی ان کے اعتقاد گندے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے بدن ناپاک ہیں، خواہ ان کے بدن پر نجاست ظاہری لگی ہوئی ہو یا نہ ہو، خلاصہ یہ کہ کفار کا جھوٹا بھی پاک ہے اور ان کا بدن بھی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کو مسجد میں آنے کی اجازت دی، اگر حسی نجاست ہوتی تو آپ ﷺ ان کو مسجد میں شب باش نہ ہونے دیتے [۲]

یاد رہے کہ اس مسئلہ کا منشاء محض اجازت و ضرورت ہے، یعنی اگر کہیں ضرورت لاحق ہو جائے تو اس کے جھوٹے پانی کو استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خواہ مخواہ کافروں کا جھوٹا بلا ضرورت کھانے پینے لگیں۔

گھوڑے کا جھوٹا پاک ہے البتہ گدھے اور خچر کا مشکوک اور گوچہ گرد مرغی اور نجس خور گائے کا مکروہ ہے۔ (عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۴) [۳]

ان جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے: سور، کتا، ہاتھی اور تمام حرام گوشت والے درندے و چرندے، ان سب کا جھوٹا ناپاک ہے۔ [۴]

۱ درمختار ج ۱ص ۳۱۴ ۲-۳-۴ عالمگیری ج ۱ص ۲۴

ان جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے: چوہا، چھپکلی، تمام خانگی جانور، چیل، کوے، باز، بلی اور ان تمام پرندوں کا جھوٹا جن کا گوشت حرام ہے مکروہ ہے۔ [1]

گدھے اور خچر کا جھوٹا پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ پس اگر کہیں گدھے اور خچر کے جھوٹے پانی کے سوا اور پانی نہ ملے تو وضو اور تیمم دونوں کرنے کا حکم ہے۔ یہ اختیار ہے خواہ تیمم پہلے کیا جائے یا وضو۔ [2]

جانوروں کے پسینے اور لُعاب

جس طرح ہر آدمی کا جھوٹا پاک ہے اسی طرح ہر آدمی کا پسینہ بھی پاک ہے۔ خواہ انسان کسی حالت میں بھی کیوں نہ ہو۔ انسان کی کوئی حالت ایسی نہیں کہ اس کا پسینہ ناپاک ہو، پسینہ کتنی ہی بکثرت سے کیوں نہ آئے نہ اس سے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں اور نہ بدن۔ [3]

جانوروں کے پسینے کے متعلق یہ یاد رکھو کہ ان کا پسینہ جھوٹے کے حکم میں ہے یعنی جس جانور کا جھوٹا پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہے اور جس کا جھوٹا ناپاک ہے اس کا پسینہ بھی ناپاک ہے اور جن کا جھوٹا مکروہ ہے ان کا پسینہ بھی مکروہ ہے۔ لعاب دہن کا بھی یہی حکم ہے جو پسینہ کا ہے۔ [4]

مسئلہ: اگر کتے نے کسی برتن میں منہ ڈال دیا تو اس کو تین بار دھو لینا چاہیے وہ برتن پاک ہو جائے گا خواہ وہ مٹی کا ہو یا تانبہ کا یا کانسی کا، برتن خواہ کسی چیز کا ہو، تین بار دھو ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً سات بار دھویا جائے۔ [5]

کنوئیں کے احکام

اصول وقواعد

کنوئیں میں اگر کوئی نجس چیز گر جائے تو اس کو پاک کرنے کی تین صورتیں

---

[1] تنویر الابصار ج ا ص ۲۲۳ [2] درمختار ج ا ص ۲۲۷ [3-4] عالمگیری ج ا ص ۲۳ [5] عالمگیری ج ا ص ۴۳

ہیں یعنی بعض اشیاء تو ایسی ہیں جن کے کنوئیں میں گرنے سے کل پانی نکالا جاتا ہے تب کنواں پاک ہوتا ہے۔ بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کے گرنے سے پانی کی ایک معین مقدار نکالی جاتی ہے اور بعض چیزوں کے گرنے سے کنوئیں کا پانی نکالنا مستحب ہے، کنوئیں کو پاک کرنے کی یہ تین صورتیں ہیں ان کو ہم علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اسی ترتیب کے ساتھ جن کا اوپر بیان ہوا۔

ان صورتوں میں کنوئیں کا کل پانی نکالا جائیگا

(۱) بڑے جثہ والے جاندار کے گر کر مر جانے سے۔ مثلاً آدمی، بکری، گدھا اور خچر وغیرہ اگر ایسے جثہ والے جانور کنوئیں میں گر کر مر جائیں تو کل پانی نکالا جائے گا۔ [1]

(۲) وہ جاندار جن میں خون جاری ہوتا ہے، خواہ چھوٹے ہوں یا درمیانی جیسے چڑیا، چوہا، مرغی اور بطخ وغیرہ۔ ایسے جانور اگر کنوئیں میں گر کر پھٹ جائیں یا پھول جائیں یا باہر ہی سے پھولے ہوں اور پھٹے ہوئے گرے ہوں۔ تینوں صورتوں میں کنوئیں کا کل پانی نکالا جائے گا۔ [2]

(۳) خنزیر نجس العین ہے، اس کا اگر ایک بال بھی گر جائے گا تو کل پانی نکالنا پڑے گا۔ [3]

(۴) مردہ کافر کے گر جانے سے۔ یعنی اگر کنوئیں میں کوئی مردہ کافر گر جائے۔ خواہ قبل غسل کے گرا ہو یا بعد غسل کے۔ دونوں صورتوں میں کل پانی نکالنا واجب ہے۔ [4]

(۵) وہ جانور جن کا جھوٹا ناپاک یا مشکوک ہے۔ اگر کنوئیں میں گر جائیں تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ خواہ وہ زندہ برآمد ہوں یا مردہ۔ دونوں صورتوں میں کل پانی نکالنا واجب ہے۔ [5]

(۶) نجاست حقیقی خواہ غلیظہ ہو یا خفیفہ اگر کنوئیں میں گر جائے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ [6]

---

[1] شرح البدایہ ج ا ص ۴۷ ہ تنویر الابصار ج ا ص ۲۱۶ [2] تنویر الابصار ج ا ص ۲۱۲ [3] بدائع الصنائع ج ا ص ۶۳ [4-5-6] عالمگیری ج ا ص ۱۹

(۷) آدمی یا بھینس وغیرہ کے پیشاب کا اگر ایک قطرہ بھی کنوئیں میں گر جائے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ [۱]

قاعدہ۔ جو جانور دموی ہیں یعنی جن میں جاری خون ہو، وہ اگر کنوئیں میں گر کر پھولے، پھٹے نہ ہوں، مردہ برآمد کر لئے جائیں تو کل پانی نکالنا ضروری نہیں ہے بلکہ پانی کی کچھ مقدار نکالنا کافی ہے۔ [۲]

قاعدہ۔ جن جانوروں میں جاری خون نہیں ہوتا جیسے مچھلی، مچھر اور پسو وغیرہ اگر یہ کنوئیں میں گر کر مر جائیں تو کنواں نجس نہیں ہوتا۔ [۳]

قاعدہ۔ اگر کسی کنوئیں کی سوتیں ایسی ہوں کہ جتنا پانی نکالا جائے اتنا ہی پھر آ جائے اور کل پانی نکالنا ناممکن ہو اور اس کا تمام پانی نکالنے کی ضرورت ہو تو اسے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ دو معتبر اور پرہیزگار مسلمانوں سے کنوئیں کے موجودہ پانی کا اندازہ کرا لیا جائے پھر ان کے اندازہ کے مطابق پانی نکال ڈالو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی رسی سے موجودہ پانی ناپ لیا جائے۔ پھر ایک گھنٹہ پانی نکالنے پر جتنا پانی کم ہو اسی قدر گھنٹوں کے حساب سے پانی نکال ڈالو۔ مثلاً ایک کنوئیں میں دس گز پانی ہے۔ اور متواتر ایک گھنٹہ پانی نکالنے سے دو گز پانی ختم ہوا تو متواتر پانچ گھنٹے پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ خواہ نو بہ نو پانی آتا رہے۔ اور ختم نہ ہو۔ [۴]

جو کنواں ایسا ہو کہ باوجود متواتر پانی کھینچنے کے کچھ کم نہ ہو، تو اس کنوئیں کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں میں جس قدر پانی موجود ہے، اس کے مطابق ایک گڑھا لمبا چوڑا کھودا جائے اور پھر اس کو کنوئیں سے پانی نکال نکال کر بھر دیا جائے۔ [۵]

ایک غلط مسئلہ کی تصحیح :

بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ دو سو ڈول کھینچنے سے کنواں بالکل پاک ہو جاتا ہے، یہ غلط ہے کیوں کہ یہ فتویٰ حضرت امام محمدؒ کا ہے۔ دوسرے یہ مسئلہ صرف

[۱] منیۃ المصلی ص ۵۸ [۲] عالمگیری ج ۱ ص ۱۹ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۲۳ [۴-۵] عالمگیری ج ۱ ص ۱۹ وہدایہ ج ۱ ص ۲۳

بغداد کے کنوؤں کے ساتھ مخصوص تھا، ہر جگہ اور ہر کنوئیں پر یہ مسئلہ جاری نہیں ہو سکتا۔ امام محمدؒ نے دو سو ڈول کا فتویٰ اس بناء پر دیا تھا کہ بغداد کے کنوؤں میں دو سو ڈول سے زیادہ پانی نہ ہوتا تھا۔

ان صورتوں میں پانی کی معین مقدار نکالی جاتی ہے :

(۱) اگر کبوتر، مرغی، بلی یا اتنا ہی بڑا کوئی اور جانور کنوئیں سے مردہ برآمد ہوا اور پھولا پھٹا نہیں تو چالیس ڈول نکالنے واجب اور ساٹھ مستحب ہیں۔ [۱]

(۲) اگر کنوئیں میں سے مرا ہوا چوہا یا کوئی اور جانور نکلا اور پھولا پھٹا نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ کب کا گرا ہوا ہے تو جن لوگوں نے اس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا ہے تو ان کو ایک شبانہ روز کی نمازیں لوٹانی چاہئیں اور اس پانی سے جو برتن اور کپڑے دھوئے گئے ہوں ان کو دوبارہ دھونا چاہئے۔ اور اگر وہ جانور پھول کر پھٹ گیا ہو تو تین شبانہ روز کی نمازیں لوٹانی چاہئیں۔ [۲]

دونوں صورتوں میں نمازیں لوٹانے کا حکم صرف احتیاط پر مبنی ہے ورنہ بعض علماء کا صحیح فتویٰ یہ ہے کہ نمازیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت سے کنوئیں کا ناپاک ہونا معلوم ہو، اسی وقت سے اس کو ناپاک سمجھنا چاہئے۔

(۳) اگر چوہا، چڑیا یا ان کے برابر کوئی اور جانور کنوئیں میں گر کر مر گیا ہو یا مرا ہوا گر گیا ہو اور پھولا پھٹا نہ ہو تو ۲۰ ڈول نکالنے واجب ہیں اور ۳۰ ڈول نکالنے مستحب۔ [۳]

(۴) اگر کبوتر یا چڑیا کی بیٹ کنوئیں میں گر گئی تو کنواں اس سے نجس نہیں ہوتا۔ البتہ مرغی اور بطخ [illegible] بیٹ سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور کل پانی نکالنا واجب ہے۔ [۴]

مسئلہ۔ اگر کنوئیں میں بکری، بلی اور چوہا وغیرہ گر کر زندہ نکل آیا تو کنواں نجس نہیں ہوا پاک ہے۔ [۵]

چوہے کو بلی نے پکڑا اور اس کے دانت لگنے کی وجہ سے چوہا زخمی ہو کر بھاگا

[۱] شرح البدایہ ج ۱ ص ۴۷ [۲] شرح البدایہ ص ۵۷ و منیہ ص ۵۳، عالمگیری ج ۱ ص ۲۰ [۳] شرح البدایہ ج ۱ ص ۴۹ [۴] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۲ [۵] عالمگیری ج ۱ ص ۱۹

اور خون آلودہ حالت میں کنوئیں میں گر پڑا تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر چوہے کے بدن پر کوئی نجاست لگی ہو اور وہ کنوئیں میں گر پڑے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔[1]

مسئلہ۔ اگر تین چوہے یکدم کنوئیں سے برآمد ہوں تو اتنا پانی کھینچنا چاہئے جتنا کہ ایک مردہ بلی کے برآمد ہونے کی حالت میں کھینچا جائے یعنی تین چوہے ایک بلی کے حکم میں ہیں اور اگر چھ چوہے مردہ نکلیں تو کل پانی کھینچا جائے۔[2]

مسئلہ۔ کنوئیں میں اگر اونٹ اور بکری کی مینگنیاں یا گوبر یا لید گر جائے تو اب اگر وہ زیادہ مقدار میں ہیں تو کنواں نجس ہوگا ورنہ پاک۔ خواہ یہ مینگنیاں ٹوٹی ہوئی ہوں یا سالم اور خواہ خشک ہوں یا یا تر سب کا یہی حکم ہے۔ ان نجاستوں میں سے اگر کوئی نجاست پانی کے مٹکے میں گر جائے تو مٹکے کا پانی نجس ہو جائے گا۔[3]

مذکورہ بالا حکم صرف جنگل کے کھلے ہوئے کنوؤں اور ان کنوؤں کے متعلق مخصوص ہے جہاں مویشیوں کی آمدورفت زیادہ رہتی ہے۔ شہر کے کنوئیں ان نجاستوں کے گرنے سے نجس ہو جائیں گے۔

مسئلہ۔ اگر کسی مٹکے یا گھڑے میں کوئی جانور مر گیا ہو اور اس مٹکے یا گھڑے کا پانی کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ تو جیسا جانور ہو اس کے مطابق پانی کی مقدار نکالنی چاہئے۔ مثلاً اگر مردہ کا پانی ڈال دیا گیا تو ۲۰ ڈول نکالنے چاہئیں اور اگر پھولا پھٹا ہوا تھا تو کل پانی نکالنا واجب ہوگا۔[4]

مسئلہ۔ اگر کنواں ایسے گڑھے کے قریب ہو جس میں نجاست بھری ہوئی ہے اور نجاست کا اثر کنوئیں میں معلوم ہو تو کنواں ناپاک ہے اور اگر اثر معلوم نہ ہو تو پاک ہے۔[5]

چند ہدایات

(۱) جن جانوروں کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے تو پانی نکالنے سے قبل ان جانوروں کو نکال لینا چاہئے اس کے بعد جیسا حکم ہو اس کے مطابق پانی نکالنا چاہئے ورنہ پانی کھینچنے کا اعتبار نہ ہوگا۔

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۲۵ [2] نوٹ: ۵ چوہوں تک چالیس ڈول ہیں اور دس پر کل پانی نکالنا ہے بدائع الصنائع ج ۱ ص ۷۶ [3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۹ [4-5] عالمگیری ج ۱ ص ۲۰

(۲) جس کنوئیں کا پانی بالکل توڑ دیا جائے تو اس کے آس پاس کنکر، دیوار اور رسی و ڈول کے پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب چیزیں خود بخود پاک ہو جاتی ہیں۔[1]

(۳) جن چیزوں کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اگر وہ چیزیں کوشش کے باوجود نہ نکل سکیں تو دیکھنا چاہئے وہ چیزیں کیسی ہیں اگر ایسی ہوں کہ خود تو پاک ہوتی ہیں مگر کسی ناپاک چیز کے لگنے سے ناپاک ہو جاتی ہیں مثلاً ناپاک کپڑا، جوتا اور گیند وغیرہ تو صرف پانی نکال ڈالنا چاہئے۔ کیونکہ یہ چیزیں دراصل خود تو پاک ہوتی ہیں لیکن کسی نجاست کے لگ جانے سے ناپاک ہو جاتی ہیں اور اگر وہ چیزیں ایسی ہیں کہ خود ناپاک ہیں جیسے مردہ جانور چوہا وغیرہ تو جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ سڑ گل کر مٹی ہو گئیں ہیں اس وقت تک کنواں پاک نہیں ہو سکتا اگر سڑنے، گلنے اور مٹی میں مل جانے کا یقین ہو جائے تب کل پانی نکال ڈالنا چاہئے۔[2]

(۴) کنوئیں سے جتنا پانی نکالنا ہو، اس کے متعلق اختیار ہے چاہے یک دم سب نکال ڈالو اور چاہے تھوڑا تھوڑا کر کے نکالو۔ دونوں صورتوں میں کنواں پاک ہو جائے گا۔[3]

(۵) کسی جانور کا بچہ اس کے بڑے کے حکم میں ہے۔ یعنی اگر بکری کا بچہ بھی گر پڑے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔[4]

کون سا ڈول معتبر ہے؟

جو ڈول جس کنوئیں پر ہمیشہ پڑا رہتا ہو اور جس سے عام طور پر لوگ پانی بھرتے ہوں اسی ڈول سے پانی نکالنا چاہئے۔ اور کسی ڈول کا اعتبار نہیں۔ اگر کسی کنوئیں پر ڈول نہ رہتا ہو تو اس کے لئے تین سیر پانی کا ڈول معتبر ہے۔ اور اگر

[1-2] عالمگیری ج ۱ ص ۲۰ [3-4] عالمگیری ج ۱ ص ۱۹

بجائے ڈول کے چرخے سے پانی کھینچا جائے تو اس چرخے میں جتنے ڈول پانی
آتا ہو اتنے ہی کا حساب کرلیا جائے۔ مثلاً اگر کسی کنوئیں سے ۶۰ ڈول نکالنے
ہوں اور چرخے میں ۱۰ ڈول آتے ہوں تو چھ ڈول پانی چرخے سے نکالنے سے
کنواں پاک ہو جائے گا۔ ۱

مسئلہ۔ اگر کوئی درندہ قلیل پانی کے پاس سے گزرے اور جنگل میں سوائے
اس پانی کے اور پانی دستیاب بھی نہ ہوتا ہو اور یہ یقین بھی ہو کہ درندے نے اس
میں سے پانی نہیں پیا ہے، تو اس پانی سے وضو درست ہے۔ اور اگر پانی مل سکتا
ہو تو پھر درست نہیں۔ ۲

پانی کے احکام و مسائل

جاننا چاہئے کہ پانی دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) جاری (۲) بند۔ ان دونوں
کی تعریف کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے، جاری پانی کے لئے ایک شرط
شرعی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اتنا گہرا ہو کہ چلو بھر کر اٹھانے کے بعد زمین نہ دکھائی
دے۔

اصول:

پانی کے تین اوصاف ہیں: (۱) رنگ (۲) بو (۳) مزہ۔ اگر جاری پانی میں
کوئی نجس چیز گر جائے اور پانی کی ان تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف بھی نہ
بدلے تو ناپاک نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان تین اوصاف میں سے کوئی وصف جاتا رہا۔
رنگ، بو اور مزہ میں تغیر آ گیا تو پھر جاری پانی بھی ناپاک ہو جائے گا۔

اگر پانی کا کوئی وصف بدل جائے تو وہ پانی اس وقت تک پاک نہیں ہو سکتا
جب تک اس میں دوسرا پاک پانی اتنی مقدار میں شامل نہ ہو جائے جو اس متغیر
وصف کو اپنی اصلی حالت پر لے آئے۔ اگر اس میں دوسرا پانی اتنی مقدار میں
آ گیا کہ یہ اوصاف اپنی حالت پر آ گئے تو پانی پاک ہو گیا۔

۱ تکملہ درمختار ج ا ص ۲۷ ۲ عالمگیری ج ا ص ۲۵

بند پانی:

بند پانی دو قسم کا ہوتا ہے۔ قلیل اور کثیر۔ بند کثیر پانی اس کو کہتے ہیں کہ اس کی
ایک طرف کوئی نجاست پڑی ہوئی ہو اور دوسری طرف اس کا اثر نہ پہنچے۔ یہ کثیر
پانی ہے۔ اس کی مقدار علماء نے چالیس (۴۰) گز مربع یا اڑتالیس (۴۸) بدور
پانی کی ہے اور گہرائی اتنی ہو کہ چلو بھرنے سے زمین نہ کھلے۔ اس بند کثیر پانی کا
حکم وہی ہے جو جاری پانی کا ہے۔ یعنی بند کثیر پانی اس وقت تک نجس نہیں
ہوتا جب تک اس کا بو یا رنگ یا مزہ نہ تبدیل ہو جائے۔ اس کثیر پانی کو حوض کبیر
بھی کہتے ہیں۔

قلیل پانی وہ ہے جو دہ در دہ سے کم ہو۔ اس میں اگر اتنی نجاست گر جائے کہ
اس کے گرنے سے پانی کو حرکت ہو تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ خواہ پانی کے
تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل نہ ہو۔ ۱

قلتین کی بحث:

پانی کے احکام کی ضمن میں قلتین کی بحث ایک بڑی معرکہ کی بحث ہے۔ جس
پر ہمارے علماء کثیر اپنی علمیت، کاوشوں اور جدل آرائیوں کا ثبوت دیتے رہتے
ہیں۔ بڑی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ
بحث اس قابل نہ تھی کہ اس پر اس قدر دماغی کاوشوں اور جدل آرائیوں کا ثبوت
دیا جاتا۔ یہاں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ ہندوستان
(و پاکستان) میں اللہ کے فضل سے ہر کہیں پانی بہ افراط میسر آ جاتا ہے اور قلتین
کی حقیقت پر غور کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر ہمارے علماء ہیں کہ ایسی بیکار اور
لاحاصل باتوں میں الجھنا واقفیت اور وسعت معلومات کی شان سمجھتے ہیں۔

بہرحال قلتین کی نسبت ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل نجساً۔ اس حدیث کے معنوں نے
صورت نزاع پیدا کی ہے اس بارے میں اہل حدیث حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ

۱ درمختار ج ا ص ۱۹۱

جب دو قلے پانی ہو اور اس میں کوئی نجاست پڑ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا رنگ، مزہ اور بو تبدیل نہ ہو۔ اس کے خلاف حضرات فقہا کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ رنگ، بو اور مزہ تبدیل ہو یا نہ ہو نجاست پڑتے ہی وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔

اس بحث پر اگر نظر غور ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے یہاں نفاست و اتقیاء کا زیادہ خیال رکھا ہے اور اہل حدیث نے قلت آب کے سوال کو مدنظر رکھا ہے۔

کس پانی سے وضو کرنا اور نہانا درست ہے؟

بارش یا ندی نالے، چشمہ، کنویں، تالاب اور دریا کے پانی سے وضو اور غسل درست ہے چاہے پانی میٹھا ہو یا کھارا۔ [۱]

مسئلہ۔ اگر پانی میں کوئی چیز ڈال کر پکائی جائے اور پانی کا رنگ، مزہ وغیرہ تبدیل ہو جائے تو اس پانی سے وضو و غسل درست نہیں۔ ہاں اگر پانی میں کوئی ایسی چیز پکائی گئی جس سے میل کچیل خوب صاف ہوتا ہے اور اس کے پکانے سے پانی گاڑھا بھی نہ ہوا ہو تو اس سے وضو درست ہے۔ جیسے مردہ کو نہلانے کے لیے پانی میں بیری کی پتیاں ڈال کر پکائی جاتی ہیں یا بیمار کو نہانے کے لئے بعض ادویات کو ڈال کر پانی کو گرم کر لیتے ہیں۔ البتہ اگر پانی گاڑھا ہو جائے تو پھر اس پانی سے وضو غسل درست نہیں۔ [۲]

مسئلہ۔ جس پانی میں کوئی اور چیز مل گئی یا پانی میں کوئی چیز پکائی گئی اور اب اس کو پانی نہیں کہا جاتا بلکہ اس کا کچھ اور ہی نام ہو گیا تو اس سے وضو و غسل درست نہیں۔ جیسے شربت، شیرہ، شوربا، سرکہ، گلاب اور عرق وغیرہ۔ [۳]

اس پانی میں کوئی اور چیز مل گئی اور پانی کے اوصاف تبدیل ہو گئے۔ لیکن وہ چیز پانی میں پکائی نہیں گئی، نہ اس کے ملنے سے پانی کے پتلے ہونے میں کچھ فرق آیا یا پانی میں زعفران پڑ گیا اور اس کا بہت خفیف سا رنگ آ گیا یا صابون وغیرہ کوئی

[۱] شرح التنویر [۲] فتاوی قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری ج ۱ ص ۳۶، عالمگیری ج ۱ ص ۱۷ [۳] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۸۹

اور چیز پڑ گئی تو اس سب صورتوں میں اس پانی سے وضو و غسل درست ہے۔ [۱] کپڑا رنگنے کے لئے پانی میں زعفران گھولی یا کوئی رنگ ڈالا تو اس سے وضو درست نہیں۔ [۲]

مسئلہ۔ اگر پانی میں دودھ مل گیا اور دودھ کا رنگ غالب آ گیا تو اس سے وضو درست نہیں۔ اور اگر دودھ کا رنگ پانی میں نہ آیا تو درست ہے۔ [۳] جنگل میں اگر تھوڑا سا پانی مل گیا یہ معلوم نہیں کہ وہ پاک ہے یا ناپاک، تو جب تک اس کے ناپاک ہونے کا یقینی علم نہ ہو جائے اس وقت تک اسے پاک سمجھا جائے اس سے وضو درست ہے۔ اس وہم میں نہ پڑے کہ یہ پانی نجس ہے۔ [۴]

مسئلہ۔ کسی کنوئیں میں اگر درخت کے پتے گر پڑے اور پانی بدبودار ہے۔ اور رنگ مزہ بھی بدل گیا تب بھی اس کے پانی سے وضو درست ہے جب تک کہ پانی پتلا ہے۔ [۵]

جو حوض ۲۰ گز لمبا اور پانچ گز چوڑا یا پچیس گز لمبا اور چار ہاتھ چوڑا ہو تو وہ دہ در دہ کے حکم میں ہے۔ [۶]

مسئلہ۔ اگر چھت پر نجاست پڑی ہے، مینھ برسا اور پانی نالہ سے جاری ہوا اب اگر وہ چھت آدھی ناپاک ہے تب وہ نجس ہے اگر آدھی سے کم ناپاک ہے تو پانی پاک ہے۔ اور اگر نجاست پرنالہ کے پاس ہی ہو اور وہ پانی اس سے مل کر آ رہا ہو تو بہر حال نجس ہے۔ [۷]

مسئلہ۔ اگر کسی تالاب یا جوہڑ میں ناپاک پانی بھرا ہوا تھا اور وہ خشک ہو گیا اور پھر دوبارہ بارش کے پانی سے بھر گیا تو یہ پانی پاک ہے۔ کیونکہ پہلے پانی کی ناپاکی کو آفتاب کی حرارت نے پاک کر دیا تھا اور جوہڑ پاک ہو گیا تھا۔ [۸]

اگر کسی پانی میں بدبو آ رہی ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ یہ بدبو کس نجاست کی ہے، تو اس پانی سے وضو، غسل درست ہے۔ کیونکہ پانی ایک جگہ ٹھہرے رہنے کی وجہ

[۱] در مختار ج ۱ ص ۱۸۲ [۲] فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۱۳، عالمگیری ج ۱ ص ۲۱ [۳] فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۱۳ [۴] عالمگیری ج ۱ ص ۲۱، منیۃ المصلی ص ۳۳ [۵] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۹۲، عالمگیری ج ۱ ص ۲۱ [۶]–[۷] عالمگیری ج ۱ ص ۱۷–۱۸ [۸] عالمگیری ج ۱ ص ۱۹

سے بھی بد بودار ہو جاتا ہے۔

مسئلہ۔ اگر کسی چھوٹے یا بڑے حوض میں اس قدر کائی جمی ہو کہ ہلانے سے اس میں حرکت پیدا نہ ہوتی ہو اور پانی بالکل نظر نہ آئے تو اس سے وضو و غسل کرنا درست نہیں اور اگر کائی ہلانے سے ہل جاتی ہو اور نیچے کا پانی نمودار ہو جاتا ہو تو اس سے وضو و غسل درست ہے۔[۱]

مسئلہ۔ اگر چھت پر نجاست پڑی ہو اور بارش ہو جائے اور چھت ٹپکنے لگے تو بارش کے بند ہو جانے کے بعد بھی اگر پانی ٹپک رہا ہے تو یہ پانی پاک ہے۔ اگر بارش کے دوران میں ٹپک رہا ہے تو اس کا حکم آب جاری جیسا ہے یعنی بالکل پاک ہے بشرطیکہ پانی کے تینوں اوصاف میں سے کسی میں تغیر نہ آیا ہو اور اگر ان میں سے کسی وصف میں تبدیلی ہو گئی ہو تو پانی بہر حال ناپاک ہے۔[۲]

ضروری ہدایات

(۱) دھوپ میں رکھے پانی سے وضو و غسل نہ کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ دھوپ کے رکھے ہوئے پانی سے برص کے سفید داغ پڑ جانے کا اندیشہ ہے۔[۳]

(۲) جس پانی میں ایسی جاندار چیز مر جائے جس میں بہتا ہوا خون نہ ہوتا ہو یا باہر مر کر پانی میں گر پڑے تو اس سے پانی نجس نہیں ہوتا جیسے مچھر، بھڑ، مکھی اور بچھو وغیرہ۔[۴]

(۳) جس جانور کی پیدائش و رہائش پانی ہی میں ہو اس کے مر جانے سے پانی خراب نہیں ہوتا جیسے مچھلی، کیکڑا، آبی مینڈک، خشکی کے مینڈک وغیرہ۔ اگر خشکی کے مینڈک میں خون ہو تو پھر پانی نجس ہو جائے گا۔[۵]

(۴) جن جانوروں کی پیدائش پانی کی نہ ہو وہ اگر پانی میں مر جائیں یا مر کر پانی میں گر جائیں تو پانی نجس ہو جاتا ہے۔ جیسے مرغابی، قاز اور بطخ وغیرہ۔[۶]

۱-۳ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸، ۱۷ ۲ شرح البدایہ ج ۱ ص ۳۲ ۴ شامی ج ۱ ص ۱۸۶ ۵ شرح التنویر بحذف ج ۱ ص ۱۸۹، عالمگیری ج ۱ ص ۲۳ ۶ شرح التنویر ج ۱ ص ۱۹۱

(۵) مینڈک، کچھوا اور کیکڑا وغیرہ اگر پانی میں گل کر مر بھی جائیں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں تب بھی پانی پاک رہے گا لیکن اس پانی کا کھانا پینا درست نہیں ہے۔ صرف وضو و غسل کیا جا سکتا ہے۔[۱]

(۶) اگر جاری پانی آہستہ آہستہ بہ رہا ہو تو جلدی جلدی وضو نہ کرنا چاہئے تاکہ جو دھوون پانی میں گرتا ہے وہی ہاتھ میں نہ آ جائے۔[۲]

(۷) جب آدمی اگر ڈول وغیرہ ڈھونڈنے اور نکالنے کے لئے کنویں میں اترے اور اس کے بدن اور کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ یہی حکم غیر مسلم کا بھی ہے۔ البتہ اگر بدن یا کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہو تو پانی نجس ہو جائے گا اور سب پانی نکالنا پڑے گا۔ اگر کنوئیں میں اترنے والے کی نسبت یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے کپڑے پاک تھے یا ناپاک تب بھی کنواں پاک ہی سمجھا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں بیس تیس ڈول نکال دینے مستحب ہیں۔[۳]

(۸) اگر کنوئیں میں بکری، یا چوہا یا بلی وغیرہ گر کر زندہ نکل آیا تو کنواں پاک ہے۔

(۹) مندرجہ ذیل صورتوں میں کنوئیں کا پانی نکالنا صرف مستحب ہے واجب نہیں۔ زندہ چوہا پانی میں گر جائے تو تیس ڈول نکالنے مستحب ہیں۔ بلی یا بچہ یا مرغی گر کر زندہ نکل آئے تو ۴۰ ڈول نکالنے مستحب ہیں۔ جنبی اور بے وضو شخص کے کنوئیں کے گرنے یا اترنے سے ۴۰ ڈول نکالنے مستحب ہیں۔[۴]

(۱۰) مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔

(۱۱) نہاتے یا وضو کرتے وقت اگر مستعمل پانی کی چھینٹیں پاک پانی میں کسی قدر پڑ جائیں، تو اس سے وضو و غسل درست ہے۔[۵]

کنوئیں کا پانی نکالنے کی حکمت

شارع علیہ السلام نے جو مختلف صورتوں میں پانی نکالنے کے مختلف احکام

---

۱ شرح التنویر ج ۱ ص ۲۰ ۲ منیۃ المصلی ص ۳۲ ۳ شرح البدایہ ج ۱ ص ۴۱ ۴ عالمگیری ج ۱ ص ۲۵ ۵ عالمگیری ج ۱ ص ۲۵

دیئے ہیں ان میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ اگر جانوروں اور نجاست میں کوئی زہریلا اثر ہو تو وہ پانی نکالنے سے کم ہو جائے اور اس کے نجاست آلود و کراہت بخش اجزاء نکل جائیں بہرحال مقصود یہ ہے کہ پانی کو ہر قسم کے زہریلے اثروں اور نجس اجزاء سے پاک کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیاء کی نجاست و جسامت اور مضرات اثرات کی مناسبت سے احکام میں اختلاف ہے۔

استنجا کے احکام و کیفیت

اسلام کی خصوصیت :

اسلام نے پاکیزگی وطہارت کا ایک ایسا کامل ومکمل نظام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کہ اگر کوئی انسان اس پر عمل کرے تو اس کے دل، دماغ، روح، بدن اور کپڑوں پر کسی قسم کی روحانی وجسمانی نجاست کا اثر باقی نہیں رہتا اور وہ انسان پاکی کے اعتبار سے فرشتہ صفت بن جاتا ہے۔ اسلام کی اس خصوصیت کی خاک پا کو بھی دنیا کا کوئی مذہب نہیں پہنچ سکتا۔

اسلام کی وہ خصوصیت جو اس کو مذاہب عالم میں ممتاز ونمایاں کرتی ہے اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور تقرب الی اللہ کا پتہ لگتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ انسان کی طبعی حاجات کو بھی ایک نظام کے ماتحت لے آتا ہے اور تمام امور میں روحانیت کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی امر میں ایک صحت بخش، پاکیزگی پرور، نفع رساں اور روحانیت خیز قانون عطا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ اس نے پیشاب پاخانہ کے بھی آداب واحکام دیئے ہیں اور ان کے اندر بھی ایک روحانی رنگ اور اخلاقی اثر پیدا کر دیا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اس امر میں اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا اب ذرا ان احکام وآداب کو ملاحظہ فرمائیے۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کا طریقہ :

بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے اس انگشتری اور تعویذ وغیرہ کو اپنے بدن سے دور کر دینا چاہئے جس میں آیات واحادیث اور اسماء لکھے ہوں۔ [۱] تا کہ ان کی بے ادبی نہ ہو۔ پھر داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے:

اللھم انی اعوذبک من الخبث و الخبائث. [۲]

ترجمہ:۔ اے اللہ! میں تجھ سے بلندیوں اور ناپاکیوں کی پناہ چاہتا ہوں۔

گویا اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ خداوند! جس طرح تو نے میرے اندر یہ طبعی تقاضا پیدا کر دیا ہے کہ میں اپنے اندر کی ناپاکیوں اور غلاظتوں کو اس طرح باہر نکال دوں۔ ایسی زوردار فطرت اور نیکی بدی کا احساس میرے اندر پیدا کردے کہ میں روحانی واخلاقی نجاستوں کو اپنے اندر سے نکال پھینکوں، اخلاق فاضلہ کو حاصل کرلوں۔ میرا باطن ہر طرح پاک وصاف ہو جائے اور میری روحانیت کو نقصان دینے والی چیزیں مجھ سے دور ہو جائیں۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ادب یہ ہے کہ اول بایاں پاؤں داخل کریں اور نکلتے وقت پہلے دائیں پاؤں کو باہر نکالیں۔ کھڑے ہوتے ہی پاجامہ نہ اٹھادے کہ اس کے اندر بے پردگی کا احتمال ہے بلکہ جب بیٹھنے کے قریب ہوں تب اٹھائیں۔ جب فارغ ہو چکے تو باہر آ کر یہ دعا پڑھے:۔

الحمدللہ الذی اذھب عنی الا ذی وعافانی. [۳]

ترجمہ۔ تمام حمد وستائش کا مستحق وہی اللہ ہے جس نے مجھ سے تکلیف اور دکھ کو دور رکھا اور مجھ کو صحت عطا فرمائی۔

دیکھو یہ دعا کیسی برمحل اور موزوں ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ روحانیت خیز اور واقعہ پر مبنی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر باقاعدہ رفع حاجت نہ ہو اور قبض ہو جائے تو اس سے بیسیوں امراض پیدا ہو کر بعض اوقات ہلاکت تک نوبت پہنچ

---

[۱] منیۃ المصلی ص ۱۷ [۲] بحرالرائق ص ۲۳۳ ج ۱، بخاری شریف ج ۱ ص ۲۶ [۳] بحرالرائق ص ۲۳۳ ج ۱، ابن ماجہ ص ۲۶

جاتی ہے۔ اس لئے دنیا کے محسن اعظم ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی کہ جب انسان قضائے حاجت سے فارغ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ رفع حاجت کے فائدہ کو دیکھتے ہوئے خدائے قدوس کی حمد وثناء بیان کرے جس کے فضل وکرم اور انتظام ربوبیت سے اس نے نجاست اور ایک دکھ سے بھی نجات پائی۔ اس دعا کے ذریعہ شارع علیہ السلام مسلمانوں کو اس روحانیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ کہ اسی طرح انسانوں کو روحانی امراض اور اذیتوں سے نجات حاصل کرنے کی تمنا وکوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ جسمانی قبض تو صرف ہلاکت تک بعض اوقات پہنچاتا ہے اور روحانی قبض انسان کو دائمی طور پر جہنم کا کندہ بناتا ہے۔

ایک لطیفہ :

پاخانہ میں داخل ہوتے وقت دعا میں ''اعوذ'' کا لفظ آیا ہے اور ''خبث'' کا۔ یہ دونوں لفظ ظاہری خباثتوں اور آلودگیوں سے پناہ کو ظاہر کرتے ہیں اور فارغ ہونے کی دعا میں ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ صرف ''غفرانک'' کہے یہ لفظ ان ناجائز خواہشوں، ناپاک ارادوں اور بے جا جوشوں کے استیصال اور ٹھنڈا کردینے پر دلالت کرتا ہے جو روحانی امراض یا نجاستوں اور دکھوں سے وابستہ ہوں۔ اللہ اللہ! شارع علیہ السلام کی کیسی قوت قدسی اور پاک وبلند نظر تھی کہ چونکہ پاخانہ پھرنے کے بعد انسان نے جسمانی دکھ سے نجات پائی تھی اس لئے روحانی نجاستوں کے دور کرنے کی دعا بھی ساتھ ہی تعلیم فرمادی۔

رفع حاجت اور پیشاب کرنے کے آداب

پیشاب پاخانہ کے لئے قبلہ رو نہیں بیٹھنا چاہئے۔ [1] کیونکہ اس سے شعائر اللہ کی بے حرمتی ہوتی ہے اور ان کی عظمت وتکریم کرنا مسلمان کا قومی فرض ہے، پردہ دار جگہ ہونی چاہئے بے پردگی سے بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔ استنجا

[1] در مختار ص ۳۵۵ ج ۱

کرتے وقت یا پیشاب کرتے وقت پیشاب گاہ کو داہنے ہاتھ سے پکڑنا منع ہے۔ [1] ایسے کام بائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں رفع حاجت میں نجاست دور کرنے کے لئے کم از کم تین ڈھیلے استعمال کرنے چاہئیں۔ زیادہ کی حد نہیں کیونکہ اصل غرض ازالہ نجاست ہے۔ وہ جتنوں سے بھی ہو۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروھا ولکن شرقوا وغربوا۔ [2]

ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ لوگو! جب تم قضائے حاجت کے لئے آؤ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف پشت کرو۔ البتہ مشرق کی طرف منہ کرلو یا پچھم کی طرف کرلو۔

ان چیزوں سے استنجا کرنا منع ہے: پختہ اینٹ، ٹھیکری، ہڈی، کوئلہ، کاغذ، جانوروں کا چارہ اور گوبر وغیرہ۔ [3] کیونکہ ظاہر ہے گوبر سے ازالہ نجاست نہیں ہوسکتا، ہڈی اور کوئلہ سے خراش پیدا ہو کر کسی زخم کا اندیشہ ہے۔

بہتر یہ ہے کہ صرف مٹی سے استنجا کیا جائے کیونکہ مٹی میں قوت جاذبہ ہوتی ہے جو نجاست کو دور کردیتی ہے اور استنجا کا یہی مقصود ہے۔

پیشاب بیٹھ کر کرنا چاہئے اور ایسی جگہ جہاں چھینٹیں پڑنے کا احتمال نہ ہو، پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنا بہتر واولی ہے۔ [4] کیونکہ اس میں زیادہ پاکیزگی ہے اس کے بعد پانی سے دھولینا چاہئے۔

ایک عام بے حیائی :

ہمارے ملک میں اور ان لوگوں میں جو اپنے آپ کو زیادہ دیندار سمجھتے ہیں، یہ عام بے حیائی اور ناشائستہ حرکت پھیل رہی ہے کہ لوگ پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرتے ہوئے، عورتوں، بچوں اور مردوں کے سامنے دیر تک

[1] در مختار فصل فی الاستنجا ص ۳۴۴ ج ۱ [2] صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۴ [3] تنویر الابصار ج ۱ ص ۲۴ [4] شامی ج ۱ ص ۳۳۷

کھڑے رہتے ہیں اور ٹہلتے رہتے ہیں، وہ اپنی اس بے حیائی اور ناشائستہ وغیر مہذب حرکت پر ذرا بھی نادم نہیں ہوتے۔ اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ وہ عجیب عجیب قینچی جیسی بیہودہ حرکتیں کرتے ہیں اور وہ اس کو اپنی نفاست و دینداری سمجھتے ہیں۔ یہ طریقہ اور حرکت نہایت ہی حیا سوز اور بیہودہ ہے بلکہ ان لوگوں کے ماتھے پر ایک کلنک کا ٹیکہ اس لئے ایسی بے ہودہ حرکت کو قطعاً چھوڑ دینا چاہئے۔ جہاں بیٹھ کر پیشاب کیا ہے اسی جگہ مٹی کے ڈھیلے سے قطرات کو خشک کرلو۔ اگر کہیں علیحدگی میسر ہی نہ آئے اور پیشاب کا تقاضا سخت ہو تب بھی بیہودہ حرکتیں تو نہ کرنی چاہئیں۔

ذرا اسلام کی پاکیزگی اور وسیع نظری تو دیکھئے کہ اس نے عام گزرگاہوں میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو ایسی بے حیائی اور بیہودہ حرکت سے روکا جائے۔ مگر افسوس کہ لوگ احکام شرع کی محض رسما پابندی کرتے ہیں اور دوسروں پر اپنی دینداری کا سکہ جمانے کے لئے مقصود و حقیقت کو نہ وہ جانتے ہیں اور نہ اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان مقامات پر رفع حاجت اور پیشاب کرنا منع ہے:

مسجد و عیدگاہ کے آس پاس، قبرستان میں، چوپایوں کے درمیان میں، جاری اور بند پانی کے اندر، حوض، تالاب اور کنوئیں کے کنارہ پر، راستہ میں، سوراخوں اور بلوں میں، غسل اور وضو کرنے کی جگہ پر، پھلے پھولے درختوں کے نیچے، اس سایہ دار درخت کے نیچے جس کے سایہ میں لوگ آکر بیٹھتے ہوں۔ ان سب مقامات میں پیشاب اور پاخانہ کرنا منع ہے۔[1]

تنبیہ:

دو مرد یا دو عورتیں ایک ہی جگہ پیشاب پاخانہ کے لئے نہ بیٹھیں، نہ کوئی کسی کا ستر دیکھے اور نہ باہم باتیں کریں، یہ بے حیائی ہے، علاوہ ازیں وہ امور جو پیشاب اور پاخانہ کے وقت مکروہ ہیں یہ ہیں: ننگے سر پیشاب یا پاخانہ کرنا، کسی

[1] نور الایضاح ص ۳۰

کے سلام کا جواب دینا، باتیں کرنا، چھینک یا اذان کا جواب دینا، پاخانہ میں بہت دیر تک بیٹھے رہنا، بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، شرم گاہ کو بلا ضرورت دیکھنا، تھوکنا، سنکنا، ادھر ادھر خواہ مخواہ بار بار دیکھنا، آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھنا، نیچے کی جگہ سے اوپر کی طرف پیشاب کرنا۔ یہ سب امور سخت مکروہ اور منع ہیں۔[1]

جن امور سے شریعت نے منع کیا ہے ان میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، جن کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ مختصر طور پر اتنا سمجھ لیجئے کہ طہارت و پاکیزگی کے سلسلے میں جو جو احکام و آداب اسلام نے دیئے ہیں اور جن امور سے منع کیا ہے ان میں ہماری ہی دینی و دنیوی اور جسمانی و روحانی فلاح و بہبود مضمر ہے۔ ان تمام باتوں میں شریعت نے تین چیزوں کو مدنظر رکھا ہے۔ (۱) ازالہ نجاست۔ (۲) جسمانی نجاست سے روحانی طہارت کی تعلیم اور (۳) صحت جسمانی۔ کاش ہم ان تمام احکام پر عمل پیرا ہوں۔

باب الوضو

وضو کا بیان

اسلام نے دنیا میں آتے ہی اعلان کیا تھا: **بنی الاسلام علی النظافة** یعنی اسلام کی بنیادیں طہارت و پاکیزگی کی اساس پر ہی اٹھائی گئی ہیں۔ اس بنا پر اسلام نے پاکی و پاکیزگی کے لئے جو شعائر مقرر کئے اس میں وضو و غسل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں ہم صرف وضو کے مسائل و احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور دوسرے شعائر کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔

وضو کا فلسفہ:

وضو کے متعلق یہاں صرف شروع ہی میں اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ وضو کا مقصد صرف اتنا نہیں کہ آپ مخصوص اعضاء کو دھولیں۔ بلکہ یہ بھی اس کا

[1] منیۃ المصلی ص ۱۷

مقصد ظاہر ہی ہے۔ لیکن وہ اس مقصد میں ایک خاص روحانی رنگ اور اخلاقی روح پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وضو سے اسلام تعلیم دیتا ہے کہ وضو میں چار اعضاء کا دھونا فرض ہے۔ ہاتھ، چہرہ، پیر اور سر، یہ وہ اعضاء ہیں جو کثرت و عجلت سے معصیت و سیاہ کاری کا آلہ بن جاتے ہیں۔ اور اوامر الٰہیہ کی خلاف ورزی میں سرعت سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے جس طرح ان کو بار بار ہر نماز سے پیشتر دھوکر ظاہری نجاست و آلودگی سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کو نجاست باطنی میں یعنی گناہ سے بھی پاک کرو۔ یعنی ان کو گناہوں سے روک کر احکام الٰہیہ کی اطاعت میں لگادو۔

چہرہ جسم انسانی میں باطنی اور دلی حالت کا آئینہ ہوتا ہے۔ اور تمام حواس کا قریب قریب یہی مرکز ہے۔ اس لیے اس کا دھونا ضروری رکھا گیا۔ چہرہ میں آنکھ، ناک، کان اور منہ ایسے اعضاء ہیں جن سے کثرت کے ساتھ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ باطن کو غلیظ و نجس اور دل کو زنگ آلود کرتے ہیں۔ آنکھ نامحرموں پر پڑگئی اور زنا کی جاسوسی کرتی ہے۔ جبھی تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے نگاہیں زہر میں بجھے ہوئے تیر ہیں۔ کانوں میں نامحرموں کے خلخال کی آواز، دوسروں کی برائی، بدگوئی اور سب و شتم کی صدائیں پڑتی ہیں، گانے بجانے کی ناجائز آوازیں پڑتی ہیں، ناک سے ناجائز خوشبوئیں سونگھی جاتی ہیں اور منہ سے ناجائز مال کھائے جاتے ہیں زبان کے گناہ تو الاماں بہت ہی زیادہ خطرناک اور فتنہ انگیز ہوتے ہیں۔ اس زبان کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ یہ تلوار بن کر عیب چینی، بدگوئی، سب و شتم اور طعن و تشنیع کے ذریعہ اخوت اسلامی کے رشتہ کو پارہ پارہ کرتی ہے اور ہزاروں فتن و شرف کا باعث بنتی ہے، دماغ میں برے خیالات پیدا ہوتے ہیں، جو گویا ناپاک ارادوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس کے خیالات سے دوسرے قریبی اعضاء بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور پھر پیر حرکت کر کے بری جگہوں پر جاتے ہیں۔ مثلاً جھوٹی گواہی دلواتے ہیں وغیرہ۔ ان وجوہات کی بناء پر انہی اعضاء کا وضو میں دھونا فرض قرار دیا گیا۔ اگر ایک مسلمان ان اعضاء کی روحانی و جسمانی طہارت و پاکیزگی حاصل کرلے جو وضو کا مقصد ہے، تو وہ جسم انسانی میں

فرشتہ بن جائے، اور اس کی زندگی میں بھی پاکیزگی حیات کا نور چمک اٹھے۔

علاوہ ان اعضاء کے جن کو دھونا فرض ہے اور اعضاء بھی دھوئے جاتے ہیں جن میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں، جن کا بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ لہٰذا ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے، اتنی بات یاد رکھئے کہ جسم انسانی کے اندر جو اعضاء احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی میں جلد متحرک ہوتے ہیں وہ وہی اعضاء ہیں جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں۔ ان کے دھونے سے ان کی طہارت باطنی کے اہتمام پر تنبیہ ہونا مقصود ہے، تا کہ کثیر الوقوع معاصی سے توبہ ہوجائے۔

وضو میں پہلے ہاتھ اس لئے دھوئے جاتے ہیں کہ پھر چہرہ پر صاف ہاتھ جائیں، چہرہ انسانی بدن میں یا مملکت جسم میں بادشاہ کی مانند ہے، بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے طہارت و پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ اس طرح گویا ہاتھوں کو پہلے اس لئے دھویا جاتا ہے کہ وہ چہرہ سے مس ہونے کے قابل ہوجائیں۔ الغرض اسلام کا کوئی حکم بھی حکمت و اسرار سے خالی نہیں۔ ایمان والوں کے لئے صرف اتنے اسرار زدیاد ایمان وایقان کے لئے کافی ہیں۔

وضو کی تاریخ مشروعیت :

وضو باقاعدہ اسلام کے ساتھ خاص ہے، دنیا کی کسی مذہب نے بھی اپنی عبادت سے پہلے اس قسم کا پر حکمت و اسرار طریقہ طہارت نہیں سکھایا۔ وضو کی تاریخ کے متعلق اتنا جان لیجئے کہ یہ اس وقت سے فرض ہوا جس وقت سے اسلام کی عبادات فرض ہوئی۔ پہلی وحی کے نزول کے ساتھ ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو وضو سکھایا تھا۔ اگر چہ اس وقت وضو کی یہ موجودہ صورت نہ تھی، تاہم طریقہ طہارت پہلی وحی کے اندر حضور ﷺ کو سکھا دیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری ہوا:۔ وربک فکبر وثیابک فطھر [1] یعنی اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ اس حکم میں بطور دلالۃ النص اور عبارۃ النص بدن اور کپڑوں کی جگہ کی طہارت بھی داخل ہے جیسا کہ گزشتہ ابواب میں

---

[1] سورہ مدثر ۳،۴

کہیں بیان ہوا۔ الغرض وضو پر عمل تو اسی روز سے شروع ہو گیا تھا جس روز سے عبادت فرض ہوئی تھی۔ مگر ابتداء میں وضو کی یہ موجودہ صورت نہ تھی۔ لوگ جلد جلد الٹا سیدھا وضو کر لیا کرتے تھے یعنی اپنے بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی معمولی طریقہ سے حاصل کر لیتے تھے۔ بالآخر ۵ ہجری میں حکم نازل ہوا:

یایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برءُ سکم وارجلکم الی الکعبین۔ [1]

ترجمہ: جب نماز کے لئے کھڑے ہو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر پر مسح کرو اور ٹخنوں تک پیر دھو لو۔

اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد وضو کی موجودہ صورت متعین ہو گئی اور ابتداء میں صورت یہ تھی کہ وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا لازم تھا۔ مذکورہ بالا حکم کے نزول کے بعد ہر وقت تازہ وضو کرنا لازمی امر نہیں رہا مسلمانوں سے اس حکم کی پابندی اٹھالی گئی۔

وضو کے فرائض:

حنفیہ کے نزدیک وضو میں چار باتیں فرض ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کے مطابق وہ یہ ہیں۔ (۱) چہرہ کا دھونا طول میں بالوں کے اگنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض میں ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک (۲) دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پانی بہانا (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔ [2]

وضو کی سنتیں:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وضو میں ۱۴ باتیں سنت ہیں۔ [3] جن سے وضو کے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے۔ جن کو علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ پیش

---

[1] المائدۃ: ۶ [2] مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۰ [3] تیرہ باتیں سنت ہیں، عالمگیری ج ۱ ص ۴ ۱۸ باتیں سنت ہیں، مراقی الفلاح ص ۴۰، ۱۷ باتیں سنت ہیں، ہدایہ ج ۱ ص ۱۹

کیا جاتا ہے۔

(۱) پہونچوں تک دونوں ہاتھوں کا دھونا۔

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں:

اذا استیقظ [illegible] کم من منامه فلا یغمسن یده فی الاناء حتی یغ[illegible]ها ثلثا فانه لایدری این باتت یده۔ [1]

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی جب خواب سے بیدار ہو تو اس کو ہرگز ہرگز برتن میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہئے جب تک وہ تین مرتبہ نہ دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ سوتے میں کہاں رہے ہیں۔

اس حدیث کی بناء پر وضو سے پہلے تین مرتبہ ہاتھوں کو دھونا سنت ہوا۔

(۲) زبان سے بسم الله العظیم والحمدلله علیٰ دین الاسلام یا بسم الله الرحمن الرحیم کا پڑھنا۔ [2]

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

لا وضوءِ لمن لم یسمّ۔ یعنی جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں۔ [3]

اس کے معنی یہ نہیں کہ جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے اس کا حقیقت میں وضو ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ لا واسطے نفی جنس کے ہیں جس سے مراد نفی فضیلت ہے۔ یعنی جو بسم اللہ نہ پڑھے وہ وضو کی فضیلت حاصل نہیں کر سکتا۔

(۳) مسواک کرنا۔ کیونکہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ عمل کیا ہے۔ مسواک کرنا حضور ﷺ کو اتنا مرغوب تھا کہ آپ نے مرض الموت میں بھی مسواک کی۔ یہ ایسی سنت موکدہ ہے کہ چھیوں ائمہ حدیث نے اپنی اپنی کتاب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو بیان کیا ہے۔

قال قال رسول الله ﷺ لولا ان اشق علیٰ امتی لامرتهم بالسواک مع کل صلوٰۃ۔ [4]

---

[1] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۰، کبیری ص ۲۰ و مراقی الفلاح ص ۱۸، ۱۹ [2] عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ ج ۱ ص ۶۰ [3] ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰، ترمذی، دارقطنی، ابن ماجہ [4] باب السواک یوم الجمعۃ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۲

ترجمہ: فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر میں اپنی امت پر اس امر کو بھاری اور شاق نہ سمجھتا تو ان کو حکم دیتا کہ وہ ہر نماز کے ساتھ مسواک کیا کریں۔

(۴) ناک میں پانی ڈالنا۔

(۵) ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔

(۶) کلی کرنا۔

(۷) وضو کی نیت کرنا۔

(۸) وضو کی ترتیب ملحوظ رکھیں۔ یعنی اوّل ہاتھ دھونا، پھر کلی کرنا، پھر ناک میں پانی ڈالنا اور پھر منہ دھونا وغیرہ۔

(۹) پے در پے دھونا۔ یعنی پہلے عضو کے خشک ہونے سے قبل دوسرے عضو کو دھونا یہ نہ ہو کہ مثلاً منہ دھو کر باتیں کرنے لگے یا اور کوئی کام کرنے لگے۔ اتنی دیر میں منہ خشک ہو گیا اور پھر دوبارہ یہیں سے وضو شروع کیا۔

(۱۰) ڈاڑھی میں خلال کرنا۔[1] جس کی صورت یہ ہے کہ آگے کو ہتھیلی رہے۔ اور پشت دست اندر کی طرف رہے۔

(۱۱) پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔ جس کی ترکیب یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے دائیں پاؤں کی چھنگلی میں خلال کرے، پھر اس کی برابر والی انگلی میں کرے اور بالآخر بائیں پاؤں کی چھنگلی پر لا کر ختم کر دے۔ خلال کے وقت بائیں ہاتھ کی چھنگلی کو پاؤں کی انگلیوں کی جڑوں کے نیچے سے اوپر کو کھینچے۔

(۱۲) سارے سر کا مسح کرنا۔

(۱۳) کانوں کا مسح کرنا۔[2]

(۱۴) ہر عضو کو تین تین بار دھونا۔[3]

وضو میں یہ چودہ باتیں سنت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کر کے ان اعضاء کو دھو کر فرمایا کہ یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔ یعنی ان اعضاء کا دھونا ضروری و لازمی ہے۔ دو دو مرتبہ ان اعضاء کو دھو کر فرمایا یہ وضو ہے اور جو دگنا اجر چاہے۔ تو تین تین

[1] درمختار ص۲۲ ج۱ [2] مراقی الفلاح ص۳۵ [3] ہدایہ ج۱ ص۵

مرتبہ دھوئے پھر فرمایا یہ میرا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے۔ جو اس پر زیادتی یا کمی کرتا ہے وہ حد کو توڑتا ہے اور ظلم کرتا ہے۔

سر اور کانوں کے مسح کا مسنون طریقہ :

سر اور کانوں کے مسح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں اور انگلیوں کو نئے پانی سے تر کر کے اوّل مقدم سر سے گدی تک اس طرح کھینچے کہ دونوں ہاتھوں کی چھ انگلیاں ایک دوسرے کے سرے سے ملی ہوئی رہیں اور ہتھیلیاں متصل نہ رہیں۔ پھر لوٹاتے وقت ہتھیلیاں وسط سر سے متصل رہنی چاہئیں۔ اس کے بعد کلمہ کی دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کے اندر اور انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے باہر مسح کرے اور پھر انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے۔ گردن اور کانوں کے مسح کے لئے جدید پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ سر کے مسح کے لئے جو پانی لیا گیا ہے وہی گردن اور کانوں کے لئے بھی کافی ہے۔[1]

ہدایت :

وضو کے مسائل میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دھونے سے مراد پانی کا بہانا اور مسح سے مراد پانی کی تری پہنچانا ہے۔

وضو کے مستحبات :

وضو کے مستحبات سترہ ہیں۔ (۱) قبلہ رخ بیٹھنا۔ (۲) مٹی کے برتن سے وضو کرنا (۳) وضو کا لوٹا بائیں طرف رکھنا (۴) اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا (۵) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا (۶) اعضاء کو ملنا (۷) وقت آنے سے پہلے ہی وضو نہ کرنا (۸) انگوٹھی کو انگلی میں گھمانا (۹) ہر عضو کو دھوتے وقت بسم اللہ کہنا (۱۰) درود شریف پڑھنا۔ (۱۱) گردن کا مسح کرنا (۱۲) دھونے کے وقت ہر دائیں عضو سے ابتداء کرنا (۱۳) وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لینا (۱۴) اعضاء مقررہ کو حدود معینہ سے زائد دھونا (۱۵) بائیں ہاتھ سے دونوں

[1] عالمگیری ج۱ ص۷

پاؤں کا دھونا (۱۶) بذات خود وضو کرنا۔ بلاعذر وضو کرنے میں کسی دوسرے سے مدد نہ مانگنی (۱۷) وضو کی مقررہ اور مسنونہ دعائیں پڑھنی۔ [1]

وضو کی مسنونہ دعائیں:

ہر ایک عضو کو دھوتے وقت علیحدہ علیحدہ دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ جن کو باترجمہ لکھا جاتا ہے۔ کلی کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اعنی علیٰ تلاوۃ القران و ذکرک و شکرک وحسن عبادتک.

ترجمہ: اے اللہ! تلاوت قرآن پر میری مدد کر اور اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی عبادت کی خوبی پر۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم ارحمنی رائحۃ الجنۃ و لاترحنی رائحۃ النار.

ترجمہ: اے اللہ! مجھ کو جنت کی خوشبو سنگھا اور نار دوزخ کی بو نہ سنگھا۔

منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ.

ترجمہ: اے اللہ! میرا چہرہ روشن کر جس دن روشن ہوں گے بہت سے منہ اور سیاہ ہوں گے بہت سے منہ۔

داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حساباً یسیراً.

ترجمہ: اے اللہ! میرا نامہ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دیجیو اور میرا حساب آسان کیجیو۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم لاتعطنی کتابی بشمالی ولامن وراءِ ظھرے.

[1] طحطاوی ص ۳۲، ۳۳

ترجمہ: اے اللہ! میرا اعمال نامہ میرے بائیں ہاتھ میں نہ دیجیو اور نہ میری پیٹھ کے پیچھے سے۔

سر کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اظلنی تحت ظل عرشک ولا ظل الا ظل عرشک.

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنے عرش کا سایہ دیجیو۔ جس روز سوائے تیرے عرش کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

کانوں کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ.

ترجمہ: اے اللہ! مجھ کو ان لوگوں میں سے کر جو قول کو سنتے ہیں اور اچھے قول کی پیروی کرتے ہیں۔

گردن کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اعتق رقبتی من النار.

ترجمہ: اے اللہ! میری گردن کو آگ سے بچا۔

دایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الاقدام.

ترجمہ: اے اللہ! میرے دونوں پاؤں کو ثابت رکھ صراط پر جس دن پھسلیں گے پاؤں۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعل ذنبی مغفوراً وسعی مشکوراً وتجارتی لن تبور. [1]

ترجمہ: اے اللہ! میرے گناہوں کو بخشا ہوا کر، میری کوشش کو مقبول کر اور میری تجارت برباد نہ ہونے والی کر۔

[1] ردالمختار ج ۱ ص ۹۲، البنایہ ج ۱ ص ۱۲۲، طحطاوی ص ۴۲، عالمگیری ج ۱ ص ۹

وضو کے بعد کی دعا :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی وضو کے بعد کلمہ شہادت کو پڑھے تو اس کے لئے بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ کہ وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ مسلم

نیز حدیث میں آیا ہے جو کوئی وضو کے بعد اس دعا کو پڑھے گا اس کے عمل حبط نہ ہوں گے۔ وضو کے بعد کی دعاؤں کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورۂ انا انزلناہ پڑھے۔ پھر کلمہ شہادت اور پھر اس دعا کو:

اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین. [۱]
اللهم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی. [۲]

ترجمہ: اے اللہ! مجھے حقیقی توبہ کرنے والوں میں کر دے اور اے اللہ! مجھے ظاہری و باطنی صفائی رکھنے والوں میں سے بنا دے۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے۔ میرے گھر میں کشائش کر اور میرے رزق میں برکت دے۔

مکروہات وضو :

وضو میں بارہ باتیں (۱۲) وہ مکروہ یہ ہیں۔ (۱) ناپاک جگہ بیٹھ کر وضو کرنا (۲) حاجت سے کم و بیش پانی کا خرچ کرنا (۳) بغیر ضرورت شدید کے دنیا کی باتیں کرنا (۴) تین بار مسح کرنا اور ہر بار نیا پانی لینا (۵) مسجد کے اندر وضو کرنا (۶) عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا (۷) کسی برتن کو اپنے لئے خاص کر لینا (۸) بائیں ہاتھ سے کلی کرنا۔ یا ناک میں ڈالنے کے لئے پانی لینا (۹) بلا عذر دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنی۔ (۱۰) جس پانی سے وضو کیا جائے اس میں تھوکنا سنکنا (۱۱) چہرہ پر پانی زور سے مارنا (۱۲) پاؤں دھوتے وقت ان کو قبلہ کی طرف نہ پھیرنا۔ [۳]

---

[۱] ترمذی شریف ج۱ ص ۱۸ [۲] کبیری ص ۳۴، ۳۵، طحطاوی ص ۴۵، عالمگیری ج۱ ص ۹۱ [۳] مراقی الفلاح ص ۶، عالمگیری ج۱ ص ۹

ہدایت : ہندوستان (و پاکستان) کے ناپ تول کے حساب سے وضو کے لئے ڈیڑھ سیر پانی کافی ہے اس سے زیادہ اسراف ہے۔ اعضاء وضو کو تین تین بار دھونا افضل ہے اور اسی کی نسبت احادیث ہیں۔ اتمام، اسباغ اور تکمیل کے الفاظ آئے ہیں۔ پس گو دو مرتبہ یا صرف ایک مرتبہ دھو لینے سے بھی وضو ہو جاتا ہے۔ لیکن افضل تین بار ہی دھونا ہے۔ تین بار سے زیادہ دھونا منع ہے۔ اگر کوئی جگہ خشک رہ جائے تو پھر سے وضو کرنا چاہئے۔

مسواک کا مسنون طریقہ اور ثواب :

مسواک میں حسب ذیل امور مسنون ہیں: مسواک سیدھی ہو ایک بالشت کے برابر ہو۔ زیادہ موٹی نہ ہو، بے گرہ ہو، چھنگلی کے برابر موٹی ہو، کسی تلخ لکڑی کی ہو اور اگر زیتون کی ہو تو افضل ہے، مسواک داہنے ہاتھ میں پکڑنی چاہئے، دانتوں پر عرضاً کرنی چاہئے طولاً نہیں، کم از کم تین مرتبہ اوپر کے دانتوں میں اور تین مرتبہ نیچے کے دانتوں میں کرنی چاہئے اور کلی کے علاوہ تین بار جدید پانی کا استعمال کرنا چاہئے۔

حسب ذیل امور مکروہ ہیں۔ لیٹ کر مسواک کرنا، مٹھی سے پکڑنا، چوسنا، فراغت کے بعد بغیر دھوئے رکھ دینا، مسواک لٹا کر رکھنا اور بانس کی لکڑی کی مسواک کرنی۔ [۱]

یہ تمام باتیں امور مسواک میں مکروہ ہیں۔ طبی مصلحتوں پر مبنی ہیں۔ ان باتوں کے کرنے سے بڑی بڑی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً مسواک کو مٹھی سے پکڑنے سے بواسیر ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

الصلوٰة بسواک خیر من سبعین صلوٰة بغیر سواک. [۲]

---

[۱] در مختار ج۱ ص ۱۱۳، عالمگیری ج۱ ص ۷ [۲] شامی ج۱ ص ۱۱۳

نجاست کے اندر جب تک وصف خروج نہ پایا جائے وہ ناقض نہیں ہے۔ پس اگر زخم سے خون نکلا مگر وہ اپنی جگہ سے بہا نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور وہ اپنی جگہ سے بہہ کر آس پاس کی پاک جگہ پر پہنچے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر ناک سے نکل کر خون بہہ گیا تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ [1]

(۳) منہ بھر کر قے آنا ناقض وضو ہے۔ یعنی قے کے ناقض وضو ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ منہ بھر کر ہو۔ اگر منہ بھر کر نہ ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اگر کسی کا جی متلایا اور تھوڑی تھوڑی کئی مرتبہ قے آئی تو اب اس کی مقدار کو دیکھنا چاہئے۔ اگر اس کی مقدار منہ بھر کی مقدار کو پہنچی ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر اس سے کم مقدار ہو تو نہیں ٹوٹے گا۔ [2]

(۴) ٹیک لگا کر یا تکیہ کے سہارے سونا ناقض وضو ہے۔ پس اگر کوئی شخص بیٹھا بیٹھا اونگھ رہا ہو تو اس سے وضو نہ ٹوٹے گا جب تک گر نہ جائے۔ گرنے کے بعد بھی اگر فوراً ہی سنبھل گیا تو بھی وضو باقی رہے گا۔ اسی طرح سوتا ہوا آدمی باتیں سنتا رہا تب بھی وضو نہ جائے گا۔ [3]

(۵) مباشرت فاحشہ سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مباشرت فاحشہ کہتے ہیں آپس میں دو شرمگاہوں کا بغیر کسی روک اور آڑ کے مل جانا۔ اس بناء پر یہ مسئلہ یاد رکھئے اپنی یا غیر کی شرمگاہ دیکھنے اور چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح عورت کے چھونے سے بھی وضو نہیں جاتا تاوقتیکہ مذی خارج نہ ہو۔ [4]

(۶) بیہوشی اور دیوانگی ناقض وضو ہے۔ جو مزید تشریح کی محتاج نہیں۔

(۷) نیز مستی بھی ناقض وضو ہے۔ مستی کی حد وضو کے توڑنے میں یہ ہے کہ چلنے میں تغیر کر دے یعنی قدم لڑکھڑانے لگیں اور چال مستانہ ہو جائے۔ [5]

(۸) بالغ کا نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے۔ یہ اس نماز کا حکم ہے جو رکوع وسجود والی ہو پس اگر کوئی نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں قہقہہ مار کر ہنسے تو یہ قہقہہ ناقض وضو نہیں۔ کیونکہ نماز جنازہ رکوع، سجود والی نماز نہیں۔ [6]

---

[1] دار قطنی ج۱ص ۱۵۷، کامل ابن عدی ج۱ص ۱۹۳ [2] درمختار ج۱ص ۱۳۷، سنن ابن ماجہ ۸۷، دار قطنی ج۱ص ۱۵۳
[3] فتاویٰ ہندیہ ص ۱۲، درمختار ج۱ص ۱۳۱، عالمگیری ج۱ص ۱۲ [4] درمختار ج۱ص ۱۳۶ [5] درمختار ج۱ص ۱۹۳
[6] درمختار ج۱ص ۱۴۴، منیۃ المصلی ۴۷

مسائل متفرقہ:

وضو میں جن اعضاء کا دھونا فرض ہے اگر ان میں سے کوئی عضو بال برابر بھی سوکھا رہ جائے گا تو وضو نہ ہوگا۔ لہٰذا اعضاء مفروض کے دھونے میں مبالغہ کرنا چاہئے۔ تاکہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے۔ وضو میں جتنی باتیں مسنون ہیں، ان سنن کی غرض بھی یہی ہے کہ مفروض اعضاء کی تکمیل ہو۔

مسئلہ۔ شک و وہم ناقض وضو نہیں۔ یعنی ایک شخص نے وضو کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر دوسری نماز کا وقت ہو گیا اب اسے یہ شک گزرا کہ شاید میرا وضو ٹوٹ گیا ہو تو اس شخص کو اپنے آپ کو باوضو سمجھنا چاہئے اسی طرح اگر کسی کو خلاف عادت پہلی مرتبہ اعضاء وضو دھونے یا مسح کرنے میں شک ہوا اور یہ شک دوران وضو میں ہوا ہو تو جس اعضاء کی نسبت شک ہو اس کو دوبارہ دھولے یا مسح کر لے جیسی بھی صورت ہو اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد شک ہو تو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں اور جو شخص شکی مزاج ہے تو اس کو بھی دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں یہ حکم اس صورت میں ہے کہ دھونے نہ دھونے کے بارے میں شک ہو۔ اور اگر یقیناً معلوم ہو کہ فلاں عضو نہیں دھویا یا مثلاً پاؤں، تو پھر اس کو دوبارہ دھونا لازمی ہے۔ [1]

مسئلہ۔ اگر زخم کے اندر پتھری یا کیڑے نکلیں تو وضو نہیں جاتا۔ لیکن اگر پیشاب کی جگہ سے نکلیں تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ البتہ اگر پیشاب کی جگہ سے ریح نکلے تو وہ ناقض وضو نہیں کیونکہ یہ نجس نہیں ہوتی۔ [2]

مسئلہ۔ جو پانی آنکھ، ناک کان یا ناف سے درد کے ساتھ نکلے وہ ناقض وضو ہے یعنی اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ البتہ آنسو نکلنے اور پسینہ بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اگر کسی نے زخم پر پٹی باندھی اور خون وغیرہ کی تری پٹی پر نمودار ہو گئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ باقی رہا تھوک اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تھوک میں خون کی سرخی غالب اور نمایاں نظر آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر زردی نمایاں ہو تو نہیں

---

[1] شرح التنویر ج۱ص ۱۵۰، عالمگیری ج۱ص ۱۳ [2] شرح التنویر ج۱ص ۱۳۶

ٹوٹے گا۔ [1]

مسئلہ۔ جونک کے خون چوسنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ مگر مچھر اور کھٹمل کے خون چوسنے سے وضونہیں ٹوٹتا۔ چیچڑی کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ بڑی ہے تو جونک کے حکم میں ہے۔ یعنی اس کے چوسنے سے وضوٹوٹ جائے گا، اور اگر چھوٹی ہو تو مچھر کے حکم میں ہے۔ یعنی اس کے خون چوسنے سے وضونہ ٹوٹے گا۔ [2]

مسئلہ۔ اگر کوئی نہاتے وقت سارے بدن پر پانی بہالے، یا حوض میں گر پڑے اور یا پانی برستے میں باہر کھڑا رہے، اور وضو کے چاروں اعضاء دھل جائیں تو اس کا وضو ہو جائے گا خواہ اس نے وضو کا قصد وارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ البتہ اسے وضو کا ثواب نہ ملے گا۔ [3]

مسئلہ۔ اگر کسی کے ناخن میں آٹا وغیرہ لگا ہو اور خشک ہو گیا ہو جس کی وجہ سے پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے۔ تو اس کا وضو نہ ہوگا اور اگر اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھی ہوگی تو اس نماز کا لوٹانا واجب ہے کیونکہ ہاتھوں کا دھونا فرض ہے۔ اس میں اگر بال برابر بھی خشکی رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا۔ اور جب وضو نہ ہو تو نماز بھی نہیں ہوتی۔ [4]

مسئلہ۔ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ لینا جائز ہے۔ مگر اولیٰ یہی ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے تا کہ وضو کا ثواب مل جائے۔ [5]

مسئلہ۔ اگر وضو کر لیا اور اس سے کوئی عبادت نہیں ادا کی تو اس پر دوسرا وضو کرنا مکروہ ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے نہاتے وقت وضو کیا ہے اور ٹوٹا نہیں تو اس وضو سے نماز پڑھ لینی چاہئے۔ دوسرا وضو خواہ مخواہ نہ کرنا چاہئے ہاں اگر کسی وضو سے کم از کم دو رکعتیں بھی پڑھ لی ہوں تو پھر دوسرا وضو کر لینے میں کچھ ہرج نہیں۔ [6]

مسئلہ۔ وضو کرتے وقت کسی جگہ پانی نہیں پہنچا اور بعد میں معلوم ہوا کہ فلاں جگہ خشک رہ گئی تو اب اس جگہ صرف تر ہاتھ پھیر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس جگہ پانی

---

[1] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۲۷، در مختار ج ۱ ص ۱۷ [2] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۳۸، کبیری ص ۱۳۴ [3] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۵۶ [4] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۵۳، در مختار ج ۱ ص ۱۹ [5] شامی ج ۱ ص ۱۲۰ [6] مراقی الفلاح ص ۳۸

بہانا چاہئے۔ [1]

مسئلہ۔ اگر کسی کے ہاتھ پاؤں پھٹ گئے ہوں اور ان میں موم روغن یا اور کوئی دوا بھر لی ہو تو اس پر پانی بہالینا ہی کافی ہے۔ اور اگر پانی بہانا بھی ممکن نہ ہو تو صرف بھیگا ہوا ہاتھ ہی پھیر لے وضو ہو جائے گا۔ شریعت کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دینا چاہتی۔ حد ہے کہ اگر کسی زخم پر پانی نقصان دیتا ہو اور مسح کرنا بھی ممکن نہ ہو تو اس عضو کو خشک ہی رہنے دیا جائے۔ [2]

مسئلہ۔ بے وضو آدمی کے لئے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ ہاں پڑھنا جائز ہے، یعنی بے وضو شخص قرآن کو زبانی تلاوت تو کر سکتا ہے۔ مگر قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ [3]

وضو کے متعلق ضروری مباحث وہدایات :

ہمارے امام صاحب کے نزدیک وضو میں ترتیب سنت موکدہ ہے اگرچہ صاحب قدوری نے اس کو مستحبات میں شمار کیا ہے لیکن ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس قول کو صاف طور پر رد کر دیا ہے اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وضو میں ترتیب سنت موکدہ ہے جس کا بلا عذر شرعی ترک کرنا باعث ملامت ہے اس امر کی دلیل کہ ترتیب فرض وواجب نہیں، یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ سے بے ترتیب وضو کرنا بھی بعض روایات [4] میں آیا ہے چنانچہ سنن ابوداؤد میں مقدام بن معدیکربؓ سے مروی ہے:

> اُتی رسول اللہ ﷺ بوضوءٍ فتوضأ فغسل کفیہ ثلثاً وغسل وجھہ ثلثا ثم غسل ذراعیہ ثلثا ثم تمضمض واستنشق ثلثا ثم مسح برأسہ واذنیہ. [5]

یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس وضو کرنے کے واسطے پانی آیا پس آپ نے وضو کیا اس طور پر کہ پہلے دونوں ہتھیلیاں دھوئیں اور منہ دھویا۔ پھر دونوں ہاتھ دھوئے پھر کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور

---

[1] شامی ج ۱ ص ۱۵۰ [2] شامی ج ۱ ص ۱۰۲ [3] شامی ج ۱ ص ۱۷۳ [4] شامی ج ۱ ص ۱۲۲ [5] ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۶

پھر سر و کان کا مسح کیا۔

اس قسم کی اور روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص الٹا وضو کرے تو بھی ہو جائے گا۔ مگر اس سنت موکدہ کو بلا عذر شرعی ترک کرنا قابل ملامت ہوگا۔

کل سر کا مسح کرنا سنت موکدہ ہے : ۱؎

حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور کل سر کا مسح کرنا سنت موکدہ ہے جس کا بلا عذر شرعی ترک کرنا صحیح نہیں ہے۲؎ اکثر نمازی مسح کرتے وقت اس سنت کا خیال نہیں کرتے نیز مسح کرتے وقت سر پر سے عمامہ اتار لینا چاہئے ورنہ صرف عمامہ پر مسح درست نہ ہوگا چنانچہ نووی کی شرح صحیح مسلم میں موجود ہے:

ولو اقتصر علی العمامة ولم یمسح شیأ من الرّأس لم یجزه ذالک عندنا بلا خلاف وهو مذهب مالک وابی حنیفة واکثر العلماءِ انتهیٰ

یعنی اگر عمامہ پر مسح کرے اور سر پر بالکل مسح نہ کرے تو ناکافی ہوگا۔ یہ نزدیک شافعیہ کے اور یہ ہی مذہب ہے۔ امام مالک کا ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کا۔

پس عمامہ پر مسح کرنا درست نہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔۳؎

پٹی اور جبیرہ کے مسائل

اگر کسی کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے تو اس کو جوڑ کر ادھر اُدھر بانس کی دو کھپچیاں باندھ دیتے ہیں۔ ان کھپچیوں کو جبیرہ کہتے ہیں اس کے مسائل حسب ذیل ہیں۔

مسئلہ۔ جبیرہ اور پٹی کا ایک ہی حکم ہے۔ اگر زخم پر پٹی باندھی ہو اور اسے کھول کر مسح کرنا نقصان کا باعث ہو یا پٹی کھولنے باندھنے میں دقت اور تکلیف

۱؎ شامی ج ۱ ص ۹۹ ۲؎ تنویر علی صدر الشامی ج ۱ ص ۱۲۰، عالمگیری ج ۱ ص ۷ ۳؎ نوٹ: عمامہ سر سے اتار کر مسح کرے۔ (علوی)

ہوتی ہو تو اس پٹی پر مسح کر لینا چاہئے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنا چاہئے یہی حکم جبیرہ کا بھی ہے۔ جب تک جبیرہ نہ کھول سکے اسی پر ہاتھ پھیر لیا کرے۔ اور اگر اس کا کھولنا ممکن ہو تو زخم کی جگہ چھوڑ کر باقی حصہ کو دھو لیا کرے، فصد کی پٹی کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر زخم کے اوپر مسح نہ کر سکے تو پٹی کھول کر کپڑے کی گدی پر مسح کر لے۔۱؎

مسئلہ۔ اگر پوری پٹی کے نیچے زخم نہیں ہے تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ زخم کو چھوڑ کر اور سب جگہ دھو سکتا ہے۔ یا نہیں؟ اگر دھو سکتا ہے تو زخم کو چھوڑ کر باقی جگہ کو دھو لے اور اگر نہیں دھو سکتا اور پٹی کھولنا ناممکن ہے تو ساری پٹی پر مسح کر لے جہاں زخم ہے وہاں بھی اور جہاں زخم نہیں ہے وہاں بھی۔ ۲؎

ہدایات :

پٹی اور جبیرہ میں بہتر یہی ہے کہ سارے جبیرہ اور پٹی پر مسح کرے۔ اگر کل پر نہ کر سکے تو آدھی سے زائد پر کر لے۔ اور اگر آدھی یا آدھی سے کم پر مسح کرے گا تو جائز نہیں ہے۔ ۳؎

مسئلہ۔ اگر جبیرہ یا پٹی کھل کر گر پڑے اور زخم ابھی اچھا نہ ہوا ہو تو پھر باندھ لے اور وہی پہلا مسح کافی ہے۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر زخم اچھا ہو گیا ہو تو اب باندھنے کی ضرورت نہیں مسح ٹوٹ گیا۔ اب اتنی جگہ دھو کر نماز پڑھ لے پورا وضو دھرانے کی ضرورت نہیں۔ ۴؎

باب الغسل

اقسام غسل

اسلام نے طہارت و پاکیزگی کے متعلق جو احکام دیئے ہیں ایک حکم غسل بھی ہے اہل علم و عقل جانتے ہیں کہ غسل حفظ صحت اور پاکیزگی و صفائی کے

۱؎ شامی ج ۱ ص ۲۸۰ شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۰۱ ۲؎ شامی ج ۱ ص ۲۸۱، کبیری ص ۱۱۵ ۳؎ شامی ج ۱ ص ۲۷۶
۴؎ شامی ج ۱ ص ۲۸۱، فتاویٰ ہندیہ ص ۳۵

قوانین اور اصولوں میں سے ایک نہایت ضروری اور صحت افزا اصول وقانون ہے جس کے روحانی جسمانی فوائد ومنافع اظہر من الشمس ہیں۔ قطع نظر دوسرے مذاہب کے تمام متمدن قوموں اور شائستہ لوگوں نے اس کی ضرورت واہمیت اور افادی حیثیت کو محسوس وتسلیم کیا ہے اور چونکہ طہارت وپاکیزگی کا اثر روح پر ضرور پڑتا ہے اور عبادت جو روح کی غذا ہے اس کے لئے طہارت بھی ہر ایک مذہب نے جزولاینفک قرار دی ہے۔ اس لئے اسلام نے جو ہر طرح ایک کامل ومکمل مذہب ہے طہارت وصحت کے اس اصول کو بھی نہیں چھوڑا بلکہ بعض صورتوں میں اس عمل کو فرض قرار دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ماتقولون ولاجنبا الاعابری سبیل حتی تغتسلوا الایۃ [1]

اس آیت میں اور دوسری آیتوں میں جنبی ہونے کی حالت میں غسل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے یہ غسل غسل جنابت کہلاتا ہے۔

اسلام میں روزانہ غسل کے علاوہ غسل جنابت فرض اور ہفتے میں کم از کم ایک بار جمعہ کے دن نہانا سنت موکدہ ہے۔ اس طرح جسم انسانی کا جو حصہ وضو میں دھلنے سے باقی رہ جاتا ہے اور جس کا روزانہ دھونا چنداں ضروری نہیں۔ اس کی صفائی کا خاطر خواہ انتظام غسل کے ذریعہ کر دیا گیا۔ اور اسلام میں طہارت کبریٰ غسل کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ تمام بدن کی طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔

اقسام غسل

اسلام نے غسل کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب، ان میں سے جو غسل فرض ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔ غسل جنابت، غسل بعد انقطاع حیض اور غسل بعد انقطاع نفاس۔

[1] النساء: ۴۳

فرض غسل کی اقسام واحکام:

غسل کے فرض ہونے کی پہلی حالت جنابت ہے۔ یعنی جماع کرنے یا احتلام ہونے کی حالت میں غسل کرنا فرض ہے، اس حالت کو جنابت کہتے ہیں۔ [1] اس غسل میں اسلام نے طبی اور روحانی دونوں فوائد کو مدنظر رکھا ہے۔ جماع کے بعد انزالی صورت میں یا احتلام کی حالت میں خون کا اجتماع ہو کر تمام اعضاء قویٰ کا خلاصہ منی کے ساتھ خارج ہو جاتا ہے جس سے تمام عضلات واعصاب کو ضعف پہنچتا ہے۔ اس کا تدارک غسل سے کیا گیا ہے۔ غسل کرنے کے بعد خون منتشر ہو کر تمام جسم میں پھر برابر تقسیم ہو جاتا ہے اور ضعف رفع ہو کر تازگی آ جاتی ہے نیز اسلام اس کے علاوہ غسل کے ذریعہ اس فعل طبعی کو اعتدال کی حالت پر لانا چاہتا ہے اس طرح کہ پاکیزگی اور طہارت کا خیال بہت بڑی حد تک انسان کو اس فعل کی وحشیانہ اور مضرت رساں کثرت سے روک دیتا ہے۔

غسل جنابت کب فرض ہوتا ہے؟

جاننا چاہئے کہ خروج منی سے غسل واجب ہو جاتا ہے اور اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے۔ خروج منی کے لئے دو قیدیں ہیں۔ اوّل انزال کے وقت ضروری ہے کہ منی کود کر اور شہوت سے خارج ہو۔ اب ایسا انزال خواہ کسی صورت سے ہوا ہو خواہ چھونے سے ہوا یا دیکھنے سے اور سوتے میں یا جاگتے میں اور مرد سے ہو یا عورت سے بہرحال غسل کرنا فرض ہوگا۔ یعنی انزال سبب اور شرط ہے غسل جنابت کی بغیر انزال کے حالت جنابت طاری نہیں ہوتی اس بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر بوجھ اٹھانے یا بیماری سے یا کسی اور وجہ سے انزال ہو گیا تو غسل فرض نہ ہوگا [2]

اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ وجوب غسل کا سبب منی کا کود کر اور شہوت سے نکلنا ہے اور منی کے اپنی جگہ شہوت کے ساتھ جدا ہونے کی حالت میں اختلاف ہے۔ اس میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنا ذکر پکڑا اس

[1] منیۃ المصلی ص ۴۱ اور مختار ص ۱۶۵ ج ۱ شامی ج ۱ ص ۱۵۹ [2] شامی ج ۱ ص ۱۶۲

سے کچھ خیزی وشہوت ہوئی جب خیزی وشہوت میں سکون آ گیا تب منی نکلی اس حالت میں بھی غسل کرنا فرض ہوگا۔

زندہ اور بالغ مرد یا عورت کے قبل یا دبر میں دخول حشفہ سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو صرف ادخال حشفہ سے غسل کرنا فرض ہوگا اور اگر جانور، مردہ آدمی اور نابالغ سے وطی کی جائے تو ان تینوں صورتوں میں انزال شرط ہے بغیر انزال کی جنابت نہ ہوگی۔ ۱ے

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص سوتے سے جاگا اور اس نے اپنے بستر پر یا ران پر یا سوراخ احلیل پر تری پائی اور یقین ہے کہ یہ منی ہے تو اس صورت میں غسل کرنا بہر حال واجب ہے خواہ احتلام ہونا یاد ہو یا نہ ہو۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ تری کی نسبت یقین نہ ہو کہ یہ منی کی تری ہے۔ اگر صورت یہ ہو کہ اس تری کی نسبت مذی یا ودی ہونے کا یقین ہے اور احتلام یاد نہیں تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ سونے سے قبل عضو مخصوص میں تندی یا خیزی تھی یا ساکن تھا؟ اگر خیزی وتندی تھی تو غسل واجب نہیں اور اگر ساکن تھا تو غسل واجب ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خواب سے بیدار ہو جانے کے بعد احتلام ہو جانے کا لطف تو یاد ہے مگر بدن یا بستر پر احتلام کا کوئی اثر نہیں تو اس صورت میں بھی غسل فرض نہیں۔ ۲ے

تشریح۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے سونے سے بیدار ہو کر اپنے بدن یا بستر پر تری پائی مگر احتلام یاد نہیں تو اب اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ سونے سے قبل اس کا عضو منتشر تھا یا ساکن؟ یہ حکم اس صورت میں یہ ہے کہ کوئی شخص کھڑا کھڑا یا بیٹھا بیٹھا سو گیا اور اگر کوئی تکیہ لگا کر اور پیر پھیلا کر آرام سے سو گیا اور جاگنے کے بعد تری پائے اور اس کی نسبت یقین ہو کہ وہ منی ہے تو اس پر بہر حال غسل واجب ہے۔

مسئلہ۔ اگر کسی کو احتلام ہوا مگر نکلا کچھ نہیں تو اس پر غسل واجب نہیں لیکن انتشار شرط ہے اس پر حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ احتیاطاً اسکو بھی غسل کر لینا چاہئے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتویٰ دیا ہے۔ ۳ے

۱ے شرح التنویر ج ۱ص ۱۶۲ ۲ے شامی ج ۱ص ۱۶۳ ۳ے شامی ج ۱ص ۱۶۳، منیۃ المصلی ص ۱۵

اگر کسی نے جماع کیا یا احتلام ہوا اور اس نے سونے یا پیشاب کرنے سے قبل غسل کر لیا اور اس کے بعد منی کا بقیہ حصہ نکل آیا تو اس پر دوبارہ غسل کرنا واجب ہے اگر عورت غسل کر لے اور پھر اس کے مرد کی منی کا کچھ حصہ خارج ہوا تو اس پر بالا جماع غسل کرنا واجب نہیں۔ ۱ے

مسئلہ۔ اگر ایک شخص نشہ سے مدہوش تھا اور اس نے اپنے بدن یا بستر پر منی کا نشان پایا تو اس پر غسل کرنا واجب ہے اور یہی حکم مرگی والے کا ہے، یعنی اگر مرگی والے نے افاقہ ہونے کے بعد منی کا نشان پایا تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔ ۲ے
(شرط یہ ہے کہ منی ہو)

مسئلہ۔ اگر مرد و عورت خواب سے بیدار ہوئے اور دونوں نے اپنے بستر پر منی پائی۔ مگر ان میں سے ہر ایک احتلام کا منکر ہے۔ مرد کہتا ہے مجھے احتلام نہیں ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے احتلام نہیں ہوا تو ان دونوں پر احتیاطاً غسل کرنا واجب ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ منی کا نشان طویل ہے یا گول؟ اگر طویل ہے تو مرد پر غسل ہے اور اگر گول ہے تو عورت پر۔ ۳ے

فرائض غسل :

غسل کے اندر تین باتیں فرض ہیں : (۱) کلی کرنا غرغرہ کے ساتھ۔ (۲) ناک میں پانی ڈالنا۔ (۳) تمام بدن دھونا۔ ۴ے اور جہاں جہاں بالوں کے اگنے کی جگہ ہے وہاں وہاں پانی پہنچانا جنابت، حیض اور نفاس کے غسل کے بھی تین فرائض ہیں۔ (۱) منہ بھر کر کلی کرنا (۲) ناک کے نرم چمڑے تک پانی پہونچانا اور سارے بدن کا دھونا۔ خواہ وہ مالش کرے یا نہ کرے۔ ۵ے

ان تینوں فرائض کا مقصود یہ ہے کہ تمام بدن میں ایک بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے اور جہاں تک انسان کے امکان میں ہے وہاں تک پانی پہونچائے چنانچہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچانا بھی فرض ہے۔ بالوں کو ایک جڑ بھی سوکھی رہنے نہ پائے۔ ورنہ غسل نہ ہوگا۔

۱ے شامی ج ۱ص ۱۶۱ ۲ے شامی ج ۱ص ۱۶۳ ۳ے شامی ج ۱ص ۱۶۳ ۴ے شامی ج ۱ص ۱۵۲، ھدایہ ج ۱ص ۱۱
۵ے شامی ج ۱ص ۱۵۳

اگر عورتوں کے سر کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں تو سارے بال بھگونا اور سب بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچانا فرض ہے۔ ایک بال برابر بھی سوکھا رہ گیا اور ایک بال کی جڑ میں بھی پانی نہ پہونچا تو غسل نہ ہوگا۔ اور اگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا ضروری نہیں لیکن سب جڑوں میں پانی پہونچانا فرض ہے۔ ایک جگہ بھی سوکھی نہ رہنے پائے۔ اگر بے کھولے جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو بالوں کو کھول ڈالنا چاہئے۔ اور پھر بالوں کو بھی پانی سے بھگونا چاہئے۔[1]

عورتوں کے بدن پر ایسے زیورات ہوتے ہیں جو اپنی جگہ پھنسے رہتے ہیں اگر ان کے نیچے پانی نہ پہنچ سکے مثلاً نتھ، بالیاں، چھلے، انگوٹھی اور کنگن وغیرہ ان زیورات کو خوب ہلا جلا کر ان کے نیچے اور اندر پانی پہونچانا چاہئے تاکہ جسم کے تمام سوراخوں میں پانی پہنچ جائے۔ ہاں اگر یہ زیورات اتنے ڈھیلے ہوں کہ بغیر ہلائے پانی پہنچ جانے کا یقین ہو تو پھر ان کا ہلانا ضروری اور واجب نہیں۔ تاہم پھر بھی ان کو احتیاطاً ہلا لینا چاہئے۔[2]

ان تمام مسائل سے مقصود یہ ہے کہ بدن میں بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہنی چاہئے۔ چنانچہ اگر سارے بدن پر پانی پڑ جائے۔ کلی بھی کرلے اور ناک میں پانی بھی ڈال لے تو غسل ہو جائے گا خواہ غسل کی نیت کرے یا نہ کرے۔ مثلاً کوئی شخص بارش کے پانی میں کھڑا ہو جائے یا حوض میں گر پڑے اور منہ وناک میں بھی پانی پہنچ جائے تو غسل ہو جائے گا۔[3]

غسل کی سنتیں :

غسل میں چار باتیں سنت ہیں۔ (۱) دونوں ہاتھوں کو پہونچوں تک دھونا (۲) غسل سے قبل شرمگاہ کو دھونا خواہ کوئی نجاست لگی ہو یا نہ ہو (۳) پاؤں دھونے کے علاوہ وضو کرنا (۴) تین بار سر اور تمام بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ پہلے تین بار سر پر پانی ڈالے، پھر تین بار داہنے مونڈھے پر اور پھر تین بار بائیں مونڈھے پر۔[4]

۱ منیۃ المصلی ص ۱۶ ۲ کبیری ص ۳۲، شامی ج۱ ص ۱۵۵ ۳ شامی ج۱ ص ۱۵۶ ۴ شامی ج۱ ص ۱۵۸

غسل کے مستحبات :

غسل میں آٹھ چیزیں مستحب ہیں (۱) ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا (۲) ناپاکی دور کرنے کی نیت کرنا (۳) نہاتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا (۴) ایسی جگہ نہانا جہاں کوئی نہ دیکھے (۵) غسل کرتے وقت باتیں نہ کرنا (۶) ضرورت سے زائد پانی صرف نہ کرنا (۷) غسل کے بعد کسی موٹے کپڑے سے بدن خشک کرنا (۸) تمام بدن پر پانی مل لینا تاکہ سب جگہ پانی اچھی طرح پہنچ جائے۔[1]

متفرق یادداشتیں اور ہدایتیں :

(۱) غسل کرتے وقت اگر ایک بال بھی خشک رہ جائے تو پھر غسل کرنا ہوگا۔[2]

(۲) عورت کو غسل جنابت کے لیے بالوں کی مینڈھیاں کھولنے کی ضرورت نہیں صرف بالوں کی جڑیں تر کر لینا اور تین مرتبہ سر پر اچھی طرح پانی ڈال لینا کافی ہے۔

(۳) دانتوں میں اگر گوشت کا ریشہ یا اور کوئی کھانا رہ جائے یا اور کوئی چیز رہ جائے جو پانی نہ پہونچنے دے تو غسل نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی شخص غسل کرتے وقت کلی کرنا بھول گیا اور نماز کے وقت تک اس کو یہ بات یاد نہیں آئی البتہ اس عرصے میں پانی ضرور پیا ہے تو دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں وہ پانی پی لینا ہی غسل کے بجائے ہوگا۔

(۵) اگر کوئی بیماری کی وجہ سے سر پر پانی نہ ڈال سکے مثلاً سر میں کوئی زخم ہو اور پانی ضرر دیتا ہو سر چھوڑ کر باقی سارا بدن دھولے اور پھر تندرست ہونے کے بعد سر دھولے۔[3]

(۶) کان اور ناف میں بھی اچھی طرح خیال کر کے پانی پہنچانا چاہئے اگر پانی نہ پہنچائے گا تو غسل نہ ہوگا۔[4]

۱ بحر الرائق ج۱ ۲ منیۃ المصلی ص ۱۸ ۳ درمختار ج۱ ص ۱۵۹ ۴ شامی ج۱ ص ۱۵۲

(۷) اگر بالوں میں یا ہاتھ پاؤں میں تیل لگا ہوا ہے کہ بدن پر پانی نہیں ٹھہر سکتا بلکہ پڑتے ہی ڈھلک جاتا ہے۔ تو اس کا کچھ حرج نہیں جب اپنی طرف سے تمام بدن پر پانی ڈال لیا اور پانی پہنچائے بغیر ایک بال برابر بھی جگہ نہ رہنے دی تو بس غسل ہو گیا۔

(۸) اگر ناخن پر آٹا یا اور کوئی سخت چیز لگی رہ جائے اور سوکھ جائے اور اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ اگر غسل کرنے کے بعد یہ بات یاد آئے تو آٹا چھڑا کر صرف پانی ڈال لے۔ اور اگر اس طرح پانی پہنچانے سے قبل کوئی نماز پڑھ لی ہو تو اس کی قضا ادا کرے۔ [۱]

(۹) اگر غسل کرنے کے بعد یاد آئے کہ فلاں جگہ خشک رہ گئی تو دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں صرف اس خشک جگہ پر پانی بہا لینا چاہئے۔

(۱۰) عورت کو مسّی کی دھڑی چھڑا کر غسل کرنا چاہئے۔ ورنہ غسل نہ ہوگا اسی طرح اگر افشاں چنی ہو یا بالوں میں گوند لگا ہو جس کی وجہ سے بال اچھی طرح نہ بھیگ سکیں تو گوند اور افشاں وغیرہ کو چھڑا کر دھوڈالنا واجب ہے۔ [۲]

(۱۱) مرد کو غسل کرنے کے بعد جنبی عورت کے ساتھ سونا اور بدن لگانا جائز ہے۔

(۱۲) جنبی سے مصافحہ کرنا درست ہے۔

(۱۳) اگر حالت بیماری میں نہانے کی حاجت ہو اور نہانے سے بیماری بڑھنے کا فوری اندیشہ ہو تو تیمم کر لینا چاہئے۔ [۳]

آداب غسل :

کھلے میدان میں اور آبادی میں ننگا نہانا حرام ہے۔ غسل خانہ میں یا کسی اوٹ اور پردہ کی جگہ نہانا چاہئے۔ اگر مرد جب ہو اور جگہ ایسی ہو کہ غسل کرنے میں مردوں سے بے پردگی ہوتی ہو۔ اسی طرح اگر عورت جب ہو اور غسل کرنے میں عورتوں سے بے پردگی ہوتی ہو تب بھی غسل کرنا واجب ہے۔ تیمم جائز نہیں۔

[۱] [۲] منیۃ المصلی ص ۱۷ [۳] شامی ج ۱ ص ۱۵۲

اگر صورت یہ ہو کہ مرد کی عورتوں سے اور عورتوں کی مردوں سے بے پردگی ہوتی ہو تو غسل نہ کرنا چاہئے۔ تیمم کر لے۔ مگر یہ حکم اس وقت ہے جب کہ تاخیر کرنے میں نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو ورنہ جائز نہیں۔

اگر تنہائی کی جگہ ہو جہاں کوئی نہ دیکھ سکے تو ننگے ہو کر نہانا بھی جائز ہے۔ خواہ کھڑے ہو کر نہائے یا بیٹھ کر۔ اختیار ہے۔ [۱]

اگر پانی ٹھہرا ہوا ہو اور اسی سے غسل کرنا مطلوب ہو تو اس پانی کے اندر غسل نہ کرے بلکہ اس میں سے پانی لے کر الگ غسل کرے۔

جب کو قرآن اور دیگر دینی کتب چھونے کے احکام

حیض و نفاس والی عورت اور جنبی مرد کو کلام مجید کا چھونا، پڑھنا، اور مسجد میں جانا جائز نہیں۔ [۲] اس کے معنی یہ ہیں ناپاک مرد اور عورت قرآن پاک کی کوئی پوری آیت تلاوت نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک آیت سے کم، اور فاتحہ کا مقصد دعا اور ان آیات کا جو دعا سے مشابہ ہوں دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے۔

اگر کسی نے کوئی بری خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا، یا کوئی خوشخبری سن کر الحمدللہ کہا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم حمد و ثنا کی نیت سے پڑھی تو جائز ہے۔ بشرطیکہ تلاوت قرآن کا مقصد نہ ہو۔

تنبیہ :

حائض، نفساء اور جب کو قرآن کی ہجے کرنا اور بچوں کو حرفاً حرفاً پڑھانا مکروہ نہیں ناپاک مرد و عورت کا قرآن کا لکھنا بھی ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل کا منشاء تعظیم قرآن ہے۔ یعنی قران کو حدث اکبر یا حدث اصغر کی صورت میں ہاتھ لگانا

[۱] منیۃ المصلی ص ۱۸، مراقی الفلاح ص ۵۷ [۲] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۷۳

جائز نہیں محدث (بے وضو شخص) بھی قرآن کو نہیں چھوسکتا جب تک کہ قرآن پاک جزدان میں نہ ہو۔ [1]

مسئلہ محدث (بے وضو شخص) کے لئے قرآن پاک کی تفسیر اور کتب فقہ کو چھونا مکروہ ہے۔ البتہ اگر آستین سے پکڑ لیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اور محدث کو قرآن پاک کی تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ [2]

مسئلہ۔ جنبی مرد و عورت کو مسجد میں جانا اور طواف کرنا جائز نہیں۔ اور نہ وہ مسجد کو بطور راستہ عبور کر سکتا ہے۔ [3]

غسل کے بقیہ اقسام

فرض غسل کے بعد واجب غسل کا درجہ ہے اور واجب غسل صرف دو ہیں: (۱) زندوں پر مردے کو غسل دینا۔ (۲) تمام بدن کا نجاست آلود ہو جانا۔ یا اگر بدن کے کسی حصہ پر نجاست لگ جائے اور مکان نجاست معلوم نہ ہو تو سارے بدن کا غسل واجب ہے۔

سنت غسل پانچ ہیں: (۱) جمعہ کی نماز کے لئے (۲) عیدین کی نماز کے لئے (۳) احرام، حج یا عمرہ کے لئے (۴) عرفات میں ٹھہرنے کے لئے (۵) اسلام میں داخل ہونے کے وقت۔ [4]

مستحب غسل بیس ہیں۔ جو یہ ہیں:۔ (۱) دیوانگی، غشی اور نشہ کی سرمستی دور ہونے کے بعد (۲) پچھنے لگوانے کے بعد (۳) شعبان کی پندرہ تاریخ کو (۴) نویں ذی الحجہ کی رات کو (۵) مقام مزدلفہ میں ٹھہرنے کے وقت (۶) ذی الحجہ میں قربانی کرنے کے وقت (۷) پتھریاں پھینکنے کے لئے منی میں داخل ہونے کے وقت (۸) طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے وقت (۹) شب قدر میں (۱۰) چاند اور سورج گرہن کے وقت (۱۱) طلب بارش کی دعا کے لئے (۱۲) کسی خوف کے وقت (۱۳) سخت آندھی کے

[1] شرح التنویر ج ا ص ۱۷۳ [2] شرح التنویر ج ا ص ۱۳۳ [3] شامی ج ا ص ۱۷۱ [4] شامی ج ا ص ۱۶۸، نور الایضاح ص ۶۱

وقت (۱۴) یا اور کسی آفت ارضی و سماوی کے دفع کرنے کے لئے (۱۵) مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت (۱۶) نئے کپڑے پہنتے وقت (۱۷) مردہ نہلانے کے بعد (۱۸) مقتول کو غسل دینا (۱۹) سفر سے مراجعت کے وقت (۲۰) مستحاضہ عورت پر ہر نماز کے لئے۔ [1]

غسل کرنے کا مسنون طریقہ:

یہاں پہلے وہ حدیث درج کر دینا ضروری اور مناسب ہے جو حضرت میمونہؓ روایت کرتی ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا اور کپڑے کا پردہ کیا، آنحضرت ﷺ نے پہلے دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ کو دھویا اور دونوں پر پانی بہالیا اس کے بعد دونوں ہاتھ زمین پر رگڑ کر دھوئے اور نماز کی طرح کا وضو کر کے تمام جسم اطہر پر تین مرتبہ پانی بہالیا اور پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر دونوں پاؤں دھولئے۔ [2]

اب ہم غسل کا وہ طریقہ درج کرتے ہیں جس میں غسل کے تمام فرائض، سنتیں اور مستحبات آجاتے ہیں وہ طریقہ یہ ہے۔

غسل کرنے والے کو چاہئے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے غسل نہ کرے اول پہونچوں تک دونوں ہاتھ بسم اللہ کہہ کر دھوئے پھر استنجا کرے خواہ بدن پر نجاست کا اثر ہو یا نہ ہو پھر بدن پر جہاں جہاں نجاست لگی ہو اس کو دھوئے، پھر وضو کرے اگر کسی اونچے پتھر یا چوکی پر غسل کر رہا ہے تو پاؤں بھی دھولے اور اگر ایسی جگہ ہو کہ پاؤں نجاست آلود ہوئے ہوں تو پاؤں نہ دھوئے باقی تمام وضو کر کے تین مرتبہ سر پر پانی ڈالے۔ پھر تین مرتبہ داہنے مونڈھے پر اور تین مرتبہ بائیں مونڈھے پر، پھر اس غسل والی جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ پاؤں دھوئے اور اگر مذکورہ بالا صورت میں وضو کرتے وقت شروع میں ہی پاؤں دھولئے ہوں تو پھر دوبارہ فارغ ہونے کے بعد دھونے کی ضرورت نہیں۔ [3]

[1] در مختار ج ا ص ۱۰۷، نور الایضاح ص ۶۸ [2] شرح التنویر ج ا ص ۱۶۱، عالمگیری ج ا ص ۱۴ [3] مراقی الفلاح ص ۶۷

باب الحیض والنفاس

حیض ایک ایسا عام لفظ ہے جس کو عورت و مرد سب جانتے ہیں حیض کے متعلق کچھ احکام عورتوں سے متعلق ہیں اور کچھ مردوں سے جن کا نکاح ہو چکا ہے یہاں ہم ان احکام وآداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

حیض کی تعریف:

لغت عرب میں حیض اس خون کا نام ہے جو شرمگاہ سے نکلے چاہے وہ کسی صفت کا ہو اور اصطلاح شرع میں اس خاص خون کو کہتے ہیں جو بالغ عورت کی شرم گاہ سے خارج ہو۔ حیض کے لئے فقہا نے دو قیدیں لگائیں ہیں۔ اول یہ کہ عورت جوان ہو اور دوسرے تندرست ہو۔ پس جو خون جوان اور تندرست عورت کے رحم سے خارج ہوتا ہے اس کو حیض کہتے ہیں۔ [1]

مذکورہ بالا دونوں قیدوں سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حیض کے حکم سے استحاضہ اور زخم کا خون خارج ہو گیا۔

نفاس اور استحاضہ کی تعریف:

عورت کو ولادت کے بعد جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں اس کے متعلق یہ دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز کی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مدت کے متعلق بھی وہی احکام ہیں جو حیض میں ہیں۔ حیض کے معمولی اور عادی دنوں کے گزرنے کے بعد بھی اگر خون جاری رہے تو وہ بھی بیماری کا حکم رکھتا ہے۔ اور اسے استحاضہ کہتے ہیں۔

شرع میں بارہ سال کی لڑکی جوان عورت کا حکم رکھتی ہے۔ یعنی شریعت کی رو سے حد صغر بارہ سال ہے پس اس عمر سے پہلے پہلے اگر کوئی لڑکی خون دیکھے تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ اسی طرح سن ایاس کے بعد خون جاری ہو وہ بھی

۱ شرح التنویر ج ص ۲۸۳، عالمگیری ج ۱ ص ۳۶

استحاضہ ہے۔ سن ایاس عورت کی اس عمر کو کہتے ہیں جب حیض آنے بند ہو جائیں۔ پس اگر کوئی کم سن بچی یا حاملہ عورت قبل ولادت اور یا پچاس ساٹھ برس والی بڑھیا عورت خون دیکھے تو تینوں حالتوں میں وہ حیض کا خون نہ ہوگا بلکہ خون استحاضہ سمجھا جائے گا۔ [1]

خون حیض اور خون استحاضہ کی شناخت کی صورت یہ ہے کہ اگر خون سے بدبو آئے تو وہ خون حیض ہے اور اگر اس میں بدبو نہ ہو تو وہ خون استحاضہ ہے۔

مدت حیض:

حیض کی اقل مدت تین شبانہ روز ہے۔ [2] یعنی تین دن اور تین رات اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ اس بناء پر یہ قاعدہ ہے کہ اگر عورت تین دن سے کم خون دیکھے تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ چونکہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا اس لئے اس مدت کے بعد بھی اگر عورت خون دیکھے تو وہ بھی استحاضہ ہے یعنی جو خون تین دن اور دس دن کے علاوہ ہو وہ خون استحاضہ ہے۔ [3]

خون حیض کے چھ رنگ ہوتے ہیں۔ اول سیاہ، دوئم سرخ، سوئم زرد، چہارم سبز، پنجم گدلا اور ششم خاکی۔ جب تک عورت سفیدی نہ دیکھے اس وقت تک خون حیض ہی سمجھے صاحب ہدایہ نے خون کا رنگ دیکھنے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ اگر خون آلود کپڑا خشک ہونے کے بعد مذکورہ بالا چھ رنگ دے تو وہ خون حیض ہے اور خشک ہونے کے بعد سفید ہو جائے تو وہ خون حیض نہیں۔ [4]

حیض والی عورت کے لئے سات چیزیں حرام ہیں

جو یہ ہیں: (۱) نماز پڑھنی (۲) روزہ رکھنا (۳) طواف کعبہ کرنا (۴) قرآن شریف پڑھنا (۵) قرآن شریف چھونا (۶) مسجد میں جانا (۷) جماع کرنا۔ [5]

۱ شرح التنویر ج ۱ ص ۲۸۵ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۳۶ ۳ شرح التنویر ج ۱ ص ۲۸۹ ۴ بحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۵،۳۳۲، ۵ صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۹، دار قطنی ج ۱ ص ۲۸۲

حیض نماز کو ساقط کر دیتا ہے اور اس کی قضا بھی نہیں پڑھنی پڑتی۔ اسی طرح روزہ کو بھی ساقط کر دیتا ہے مگر روزوں کی قضا دینی پڑتی ہے۔[1]

جب محترم حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے اس جہان میں نزول اجلال فرمایا تو اس وقت حضرت حواؑ نماز کی حالت میں تھیں تو آپ نے اچانک پہلی مرتبہ خون حیض دیکھا جو بہشت میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپ نے حضرت آدم علیہ السلام سے نماز کی بابت دریافت فرمایا کہ میں نماز ادا کروں یا نہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جناب باری تعالیٰ سے۔ فرمان ہوا کہ وہ نماز نہ گزاریں اس کے چند روز بعد حضرت حواؑ نے روزہ کی حالت میں خون حیض دیکھا اس کے متعلق بھی حضرت آدمؑ سے پوچھا کہ میں روزہ رکھوں یا نہیں؟ آپ نے اپنے قیاس سے حکم دیا کہ روزہ بھی نہ رکھو۔ جس وقت حضرت حواؑ خون حیض سے پاک ہوئیں تو حضرت جبرائیلؑ نے فرمان رب العزت پہنچایا کہ حواؑ سے کہو کہ وہ روزہ کی قضا رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس پر مناجات کی خداوندا! نماز میں تو قضا کا حکم نہ ہوا اور روزہ بھی قضا کا حکم ہوا اس کی کیا وجہ؟ فرمان الٰہی ہوا کہ نماز نہ پڑھنے کا حکم میں نے دیا تھا اس لئے اس کی قضا بھی معاف ہوئی اور روزہ رکھنے کا حکم تو نے اپنے قیاس سے دیا تھا اس لئے اس کی قضا رکھنی لازم آئی۔

فتاویٰ حجت میں ہے کہ حیض والی عورت کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے تسبیح کہہ لیا کرے تاکہ نماز کی حالت میں سستی و غفلت نہ آنے پائے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو حیض والی عورت ہر نماز کے وقت وضو کر کے ۶۰ بار استغفر اللہ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہزار رکعت کا ثواب دیتا ہے۔ ساٹھ ہزار گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار درجے بہشت میں بلند کرتا ہے اور جو عورت حیض سے پاک ہو کر اور غسل کر کے دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ الحمد شریف ایک بار اور قل ہو اللہ تین بار ہر رکعت میں تو اس کے تمام گناہ بخش

[1] بحر الرائق ج ا ص ۳۳۸

دیئے جاتے ہیں اور آئندہ حیض تک ہونے والے گناہ نہیں لکھے جاتے۔

ضروری مسائل

اگر عورت نے پاکی کی حالت میں نماز شروع کی یا روزہ رکھا اور پھر درمیان میں حیض شروع ہو گیا تو اگر روزہ نماز نفل ہے، تو دونوں کی قضا لازم ہے اور اگر روزہ و نماز فرض ہیں تو اس روزہ کی قضا تو لازم ہوگی مگر نماز کی قضا لازم نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کی بنا یہ ہے کہ ہر نفل کو شروع کرنے کے بعد اس کی تکمیل واجب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں نفل کا ادا کرنا بعد انقطاع حیض واجب ہو گیا کیونکہ یہ بات خود اس نے اپنے ذمہ لی ہے۔

رہی یہ بات کہ فرض نماز کی قضا نہیں ہے مگر فرض روزوں کی قضا لازمی ہے سو اس کی ایک نقلی وجہ تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور عقلی وجہ جو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ اسلام ایک آسان مذہب ہے، وہ ہر مشکل امر میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اسلام کے اس قاعدہ کے مطابق اگر شریعت فرض نمازوں کی قضا کا حکم دیتی تو عورتیں ایک مشکل میں پڑ جاتیں برخلاف اس کے روزوں کی قضا دینے میں چنداں تکلیف نہیں کیونکہ مدت حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتی ہے اس لئے سال بھر میں حیض کی وجہ سے اگر روزے قضا ہو سکتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ صرف دس اور سال بھر میں دس روزوں کی قضا رکھ لینا کوئی مشکل بات نہیں اور نماز روزانہ پانچ وقت فرض ہے اس لئے ہر ماہ کی پچاس اور سال بھر کی چھ سو نمازیں ہوتی ہیں اس صورت میں ہر ماہ پچاس نمازوں کی قضا سخت دشوار ہے۔ اس لئے نماز کی قضا معاف ہوئی۔[1]

طہر متخلل:

مدت حیض میں جو پاکی دو خون کے درمیان ہو وہ پاکی بھی خون ہی کا حکم رکھتی ہے اور اس پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ شبانہ روز ہے اور زیادہ کی کوئی حد

[1] شامی ج ا ص ۲۲۱

نہیں پس اگر کوئی عورت دس دن سے زیادہ خون دیکھے اور اس کی عادت قدیم دس دن سے کم تھی تو اس کے حیض کی مقدار اس کی عادت قدیم کے مطابق ہوگی اور اس کے علاوہ جو خون ہوگا وہ استحاضہ سمجھا جائے گا۔ مثلاً ایک عورت کی عادت آٹھ یوم تھی اور کبھی اتفاقاً دس دن تک خون دیکھا تو اس صورت میں آٹھ یوم حیض کے شمار ہوں گے اور دو دن استحاضہ کے۔ [1]

مسئلہ۔ اگر عورت پیچھے کی جانب خون دیکھے تو حیض نہیں بلکہ خون استحاضہ ہے۔ اسی طرح اگر حاملہ عورت حالت حمل میں خون دیکھے اور یا پیدائش سے قبل یا بعد دیکھے تو وہ خون بھی حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے اگرچہ تین روز تک دیکھے۔

مسئلہ۔ کسی عورت کے مردہ لڑکا پیدا ہوا اور اس کے ہاتھ، کان، ناک وغیرہ اعضا بھی ہوں تو وہ فرزند زندہ کے حکم میں ہوگا۔ اور اگر لڑکی ہو تو وہ ام ولد ہوگی جس کا فروخت کرنا روا نہ ہوگا اور وہ خون نفاس ہوگا اور اوّل نفاس کی کوئی حد نہیں۔ بعض عورتیں ایک روز میں ہی پاک ہو جاتی ہیں اور بعض دو تین روز میں خون نفاس سے پاک ہونے کے بعد نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا چاہئے۔ اگرچہ چالیس روز سے زائد جو خون ہو وہ استحاضہ ہے۔ [2] اگر کوئی عورت نے لڑکی کی پیدائش کے بعد چالیس اور چند روز خون دیکھا اور اس کی عادت قدیم چالیس یوم سے کم تھی، تو عادت قدیم کے مطابق چالیس دن نفاس کے ہوں گے اور اس سے زائد دن استحاضہ کے۔ اور اگر عورت کی عادت قدیم کچھ نہ تھی اوّل بار خون نفاس کی مدت چالیس یوم ہوگی اور چالیس یوم سے زائد جو دن ہوں گے وہ استحاضہ ہوں گے۔

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے جو باتیں حیض والی عورت کے لئے روا نہیں وہی نفاس والی عورت کے لئے بھی روا نہیں۔ [3]

مسئلہ۔ ایک عورت کو اوّل مرتبہ دو دن خون آ کر بند ہو گیا، پھر چھٹے دن خون آیا بیچ میں چار دن پاک رہی تو اس عورت کے آٹھ دن حیض کے شمار ہوں گے۔ کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جو پاکی دو خونوں کے درمیان عشرہ حیض کے اندر

[1] بحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۶ [2] شامی ج ۱ ص ۲۹۳ [3] بحر الرائق ج ۱ ص ۳۷۲

ی نہیں ہے بلکہ حیض میں داخل ہے خواہ یہ پاکی عادت والی عورت کو ہو یا بتدائی عورت کو۔ [1]

سئلہ۔ اگر عورت کی کوئی خاص عادت ہو اور اس کے مطابق حیض آتا ہو مگر ہینہ میں اس عادت کے خلاف خون آ جائے۔ مثلاً پانچ دن کی عادت تھی ب بار چھ سات یوم ہو گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی اور دس بہ یہ تمام ایام حیض کے شمار ہوں گے۔ [2]

اعدہ۔ ہر عورت کو یاد رکھنا چاہئے کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ، جو خون دس یوم سے متجاوز ہو تو عادت کے ایام میں منہا کر کے زائد ایام نہ کے سمجھنے چاہئیں اور اگر عورت کی کوئی عادت ہی نہ ہو تو پھر دس دن حیض ار ہوں گے۔ اور باقی زائد دن استحاضہ کے۔ [3]

تنبیہ۔ استحاضہ کے ایام میں نماز و روزہ وغیرہ سب کچھ ادا کرنا لازم ہے۔ [4]

مسئلہ۔ اگر مستحاضہ عورت جس کو عرصے سے خون جاری ہے اپنے حیض کے ، ا بھول جائے تو غالب گمان پر عمل کرے یعنی جن دنوں کو طہر خیال کرے ں نماز، روزہ سب کچھ ادا کرے اور جن کو ایام حیض یقین کرے ان میں روزہ سب کچھ ترک کر دے۔

حائضہ عورت کو تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں چھونا یا اس تختی کو یا تعویذ کو ذرانہ جس پر کوئی آیت قرآنی لکھی ہو، ناجائز ہے۔ ہاں قبرستان اور عیدگاہ ، جانا جائز ہے۔

مسئلہ۔ اگر عورت معلمہ ہو تو بچوں کو قرآن کی تعلیم اس طرح دے کہ ایک بلفہ پڑھائے اور دو کلموں کے درمیان توقف کرے، پوری آیتوں کا رواں پڑھانا درست نہیں البتہ ہجا پڑھانا جائز ہے۔ تسبیح و تہلیل اور بسم اللہ پڑھنی بھی جائز ہے۔ [5]

ہدایت۔ حائضہ اور جنبی کو قرآن پاک کو چھونا جائز نہیں۔ ہاں قرآن کو ایسے

[1] ...ق ج ۱ ص ۳۵۶ [2] بحر الرائق ج ۱ ص ۳۶۹ [3] بحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۷ [4] بحر الرائق ج ۱ ص ۳۷۲ ...ق ج ۱ ص ۳۳۸

غلاف اور جلد کے ساتھ چھونا جو قرآن سے علیحدہ ہو ساتھ سلا ہوا نہ ہو جائز ہے اور اگر غلاف یا جلد قرآن سے چسپاں اور ساتھ سلی ہوئی ہو تو ناجائز ہے۔

حائضہ سے جماع اور استمتاع کا حکم

عرب والے حائضہ عورت کے ساتھ نہایت نفرت وحقارت کا برتاؤ کرتے تھے نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اور نہ سکونت رکھتے تھے۔ یہی وطیرہ یہودیوں اور مجوسیوں کا بھی تھا۔ اس پر ثابت بن الدحداح ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شدید جاڑوں کے دن ہیں اور ہمارے پاس کپڑوں کی قلت ہے کیا ہم ایک کپڑے میں اپنی عورت کے ساتھ جمع ہوسکتے ہیں؟ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

ویسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حیث امرکم الله ان الله یحب التوابین ویحب المتطهرین.[1]

ترجمہ: اور تجھ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ ان سے کہہ دے کہ وہ ناپاکی ہے پس عورتوں سے حیض میں الگ رہو اور ان کے نزدیک نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہولیں اور جب وہ پاک ہوجائیں تو پھر آؤ ان کے پاس جہاں سے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ توبہ قبول کرنے والوں اور پاک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

یعنی تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم حائضہ عورتوں سے مجامعت نہ کیا کرو اور یہ حکم نہیں دیا جاتا کہ ان کو گھروں سے نکال دیا کرو۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب یہود حالت حیض میں اپنی عورتوں سے غایت

[1] البقرۃ : ۲۲۲

نفرت کا اظہار کرتے تھے یہاں تک کہ ان سے نہ کلام کرتے تھے اور نہ ان کی طرف نظر کرتے تھے اور نصاریٰ برعکس اس کے حالت حیض میں حد سے زیادہ اختلاط کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان سے زبردستی وطی کرتے تھے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو افراط وتفریط سے روکا اور ایک معتدل حکم دے دیا ہے یعنی حیض ایک ناپاکی ہے۔ اس حالت میں اپنی عورتوں سے نفرت وکراہت کا اظہار تو نہ کرو بلکہ جماع سے الگ رہو اور اس اجتناب میں بڑی بڑی طبی مصلحت مضمر ہے وہ یہ کہ حالت حیض میں جماع کرنے سے بڑی بڑی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ حالت حیض میں جماع کرنے سے اسلام نے اس قدر شدت وتاکید کے ساتھ روکا ہے کہ اس کو کبیرہ گناہ ٹھہرادیا اور ساتھ ہی اس کو ایک ناقابل معافی جرم ٹھہرایا ہے۔ اگر کوئی شخص حائضہ عورت سے جماع کرلے تو اس کو توبہ واستغفار کرنی چاہئے۔ اور اگر صاحب مقدرت ہے تو صدقہ بھی دے جس کی مقدار ساڑھے چار ماشے سونا ہے۔ صدقہ کا حکم اس وقت ہے جبکہ ایسی حالت میں جماع کیا کہ خون سرخ آرہا تھا اور اگر اس حالت میں جماع کرے کہ خون کا رنگ زرد ہوگیا ہو تو پھر سوا دو ماشہ خیرات کرنا چاہئے تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہوجائے۔ باقی رہا عورت کا سوال تو اس پر اس فعل کے ارتکاب کا کوئی جرم نہیں سارا وبال صرف مرد پر عائد ہوتا ہے۔

تنبیہ۔ زاہدی فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے امر ونہی دونوں کو نہایت ہی تحدید کے ساتھ جمع کیا ہے بخلاف باقی احکام کے۔ اس بناء پر فقہا نے فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص حالت حیض میں جماع کرنے کو حلال جانے وہ کافر ہے۔

الغرض حالت حیض میں جماع کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا۔ باقی رہا اختلاط استمتاع کا سوال سو اس کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ ؒ اور حضرت ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک عورت سے لذت حاصل کرنا منع ہے۔[1] اس حصے کے علاوہ جس حصہ سے چاہے حظ

[1] البحر الرائق ج ۱ ص ۲۳۳

ولطف حاصل کرسکتا ہے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خاص شرمگاہ سے لذت حاصل کرنا منع ہے مگر فتویٰ اوپر والے قول پر ہے۔

مسئلہ۔ اگر عورت دس دن میں پاک ہوئی تو قبل از غسل بھی اس سے صحبت کرنا جائز ہے اور اگر دس دن سے کم ایام میں حیض منقطع ہوگیا تو دس روز گزرنے کا انتظار کرنا چاہئے یا کم از کم نماز کا پورا وقت گزر جانا چاہئے، کیونکہ ایسی عورت پر نماز بھی اسی وقت فرض ہوتی ہے جبکہ نماز کے آخر وقت کا اتنا زمانہ موجود ہو۔ [۱]

اگر کسی عورت کا حیض عادت مقررہ سے کم مدت میں منقطع ہوگیا تو غسل میں تاخیر کرنا واجب ہے۔ مثلاً ایک عورت کی پانچ دن کی عادت مقرر تھی اور چار دن میں حیض منقطع ہوگیا تو ایک دن غسل میں تاخیر کرنی واجب ہے۔

نفاس کے خاص احکام ومسائل :

پہلے لکھا جاچکا ہے کہ نفاس والی عورت کے احکام ومسائل تقریباً وہی ہیں جو حیض والی عورت کے ہیں لیکن یہاں ہم نفاس سے متعلق خاص احکام ومسائل بیان کرتے ہیں۔ یعنی جو نفاس والی عورت کے ساتھ مخصوص ہیں:

(۱) اگر کسی عورت کا بچہ پیٹ چاک کرکے نکالا گیا۔ ایسی حالت میں اگر رحم سے خون جاری ہو تو اس پر نفاس کا حکم ہوگا۔ ورنہ نفاس کا حکم نہ ہوگا۔ نماز وروزہ واجب الاداہوگا۔ [۲]

(۲) اگر کسی حاملہ کا بچہ نصف سے کم نکل کر رہ گیا اور نماز کا وقت قریب الاختتام ہے تو چونکہ خون جاری نہیں ہوا ہے اس لئے نفاس کا حکم نہ ہوگا اور اس وقت کی نماز اشارہ سے ادا کرنی ہوگی۔ ہاں اگر نصف سے زیادہ بچہ خارج ہوگیا ہو اور خون بھی جاری ہوگیا تو پھر نفاس کا حکم ہوگا اور نماز معاف ہوجائے گی۔ [۳]

(۳) جوڑواں بچوں کی ماں کا نفاس اوّل بچہ کی ولادت سے معتبر ہے۔ اگر دو بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو تو جڑواں سمجھے جائیں گے۔ اور چھ ماہ یا اس سے زائد فاصلہ ہو تو دو حمل قرار دیئے جائیں گے۔ [۴]

---

[۱] بحرالرائق ج ۱ ص ۲۲۸ [۲] بحرالرائق ج ۱ ص ۳۷۸ [۳] شامی ج ۱ ص ۲۹۳ [۴] بحرالرائق ج ۱ ص ۲۸۱

اسقاط کا حکم :

اگر اسقاط ایسی حالت میں ہوا ہو کہ ظہور اعضاء ہوچکا ہے یعنی چار ماہ کا حمل ہوگیا ہے تو ایسے اسقاط کے بعد جو خون جاری ہوگا وہ نفاس کا خون سمجھا جائے گا۔ اور اگر اسقاط چار ماہ سے قبل ہوگا تو وہ خون حیض ہے۔ بشرطیکہ پندرہ دن طہر کے گزرنے کے بعد تین دن خون جاری رہا ہو۔ اگر تین دن خون جاری نہیں رہا یا تین دن جاری رہا لیکن پندرہ دن طہر کے پہلے نہیں گزرے تو یہ استحاضہ ہے۔ [۱]

اگر اسقاط حمل ہوکر خون جاری ہوگیا مگر یہ معلوم نہیں کہ بعض اعضاء کی خلقت کا ظہور ہوگیا یا نہیں مثلاً اندھیرے میں گر پڑا اور پھینک دیا گیا یا عورت حمل کے دنوں کو بھول گئی تو عورت پر لازم ہے کہ جو دن اس کے یقینی حیض کے ہوں خواہ پانچ یا سات یا دس وغیرہ تو ان میں تو نماز ترک کرے اور باقی ایام کو استحاضہ کے ایام خیال کرے۔ [۲]

معذور کے احکام

شریعت میں معذور وہ شخص سمجھا جاتا ہے۔ جس کا عذر ایک نماز کے پورے وقت میں برابر قائم رہے۔ اور وہ شخص اس عذر کے روکنے اور دفع کرنے میں بے قابو ہو مثلاً نکسیر جاری ہو یا خون استحاضہ جاری ہو یا ریح یا پیشاب کسی حصہ بدن سے جاری ہو اور یہ عذر نماز کے پورے پورے وقت میں برابر قائم رہے اور اس کے روکنے پر قابو بھی نہ ہو تو ایسا شخص شرعاً معذور ہے، معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے۔ یعنی معذور شخص ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں ایک وقت کے وضو سے اسی وقت کی فرض واجب اور نفل نمازیں ادا کرسکتا ہے جب تک وقت ختم نہ ہوجائے گا یا کوئی دوسرا حدث نہ ہوجائے گا معذور کا وضو نہ ٹوٹے گا مثلاً ایک مستحاضہ عورت نے ظہر کے وقت وضو کیا تو اسی وضو سے ابتدائے عصر تک جو کچھ چاہے پڑھ سکتی ہے وضو ٹوٹنے کی صرف دو شکلیں

---

[۱] بحرالرائق ج ۱ ص ۳۷۹ [۲] شرح التنویر ج ۱ ص ۳۰۲، عالمگیری ج ۱ ص ۴۰

ہیں یا تو عصر کا وقت شروع ہو جائے یا کوئی دوسرا حدث ہو جائے مثلاً پیشاب آ جائے یا ریح خارج ہو جائے۔[1] اور اگر کسی کا عذر درمیان وقت میں اتنی دیر کے لیے جاتا رہتا ہو کہ وضو کرکے اس وقت کی نماز پڑھ سکے تو اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔ ہاں اگر اس سے کم وقت کے لئے عذر جاتا رہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔[2]

اگر معذور کی حالت ایسی ہو کہ کپڑے دھو کر نماز کو کھڑا ہوا اور نماز سے فارغ ہونے سے قبل پھر کپڑے نجس ہو جائیں تو ایسے شخص کو کپڑے پاک کرنے کی ضرورت نہیں انہی ناپاک کپڑوں سے نماز پڑھ لے۔ اگر اس حالت تک نوبت نہ پہنچے تو پھر کپڑے دھونے واجب ہیں۔[3]

باب التیمّم

فصل اوّل: ابتدائے شرعیت تیمّم

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نماز سے پہلے وضو کا حکم دیا ہے اور غسل کی حالت میں غسل کا حکم لیکن ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے:۔

فلم تجدوا ماآء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم ان اللہ کان عفواً غفوراً۔[4]

یعنی اگر پانی نہ پاؤ تو صاف ستھری مٹی لے کر تیمم کر لو۔

فلم تجدوا سے مطلب یہ ہے کہ یا تو فی الواقع پانی میسر ہی نہ ہو یا ہو تو سہی لیکن وضو یا غسل کی صورت میں احتمال مرض ہو ان دونوں صورتوں میں پاک و صاف مٹی سے تیمم کر لینا چاہئے۔

تیمم کتاب و سنت اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے اور اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ اس کی ابتداء شرعیت اس طرح ہے کہ ایک غزوہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گلے کا کنٹھا گم ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی

---

[1] بحر الرائق ج ا ص ۲۷۳ [2] شرح التنویر ج ا ص ۳۰۵ [3] النساء : ۴۳ [4] بحر الرائق ج ا ص ۲۳۲

تلاش و جستجو کے لئے توقف کیا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا اور مسلمانوں کے پاس پانی بھی نہ تھا کہ وضو کرکے نماز پڑھ لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عائشہؓ پر غصہ ہوئے اور فرمایا تمہاری وجہ سے لوگ رکے ہوئے ہیں اور یہاں پانی بھی میسر نہیں اسی وقت آیت تیمم نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تیمم کرنے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت اسید بن حضیرؓ نے کہا کہ اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کی برکت سے تمام مسلمانوں پر یہ آسانی ہوئی۔[1]

آیت تیمم کے نازل ہونے کے بعد رسول خدا ﷺ ہر زمین پر تیمم کرکے نماز پڑھتے تھے، خواہ پتھر ہو یا ریگ یا خاک۔ خاک و ریگ میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرتے تھے۔ لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم صرف خاک کے ساتھ مخصوص ہے اس کے بغیر درست نہیں۔ امام ابو یوسفؒ خاک و ریگ دونوں کو تیمم کے لئے مخصوص کرتے ہیں اور اس بارے میں مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ ہے کہ جنس زمین سے جو چیز بھی ہو اس سے تیمم جائز ہے۔ مثلاً خاک، ریگ اور سنگ وغیرہ اور جنس ارض سے مراد وہ چیز ہے جو آگ سے نہ پگھل سکے اور نہ خاکستر ہو سکے۔ چنانچہ حدیث ابی امامہؓ میں لفظ ''ارض'' اور حدیث ابو حذیفہ میں ''تربۃ'' و ''تراب'' آیا ہے۔[2]

احناف کے نزدیک تیمم وضو کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی وضو کی طرح ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ میں نے کسی صحیح حدیث میں یہ بات نہیں دیکھی کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے ہر فریضہ کے لئے جدید تیمم کیا ہو۔

تیمم کس طرح کرنا چاہئے؟

خود اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں اس کا طریقہ بتلا دیا ہے اور سنت صحیحہ سے یونہی ثابت ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر پورے چہرہ کا مسح کرے جتنے حصہ کا وضو میں دھونا فرض ہے اس جگہ کا کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہنے پائے کہ اس کا

---

[1] صحیح البخاری ''باب اذا لم یجد ماء ولا ترابا'' ج ا ص ۴۸ [2] عالمگیری ج ا ص ۲۶

مسح نہ ہو ورنہ تیمّم نہ ہوگا۔ پھر دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں اور ہتھیلی کا کچھ حصہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی کے پورے کے نیچے رکھ کر سیدھے ہاتھ کے بیرونی حصہ پر کھینچتا ہوا کہنیوں تک لے جائے پھر بائیں ہاتھ کی شہادت انگلی اور انگوٹھا اور ہتھیلی کا بقیہ حصہ سیدھے ہاتھ کی کہنی کے اندرونی حصے پر رکھتا ہوا انگلیوں کے سرے تک پہونچائے اور پھر بائیں ہاتھ کا بھی اسی طرح مسح کرے۔ [1]

فصل دوئم: فرائض وسنن تیمّم

تیمّم کی تعریف:

تیمّم شرعاً اس قصد کو کہتے ہیں جو پاک مٹی وغیرہ سے طہارت حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کے لغوی معنیٰ مطلق قصد کے ہیں اور شرعاً پاک مٹی سے طہارت حاصل کرنے کا قصد کرنے کو تیمّم کہتے ہیں۔ [2]

تیمّم کے ارکان یعنی فرائض تین ہیں: (۱) ضرب لگا کر منہ کا مسح کرنا (۲) دوسری ضرب لگا کر ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مسح کرنا (۳) کل اعضاء مقررہ کا اس طرح مسح کرنا کہ مسح سے ایک بال برابر بھی جگہ خالی نہ رہے۔ [3]

اس بارے میں اختلاف ہے کہ تیمّم کے لئے دو ضربیں ہیں یا صرف ایک ضرب۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمّم دو ضربہ ہے۔ ایک ضرب منہ کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔ [4] چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین. [5]

ترجمہ: دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک ضرب

۱ درمختار ج ۱ ص ۱۶۹ ۲-۳ حلبی کبیر شرح منیۃ المصلی ج ۱ ص ۶۲ ۴ منیۃ المصلی ج ۱ ص ۲۲ ۵ اعلاء السنن ج ۱ ص ۳۱۸، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۸۰، بیہقی ج ۱ ص ۲۰۷

دونوں ہاتھوں کے لئے۔

تیمّم کی نیت:

تیمّم کی نیت کرنا فرض ہے۔ [1] پس اگر کوئی جنابت والا اپنی جنابت کو دور کرنے اور نماز پڑھنے یا معذور نماز پڑھنے کے لئے تیمّم کرنا چاہے تو اس کو یوں نیت کرنی چاہئے۔ نویت ان تیمم لرفع الجنابة واستباحة الصلوٰة۔ یعنی نیت کرتا ہوں میں تیمّم کرنے کے واسطے دور کرنے جنابت اور جائز ہونے نماز کے۔ اگر مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمّم کرے تو اس کی نیت یوں کرے نویت ان اتیمم لدخول المسجد۔ یعنی میں مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمّم کی نیت کرتا ہوں اگر قرآن پاک کو ہاتھ لگانے کے لئے تیمّم کرنا چاہے تو یوں نیت کرے نویت ان اتیمم لمس القرآن۔ یعنی میں قرآن چھونے کیلئے تیمّم کی نیت کرتا ہوں۔ اور اگر بے وضو آدمی حدث دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے تیمّم کرنا چاہے تو اس کو یوں نیت کرنی چاہئے نویت ان اتیمم لرفع الحدث واستباحة الصلوٰة یعنی میں حدث دور کرنے اور نماز کے مباح ہونے کے لئے تیمّم کی نیت کرتا ہوں۔

یہ ضروری نہیں کہ عربی زبان کی مذکورہ بالا نیتیں ہی کی جائیں بلکہ اگر اردو زبان میں مذکورہ بالا مفاہیم کو سامنے رکھا جائے تب بھی نیت ہو جاتی ہے۔

تیمّم کی سنتیں:

تیمّم کی سنتیں آٹھ ہیں (۱) کف دست کو پاک مٹی پر مارنا (۲) ہتھیلیوں کو مٹی پر مار کر اپنی طرف کھینچنا (۳) اس کے بعد ہتھیلیوں کو ذرا پیچھے ہٹانا (۴) ہاتھوں کو جھاڑنا (۵) بسم اللہ کہنی (۶) مٹی پر ہاتھ مارتے وقت انگلیوں کا کشادہ رکھنا (۷) ترتیب کو ملحوظ رکھنا یعنی اوّل منہ پر مسح کرنا اور پھر ہاتھوں پر (۸) پے در پے مسح کرنا بیچ میں توقف نہ کرنا۔ [2]

۱ حلبی کبیر ج ۱ ص ۶۲ ۲ حلبی کبیر ج ۱ ص ۶۳

کن چیزوں پر تیمّم جائز ہے؟

امام ابوحنیفہ کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ جو چیز زمین کی جنس سے ہے اس پر تیمم جائز ہے۔ پس مٹی، چونہ، گیرو، ملتانی مٹی، سرمہ، ہڑتال، گندھک، یاقوت، زمرد، عقیق، فیروزہ، سیندھا نمک اور معمولی نمک وغیرہ تمام چیزوں پر تیمم جائز ہے۔[۱]

کن اشخاص کو تیمّم کرنا روا ہے؟

یا یوں سمجھو کہ مذکورہ ذیل صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے:

(۱) پانی ایک میل دور ہو، آس پس کہیں بھی پانی نہ مل سکے یا پانی تو ملے مگر وضو کے لئے کافی نہ ہو تو ان صورتوں میں تیمم کر لینا جائز ہے۔ مگر یاد رہے شرعی میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے اور پانی کی اتنی دوری مسافر کے سامنے کے رخ سے معتبر ہے یعنی جدھر مسافر جانا چاہتا ہے اس سمت میں پانی ایک میل تک نہ مل سکتا ہو۔ باقی دائیں بائیں کی دوری معتبر نہیں خواہ میل سے کم ہو یا زائد۔[۲]

(۲) پانی کے استعمال سے بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا سخت جاڑوں کی وجہ سے بیماری پیدا ہو جانے کا یقین ہو تو ان دونوں صورتوں میں تیمم کر لینا جائز ہے۔ مگر یاد رہے اس اجازت سے اسی وقت فائدہ اٹھانا چاہئے جب کہ بیماری بڑھنے یا پیدا ہونے کا خوف یقینی ہو اس میں تساہل وسہل انکاری کا دخل نہ ہو۔[۳]

(۳) ایسی عورت جس کو خوف ہے کہ اگر میں پانی لینے جاؤں گی تو کوئی بدچلن آدمی میری بے عصمتی کرے گا تو اس کو حفظ عصمت کے لئے تیمم کر لینا چاہئے۔

(۴) ایک شخص مفلس ہے اور اس کو خوف ہے کہ اگر میں پانی لینے کے لئے جاؤں گا تو قرض خواہ مجھے قید کر لے گا تو ایسی حالت میں بھی تیمم کر لینا چاہئے۔

(۵) پانی ایسی جگہ ہے کہ وہاں کوئی سانپ، بھیڑیا اور شیر وغیرہ درندہ اور کوئی جان لیوا دشمن ہو اور جان کا خوف ہو تو اس صورت میں بھی تیمم کر لینا جائز

---

۱ اعلاء السنن ج ۱ ص ۲۷۰، حلبی کبیر ج ۱ ص ۷۶ ۲ شرح التنویر ج ۱ ص ۲۳۹، حلبی کبیر ج ۱ ص ۶۷ ۳ حلبی کبیر ج ۱ ص ۶۵

ہے۔[۱]

(۶) اگر نجاست حقیقی بدن یا کپڑے پر اتنی لگی ہوئی ہے جو نماز کی مانع ہے یعنی اس کی موجودگی میں نماز نہیں پڑھ سکتا اور پانی صرف اتنا ہے کہ یا تو وضو کرے یا نجاست دھوڈالے تو اس صورت میں بدن اور کپڑے کو دھوڈالنا چاہئے اور وضو کی جگہ تیمم کر لینا چاہئے۔[۲]

(۷) اگر خود یا کوئی دوسرا آدمی سخت پیاسا ہو اور پانی اتنا ہو کہ پیاس بھی بجھا لے اور وضو بھی کر لے تو اس صورت میں بھی تیمم کر لینا چاہئے۔[۳]

تشریحات:

اوپر لکھا گیا ہے کہ اگر بدچلن آدمی یا قرض خواہ کا خوف ہو تو تیمم کر لینا چاہئے اس صورت میں اگر خود بخود خوف پیدا ہوا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو خوف رفع ہونے کے بعد اس نماز کو دوبارہ پڑھنا چاہئے اور اگر بدچلن اور قرض خواہ کے خوف دلانے سے خوف پیدا ہوا تھا تو اس حالت میں خوف رفع ہونے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ (ہر دو حالت درست ہے)

اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو اور یہ شخص میت کا ولی بھی نہ ہو کہ نماز جنازہ میں تاخیر کرا سکے تو باوجود پانی ہونے کے تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھ لینا جائز ہے خواہ وہ بیمار ہو یا تندرست اور خواہ جنبی ہو یا حائضہ۔ اسی طرح کسوف وخسوف اور عیدین کی نمازوں کے فوت ہو جانے کے اندیشہ کی حالت میں بھی باوجود پانی کے موجود ہونے کے تیمم کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ ایسی نمازیں جن کے فوت ہو جانے کے بعد نہ ان کی قضا ہو اور نہ ان کے قائم مقام دوسری نماز ہو سکتی ہو تو ایسی نمازوں کے لئے باوجود پانی اور تندرستی کے تیمم کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ مثلاً عیدین کی نمازیں کہ نہ ان کی قضا ہے اور نہ ان کی قائم مقام دوسری نمازیں اس لئے ان کے فوت ہو جانے کے اندیشہ پر باوجود پانی کے تیمم کر لینا جائز ہوا۔[۴]

---

۱ حلبی کبیر ج ۱ ص ۸۵ ۲ حلبی کبیر شرح المنیۃ ج ۱ ص ۸۶ ۳ حلبی کبیر شرح المنیۃ ج ۱ ص ۸۷ ۴ شامی ج ۱ ص ۲۴۰، حلبی کبیر ج ۱ ص ۸۳

چند اصول وضوابط :

جب تک پانی پر قدرت حاصل نہ ہو ایک ہی تیمّم سے مختلف اوقات کی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں مثلاً اگر ظہر کو پانی نہ ملا اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو جب تک پانی نہ ملے اور کوئی امر ناقض وضو نہ ہو، اس ظہر والے تیمّم سے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔[1]

(۱) اگر کسی نے قرآن پڑھنے یا قبرستان میں جانے یا میت کو دفن کرنے یا مسجد میں داخل ہونے اور یا صرف اذان دینے کے لئے تیمّم کیا ہو تو اس تیمّم سے فرض نمازیں ادا نہیں کرسکتا۔ ہاں جو تیمّم سجدہ تلاوت کے لئے یا نماز جنازہ کے لئے کیا جائے اس تیمّم سے فرض نماز ادا کرسکتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جو تیمّم رکوع وسجود والی نماز کے لئے کیا جائے اس سے تمام مختلف عبادتیں ادا کی جاسکتی ہیں مگر جو تیمّم کسی اور عبادت کے لئے کیا جائے اس سے رکوع وسجود والی فرض نمازیں ادا نہیں کی جاسکتیں۔[2]

(۲) اگر سجدہ تلاوت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرنا جائز نہیں وضو کرنا لازم ہے اور اس طرح جمعہ کی نماز بھی تیمّم سے ادا نہیں کی جاسکتی کیوں کہ سجدہ تلاوت پھر بھی کرسکتا ہے اور جمعہ کی فوت ہو جانے کے بعد اس کا قائم مقام ظہر موجود ہے۔[3]

(۳) اگر کوئی شخص خود مجبور ہو تیمّم نہ کرسکتا ہو تو دوسرا شخص اس کو تیمّم کرا سکتا ہے مگر نیت خود مجبور شخص کو کرنی چاہیئے۔[4]

(۴) غسل اور وضو دونوں کا تیمّم ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔[5]

(۵) ایک مٹی سے کئی آدمی تیمّم کرسکتے ہیں کیوں کہ ایک آدمی کے تیمّم کرنے سے مٹی مستعمل نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔[6]

---

[1] شرح البدایہ ج ۱ ص ۵۳ [2] حلبی کبیر ج ۱ ص ۷۲ [3] شامی ج ۱ ص ۲۳۳ [4] شامی ج ۱ ص ۲۵۸ [5] شامی ج ۱ ص ۲۲۸ [6] حلبی کبیر ج ۱ ص ۸۰

تیمّم کو توڑنے والی چیزیں :

جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انہی چیزوں سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ تیمّم کو توڑنے والی ایک خاص چیز یہ ہے کہ پانی کے استعمال پر قدرت حاصل ہو جائے یعنی پانی استعمال نہ کرنے کا عذر جاتا رہے یا پانی مل جائے۔[1]

فصل سوم : مسائل متفرقہ

مسئلہ: تیمّم کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ تلاش کرنے سے پانی دستیاب نہ ہو۔ اگر کوئی مسافر بغیر پانی تلاش کئے تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز تو ہو جائے گی لیکن وہ گناہ گار ہوگا کیوں کہ اس پر پانی تلاش کرنا واجب تھا۔ اس ترک واجب کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگا۔ چنانچہ اگر پانی ملنے کی امید ہو تو نماز پڑھنے میں آخر وقت تک تاخیر کرنی چاہئے۔ اس صورت میں پانی کا انتظار کرنا مستحب ہے۔ ہاں اگر پانی ملنے کی امید نہ ہو تو پھر نماز میں تاخیر نہ کرنی چاہئے۔[2]

مسئلہ: اگر ایک شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی۔ اس کے بعد پانی بھی مل گیا مگر فوراً ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ وضو کرنے سے ضرر کا احتمال ہے تو اس کو از سر نو دوسرا تیمّم کرنا چاہئے پہلا تیمّم کافی نہیں۔[3]

مسئلہ: ایک مسافر کے پاس آدمی تھا جس سے پانی کا پتہ دریافت کرسکتا تھا لیکن اس نے بغیر دریافت کئے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی اور نماز پڑھنے کے بعد اس شخص سے دریافت کیا اور اس نے پاس ہی پانی بتلا دیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی دوبارہ پڑھنی چاہیئے۔[4]

مسئلہ: ایک شخص کے پاس پانی تو کافی موجود ہے مگر اس نے یہ گمان کر کے کہ پانی کافی نہیں ہے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی بعدہ معلوم ہوا کہ پانی کافی ہے تو

---

[1] شامی ج ۱ ص ۲۵۶ [2] شامی ج ۱ ص ۲۳۹ شرح البدایہ ج ۱ ص ۵۷ [3] شامی ج ۱ ص ۲۵۵ [4] حلبی کبیر ص ۷۸

اسے دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنی واجب ہے۔

مسئلہ: اگر پانی اتنا مل سکے کہ ایک ایک دفعہ منہ اور ہاتھ دھو سکتا ہے تو ایک دفعہ ہی اعضاء کو دھو لینا چاہئے۔ تیمم کرنا درست نہیں منہ اور ہاتھ دھولے اور سر کا مسح کر لے۔ [۱]

مسئلہ: اگر کوئی شخص آبادی سے ایک میل دور نکل گیا اور ایک میل تک کہیں پانی نہ ملا تو اسے بغیر مزید تلاش کے تیمم کر لینا جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ: اگر کہیں اتنی سردی پڑتی ہے اور برف کٹتی ہے کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہوجانے کا خوف ہے اور پاس کوئی گرم کپڑا بھی نہیں کہ نہا کر فوراً بدن سے لپیٹ لے تو تیمم درست ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے آدھے سے زیادہ بدن پر زخم ہوں یا چیچک نکلی ہو تو اس پر نہانا واجب نہیں تیمم درست ہے۔ [۳]

مسئلہ: اگر کسی جنگل یا میدان میں نماز پڑھ لی اور پانی وہاں سے قریب ہی تھا لیکن اس کو تلاش کرنے کے باوجود اس پانی کا پتہ نہ مل سکا تو اس کا تیمم بھی صحیح ہوا اور نماز بھی ہوگئی دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنا واجب نہیں۔ [۴]

مسئلہ: اگر کسی کے پاس پانی تو موجود ہو لیکن راستہ ایسا خراب ہو کہ آگے کہیں پانی ملنے کی امید نہ ہو اور راستہ میں پیاس کی تکلیف سے ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اسے وضو کرنا نہ چاہیے تیمم کر لینا درست ہے تاکہ پیاس کے لئے پانی باقی رہے۔ [۵]

مسئلہ: اگر ایک مسافر نے تیمم کر کے نماز شروع کی۔ اثنائے نماز میں معلوم ہوا کہ دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہے اور گمان غالب ہے کہ وہ مانگنے سے دیدے گا تو اسے چاہئے کہ نماز توڑ دے اور اس سے پانی لے کر اور وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھ لے اور اگر گمان یہ ہے کہ وہ شخص پانی مانگنے سے نہ دے گا تو بدستور نماز پڑھتا رہے۔ توڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مسافر کے ساتھی کے پاس پانی تھا لیکن اس نے خیال کیا کہ یہ شخص پانی نہ دے گا اس سے مانگنا ہی فضول ہے

[۱] شرح التنویر ج اص ۲۶۱ [۲] حلبی کبیر ج اص ۶۷ [۳] حلبی کبیر ج اص ۶۳ [۴] حلبی کبیر ج اص ۶۸ [۵] حلبی کبیر ج اص ۶۶

اور اس نے اس خیال سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو درست نہیں۔ کیوں کہ ممکن ہے وہ پانی دیدیتا۔ اور اگر نماز پڑھنے کے بعد پانی مانگا اور اس نے دیدیا تو اسے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے خواہ وہ قیمت سے دے یا مفت اور اگر اس نے پانی نہ دیا تو نماز درست ہوگئی لیکن تیمم جاتا رہا۔ کیوں کہ اب اسے کسی نہ کسی طرح پانی پر قدرت حاصل ہوگئی۔ [۱]

مسئلہ: اگر پانی مول بکتا ہے اور پاس دام نہیں ہیں تو تیمم کر لینا درست ہے۔ اگر دام بھی ہیں مگر اتنے کہ ان سے پانی خرید لے تو راستہ کا کرایہ اور دیگر مصارف پورے نہیں ہوتے تو اس صورت میں بھی تیمم درست ہے۔ اور اگر مصارف سفر سے زیادہ بھی دام موجود ہیں مگر پانی اتنا گراں ملتا ہے کہ اتنی قیمت پر کوئی دوسرا نہیں لے سکتا تب بھی تیمم درست ہے۔ [۲]

مسئلہ: اگر کنویں پر رسی ڈول موجود نہ ہو اور پانی نکالنے کی کوئی اور صورت بھی ممکن نہ ہو تو تیمم درست ہے۔ ہاں اگر پانی نکالنے کی کوئی صورت ممکن ہے تو پھر درست نہیں یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس اتنا کپڑا موجود ہے کہ اس کو کنوئیں میں ڈال کر اور اسے نچوڑ کر وضو کر سکتا ہے تو اسے ایسا ہی کرنا چاہئے تیمم درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر کپڑا بیش قیمت ہے کہ بھگونے سے خراب و ناکارہ ہو جائے گا تو پھر تیمم کر لینا جائز ہے۔ [۳]

مسئلہ: دو برتنوں میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ایک میں پاک پانی ہے اور دوسرے میں ناپاک پانی لیکن یہ معلوم نہیں کہ کونسا پاک ہے اور کون سا ناپاک اور اس کے سوا کوئی پانی بھی نہیں مل سکتا اور نہ کسی طرح ان کا پاک و ناپاک ہونا معلوم ہو سکتا ہے تو تیمم کر لے۔

مسئلہ: اگر پانی ایک میل سے کم دور ہو لیکن وقت نماز کا اتنا تنگ ہو کہ نماز کا قضا ہو جانا یقینی ہے تو تیمم کر لینا چاہئے پھر پانی لا کر اور وضو کر کے قضا نماز پڑھے۔ [۴]

[۱] حلبی کبیر ج اص ۶۸ [۲] حلبی کبیر ج اص ۶۹ [۳] حلبی کبیر ج اص ۷۰، شرح التنویر ج اص ۲۳۹ [۴] شرح الہدایہ ج اص ۵۲

مسئلہ: اگر نہانے کی ضرورت تھی اور غسل کیا مگر ذرا سا بدن سوکھا رہ گیا اور پانی ختم ہو گیا غسل مکمل نہیں ہوا تو اسے تیمّم کر لینا چاہئے۔ پھر جہاں کہیں پانی ملے اس خشک جگہ کو دھو لینا چاہئے مکرر غسل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر پانی ایسے وقت میں ملا کہ وضو بھی ٹوٹ گیا ہے تو اوّل اس سوکھی جگہ کو دھولے بعد میں وضو کرلے اور اگر وضو کے لئے پانی کافی نہ ہو تو تیمّم کرلے۔ ۱

ضروری ہدایتیں:

اگر وضو کا تیمّم ہے تو وضو کے موافق پانی ملنے سے تیمّم ٹوٹے گا اور اگر غسل کا تیمّم ہے تو غسل کے لائق پانی ملنے سے تیمّم ٹوٹے گا۔ اگر کسی کو نہانے کی ضرورت ہو تو وضو اور غسل کا جدا جدا تیمّم کرنے کی ضرورت نہیں صرف غسل کی نیت سے تیمّم بھی ہو جائے گا۔ تیمّم کی نیت صرف اتنی کافی ہے کہ میں طہارت حاصل کرنے کے لئے یا نماز کے لئے تیمّم کرتا ہوں۔ ۲

جو تیمّم نماز کے لئے کیا جائے اس سے قرآن کو چھونا، اس کی تلاوت کرنا اور قبرستان، مسجدوں میں جانا سب کچھ درست ہے۔ اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ زمین پر پیشاب پڑا تھا اور وہ دھوپ سے خشک ہو گیا جس کا نشان تک باقی نہیں رہا تو وہ زمین پاک ہو گئی۔ اس پر نماز پڑھنی اور تیمّم کرنا دونوں باتیں درست ہیں اور اگر یقینی طور پر معلوم نہ ہو تو بھی زیادہ وہم نہ کرے تیمّم کرلے۔ ۳

ہاتھ پاؤں کٹا ہوا آدمی معذور و مجبور ہے اس سے طہارت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے نہ اسے وضو کرنے کی ضرورت اور نہ تیمّم کرنے کی۔ ۴

اگر کسی کے پاس زمزم کا پانی ہو اور دوسرا پانی نہ مل سکتا ہو تو زم زم کے پانی سے ہی وضو کر لینا چاہئے تیمّم کرنا درست نہیں۔ ۵

اگر غسل کرنا نقصان دیتا ہو اور وضو کرنا نقصان نہ دیتا ہو تو غسل کے بجائے تیمّم کر لینا چاہئے۔ ۶

---

۱ حلبی کبیر ج ۱ ص ۸۵ ۲ شامی ج ۱ ص ۲۳۲ ۳ حلبی کبیر ج ۱ ص ۷۳ ۴ حلبی کبیر ج ۱ ص ۷۴ ۵ شامی ج ۱ ص ۲۵۲ ۶ حلبی کبیر ج ۱ ص ۷۰

ریل کے مسائل:

اگر پانی پاس ہے لیکن یہ ڈر ہے کہ اگر پانی لینے گیا تو ریل چھوٹ جائے گی، پھر آگے پانی ملنے کی امید نہیں اور نماز کا وقت بھی جاتا رہے گا تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے۔ اگر راستہ میں کہیں پانی ملا تو لیکن ریل چھوٹ جانے کے خوف سے اتر نہ سکا تو اس حالت میں تیمّم نہ ٹوٹے گا۔

ہدایت: پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو اس سے تیمّم کرنا روا ہے۔ اس کی تشریح و توضیح یہ ہے کہ جو چیز نہ آگ میں جلے اور نہ پگھلے وہ مٹی کی قسم سے ہے اس پر تیمّم درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہو جائے یا پگھل جائے اس پر تیمّم درست نہیں۔ ہاں اگر ان اشیاء پر غبار اور خاک ہو تو تیمّم درست ہے۔

مسئلہ: مٹی کے گھڑے اور بدھنے پر تیمّم درست ہے خواہ ان میں پانی بھرا ہو یا خالی ہوں البتہ اگر ان پر روغن اور لک کیا ہو تو پھر ان پر تیمّم درست نہیں۔ اگر پتھر پانی سے بھی دھلا ہو اور گرد کا نام و نشان بھی نہ ہو تب بھی اس پر تیمّم درست ہے۔ کیونکہ پتھر خود مٹی کی جنس سے ہے۔ اس طرح پکی اینٹ پر بھی تیمّم درست ہے خواہ اس پر گرد ہو یا نہ ہو۔ ۱

مسئلہ: کیچڑ سے تیمّم کرنا اگرچہ درست ہے مگر مناسب نہیں۔ اگر کیچڑ کے سوا اور کوئی چیز نہ ملے تو یہ ترکیب کرے کہ کیچڑ کو کپڑے میں بھر کر خشک کرلے اور اس پر تیمّم کرلے۔ ۲

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

جاننا چاہئے کہ موزوں پر مسح کرنا سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ ائمہ حدیث نے متعدد طرق بیان کئے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ سفر و حضر میں موزہ پر مسح کیا کرتے تھے۔ تمام حفاظ حدیث نے تصریح کی ہے کہ حدیث مسح خفین

۱، ۲ حلبی کبیر ج ۱ ص ۶۹

متواتر ثابت ہے۔ اس میں شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ نیز عشرہ مبشرہ اور اکثر اجلہ صحابہؓ حدیث خفین کو بیان کرتے ہیں۔ الغرض موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں کسی مسلمان کو انکار وتردد کی گنجائش نہیں[1] اب اس کے احکام ومسائل بیان کیے جاتے ہیں:۔

کس قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

تین قسم کے موزے ہیں جس پر مسح کرنا جائز ہے۔ اوّل چمڑے کے ایسے موزے جن سے پاؤں ٹخنوں تک چھپے رہیں۔ دوسرے وہ اونی یا سوتی موزے جن میں چمڑے کا تلا لگا ہوا ہو۔ تیسرے وہ اونی یا سوتی موزے جو اس قدر موٹے ہوں کہ خالی موزے پہن کر تین چار میل راستہ چلنے سے نہ پھٹیں۔ ان تین قسم کے موزوں کے سوا اور موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔ [2]

ان موزوں پر کس حالت میں اور کب مسح کرنا جائز ہے؟ جبکہ وضو کرنے کے بعد یہ صرف پاؤں دھو کر موزے پہنے ہوں اور پھر وضو ٹوٹنے کی حالت میں بھی موزے پہنے ہوئے ہوں اس طرح ایک دفعہ کے پہنے ہوئے موزوں پر اگر آدمی اپنے گھر میں ہو یعنی مقیم ہو تو ایک دن اور ایک رات تک موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔ یعنی مقیم کے لئے مدت مسح ایک دن اور ایک رات ہے۔ اور اگر سفر میں ہو تو تین دن اور تین رات تک مسح کرنا جائز ہے [3]

مسح کرنے کی ترکیب:

موزوں پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں مع ہتھیلیوں کے دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں مع ہتھیلیوں کے دائیں موزہ کے اگلے حصہ پر اور انگلیوں کو کھولے ہوئے پنڈلی کی طرف کھینچے اور ٹخنوں سے اوپر تک پہنچادے۔ [4]

موزے کے اوپر کی طرف مسح کرنا چاہئے تلووں کی طرف یا ایڑی کی طرف مسح کرنے سے مسح نہیں ہوتا۔ ہاتھ کی انگلیاں پانی سے بھگو کر تین انگلیاں پاؤں

[1] شامی ج ۱ ص ۲۶۵ [2] شامی ج ۱ ص ۲۶۲، ۲۶۹ [3] شامی ج ۱ ص ۲۷۱ [4] شامی ج ۱ ص ۲۶۷

کے نیچے پر رکھ کر اوپر کی طرف کھینچے۔ انگلیاں پوری پوری رکھے صرف ان کے سرے رکھنا کافی نہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ وضو میں موزوں کا مسح جائز ہے غسل میں نہیں یعنی غسل کی حالت میں موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے[1]

مسائل متفرقہ

اگر موزہ اتنا پھٹ گیا ہو کہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر پاؤں کھل جائے تو اس پر مسح جائز نہیں اور اگر اس سے کم پھٹا ہو تو جائز ہے۔ [2]

اگر سوتی یا اونی جرابوں پر چمڑا چڑھا دیا گیا ہو یا پوری جرابوں پر نہ چڑھایا ہو صرف جوتے کی شکل کا پا تابہ کاٹ کر لگا دیا ہو یا جرابیں بہت سخت اور سنگین ہوں کہ بغیر کسی چیز سے باندھنے کے خود بخود اپنی جگہ ٹھہری رہتی ہوں نیچے نہ سرک آتی ہوں اور ان کو پہن کر تین چار میل راستہ بھی طے کیا جاسکتا ہو تو ان سب صورتوں میں جرابوں پر مسح کرنا درست ہے۔ [3] ہاں اگر پا تابے جراب کے صرف تلے پر لگے ہوئے ہوں اور چمڑے کا ڈبل سول مع پنجہ اور ایڑی کے نہ ہو تو ایسی جرابوں پر مسح درست نہیں۔ اگر ایک موزہ اتار ڈالا تو دوسرا بھی اتار کر پاؤں دھونے واجب ہیں اگر ایک موزہ مختلف مقامات سے اتنا پھٹا ہوا ہو کہ اگر اس کو جمع کیا جائے تو تین انگلیوں کی مقدار ہو جائے تو اس پر مسح درست نہیں۔ [4]

اگر کسی شخص نے مسح کرتے وقت انگلیاں کشادہ نہ کیں مگر ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر مسح کرلیا تو مسح درست ہوگیا۔ ایک ہی انگلی سے ایک ہی جگہ ایک مرتبہ یا تین مرتبہ مسح کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر ایک ہی انگلی سی تین جگہ علیحدہ علیحدہ خط کھینچا تو درست ہے۔ [5]

مسح کی مدت کا حساب:

مسح کی مدت کا حساب اس وقت سے کیا جاتا ہے جس وقت سے وضو ٹوٹتا

[1] شامی ج ۱ ص ۲۶۸ [2] در مختار ج ۱ ص ۲۷۳ [3] شامی ج ۱ ص ۲۷۰ [4] شامی ج ۱ ص ۲۷۳ [5] شامی ج ۱ ص ۲۷۴

ہے اس وقت سے ایک دن ایک رات یا تین دن اور تین رات مسح کرنا جائز ہے۔
مثلاً کسی نے جمعہ کی صبح کو وضو کر کے موزے پہنے اور اس کا یہ وضو ظہر کا وقت ختم
ہونے پر ٹوٹا تو اب یہ شخص اگر مقیم ہے تو ہفتہ کی ظہر کے وقت تک مسح کر سکتا ہے اور
اگر مسافر ہے تو پیر کے دن کی ظہر تک مسح کر سکتا ہے۔ [1]

مسح کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے؟

جن جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے انہی سے یہ مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ ان
چیزوں کے علاوہ بعض مخصوص صورتیں بھی ہیں۔ وہ یہ کہ مسح کی مدت گزر جائے یا
موزے اتار دیئے جائیں اور یا تین انگلیوں کے برابر موزہ پھٹ جائے تو ان
تینوں صورتوں میں مسح ٹوٹ جائے گا۔ [2]

مسئلہ: اگر ایک مسافر نے موزوں پر مسح کرنا شروع کیا اور ایک دن رات
کے بعد اپنے گھر واپس آ گیا تو اس کو چاہئے کہ موزے اتار دے اور نئے سرے
سے مسح کرنا شروع کرے۔ اور اگر مقیم نے مسح شروع کیا اور پھر سفر میں چلا گیا تو
ایک دن ایک رات پوری ہونے سے پہلے سفر کیا تو تین دن تین رات تک
موزے پہنے رہے اور مسح کرتا رہے اور اگر ایک دن ایک رات پوری ہونے کے
بعد سفر کیا تو موزے اتار کر نئے سرے سے مسح شروع کرے۔ [3]

کتاب الصلوٰۃ

باب الاذان والاقامۃ

اذان اس پکار و منادی کا نام ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے وقت نماز
کے لئے جمع ہونے کو بلایا جاتا ہے۔ اور نماز کیا ہے؟ وہ مسلمانوں کی ایک اعلیٰ
درجہ کی روحانی مجلس ہے جو دنیا کے سامنے نماز و عبدیت اور دربار الٰہی کا ایک روح
پرور اور دلکش منظر پیش کرتی ہے۔ اس روحانی مجلس اور دربار الٰہی میں ہر مسلمان کا
موجود ہونا اس کے لئے مایہ صد فخر و ناز اور باعث سعادت و ہدایت ہے۔ اس امر

۱ شامی ج ۱ ص ۲۷۱، حلبی کبیر ج ۱ ص ۱۰۲ ۲ شامی ج ۱ ص ۲۷۵ ۳ حلبی کبیر ج ۱ ص ۱۱۱

ہے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر قوم اور ہر مذہب نے عبادت کے لئے
اجتماع کی ضرورت کو محسوس کیا ہے اور ہر قوم کے لوگوں نے عبادت کے لئے
بلانے اور جمع کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اطلاع ضرور مقرر کیا ہے۔ لیکن قابل غور
امر یہ ہے کہ اسلام کا طریقہ اطلاع دنیا میں کیا امتیازی شان رکھتا ہے؟ سو ہر شخص
بادنیٰ تامل معلوم کر سکتا ہے کہ اسلامی طریقہ ہی تمام مذاہب واقوام کے طریقوں
سے سب سے ممتاز و اعلیٰ، روحانیت پرور اور دلکش ہے۔ جس وقت مؤذن مکبر پر
چڑھ کر صدائے اللہ اکبر بلند کرتا ہے اس وقت اللہ والوں کے سینوں میں جذبہ
عبودیت چٹکیاں لینے لگتا ہے۔ اور دنیا کے سامنے عبدیت الٰہی کا ایک ایسا منظر
ہوتا ہے کہ لامحالہ اس کی طرف روح انسانی کھنچتی ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ یہودیوں میں "قرناء" کے ذریعہ، عیسائیوں میں گرجا
کے گھنٹے کے ذریعہ اور ہندوؤں میں مندروں کے گھنٹے اور گھنٹویں کے ذریعہ
لوگوں کو عبادت کے لیے بلایا جاتا ہے ایک عام عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ان
طریقوں میں سے کوئی ایک طریق بھی ایسا نہیں جس میں روحانیت حق شناسی اور
رجوع الی اللہ کی تحریک کا ادنیٰ سا بھی اثر و شائبہ ہو۔ علاوہ بریں یہ طریقے مخصوص
بہ عبادت ہی نہیں۔

اب ذرا اسلام کے مخصوص طریقہ کو بھی ملاحظہ فرمایئے اور نمونۃً ایک فقرہ پر
غور فرمایئے۔

جب مؤذن حی علی الفلاح کہتا ہے تو اس کے جواب میں ہر سننے والا مسلمان
کہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ [1] "حی علی الفلاح" کے معنی ہیں
کامیابی کی طرف آؤ یعنی نماز کی طرف آنے کا نتیجہ کامیابی ہے۔ اس کے جواب
میں لاحول ولا الخ کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی توفیق
و ہدایت کے بغیر بدی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ نماز جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور نجات و کامیابی کا یقینی ذریعہ ہے۔ اس کی
طرف خدا تعالیٰ ہی کے فضل و توفیق سے آ سکتے ہیں۔

۱ بخاری شریف ج ۱ ص ۸۶

اللہ اللہ! اسلام کتنا پاکیزہ اور روحانیت خیز کامل و اکمل مذہب ہے؟ اور وہ دنیا میں کتنا بلند و بالا و اعلیٰ تخیل لے کر آیا ہے کہ وہ بات بات میں توحید اور عظمت الٰہی کا سبق دیتا ہے۔ قدم قدم پر انسان کو اپنی عبودیت و عجز اور خدا کی بھی عظمت و قدرت کا اقرار و اعتراف کراتا ہے۔ اور الہام الٰہی اور مذہبی زندگی کا عین منشاء اور مقصد اعظم بھی یہی چیز ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ کو مدنظر رکھا جائے اور اس کے احکام و فرامین کی بجا آوری کو اپنا مقصد حیات بنایا جائے۔ کیا دنیا کا کوئی مذہب اسلام کے اس وحدت پرور طریقہ اطلاع کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ قسم خدا کی کسی مذہب کا طریقہ اس کے گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ مسلمانو! مبارک ہو یہ سربلندی اور کامیاب و بامراد ہیں وہ نمازی مسلمان جو صدائے اللہ اکبر پر اپنی اطاعت کی گردن جھکا دیتے ہیں۔

تاریخ اذان:

اذان کے لغوی معنی اطلاع دینے کے ہیں۔ یہ اسم مصدر ہے اور اس کا مصدر تاذین ہے اور شرع میں مخصوص اطلاع کو کہتے ہیں یعنی نماز کی اطلاع دینا۔ حاشیہ شبر املسی علی شرح المنہاج للرملی عن شرح البخاری میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اذان مکہ میں ہی قبل ہجرت شروع ہو گئی تھی۔ طبرانی نے کہا ہے جب رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی تھی اسی رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذان کی وحی ہوئی۔ حضرت جبرائیلؑ اذان کے کلمات لے کر آئے اور پھر رسول اللہ ﷺ نے اسی کے مطابق حضرت بلالؓ کو تعلیم دی۔[1] حدیث انسؓ میں ہے کہ جس وقت نماز فرض ہوئی اسی وقت حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو اذان دینا سکھایا۔ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اذان سکھانے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ کے پاس جبرائیلؑ براق پر سوار ہو کر آئے اور اذان کے تمام کلمات آخر تک کہے۔ ان احادیث و اقوال کے متعلق صاحب ردالمختار کہتے ہیں:

---
۱ فتح الباری شرح صحیح البخاری وغیرہ

والحق انه لايصح شئى من هذه الاحاديث.[1]
یعنی صحیح بات یہ ہے کہ ان احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں

چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اذان مدینہ میں ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی اور بعض علماء ہجرت کے دوسرے سال بیان کرتے ہیں۔ اس کی شرعیت کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے باہمی مشورہ کیا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ چونکہ رسول خدا ﷺ کے عہد سعادت میں کم و بیش وہی طریقے مروج تھے جو ہم پہلے بیان کر چکے اس لئے بعضوں نے کہا کہ ناقوس بجانے کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح قرنا بجانا چاہئے اور کسی نے کہا کہ بلند جگہ پر آگ روشن کرنے کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے لیکن چونکہ ان طریقوں میں کوئی معقولیت و روحانیت نہ تھی اور یہود و نصاریٰ سے مشابہت بھی پائی جاتی تھی اس لیے ان طریقوں کو سب نے ناپسند کیا۔

اس مشورہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی آسمان سے اترا ہے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے۔ انہوں نے اس شخص سے پوچھا اے بندۂ خدا تم اس ناقوس کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا اس ناقوس کا کیا کریں گے؟ کہا میں اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کروں گا۔ اس شخص نے کہا میں آپ کو اس سے بہتر اور اعلیٰ ایک طریقہ اطلاع بتلائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے عبداللہ بن زیدؓ کو اذان اور اقامت کے یہی موجودہ کلمات سکھا دیئے۔ صبح کو یہ خواب انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے عرض کیا، حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ خواب سچا ہے اور درحقیقت یہ الفاظ خدا کی طرف سے القاء ہوئے ہیں تم یہی کلمات بلالؓ کو سکھا دو اور ان کو کہو کہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے انہی کلمات کو کہیں حضرت عمر فاروقؓ نے بھی حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر یہی خواب عرض کیا، نیز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے

---
۱ شامی ج ۱ ص ۲۸۳

بھی ایسا ہی خواب دیکھا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح [illegible]
القدر صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے یہی خواب دیکھا اور [illegible]
اسلام میں اذان کا طریقہ رائج ہوا۔ [1]

اس طرح اذان کے رائج ہونے کے متعلق اور بھی بہت سے مختلف
و روایات ہیں مگر ہمارے خیال ناقص میں یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے [illegible]
کے کلمات مدینہ منورہ میں ہجرت سے پہلے بامر الٰہی حضرت جبرائیلؑ نے [illegible]
ﷺ کو سکھائے۔ [2] واللہ اعلم بالصواب۔

اذان کے معانی و مفہوم :

اذان ہر نماز سے پہلے دی جاتی ہے اور کلمات اذان کے ذریعہ دنیا میں [illegible]
وقت خدائے قدوس کی عظمت وحدت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کا [illegible]
لفظوں میں اقرار اور اعلان کیا جاتا ہے۔ اذان کے کلمات یہ ہیں:

اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر۔

اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور انسان کا مقصد اعلیٰ ہے! اللہ تعالیٰ بہت برتر و اعلیٰ ہے! اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے! اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ! اشھد ان لا الہ الا اللہ!

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود و مطلوب اللہ بزرگ و برتر کے سوا نہیں! میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور محبوب و مطاع نہیں۔

اشھد ان محمدا رسول اللہ! اشھد ان محمدا رسول اللہ!

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۸۵، فتح الباری ج ۲ ص ۳۳، ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۶، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۸۷، [illegible] ص ۵۱ [2] حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۷۱

حی علی الصلوٰۃ! حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح! حی علی الفلاح

آؤ نماز کے واسطے۔ آؤ نماز کے واسطے۔

کامیابی کی طرف آؤ۔ کامیابی کی طرف آؤ۔ یعنی نماز کی طرف آنے کا نتیجہ نجات و کامیابی ہے۔

یہ ہیں اذان کے بارے میں کلمات طیبات۔ ان کے علاوہ صبح کے وقت جبکہ ایک مسلمان خواب راحت کے مزے لے رہا ہوتا ہے اور بستر راحت سے اٹھنا اس کے لئے گرانبار ہوتا ہے ایسے وقت حضور الٰہی میں سر نیاز جھکانے اور خواب راحت سے اٹھانے کے لئے مذکورہ بالا فقروں کے علاوہ دو فقرے اور زیادہ کہے جاتے ہیں یعنی حی علی الفلاح کے بعد یہ جملہ دو مرتبہ کہا جاتا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم [1] نماز سونے سے بہتر ہے۔

اذان دینے کا طریقہ :

اذان دینے کا طریقہ یہ ہے کہ موذن کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر دونوں کانوں میں شہادت کی دونوں انگلیاں ڈالے اور اوّل چار مرتبہ ایک آواز میں دو مرتبہ اور دوسری آواز میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ پھر شہادتین کو چار مرتبہ چار آوازوں میں کہے۔ اس کے بعد دائیں طرف کسی قدر مڑ کر حی علی الصلوٰۃ دوبار دو آوازوں میں کہے۔ پھر بائیں طرف گردن پھیر کر دو آوازوں میں دوبار حی علی الفلاح کہے۔ پھر ایک آواز میں دوبار تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے اور ایک آواز میں ایک بار تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہہ کر اذان ختم کر دے۔ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کی بعد دو مرتبہ دو آوازوں میں الصلوٰۃ خیر من النوم [2] کہے۔

اذان کے مسنونات یہ ہیں: (۱) قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ (۲) حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت اِدھر اُدھر گردن پھیرنا۔ (۳) مذکورہ

[1] ابوداؤد شریف "باب کیف الاذان" ج ۱ ص ۸۸

بالا ترکیب کے موافق اذان کہنا۔ اذان میں یہ تین امور سنت ہیں۔ [۱]

تنبیہ:

کوشش کرنی چاہئے کہ اذان کے کلمات صحیح طور پر ادا ہوں کیونکہ ان میں بعض کلمات ایسے ہیں کہ ان سے کفر لازم آجاتا ہے چنانچہ اگر اللہ کے بجائے اللہ یااشہد ان کے اشہدانا کہہ دیا جائے یعنی اللہ کے الف کو مد، ان کے نون کو کھڑا کر دیا جائے تو کفر کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور اگر اللہ اکبر کی بجائے اللہ اکبار کہہ دیا جائے یعنی ب کو کھڑا کر دیا جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے پس نماز کو صحیح طور پر سیکھنا لازم ہے۔ ورنہ بجائے ثواب کے اور الٹا عذاب ہوتا ہے [۲]

بغیر ٹھہراؤ کے جلدی جلدی اذان کہنا، حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت گردن نہ پھیرنا اور بیٹھ کر اذان کہنا مکروہ ہے۔ نیز اذان میں ترجیع کرنی بھی مکروہ ہے یعنی پہلے آہستہ کہنا اور پھر چاروں شہادتوں کو بلند آواز سے کہنا۔ [۳]

اذان کے مسائل:

نماز کے لئے اذان کہنا سنت موکدہ ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص شخص مقرر نہیں ہر مسلمان اذان کہہ سکتا ہے اور باوضو بلا وضو دونوں طرح کہہ سکتا ہے۔ مگر افضل و انسب یہی ہے کہ باوضو کہے [۴]

حالت سفر میں بھی اذان اور تکبیر دونوں کہنی چاہئیں گو مسافر تنہا ہی ہو۔ عام طور پر اذان کے لئے ایسا شخص ہونا چاہئے جو زیادہ پرہیز گار اور بلند آواز اور خوش آواز ہو۔ معاوضہ پر اس خدمت کے لئے آمادہ نہ ہو اور اوقات نماز کا ماہر ہو۔ [۵] اس کا مصداق نہ ہو۔

موذن بانگ بے ہنگام برداشت
نمی داند کہ چند از شب گذشتہ است

[۱] شامی ج ا ص ۳۸۷ [۲] شامی ج ا ص ۳۸۵ [۳] شامی ج ا ص ۳۸۷ [۴] شامی ج ا ص ۳۹۲-۳۹۳ [۵] شامی ج ا ص ۳۹۴ مراقی الفلاح ج ا ص ۱۱۸

مسئلہ: اگر موذن کسی کلمہ کو مقدم یا موخر کر دے، تو جہاں سے یاد آئے وہیں سے لوٹ جائے مکرر اذان کی ضرورت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کے کلمات جہاں سے آگے پیچھے ہوئے ہوں وہیں سے دوبارہ لوٹا کر صحیح کر لے۔ سرے سے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ [۱]

مسئلہ: اگر موذن دوران اذان میں بے وضو ہو جائے تو اس حالت میں اذان پوری کر دے اذان کو قطع کر دینے کی ضرورت نہیں وہ صحیح ہو جائے گی۔ کیونکہ جب سرے سے بے وضو اذان دینا جائز ہے تو اس کی تکمیل بھی بے وضو جائز ہے۔ اگر کوئی مسئلہ کی ناواقفی کی وجہ سے درمیان میں اذان چھوڑ کر وضو کرنے چلا جائے تو پھر اس کو شروع سے اذان دہرانی چاہئے۔ [۲]

مسئلہ: پانچ وقتوں کی فرض نماز کے لئے خواہ ادا ہو یا قضا اور جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہنی سنت موکدہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر تمام شہر والے اذان دینی ترک کر دیں تو امام کا ان سے قتال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔ [۳]

مسئلہ: تنہا مسافر اگر ایک دوبار اذان ترک کر دے تو حرج نہیں۔ مگر اقامت کا ترک کرنا ہر حالت میں مکروہ ہے۔ پس اقامت کسی حالت میں بھی ترک نہ کرنی چاہئے۔ اگر چند مسافروں نے جنگل میں بغیر اذان کے نماز ادا کی اور صرف اقامت کہی تو جائز ہے اور ترک اذان مکروہ بھی نہیں کیونکہ اذان تو اس لئے مشروع ہوئی ہے کہ نمازیوں کی نماز کے لئے تیاری کرنے کی اطلاع دی جائے اور جنگل میں اس کی ضرورت نہیں۔ [۴]

ضروری یادداشتیں:

(۱) عورتوں پر اذان و اقامت دونوں خواہ نماز تنہا پڑھیں یا جماعت کے ساتھ جائز نہیں، علاوہ ازیں خنثی، نشہ میں مست، ناسمجھ، بچہ، جنب، فاسق اور غلام کی اذان مکروہ و ناجائز ہے۔ غلام اور فاسق کے علاوہ اگر مذکورہ بالا اشخاص میں سے کسی نے اذان دیدی ہو تو اذان دوبارہ دینی چاہئے لیکن اگر اقامت کہہ دی

[۱] حلبی کبیر ج ا ص ۳۷۵ [۲] حلبی کبیر ج ا ص ۳۷۱ [۳] حلبی کبیر ج ا ص ۳۷۲

ہوتو وہ نہیں لوٹائی جائے گی۔ [۱]

(۲) ایک شخص شہر یا گاؤں میں کسی مسجد میں بھی نماز نہیں پڑھتا، اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو اگر اس شہر یا گاؤں کی کسی مسجد میں اذان و اقامت ہوئی ہو تو اس شخص پر کوئی گناہ نہیں۔ مسجد کی اذان و اقامت کافی ہے۔ [۲]

(۳) اکثر دیکھا جاتا ہے کہ موذن اذان و اقامت کو اپنے لئے مخصوص سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے اگر موذن موجود نہ ہو تو ہر شخص کو اذان و اقامت کہنی درست ہے۔ ہاں اگر موذن موجود ہو اور وہ دوسرے کی اقامت سے ناراض ہوتا ہو تو صرف اقامت مکروہ ہے۔ [۳]

(۴) اذان شروع وقت میں کہنی چاہئے اور اقامت درمیانی وقت میں۔ سوائے مغرب کے مغرب کی اذان و اقامت میں بقدر تین چھوٹی آیتوں کے فصل کرنا چاہئے۔ [۴]

(۵) اگر کسی موذن نے مسجد میں اذان کہی اور نماز پڑھ لی تو دوسری مسجد میں جا کر اسی وقت کی اذان کہنی مکروہ ہے۔ ہاں اگر پہلی مسجد میں اذان کہنے کے بعد نماز نہیں پڑھی تو پھر دوسری مسجد میں دوبارہ اذان کہنی مکروہ نہیں۔

(۶) جو شخص مسجد سے باہر ہو اور اذان کی آواز سنے تو اس کو تمام کاروبار چھوڑ کر مسجد میں نماز کے لئے آ جانا چاہئے اور یہ بات اس پر واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو تو اس کو بھی ترک کر دینا چاہئے۔ باقی رہا اذان کا جواب دینا سو زبان سے جواب دینا واجب نہیں صرف مستحب ہے۔ باقی جو شخص مسجد کے اندر ہی موجود ہو اور دینی تعلیم و تعلم کے کام میں مشغول نہ ہو تو وہ بھی اذان کا جواب دے۔ اذان کا جواب دینا ان اشخاص کے لئے جائز نہیں:۔ حائضہ، زچہ، خطبہ سننے والا، نماز پڑھتا ہوا، جماع میں مشغول شخص، پیشاب یا پاخانہ کرتا ہوا اور دینی تعلیم و تعلم میں مشغول شخص۔ [۵]

اگر شہر کے مختلف مسجدوں میں اذانیں ہوں تو جو اذان سب سے پہلے سنے

---

[۱] مراقی الفلاح ص ۱۱۹، حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۷۰ [۲] حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۷۲ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۵۴
[۴] عالمگیری ج ۱ ص ۵۷ [۵] در مختار ج ۱ ص ۲۹۲

اس کا جواب دے۔ [۱]

اذان کا جواب :

اذان کا جواب دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اذان کے جو کلمات موذن کہے انہی کو ساتھ کے ساتھ دہرائے جاؤ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو۔ اگر صبح کی اذان ہو تو الصلوٰۃ خیر من النوم سن کر صدقت و بررت کہو۔ یعنی تو نے سچ کہا اور ہماری بھلائی کی بات کہی۔ [۲]

اذان کی فضیلت :

کافی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب موذن بلند آواز سے اذان دیتا ہے تو ہر خشک و تر چیز جو اذان سنتی ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے موذن کے لئے مغفرت کی خواہاں ہوتی ہے۔ [۳] حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جب تم جنگلوں میں ہو تو بلند آواز سے اذان دو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی درخت، پتھر، آدمی اور جن ایسا نہیں ہوتا جو اذان سن کر قیامت کے دن خدا کے سامنے موذن کی شہادت نہ دے، پھر موذن کی مغفرت ہو جائے گی۔ [۴]

اسی طرح اذان کی فضیلت و بزرگی میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں تو رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ اذان دینے اور اول صف میں شامل ہونے سے کتنا اجر ملتا ہے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ ضرور قرعہ ڈالیں کہ کون اذان کہے۔ یعنی اذان دینے اور صف اول میں شامل ہونے کا حد سے زیادہ ثواب ہے۔ [۵]

قرآن مجید میں اذان کو بلفظ ”نداء“ تعبیر فرمایا گیا ہے اور قرآن پاک میں بھی اذان کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

---

[۱] حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۷۹ [۲] در مختار ج ۱ ص ۲۹۲، حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۷۹ [۳] ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۷۶ [۴] موطا امام مالک ص ۵۲ [۵] موطا مالک ص ۵۲، ابو داؤد شریف

واذا ناديتم الى الصلوٰة ۱؎

اور جب تم نماز کے لئے ندا دو

دوسری جگہ فرمایا:

یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ ۲؎ **الخ**

اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان دی جائے۔

نیز حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت اذان دی جاتی ہے واسطے نماز کے تو شیطان ایک آواز کریہہ کے ساتھ پیٹھ دے کر بھاگتا ہے۔ ۳؎

اذان کی فضیلت کی وجہ:

رسول خدا ﷺ نے جو اذان کو اس قدر فضیلت دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ موذن لوگوں کو اللہ کے ذکر کی طرف بلاتا ہے اور اس سے زیادہ نیکی بھلائی اور کیا ہوسکتی ہے کہ انسان حصول سعادت پر سبقت کرے، دوسرے یہ کہ اذان کے کلمات مغز اسلام ہیں اسلام کا خلاصہ کیا ہے؟ خدائے قدوس کی عظمت و وحدت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اعتراف واقرار اور اذان کے کلمات انہی دو باتوں کا اعلان کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسلام کا ایک بہت بڑا فریضہ ہے اور نماز کی حقیقت بھی یہی ہے کہ موذن دوسرے لوگوں کو اس فریضہ کے مطابق **الدال علی الخیر کفاعلہ** کا مصداق بن کر دعوت اسلام دیتا ہے۔ الغرض اذان دینا ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل موذنوں کی بڑی بے قدری ہے۔ اس کو ایک ذلیل وحقیر سمجھ لیا گیا ہے۔ اور لوگ موذنوں کو مسجد کا خادم سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل وسمجھ دے کہ وہ اذان کی فضیلت وبزرگی کو سمجھ لیں۔

۱؎ المائدۃ: ۵۸ ۲؎ الجمعۃ: ۹ ۳؎ موطا امام مالک ص ۵۴

اذان کے بعد کی دعا:

اذان کے بعد موذن اور سامع دونوں اس دعا کو پڑھیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اذان کے بعد میرے لئے طلب وسیلہ کرے گا میری شفاعت اس کے لئے ضرور ہوگی۔ وسیلہ جنت میں ایک خاص مرتبہ کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ ات محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ وارزقنا شفاعتہ یوم القیمۃ انک لاتخلف المیعاد۔ ۱؎

ترجمہ: اے اللہ! اس کامل دعا اور قائم ہونے والی نماز کے آنحضرت ﷺ کو پاک نام محمد کے وسیلہ، بزرگی اور عالی مرتبہ عطا فرما اور آپ کو مقام محمود پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور آپ کی شفاعت قیامت کے دن ہمارے لئے نصیب کر۔ بے شک تو خلاف وعدہ نہیں کرتا۔

فصل دوئم : اقامت کا بیان

اذان تو عام مسلمانوں کو بلانے کے لیے دی جاتی ہے تا کہ وہ سمجھ لیں کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اور اب ہمیں تمام کاروبار چھوڑ کر بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہونا چاہئے۔ اور تکبیر یا اقامت کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں جمع شدہ لوگوں کو اطلاع ہوجائے کہ اب نماز با جماعت کے لئے تیار ہوجاؤ یہی وجہ ہے کہ اذان میں جہر ہوتا ہے اور تکبیر میں اس قدر جہر نہیں ہوتا اور اذان میں سکتہ ووقفہ بھی ہوتا ہے اور تکبیر میں نہیں ہوتا۔

جو الفاظ اذان کے ہیں وہی الفاظ تکبیر کے بھی ہیں۔ صرف **حی علی**

۱؎ صحیح البخاری ج ۱ ص ۸۶، بیہقی ج ۱ ص ۴۱۰

الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح [۱] کے بعد دو مرتبہ یہ الفاظ کہے جاتے ہیں: [۲]

قدقامت الصلوٰۃ! قد قامت الصلوٰۃ

بے شک نماز قائم ہوئی۔

تکبیر کے ان الفاظ کو سننے والا بھی کہتا جائے جو مکبر کہتا ہے مگر قد قامت الصلوٰۃ سن کر کہے:

اقامھا اللہ و ادا مھا. [۳] اللہ تعالیٰ نماز کو قائم و دائم رکھے۔

ساعت دعا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو ساعتیں ایسی ہیں جن میں دعا کرنے والے کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ایک اقامت نماز کے وقت۔ دوسری جہاد کی صف بندی کے وقت۔ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جاتی ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں [۴]

یہ بالکل سچ ہے اس لئے کہ نماز دراصل دعا ہی ہے اور اقامت وقتِ قبولیت ہے جبکہ انسان خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس ساعت سعید سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے کیونکہ اس غلامی و محکومی کے زمانہ میں جہاد تو منع ہے اور اس لئے جہاد کی صف بندی کی ساعت میسر نہیں آسکتی۔ ہاں تکبیر والی ساعت ہر مسلمان کو میسر آسکتی ہے اس لئے ہر مسلمان کو اس سعادت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس زمانہ میں ہمیں اسلام نے دعاؤں کا ایسا بے خطا اور کارگر ہتھیار دیا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی حربہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

باب شروط الصلوٰۃ

شروط جمع شرط کی ہے اور شرط اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز سے

---

[۱] بزازیہ علی حاشیہ ھندیہ ج ۴ ص ۶۵ [۲] صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۵ [۳] فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۵۷، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۷، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۹۳ [۴] موطا امام مالک ص ۵۵

متعلق ہو اس طرح کہ وہ خارج ہو اس دوسری چیز سے اور اس میں غیر موثر ہو۔ شرط کے لغوی معنی علامت کے ہیں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے اشراط الساعۃ یعنی قیامت کی علامتیں اور شرع میں شرط عبارت ہے اس چیز سے جو مقدم ہو اور اس سے متعلق چیز کی صحت اس پر موقوف ہو۔ پس شروط الصلوٰۃ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نماز سے خارج ہیں اور نماز کی صحت ان پر موقوف ہے۔ یعنی نماز اس وقت صحیح ہوگی جب مقدم چیزیں صحیح ہوں۔

شرط کی تین قسمیں ہیں۔ اول شرط الانعقاد۔ یعنی نماز کی شروع کرنے والی چیزیں جیسی نیت، تکبیر تحریمہ، وقت اور خطبہ۔ دوئم شرط الدوام جیسے طہارت، ستر عورت اور استقبال قبلہ۔ سوئم جس شرط کا وجود حالت بقا کے لئے لازمی ہو جیسے قراۃ۔ [۱]

پھر جاننا چاہئے کہ جو چیز متعلق ہو کسی دوسری چیز کے ساتھ۔ اب اگر وہ اس دوسری چیز کے اندر داخل ہو تو اس کو ''رکن'' کہتے ہیں جیسے رکوع نماز کے لئے اور اگر اس سے خارج ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو وہ اس میں موثر ہوگا یعنی جب وہ چیز پائی جائے تو اس کے بعد وہ دوسری متعلق چیز بھی پائی جائے اس کو ''علۃ'' کہتے ہیں جیسے عقد نکاح واسطے حلال ہونے کے۔ یعنی عقد نکاح سے وطی کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ پس عقد نکاح وطی کے حلال ہونے کی ''علۃ'' ہے۔ پس اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ اس تمام کی طرف لے جانے والا اور پہنچانے والا ہو تو اس کو ''سبب'' کہتے ہیں جیسے وجوب صلوٰۃ کے لئے وقت۔ یعنی نماز واجب ہونے کا سبب وقت ہے۔ اور اگر اس تک پہنچانے والا نہ ہو تو اگر وہ چیز اس پر موقوف ہے تو وہ شرط ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔ اور اگر اس پر موقوف نہیں ہے تو اس کو ''علاقہ'' کہتے ہیں جیسے نماز کے لئے اذان پس شرط اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز سے متعلق ہو اس طرح کہ اس دوسری چیز سے خارج ہو اس میں غیر موثر ہو اور موصول الیہ نہ ہو۔

---

[۱] حلبی کبیر ج ۱ ص ۱۲

شرط اوّل ۔ طہارت بدن

نماز کی پہلی شرط بدن کا پاک ہونا ہے۔[1] بدن کے پاک [illegible] ے سے مراد یہ ہے کہ بدن پر کسی قسم کی نجاست یعنی پلیدی نہ ہو۔ نجاست [illegible] ی ناپاکی کی جتنی قسمیں ہیں ہم ان کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ پچھلے [illegible] میں بیان کرچکے ہیں ان کے مطابق نمازی کے بدن کا نجاست حکمی یعنی ح [illegible] ت اصغر اور حدث اکبر اور نجاست حقیقی مغلظہ ومخففہ سے پاک ہونا نماز کی پہلی ش [illegible] ے۔[2] نماز کے لئے یہ شرط اتنی کڑی ہے کہ یہ کسی حال میں بھی معاف [illegible] یں ہو سکتی برخلاف دیگر شرائط کے۔ طہارت کے بغیر کوئی عبادت قابل قبول [illegible] یں ہوتی۔ عبادت کا تمام دارومدار طہارت پر ہے۔

طہارت کے معنی پاکی، پاکیزگی اور صفائی کے ہیں۔ اس میں [illegible] ری وباطنی دونوں قسم کی پاکی شامل ہے۔ یعنی اسلام دل کی صفائی اور بدن کی صفا [illegible] ونوں پر یکساں زور دیتا ہے۔ اور اس نے دونوں کو لازم وملزوم رکھا ہے، جہاں تک طہارت ظاہری کا تعلق تھا اس کا بیان ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو صرف طہارت ظاہری ہی پر بس نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ طہارت باطنی کی کوشش بھی لازمی طور پر کرنی چاہئے۔ دراصل نماز کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ ہمارا دل، روح، دماغ، جسم، لباس اور مکان تمام چیزیں پاک رہیں۔[3]

شرط دوئم ۔ ستر پوشی کے بیان میں

نماز کی دوسری شرط ستر چھپانا ہے۔ ستر چھپانے سے مراد یہ ہے کہ مرد کو ناف سے گھٹنے تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے اور یہ ایسا فرض ہے کہ نماز کے باہر بھی فرض ہے اور اس کے اندر بھی۔ مرد کو ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا مرد کا ستر کہلاتا ہے۔ عورت کو سوا دونوں ہتھیلیوں، پاؤں اور منہ کے تمام بدن ڈھانکنا فرض ہے اور یہ عورت کا ستر ہے، اور باندھی کے لئے پیٹ، پیٹھ اور زانو تک

---

[1] کنز العمال [2] درمختار ج ۱ ص ۴۰۲ [3] درمختار ج ۱ ص ۴۰۳

چھپانا لازم ہے۔ بدن کے اتنے حصہ کو چھپانا ستر عورت کہلاتا ہے۔ اور کشف عورت سے مراد بدن کے اتنے حصہ کا کھل جانا ہے جتنے کا چھپانا نمازی کے لئے فرض ہے۔[1]

عورت غلیظہ وخفیفہ :

عورت کی دو قسمیں ہیں غلیظہ اور خفیفہ۔ عورۃ غلیظہ مقام بول و براز اور اس حصہ بدن کو کہتے ہیں جو مقام بول وبراز کے آس پاس ہو۔ اس کے علاوہ جتنے حصے بدن کا چھپانا فرض ہے وہ عورت خفیفہ کہلاتا ہے۔ چار سال کے لڑکے اور لڑکیاں صغیر سنی میں داخل ہیں یعنی ان کا بدن ڈھانکنا لازمی نہیں ہے۔ تاہم بچوں کو شروع ہی سے بدن ڈھانکنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ چار برس سے لے کر سات برس تک بچوں کا مقام بول وبراز پہلے سے زیادہ چھپانا چاہئے اور سات سال سے دس برس تک کے بچوں کا مقام بول براز اور اس کے آس پاس کا حصہ واجب الستر ہے بڑوں کی طرح دس برس سے زائد عمر کا بچہ جوانوں کے حکم میں ہے۔ یعنی اس کو جوان آدمی کی طرح اپنا بدن چھپانا چاہئے۔ اور پندرہ برس کا لڑکا حقیقی جوان ہے جو عورتوں میں نہیں جاسکتا۔[2]

نوٹ : یاد رہے کہ ایک پستان، ایک خصیہ، ذکر، ایک سرین، ایک ران، پیٹ اور پیٹھ علیحدہ علیحدہ اعضاء شمار کئے جاتے ہیں۔

کشف عورت کی مقدار :

جتنے بدن کا چھپانا فرض ہے اس کا یا کسی عضو کا چوتھائی حصہ یا اس سے کم بغیر قصد اور بغیر فعل نمازی کے نماز میں کھل جائے اور اتنی دیر کھلا رہے جتنی دیر میں تین بار سبحان ربی العظیم کہا جاسکے تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر کھلتے ہی فوراً ڈھانک لیا تو نماز میں کچھ حرج واقع نہ ہوگا۔ نماز صحیح ہو جائے گی۔ یہ دونوں حکم اس صورت میں تھے کہ بلاقصد اور بغیر فعل نمازی کے کشف عورت ہو جائے اور اگر کوئی قصداً چوتھائی عضو کھولے تو نماز فوراً ٹوٹ جائے گی۔ اگر چند اعضاء کا

---

[1] درمختار ج ۱ ص ۴۰۴ [2] درمختار ج ۱ ص ۴۰۹

تھوڑا تھوڑا حصہ کھل جائے اور اس کے مجموعہ کی مقدار ایک چھوٹے عضو کی چوتھائی کے برابر نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے اگر چوتھائی کو پہنچ جائے تو پھر نماز ٹوٹ جائے گی۔ مثلاً عورت کے کان کا کچھ حصہ اور پنڈلی کا کچھ حصہ کھل گیا لیکن اس قدر کم ہے کہ برہنہ حصہ کے مجموعی مقدار چوتھائی کان کے برابر نہیں ہوتی ہے تو نماز ہو جاتی ہے اور اگر زیادہ یا برابر ہوتی ہے تو ٹوٹ جائے گی۔ ۱

نماز میں عورت کے بال بالاتفاق چھپانے ضروری ہیں۔ اگر ان کا کچھ حصہ بھی کھل جائے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ ۲

اگر باوجود لباس کے اندھیرے مکان میں رات کو تنہا برہنہ نماز پڑھے تو ادا نہ ہوگی کیونکہ شرعاً اس کا بدن مستور نہیں۔ ہاں جس شخص کو لباس میسر ہی نہ آئے ایسا شخص مجبور ہے وہ برہنہ ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ مگر ایسا شخص دو زانو بیٹھ کر پڑھے اور رکوع و سجود اشارے سے کرے۔ اگر برہنہ شخص کو کوئی کپڑے دینے کا وعدہ کرے اور اس کو کپڑے ملنے کی قوی امید ہو تو نماز کے اخیر وقت تک انتظار کرے۔ ۳

نماز کے مستحب کپڑے:

مرد کے لئے تین کپڑوں سے نماز پڑھنی مستحب ہے وہ تین کپڑے یہ ہیں پاجامہ، کرتہ اور عمامہ۔ اگر عمامہ نہ ہو تب بھی نماز جائز ہو جائے گی۔ لیکن صرف پاجامہ سے مکروہ ہے۔ عورت کے لئے بھی نماز میں تین کپڑے مستحب ہیں۔ پاجامہ، کرتہ اور دوپٹہ اگر دو سے بھی پڑھ لے تو جائز ہے۔ ایک کپڑے سے بھی نماز ہو جاتی ہے مگر اس وقت جب کہ اس سے تمام بدن ڈھک جائے۔ ۴

شرط سوئم۔ طہارت لباس

نماز کی تیسری شرط کپڑوں کا پاک ہونا ہے۔ کپڑوں کے پاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو کپڑے نماز پڑھنے والے کے بدن پر ہوں جیسے کرتہ، پاجامہ،

۱ عالمگیری ج۱ ص ۵۸ ۲-۳ فتاویٰ عالمگیری ج۱ ص ۵۸ ۴ عالمگیری ج۱ ص ۵۹

اچکن، کوٹ اور دوپٹہ وغیرہ ان سب کا پاک ہونا ضروری ہے۔ یعنی پہنے ہوئے کسی کپڑے پر نجاست غلیظہ یا خفیفہ نہ لگی ہوئی ہو۔ اگر نجاست غلیظہ ایک درہم یا اس سے کم اور نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم لگی ہو تو نماز تو ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ اور اگر مذکورہ بالا مقدار سے زیادہ نجاست غلیظہ یا خفیفہ لگی ہوگی تو نماز نہ ہوگی۔ ۱

یاد رہے کہ جو کپڑا نماز کے بدن سے ایسا تعلق رکھتا ہو کہ اس کے حرکت کرنے سے وہ بھی حرکت کرے، تو ایسے کپڑے کا پاک ہونا بھی شرط ہے۔ پس اگر عمامہ کا ایک کنارہ ناپاک ہو اور پاک کنارہ باندھ کر نماز پڑھی جائے اور ناپاک کنارہ نمازی کے ہلنے سے ہلتا ہے تو نماز نہ ہوگی۔ ۲

مسئلہ: کسی کے پاس کوئی ایسا کپڑا ہے کہ جس کا چوتھائی سے کم حصہ ناپاک ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا موجود نہیں اور نماز کا وقت بھی جا رہا ہے تو اسی کپڑے سے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ اگر چوتھائی حصہ سے زیادہ ناپاک ہے تو بھی بہتر ہے کہ اسی کپڑے سے نماز پڑھ لی جائے ننگا نہ پڑھے۔ ۳

مسئلہ: اگر کسی شخص نے نماز پڑھ چکنے کے بعد اپنے کپڑے پر نجاست لگی ہوئی دیکھی اور یہ معلوم نہیں کہ کب لگی ہے تو نجاست کو اسی وقت دھو ڈالے اور کسی نماز کا اعادہ ضروری نہیں خواہ نجاست کتنی ہی ہو۔ ۴

مسئلہ: اگر ایسے استر دار کپڑے پر نماز پڑھی کہ اس کے اندر والے حصہ پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو تو اگر وہ سلا ہوا ہے تو نماز نہ ہوگی۔ اور اگر سلا ہوا نہیں ہے تو ہو جائے گی۔ ۵

شرط چہارم۔ طہارت مکان

نماز کی چوتھی شرط نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا ہے۔ یعنی نماز پڑھنے والے کے دونوں قدموں، گھٹنوں، ہاتھوں اور سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا لازمی ہے۔ اگر نماز پڑھنے کی جگہ تو پاک ہے مگر کہیں آس پاس بدبو اور نجاست ہے تو ایسی جگہ

۱ عالمگیری ج۱ ص ۴۷ ۲-۳ عالمگیری ج۱ ص ۶۰ ۴ درمختار ج۱ ص ۴۲۵ ۵ عالمگیری ج۱ ص ۶۲

نماز ہو جائے گی۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز نہ پڑھی جائے۔ ؎۱

اگر لکڑی کے تختے، یا پتھر یا بچھی ہوئی اینٹوں پر یا کسی اور ایسی ہی سخت اور موٹی چیز پر نماز پڑھی جو اوپر سے تو پاک ہے مگر نچلا حصہ ناپاک تو کچھ ہرج نہیں۔ ؎۲

مسئلہ: اگر ایسے پتلے کپڑے پر نماز پڑھے جس کے دوسرے رخ پر نجاست لگی ہوئی ہو تو نماز درست نہ ہوگی اسی طرح دو الگ الگ کپڑے ہیں آپس میں سلے ہوئے نہیں ان میں سے اوپر والا کپڑا تو پاک ہے اور نیچے والا کپڑا ناپاک تو اگر نیچے کی نجاست کی بو اور رنگ کا اثر اوپر کے پاک کپڑے پر نمایاں نہ ہو تو نماز اس پر جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک نیچے کی نجس چیز کا بو یا رنگ اوپر کے پاک کپڑے پر ظاہر نہ ہو تو اس وقت تک اس پر نماز جائز ہے۔ خواہ نیچے کی نجس چیز کپڑا ہو یا زمین۔ ؎۳

مسئلہ: اگر دونوں قدموں اور گھٹنوں کی جگہ تو پاک ہو مگر پیشانی اور ناک کی جگہ ناپاک ہو تو اس کو ناک پر سجدہ کرنا چاہئے نماز ہو جائے گی۔ اگر ناک کی جگہ تو ناپاک ہو اور باقی مواضع پاک تو بلا خلاف نماز جائز ہے۔ ؎۴

شرط پنجم۔ دخول وقت

نماز کی پانچویں شرط وقت کا پہچاننا ہے۔ یعنی نماز ادا کرنے کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ جس نماز کے لئے جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس نماز کو اسی وقت پڑھنا۔ اگر وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے گی تو درست نہ ہوگی۔ اور اگر وقت مقررہ کے بعد پڑھی جائے گی تو وہ ادا نہیں بلکہ قضا ہوگی۔ ؎۵

نماز کی یہ پانچویں شرط ذرا تفصیل طلب ہے اور اس کے اندر بہت ضروری مباحث ہیں اس لئے ہم ان کو تفصیل کے ساتھ علیحدہ بیان کرتے ہیں:

سب سے پہلی اور ضروری چیز اوقات خمسہ کا قرآن مجید سے ثبوت ہے

؎۱ عالمگیری ج ۱ ص ۶۱ ؎۲ عالمگیری ج ۱ ص ۶۲ ؎۳ عالمگیری ج ۱ ص ۶۱ شرح التنویر ج ۱ ص ۱۶۰ و فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۶۱ ؎۵ مراقی الفلاح ص ۱۲۵

کیونکہ اوقات خمسہ پر ایک گمراہ فرقہ کی طرف سے طرح طرح کے شبہات و اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں اس لئے ہم پہلے اسی بحث کو لیتے ہیں۔

قرآن مجید سے اوقات خمسہ کا ثبوت

اوقات نماز خمسہ اس قدر یقینی، ثابت شدہ اور متواتر ہیں کہ آج تک یعنی تیرہ سو سال سے ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوا، کیونکہ جو شخص قرآن مجید سے ذرا سی بھی واقفیت رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ قرآن پاک سے پانچ نمازوں کا ثبوت مانند آفتاب کے ہوتا ہے اور اس وجہ سے اوقات خمسہ میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا مگر اس چودھویں صدی کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس نے پنجاب کے ایک تاریک گوشہ میں ایک ایسا شخص اور ایسا گمراہ فرقہ پیدا کر دیا جسے قرآن میں صرف تین ہی نمازیں نظر آتی ہیں اور وہ بقیہ دو اوقات پر طرح طرح کے لایعنی اور جاہلانہ اعتراض کرتا ہے مگر اس کی مغالطہ انگیزی اور جاہلانہ طرز استدلال سے دو نمازوں پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔

جس فرقہ کا وطیرہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کے نزدیک نماز کے صرف تین اوقات ہیں صبح، عصر اور عشاء۔ وہ صرف دو اوقات ظہر اور مغرب کے متعلق اختلاف کرتا ہے اس لئے اب ہم قرآن مجید سے پانچوں اوقات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ سورۂ ہود پارہ ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

واقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفاً من الیل۔ ؎۱

یعنی اور دن کے دو طرفوں میں اور کچھ رات گئے نماز پڑھ۔

اس آیت مبارکہ میں دن کے دونوں طرف نماز کے قائم کرنے کا حکم ہے۔ اس میں دن کی طرف کے معنی سمجھنے سب سے پہلے ضروری ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دن کی طرف سے مراد وقت کا کوئی نقطہ یا اس سے مراد وقت کا کوئی امتداد ہے۔ یعنی ایک ایک نماز کے لئے کافی طور پر لمبا وقت ہونا چاہئے۔ طرف کے

؎۱ سورہ ہود: ۱۱۴

یہی دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اب جو شخص زبان عربی سے واقفیت رکھتا ہے وہ بادنیٰ تامل یہ بات معلوم کر سکتا ہے کہ اس آیت میں طرف کے معنی وقت کا کوئی نقطہ ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین نمازوں کا حکم دیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان تین نمازوں کے لحاظ سے رات دن کے تین حصے کئے جائیں۔ ان میں سے پہلا حصہ پو پھٹنے سے لے کر قبل دوپہر تک ہے یہ دن کی پہلی طرف ہے۔ اس میں دن کی ایک طرف یعنی صبح کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کا وقت قبل طلوع الشمس ہے، دوسرا حصہ سورج کے ڈھلنے سے رات کے تاریک ہو جانے تک ہے۔ یہ دن کی دوسری طرف ہے یعنی عصر۔ یہ نماز قبل غروب الشمس پڑھی جاتی ہے۔ تیسرا حصہ رات ہے عشاء کا وقت ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے آیت زیر بحث میں ہمیں صبح و شام اور عشاء کی تین نمازیں قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس طرح یہ تین نمازیں ہوئیں۔ اب ظہر کی نماز کے لئے حکم ہوتا ہے:

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق الیل وقرآن الفجر [۱]

یعنی اے نبی! وقت زوال آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی کے چھانے تک نماز پڑھا کرو۔

حضرت ابن مسعودؓ اور ایک جماعت صحابہؓ، مقاتلؒ، ضحاک اور سدیؒ وغیرہ نے دلوک کے معنی غروب کے کئے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ غروب آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک نماز مغرب میں مشغول رہا کر۔ چنانچہ مغرب کی نماز کا اوّل وقت غروب آفتاب ہے اور اخیر وقت رات کی تاریکی کا چھا جانا ہے۔ پس اگر دلوک کے معنی غروب آفتاب کے لئے جائیں تو اس آیت سے مغرب کی نماز کا ثبوت ہوگا اور اگر اس سے مراد زوال آفتاب لیا جائے جیسا کہ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، مجاہدؒ، حسنؒ اور اکثر تابعین کا مذہب ہے تو اس آیت سے نماز ظہر کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور یہی معنی صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

[۱] بنی اسرائیل ۷۸

"دلوک" کے لغت میں تین معنی ہیں۔ اوّل سورج کا ڈھلنا، دوئم اس کا زرد پڑ جانا اور سوئم اس کا غروب ہو جانا۔ اب ان تین معنوں میں سے خواہ کوئی معنی مراد لئے جائیں ایک ہی نماز کا حکم نکلتا ہے خواہ وہ مغرب ہو یا ظہر، ظہر سے مراد لینے میں کچھ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ جب اعتراض کرنا ہی مقصود ہو تو قرآن کا کوئی حکم بھی اس سے نہیں بچ سکتا۔

اعتراضات سے بچنے کے لئے مفسرین نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ مذکورہ بالا سورۂ ہود کی آیت سے فجر، ظہر اور عصر کی نمازوں کا ثبوت دن کے ایک طرف سے نکالتے ہیں، اور دوسری طرف یعنی زلفا من اللیل سے مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ثبوت نکالتے ہیں۔ گویا وہ پانچوں نمازوں کو اسی آیت سے ثابت کرتے ہیں اور وہ دن رات کے دو حصے کرتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح اور بے تکلف بھی معلوم ہوتا ہے جس پر قرآنی الفاظ شاہد عدل ہیں۔ [۱] بہر حال مذکورہ بالا دو آیتوں سے قطعی طور پر چار نمازوں کا ثبوت نکلتا ہے۔ اب رہی پانچویں نماز اس کا حکم اس آیت میں ہے:

الصلوٰۃ الوسطےٰ [۲] یہ پانچویں نماز ہے۔

کیونکہ چار نمازوں میں بیچ کی نماز بھی نکل سکتی ہے۔ اس آیت میں جو لفظ وسطیٰ آیا ہے وہ اوسط کی مونث ہے، جو صلوٰۃ کی صفت واقع ہوئی ہے یعنی بیچ والی نماز۔ ظاہر ہے کہ یہ نماز عصر ہی کی نماز ہو سکتی ہے۔ پس اس تفصیل کے مطابق قرآن مجید میں پانچ نمازوں کا صریح حکم موجود ہے۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت اور ان کی توقیت کے باب میں ایک اور بھی نص صریح موجود ہے وہ یہ ہے۔

فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون وله الحمد فی السمٰوٰت والارض وعشیاً و حین تظهرون. [۳]

پس جس وقت تم لوگوں کی شام اور صبح ہو اللہ کی تسبیح کرو اور

[۱] تفسیر ابو سعود علی ہامش، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۳۵، روح المعانی ج ۱۲ ص ۱۵۶ [۲] البقرۃ: ۲۳۸ [۳] روم: ۱۷

آسمانوں اور زمینوں میں تعریف اسی کے لئے ہے اور جب تیسرا
پہر اور دوپہر ہو تب بھی اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرو۔
اس آیت مبارکہ میں تسبیح سے مراد تسبیح خاص یعنی صلوٰۃ مفروضہ مراد ہے
اور قرآن پاک کی یہی آیت نماز پنجگانہ کی فرضیت اور ان کی توقیت کے باب
میں نص صریح ہے۔ یعنی "مساء" میں مغرب اور عشاء دونوں شامل ہیں باقی
تینوں نمازوں کے اوقات جداگانہ مذکور ہیں۔ [1]
جن کا پہلے بیان ہوا۔

حدیث سے نماز پنجگانہ کی فرضیت کا ثبوت :

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ قرآن پاک کو سب سے زیادہ سمجھنے والے
صاحب قرآن یعنی پیغمبر خدا ﷺ تھے۔ سو آپ نے نماز خمسہ کے اوقات کو مقرر
و متعین فرما کر نماز پنجگانہ کی فرضیت کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا۔ اوقات
صلوٰۃ مفروضہ کی تعداد کے متعلق اس قدر کثرت کے ساتھ حدیثیں ہیں کہ
اوقات صلوٰۃ میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ اوقات خمسہ کو حدیث کی
صراحت نے بخوبی ثابت کر دیا ہے۔
اوقات نماز معلوم کرنے کے لئے ہم یہاں صرف ایک حدیث کو پیش کرنا
کافی سمجھتے ہیں۔ جو صحیح مسلم میں آئی ہے اور جس میں اوقات کی تعیین کا صریحاً ذکر
موجود ہے۔
سلیمان بن یزید اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے
ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے اوقات صلوٰۃ کو پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ
ہمارے ساتھ دو دن نماز پڑھو۔ تو جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے حضرت بلالؓ
کو حکم دیا کہ اذان دو۔ انہوں نے اذان دی۔ پھر حکم دیا تو ظہر کی نماز کھڑی کی۔
پھر حکم دیا تو عصر کی نماز کھڑی کی جبکہ آفتاب صاف روشن اور بلند تھا، پھر حکم دیا تو
مغرب کی نماز کھڑی کی جبکہ آفتاب غائب ہو چکا تھا۔ پھر حکم دیا تو عشاء کی نماز

[1] جلالین ج ۲ ص ۳۴۲، روح المعانی ج ۲۱ ص ۲۸

کھڑی کی جبکہ شفق غائب ہو چکی تھی۔ پھر حکم فرمایا تو فجر کی نماز قائم کی جبکہ طلوع
فجر ہو چکا تھا۔ پھر جب دوسرا دن آیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا
کہ ظہر کے وقت ٹھنڈک ہونے دو۔ انہوں نے خوب ٹھنڈک ہونے دی۔ پھر
حضور ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ آفتاب اونچا تھا مگر گزشتہ دن سے کم۔ پھر
مغرب کی نماز پڑھائی قبل اس کے شفق غائب ہو اور پھر عشاء کی نماز پڑھائی
رات کا تیسرا حصہ گزرنے کے بعد فجر کی نماز پڑھائی خوب روشنی کر کے۔ پھر فرمایا
اوقات صلوٰۃ پوچھنے والا کہاں ہے؟ وہ آدمی بولا میں ہوں۔ آپ نے فرمایا
تمہاری نماز کا وقت ان اوقات کے درمیان ہے جن کو تم نے دیکھا۔ [1]
اس حدیث سے اوقات خمسہ کے اوّل و آخر وقتوں کا خوب پتہ
چلتا ہے۔ ساتھ ہی حضور ﷺ نے درمیانی اوقات کی طرف بھی اشارہ فرما دیا اور
مسئلہ اوقات کو اچھی طرح واضح کر دیا۔
اب ہم ان اوقات کو علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ ان
اوقات کی پہچان بھی ہو جائے اور ان کی رکعات کا بھی پتہ لگ جائے کہ کس وقت
کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔

نماز فجر

نماز فجر کا وقت صبح کو پو پھٹنے سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔ [2] سورج
نکلنے سے تخمیناً ڈیڑھ گھنٹہ قبل مشرق کی طرف آسمان کے کنارے پر ایک سفیدی
ظاہر ہوتی ہے، وہ سفیدی زمین سے اٹھ کر اوپر کی طرف ایک ستون کی شکل میں
بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کو صبح کاذب کہتے ہیں [3] کیوں کہ یہ سفیدی تھوڑی
دیر رہ کر غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے غائب ہونے کے بعد دوسری سفیدی ظاہر
ہوتی ہے، جو آسمان کے تمام مشرقی کنارے پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اوپر کی
طرف لمبی نہیں اٹھتی بلکہ مشرق کی طرف دائیں بائیں جانب پھیلی ہوئی ہوتی
ہے۔ اور پھر پھیلتی ہی جاتی ہے۔ اس کو صبح صادق کہتے ہیں [4] اس صبح صادق کے

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۳ [2] ہدایہ ج ۱ ص ۸۰ [3] فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۱ [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۰

نکلنے سے نماز فجر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اور آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے تک رہتا ہے۔ جب آفتاب کا ذرا سا کنارہ بھی نکل آیا تو نماز فجر کا وقت جاتا رہا۔ ؎۱

نماز فجر کا مستحب وقت وہ ہے۔ جب کہ اچھی طرح اجالا ہو جائے اور سورج نکلنے میں اتنا وقت باقی رہے جتنی دیر میں دوبار نماز پڑھی جا سکے۔ یعنی اندازاً سورج نکلنے سے بیس پچیس منٹ پہلے نماز پڑھ لینی چاہئے تاکہ اگر نماز کسی وجہ سے درست نہ ہوئی ہو تو دوبارہ پڑھی جا سکے۔ ؎۲

یہ مستحب وقت اس لیے رکھا گیا ہے کہ صبح کے وقت عموماً لوگوں کی آنکھ دیر میں کھلتی ہے وہ سب کے سب شامل ہو سکیں کوئی جماعت سے پیچھے نہ رہ جائے۔

نماز فجر کی کل چار رکعتیں ہیں۔ دو سنت اور دو فرض۔ یہ سنتیں سنت موکدہ کہلاتی ہیں یہ دو سنتیں پڑھ کر پھر فرض کی دو رکعتیں ادا کرنی چاہئیں۔ فجر کی فرض رکعتوں میں امام قراۃ پکار کر پڑھے گا۔ اکیلا نماز پڑھنے والا بھی اگر پکار کر پڑھے تو بہتر ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے تو وہ ڈیڑھ رات کی برابر نماز پڑھتا ہے۔ ؎۳

حضور ﷺ فجر کی دو سنتوں کی بڑی حفاظت فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ ؎۴

نماز ظہر

سورج کے ڈھلتے ہی ظہر کا اوّل وقت شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک سایہ اصلی کو چھوڑ کر اس سے دوگنا نہ ہو جائے۔ یعنی ظہر کا آخری وقت ہر چیز کے دگنے سایہ تک ہے سوائے اصلی سایہ کے ٹھیک وقت کے ہر چیز کا جتنا سایہ ہو اس کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ اس چیز سے دگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ ؎۵

گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز میں اتنی تاخیر کرنا کہ دھوپ کی تیزی کم

؎۱ شامی ج ۱ ص ۳۵۷ ؎۲ شامی ج ۱ ص ۳۶۶ ؎۳ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۲ ؎۴ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۶، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱ ؎۵ در مختار ج ۱ ص ۳۵۹

ہو جائے اور جاڑوں کے موسم میں اوّل وقت پڑھنا مستحب ہے۔ بہرحال اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے۔ کیونکہ سایہ اصلی کے علاوہ دو چند سایہ ہونے تک امام صاحبؒ کے نزدیک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سایہ اصلی کو چھوڑ کر اگر سایہ یک چند ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مثل کے اندر اندر نماز پڑھ لینے میں ہی احتیاط ہے۔ ؎۱

سایہ اصلی کی شناخت کی ترکیب یہ ہے کہ ایک بالکل سیدھی لکڑی لے کر ہموار زمین میں گاڑی جائے لکڑی کسی جانب کو جھکی ہوئی نہ ہو بلکہ سیدھی رہے۔ جب تک اس لکڑی کا سایہ اس لکڑی سے چھوٹا رہے گا اس وقت تک سمجھو کہ آفتاب چڑھ رہا ہے اور جس وقت سایہ اصل لکڑی سے بڑھنے لگے تو سمجھنا چاہئے کہ زوال شروع ہو گیا۔ جس وقت سایہ نہ اس لکڑی سے کم ہو نہ زیادہ تو سمجھنا چاہئے کہ یہ وقت عین زوال ہے۔ سایہ جس وقت ٹھیک برابر ہو اس وقت ایک نشان زمین پر بنا دو۔ اب اس نشان کے آگے سے حساب کرنا چاہئے کہ کس قدر سایہ دراز ہوتا ہے۔ اس اصلی سایہ سے دو چند ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ ؎۲

ظہر کی نماز کی کل بارہ رکعتیں ہیں۔ چار سنتیں، پھر چار فرض، پھر دو سنتیں اور پھر دو نفل۔ ظہر کے چاروں فرض کی رکعتوں میں امام اور اکیلے نمازی کی قرأت آہستہ پڑھنی چاہئے ؎۳

نماز عصر

جب سایہ اصلی کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے تو اوّل وقت عصر شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ لیکن جب دھوپ بالکل زرد ہو جائے تو اس وقت نماز کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔ پس دھوپ کے زرد ہونے سے پہلے پہلے نماز پڑھ لینی چاہئے۔ ؎۴

؎۱ شامی ج ۱ ص ۳۶۶ ؎۲ شامی ج ۱ ص ۳۶۰، فتاویٰ قاضی خان، موطا امام مالک ص ۴ ؎۳ بخاری شریف ج ۱ ص ۸۲، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۱ ؎۴ عالمگیری ج ۱ ص ۵۱

جس طرح ظہر کے انتہاء وقت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ اسی طرح عصر کے شروع وقت میں بھی اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے جبکہ ہر چیز کے اصلی کا سایہ چھوڑ کر دو چند سے بڑھ جائے اور صاحبین کے نزدیک عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ سے علاوہ یک چند سے زائد ہو جائے۔ [1]

عصر کی نماز کی صرف چار فرض ہیں۔ فرض سے پہلے چار رکعتیں بطور نفل بھی پڑھی جاتی ہیں جن کا بہت ثواب ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص عصر کے چار فرض سے پہلے چار رکعت سنت پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے۔ [2] عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک آفتاب غروب نہ ہو اس نماز کے لئے رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں جس نے نماز عصر ترک کی اس کے تمام اعمال برباد ہو گئے۔ اور وہ شخص دین کے اعتبار سے ایسا مفلس ہو گیا گویا اس کا سارا مال اور اہل وعیال لوٹ لئے گئے۔

عصر کا مستحب وقت یہ ہے کہ اس میں تاخیر کی جائے مگر اتنی نہیں کہ دھوپ زرد پڑ جائے اور وقت مکروہ ہو جائے یعنی تغیر آفتاب سے پہلے پہلے عصر کا مستحب وقت ہے تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ دھوپ زرد پڑ جائے۔ اگر تغیر آفتاب سے پہلے نماز شروع کی اور حالت نماز میں ہی دھوپ زرد پڑ گئی تو مکروہ نہیں ہے۔ [3]

نماز مغرب

جب آفتاب غروب ہو جائے تو مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور شفق کے غروب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ [4] صاحبین کے نزدیک شفق اس سرخی کا نام ہے جو آسمان کے کناروں پر شام کے وقت ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک اس سپیدی کو کہتے ہیں جو سرخی غائب ہو جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے، گویا امام

[1] آثار السنن ج ۱ص ۴۳ و اعلاء السنن ج ۲ص ۷ [2] ابو داؤد ج ۱ص ۱۲۷، ترمذی ج ۱ص ۵۸ [3] عالمگیری ج ۱ص ۵۲ [4] عالمگیری ج ۱ص ۵۱

صاحب کے نزدیک جب تک یہ سپیدی باقی رہے گی مغرب کی نماز کا وقت باقی رہے گا۔ اور صاحبین کے نزدیک سرخی غائب ہو جانے کے بعد مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے، امام صاحب کا قول احتیاط پر مبنی ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ مغرب کی نماز میں ہر موسم میں تعجیل کرنا مستحب ہے اور بلا عذر دیر کرنا مکروہ ہے۔ [1]

مغرب کی نماز میں کل سات رکعتیں ہیں۔ تین رکعت فرض، ان کے بعد دو رکعت سنت اور دو نفل۔ مغرب کی یہ دو سنتیں موکدہ ہیں۔ [2]

نماز عشاء

عشاء کا وقت شفق چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ وتر کا بھی یہی وقت ہے۔ عشاء کا وقت تہائی رات گزرنے تک مستحب ہے اور آدھی رات تک مباح ہے۔ [3]

عشاء کی کل سترہ رکعتیں ہیں۔ پہلے چار سنتیں، ان کے بعد چار فرض، پھر دو سنتیں پھر دو نفل، پھر تین وتر اور آخر میں دو نفل۔

نوٹ: پانچوں وقت کی نمازوں میں بارہ رکعتیں سنت موکدہ ہیں: دو فجر کے فرضوں سے پہلے، ظہر میں چار فرضوں سے پہلے چار سنتیں اور بعد کی دو سنتیں، مغرب کے فرضوں کے بعد دو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان بارہ رکعتوں پر مداومت کرے گا اس کے لیے جنت میں ہر روز ایک نیا مکان بنایا جائے گا۔ [4]

ہدایت:

ابر کے دن فجر، ظہر اور مغرب کی نماز میں تاخیر کرنی چاہئے تا کہ فجر کی نماز رات میں ظہر کی زوال سے پہلے اور مغرب کی غروب آفتاب سے قبل ہو جانے کا

[1] عالمگیری ج ۱ص ۵۲ [2] عالمگیری ج ۱ص ۱۱۲ [3] عالمگیری ج ۱ص ۵۱، ۵۲ [4] صحیح مسلم ج ۱ص ۲۵۱، جامع ترمذی ج ۱ص ۵۶

احتمال باقی نہ رہے اور عصر و عشاء کی نماز میں تعجیل کرنی چاہئے تا کہ عصر میں مکروہ وقت نہ آ جائے اور عشاء میں بارش اور اندھیرے کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونے والوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔[1]

چار نفل نمازوں کے اوقات :

مذکورہ بالا فرض اوقات کے علاوہ شریعت میں چار نفل نمازیں ایسی بھی ہیں جن کے اوقات مقرر ہیں وہ چار نفل نمازیں یہ ہیں۔(۱) چاشت (۲) اشراق (۳) زوال (۴) تہجد۔ اشراق کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر اس وقت تک رہتا ہے جب تک آفتاب میں گرمی نہ پیدا ہو۔ آفتاب کے گرم ہونے سے لے کر زوال تک چاشت کا وقت ہے۔ زوال کے بعد سے ظہر کی نماز سے پہلے نمازوں کا وقت ہے اور تہجد کا وقت آدھی رات سے لے کر صبح صادق تک ہے۔

تہجد کا افضل وقت رات کا اخیری تہائی حصہ ہے۔[2]

نماز کے مکروہ وممنوع اوقات :

نماز کے مکروہ اوقات پانچ ہیں ان میں سے تین اوقات ایسے ہیں جن میں فرض اور نفل نمازیں مکروہ ہیں۔ وہ تین وقت یہ ہیں: (۱) طلوع شمس کے نزدیک (۲) غروب آفتاب کے وقت (۳) زوال آفتاب کے وقت۔[3]

غروب آفتاب کے وقت اسی روز کی نماز عصر پڑھی جاسکتی ہے۔ امام ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے کہ جمعہ کے روز زوال کے وقت نفل نماز جائز ہے۔[4]

اگر مذکورہ بالا مکروہ اوقات میں نماز پڑھی جائے گی تو فاسد ہوگی۔ البتہ اسی دن کی نماز عصر سورج ڈوبنے کے وقت کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے۔[5] اور اگر نماز جنازہ پہلے سے واجب ہوئی تھی تو ان اوقات میں نہ پڑھی

---

۱ عالمگیری ج۱ص۵۲ ۲ عالمگیری ج۱ص۱۱۴ ۳ فتاوی عالمگیری ج۱ص۵۲ ۴ بحرالرائق ج۱ص۲۳۵
۵ عالمگیری ج۱ص۵۲

جائے۔ اسی طرح سجدہ تلاوت اگر ان ممنوعہ اوقات میں واجب ہوا تو انہی اوقات میں ادا کر لینا چاہئے اور اگر پہلے واجب ہوا ہو تو ان اوقات میں نہ ادا کرے۔[1]

مذکورہ بالا تین اوقات تو ایسے ہیں کہ جن میں فرض اور نفل نمازیں دونوں مکروہ ممنوع ہیں۔ ان سے علاوہ دو مکروہ اوقات ایسے ہیں جن میں صرف نفل نماز مکروہ ہے اور فرض مکروہ نہیں وہ یہ ہیں: (۱) نماز فجر سے قبل طلوع صبح صادق کے بعد سوائے فجر کی سنتوں کے اور تمام نفل نمازیں پڑھنا مکروہ ہیں نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک ہر طرح کی نفل نماز مکروہ ہے۔[2]

علاوہ ازیں عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک، غروب آفتاب سے لے کر قبل از نماز مغرب تک نفل نمازیں پڑھنی مکروہ ہیں، فرض نماز کی اقامت کے وقت اور خطبہ پڑھے جانے کے وقت بھی نفل پڑھنے مکروہ ہیں۔[3] اگر وقت اس قدر تنگ ہو گیا ہو کہ صرف فرض پڑھے جا سکتے ہوں تو ایسے وقت میں فرض کے علاوہ نفل پڑھنے مکروہ ہیں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سے نماز عید سے قبل بھی ہر طرح کے نوافل مکروہ ہیں اگر کسی نے ان اوقات مکروہ میں نفل نماز شروع کی تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ نیت توڑ دے اور پھر کسی وقت ادا کرلے اور اگر نماز نہ توڑی تو گنہ گار ہوگا۔[4]

شرط ششم۔ استقبال قبلہ

نماز کی چھٹی شرط استقبال قبلہ ہے۔ استقبال قبلہ، قبلہ کی طرف منہ کرنے کو کہتے ہیں۔ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والے کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔ اس شرط کے ضمن میں ضروری ہے کہ ہم یہاں تاریخ تحویل قبلہ کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں۔

---

۱ عالمگیری ج۱ص۵۲، بخاری شریف ج۱ص۸۲، مسلم شریف ج۱ص۲۷۵ ۲ عالمگیری ج۱ص۵۲، ۵۳
۳ بحرالرائق ج۲ص۳۳۰ ۴ بحرالرائق ج۱ص۲۳۲

لہذا اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ ۱

تاریخ تحویل قبلہ :

خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بنایا تھا اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم نے اسے لوگوں کا مجمع قرار دیا ہے، ہر چہار طرف سے لوگ آئیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر بنی اسمٰعیل میں ہمیشہ یہی قبلہ رہا۔ ان کے بعد بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کی اجازت دی گئی کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے نبی تھے اور خود بھی انہی کی اولاد میں تھے اس لئے وہ بیت المقدس کو بیت اللہ سمجھتے رہے لیکن بنی اسمٰعیل کا معبد اور قبلہ جس طرح چلا آتا تھا ویسا ہی چلا آیا۔

بعد ازاں جب خاتم پیغمبراں سرور کائنات ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت دو قبلے تھے بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور بنی اسمٰعیل کا خانہ کعبہ۔ مگر چونکہ وہ زمانہ کفر و شرک کے تسلط اور اقتدار کا تھا چنانچہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی رائے و اجتہاد سے بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیا مگر آپ خانہ کعبہ کی بزرگی سے بھی اچھی طرح واقف تھے اس لیے آپ اسے پشت دے کر نماز نہ پڑھتے تھے۔ البتہ جب مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تو مجبور ہوئے اور خانہ کعبہ کی طرف پشت کرنی پڑی اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جب تک آپ مکہ میں رہے تو خانہ کعبہ کی طرف متوجہ رہے اور جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور سترہ مہینے کے بعد پھر خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ تحویل صرف ایک ہی مرتبہ ہوئی۔ یعنی پیشتر اس کے کہ آپ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوتے پھر مدینہ آکر چند ماہ بعد کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہوا۔ فقط یہی ایک تغیر معلوم ہوتا ہے۔ مگر در حقیقت یہ بھی کوئی تغیر نہیں کیونکہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ کہ یہ کہا جائے کہ پہلے وہ حکم ہوا تھا

۱ بحر الرائق ج ۱ ص ۲۹۳

پھر یہ حکم ہوا بلکہ پہلا امر حضور سرور کائنات ﷺ کا اجتہادی امر تھا مگر چونکہ اس اجتہاد نبوی کی بنا نہایت صحیح اور عمدہ مصلحت پر تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے اس سے روکا نہیں بلکہ اس کو قائم رکھا اس مصلحت کو خدائے حکیم و بصیر اپنے کلام پاک میں یوں بیان فرماتا ہے:

وماجعلنا القبلة التی کنت علیهآ الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیه. ۱

ترجمہ: جس قبلہ پر تو تھا ہم نے اس لئے قبلہ ٹھہرایا تھا کہ جان لیں کہ کون اس رسول کی تابعداری کرے گا اور کون الٹے پاؤں پھر جائے گا۔

اگر چہ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونا آنحضرت ﷺ کا اجتہادی امر تھا مگر چونکہ خدا تعالیٰ نے اس سے منع نہیں فرمایا اس لئے اس کو حکم خداوندی قرار دیا گیا اور وجہ امتحان۔

بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کی حکمت و مصلحت :

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بیت المقدس کو اس لیے قبلہ قرار دیا تھا کہ اپنے رسول ﷺ کے تابعداروں کو معلوم کریں۔ سو امر کی تفصیل سنئے کہ یہ کیونکہ ایمان و امتحان کی دلیل ٹھہرا۔ اہل عرب خانہ خدا کی انتہائی عزت و عظمت کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ تو سب سے زیادہ عظمت کرتے تھے مگر باوجود اس کے اس کو قبلہ قرار نہیں دیتے تھے۔ یہ امر عرب والوں پر نہایت ہی شاق و ناگوار گزرتا تھا لیکن انہوں نے باوجود اس ناگواری کے محض اتباع رسول ﷺ کے جذبہ سے بسر و چشم قبول کر لیا اور یہ امر ان کی تسلیم و رضا اور ایمان و اطاعت کی دلیل ٹھہری اور ان اللہ والوں کا بخوبی امتحان ہو گیا۔

علاوہ ازیں بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کی ایک حکمت و مصلحت یہ بھی تھی کہ اس وقت خانہ کعبہ میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کو بت پرستی

۱ البقرۃ: ۱۴۳

چھوڑے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، احتمال تھا کہ اس حالت میں اگر ان کو قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا جاتا تو خدا کی عبادت میں بتوں کا تصور آ جاتا۔ اس احتمال وخدشہ کی بناء پر حضور سرورکائنات ﷺ نے باوجود بنی اسمٰعیل ہونے اور ملت ابراہیمی رکھنے کے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ جب یہ احتمال وعذر جاتا رہا اور خدا پرستی مسلمانوں کے دل ودماغ میں راسخ ہوگئی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اصل قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ اس تفصیل سے جہاں بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی حکمت ومصلحت واضح ہوگئی وہاں یہ امر بھی صاف ہوگیا کہ اصل میں قبلہ کے حکم میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا۔

جو لوگ اپنی جہالت وحماقت سے اس قسم کے عارضی تغیرات پر اعتراضات کرتے ہیں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سیقول السفھاءُ من الناس ماولھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق و المغرب یھدی من یشآء الی صراط مستقیم [1]

ترجمہ: عنقریب بے وقوفوں کی ایک جماعت کہے گی کون سی چیز مسلمانوں کے لئے باعث روگردانی ہوئی کہ اس قبلہ سے پھر گئے جس پر وہ تھے۔ ان سے کہہ دے کہ مشرق ومغرب اللہ ہی کا ہے۔ ہدایت دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف۔

یعنی بعض نادان اور بے وقوف لوگ جو اس قسم کے اعتراضات کرتے ہیں کہ بیت المقدس سے مسلمان کیوں پھر گئے کیا اس میں کوئی نقصان پایا قبلہ دوئم کی بزرگی اب ان پر طاری ہوئی ہے۔ اگر قبلہ اول ناقص تھا تو اول ہی سے قبلہ دوئم کو کیوں نہ اختیار کیا ان سب سے کہہ دیجئے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی قبلہ اول سے روگردانی کا باعث نہیں ہوئی۔ تمہارے یہ اعتراضات جہالت وسفاہت پر مبنی ہیں کہ تحویل قبلہ کی بنا تعصب مخالفین، جانب داری قومیت اور

[1] البقرۃ: ۱۴۲

نقص وکمال کو سمجھتے ہو، بلکہ اصل دین اور استقبال قبلہ اتباع فرمان خدا ہے، نہ کہ اتباع استحسانات عقلیہ یا ناقصہ، نہ تعصب و پاس قومیت ہماری روگردانی کا باعث صرف حکم خدا ہے کہ ایک مدت تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا اور کعبہ کو مشرق ومغرب تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اسے اختیار ہے جس جگہ کو چاہے قبلہ قرار دے، تعین قبلہ محض برائے نمودن راہ عبادت ہے اور اسی طرح وہ جس کو چاہتا ہے راہ ہدایت دکھا دیتا ہے۔

مذکورہ تفاصیل سے استقبال بیت المقدس کی حکمت ومصلحت اور پھر استقبال قبلہ کی حقیقت بخوبی واضح ہوگئی اور تمام متعلقہ تاریخی واقعات روشن و مبرہن ہوگئے۔

جب حضور علیہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے مسجد نبوی ﷺ بنوائی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھا، ہجرت کے سولہ ماہ بعد یعنی غزوہ بدر سے دو ماہ قبل شعبان یا رجب کے مہینہ میں خانہ کعبہ قرار پایا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"گویا آنحضرت ﷺ درابتدائے بعثت خود خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت ابراہیم علیہ السلام بودند و بعد از معراج خلافت انبیائے بنی اسرائیل ہم یافتندو ہرگاہ ہجرت بمدینہ فرمودند استقبال ہر دو قبلہ ممکن نہ بودکہ ہر دو جہت متقابل ازانجا واقع اند لا جرم آنحضرت ﷺ دریتجا اجتہادے باریك فرمودند و دانستند کہ چوں من بھجرت از مکہ بمدینہ مامور شدم لا جرم پشت بہ مکہ وردبہ بیت المقدس خواھم گرفت۔" [1]

[1] تفسیر عزیزی ج ا جزء ۲

ترجمہ: گویا آنحضرت ﷺ ابتدائے بعثت میں حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیفہ تھے، اور معراج کے بعد انبیائے بنی اسرائیل کی خلافت بھی حاصل کر لی اور جب مدینہ میں ہجرت فرمائی تو دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ یہاں سے دونوں جگہ ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ اس لئے لامحالہ حضور ﷺ نے اپنے اجتہاد سے یہ جانا کہ چونکہ مجھے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا ہے اس لئے لا محالہ مجھے پشت مکہ کی طرف اور منہ بیت المقدس کی طرف کرنا چاہیئے۔

الغرض مسلمان غزوہ بدر سے دو ماہ قبل تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب تحویل قبلہ کا حکم دیا اور حالت نماز میں اس کو سنا تو اسی حالت میں قبلہ کی طرف پھر گئے اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی تحری کر کے کسی جانب کو جنگل میں نماز پڑھ رہا ہو اور حالت نماز میں اس کو معلوم ہوا کہ میری سمت قبلہ یہ نہیں دوسری طرف ہے تو اس طرف پھر جائے۔ [1]

استقبال قبلہ کے احکام و مسائل:

ہندوستان، برما، بنگال اور بہت سے ملکوں میں قبلہ پچھم کی طرف ہے کیونکہ یہ تمام ملک مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف واقع ہیں۔ مکہ والوں کے لئے عین کعبہ شریف کی سیدھ میں منہ کرنا اور غیر مکہ والوں کے لئے کعبہ کی سمت کی طرف منہ کرنا شرط نماز ہے۔ استقبال قبلہ کی فرضیت اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتی ہے۔

وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔ [2]

”اور تم جہاں بھی ہو پس پھیر دو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی سمت۔“

---

۱ بحرالرائق ج۱ص ۴۹۳ ۲ البقرۃ : ۱۴۴

اس بارے میں اختلاف ہے کہ کعبہ کی نیت کرنا بھی شرط ہے یا نہیں؟ شیخ امام ابوبکر بن محمد بن حامدؒ فرماتے ہیں کہ بحالت استقبال قبلہ کعبہ کی نیت کرنا شرط نہیں اور شیخ ابوبکر محمد بن الفضلؒ فرماتے ہیں کہ کعبہ کی نیت کرنا بھی شرط ہے۔

قبلہ کی شناخت کرنے کا طریقہ:

شہروں اور گاؤں میں تو عموماً ہر جگہ مسجدیں ہوتی ہیں وہاں کے لوگوں کو قبلہ کی شناخت کی ضرورت ہی نہیں۔ جو لوگ جنگلوں اور دریاؤں میں ہوں، وہ ستاروں سے قبلہ کی شناخت کر سکتے ہیں یا کسی آدمی سے سمت قبلہ دریافت کر سکتے ہیں اور جہاں نہ ستاروں سے شناخت ہو سکتی ہو اور نہ ہی کوئی آدمی ہو کہ اس سے دریافت کر لیا جائے تو پھر اپنی اٹکل سے سمت قبلہ متعین کر کے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ قبلہ کی شناخت کے لئے قبلہ نما بھی ایجاد کر لئے گئے ہیں جو قبلہ کی شناخت کا کام دیتے ہیں۔ الغرض قبلہ کی شناخت کے مختلف علامتیں اور طریقے ہیں جہاں یہ علامتیں اور طریقے میسر نہ ہوں وہاں تحری کرنا فرض ہے۔ تحری کہتے ہیں اٹکل کرنے کو یعنی جہاں کوئی علامت بھی نہ ہو تو نمازی کو اٹکل سے کام لینا چاہیئے جدھر اس کی اٹکل قبلہ کی سمت مقرر کر دے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اگر بغیر تحری کے نماز پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔ [1]

جس شخص کی اٹکل کسی جانب کو بھی نہ ہو، سب سمتوں میں اس کو تذبذب ہو تو اس شخص کو احتیاطاً ہر سمت کی طرف ایک ایک بار نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ [2]

چنانچہ ایک شخص نے اپنی اٹکل سے ایک سمت مقرر کر کے نماز کی ایک رکعت پڑھی پھر اس کی رائے نماز ہی میں دوسری سمت کو بدل گئی اور اب دوسری سمت منہ کر کے دوسری رکعت پڑھی اسی طرح چاروں سمت کی طرف اس کی رائے بدلتی گئی اور اس نے چاروں طرف ایک ایک رکعت پڑھی تو اس کی نماز بھی ہو جائے گی۔

ہاں اگر کوئی شخص اپنی تحری سے ایک سمت مقرر کرے اور نماز دوسری طرف

---

۱ بحرالرائق ج۱ص ۴۹۶ ۲ شامی ج۱ص ۴۳۳

پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ [1]

مسئلہ: اگر کوئی ایک شخص نے اٹکل کر کے ایک طرف نماز پڑھنی شروع کی اور نماز میں کسی طرح معلوم ہوگیا کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو فوراً اسی طرف پھر جانا چاہئیے توقف نہ کرنا چاہئیے۔ اگر ایک رکن کی مقدار بھی توقف کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر بعد نماز کے معلوم ہوا کہ قبلہ اور طرف ہے تو نماز ہوگئی اب اسے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: ایک شخص اتنا مریض ہے کہ خود قبلہ کی طرف منہ نہیں پھیر سکتا اور کوئی ایسا شخص بھی موجود نہیں کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف پھیر دے تو جدھر کو بھی ہو سکے نماز پڑھ لے کیونکہ یہ شخص صاحب عذر ہے اور معذور ہے استقبال قبلہ کا حکم ساقط ہے۔ [2]

مسئلہ: ایک اندھے کو کوئی ایسا شخص نہ ملا جو اس سے سمت قبلہ دریافت کر لیتا اس لئے خود ہی ایک طرف کو نماز پڑھنی شروع کی، لیکن یہ جہت قبلہ کی نہ تھی۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کر اندھے کو قبلہ کی طرف پھیر دیا اور خود اندھے کی اقتدا میں نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ تو اس اندھے کی نماز درست ہوگی اور مقتدی کی فاسد اور اگر اندھے نے غیر سمت قبلہ کو نماز پڑھنی شروع کی۔ حالانکہ آدمی موجود تھا جس سے وہ سمت قبلہ دریافت کر سکتا تھا اور پھر کسی دوسرے آدمی نے آ کر اس کا صحیح رخ کر دیا اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھی تو اس میں دونوں کی نماز فاسد ہو گئی۔ [3]

مسئلہ: ایک شخص تکبیر تحریمہ میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور آخر تک شریک رہا لیکن دو رکعت پڑھنے کے بعد اسے خیال ہوا کہ قبلہ اور سمت کو ہے تو ایسے شخص کی نماز نہ ہوگی اسے امام کی اقتداء سے علیحدہ ہو جانا چاہئیے کیونکہ اگر وہ دوسری طرف کو اپنی رائے سے منہ پھیرے تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے اور اگر ادھر ہی کو منہ رکھتا ہے تو دیدہ و دانستہ سمت قبلہ کی مخالفت ہوتی ہے لہٰذا اسے از سر نو پڑھنی چاہئیے۔ [4]

۱ شامی ج ۱ ص ۴۳۵ ۲-۳ ھدایہ ج ۱ ص ۹۱ ۴ ھدایہ ج ۱ ص ۹۲

مسئلہ: ایک شخص ایک یا دو رکعت فوت ہونے کے بعد جماعت میں آ کر شریک ہوا اور بقیہ نماز امام کے ساتھ پڑھی لیکن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسے خیال ہوا کہ سمت قبلہ یہ نہیں بلکہ دوسری طرف ہے تو اسے دوسری طرف پھر جانا چاہئیے اس کی نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ جماعت میں شامل ہونے والا مسبوق ہے اور مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے اور بقیہ نماز میں اسے جماعت یا امام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ [1]

مسئلہ: ایک شخص تکبیر تحریمہ سے امام کے ساتھ شریک ہوا تھا لیکن درمیان میں کسی عذر شرعی کے لاحق ہونے کی وجہ سے نماز توڑ کر چلا گیا اور پھر دوبارہ وضو کر کے شامل ہوگیا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی رائے میں دوسری طرف جہت قبلہ ثابت ہوئی تو اس شخص کو نماز توڑ کر از سر نو پڑھنی چاہئیے کیونکہ یہ شخص اپنی باقی نماز میں جماعت کے حکم میں ہے۔ اگر اپنی رائے کے موافق جہت قبلہ بدلے گا تو امام کی مخالفت لازم آئے گی۔ اور دیدہ و دانستہ قبلہ سے انحراف لازم آئے گا۔ اس کو دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے۔ [2]

حاصل ان دونوں مسائل کا یہ ہے کہ مدرک و لاحق از سر نو نماز پڑھیں گے اور مسبوق قبلہ کی طرف منہ پھیر لے گا اور اپنی بقیہ نماز پوری کرے گا۔

مسئلہ: ایک مسافر امام نماز پڑھ رہا تھا اور مقتدی مقیم تھا۔ امام نے بحکم قصر صلوٰۃ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور مقتدی چونکہ مقیم ہے اس لئے اس کے بعد اپنی دو رکعتیں پوری کرنے لگا اور اب سمت قبلہ کے متعلق اس کی رائے بدل گئی اور کوئی دوسری سمت ثابت ہوئی تو اسے از سر نو نماز پڑھنی چاہئیے کیونکہ یہ اقتداء میں مدرک کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے جہاز یا ریل میں قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کی لیکن اسی اثناء میں نماز میں ہی جہاز یا ریل کا رخ قبلہ سے پھر گیا تو نمازی کو بھی اسی سمت پھر جانا چاہئیے۔ [3]

ہدایت: یاد رکھنا چاہئیے کہ استقبال قبلہ نماز کے لئے ایک شرط زائد ہے مقصود

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۶۴ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۶۵ ۳ عالمگیری ج ۱ ص ۶۵

بالذات نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ عذر اور بلا عذر کے ساقط ہو جاتی ہے۔ مقصود عبادت قبلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ قبلہ تو صرف مسجود الیہ ہے۔ یہاں مسجود الیہ کا مفہوم و مطلب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ مسجود لہ اس کو کہتے ہیں جس کے لئے سجدہ کیا جائے اور مسجود الیہ وہ ہوتا ہے جس کی طرف سجدہ کیا جائے۔ مسجود لہ مقصود عبادت ہوتا ہے اور مسجود الیہ مقصود عبادت نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کعبہ معذور کے حق میں ساقط ہو جاتا ہے۔ معذور جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے۔

جو لوگ استقبال قبلہ پر اپنی حماقت و نادانی سے اعتراض کرتے ہیں ان کی جہالت پر افسوس ہے کہ وہ آج تک مسجود لہ اور مسجود الیہ کے فرق کو بھی نہیں سمجھ سکے اور اعتراض کرنے لگے۔ اسلام جیسے عقلی اور فطری مذہب پر جس نے دنیا سے شرک و بت پرستی کی کلی طور پر بیخ کنی کر کے خدا کی عظمت و وحدانیت کا ڈنکا بجایا۔

شرط ہفتم۔ نیت کا بیان

نماز کی ساتویں شرط نیت کرنا ہے۔ نیت دل سے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نیت میں خاص فرض نماز کا ارادہ کرے جو پڑھنا چاہتا ہے مثلاً اگر ظہر کی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو یہ ارادہ کرے کہ آج کی فرض نماز پڑھتا ہوں۔ اگر قضاء ہو گئی ہو تو نیت کرے کہ فلاں دن کی ظہر پڑھتا ہوں۔ اگر امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کی اقتداء کی نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ [1]

زبان سے نیت کرنا مستحب ہے۔ اگر زبان سے نیت نہ کرے تو نماز میں کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ اور اگر زبان سے بھی کہہ لے تو اچھا ہے۔ جو نمازیں سنت، نفل وتر ہیں تو ان میں صرف اتنی نیت کرنا کافی ہے کہ نماز نفل یا سنت یا وتر پڑھتا ہوں۔ [2]

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ نیت کہتے ہیں نماز کے شروع کرنے کے ارادے کو یعنی نمازی نماز شروع کرتے وقت فوراً ارادہ کرے کہ آج کی ظہر کی نماز

۱-۲ ھدایہ ج۱ ص۹۰

فرض پڑھتا ہوں۔ اگر یہ نیت کسی قدر تامل کے بعد ہو گی تو نماز نہ ہو گی۔ [1]

نماز جنازہ میں نیت کرنی چاہیئے [2] کہ نیت کرتا ہوں نماز برائے خدا اور دعا برائے میت کے تنہا فرض نماز پڑھنے والے لئے صرف فرض کی نیت کرنا کافی نہیں جب تک وہ اس کے ساتھ نماز ظہر یا عصر وغیرہ کے الفاظ متصل نہ کرے، اگر مطلق فرض وقت کی نیت کی اور نماز ظہر وغیرہ کو متعین نہ کیا تو بھی نماز جائز ہے سوائے نماز جمعہ کے، یعنی نماز جمعہ کی تعیین کرنا شرط ہے اس کے بغیر نماز نہ ہو گی۔ [3]

فائدہ: نماز میں اعداد رکعات کی نیت کرنا شرط نہیں۔ اگر کر لے تو بہتر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے فرض نماز شروع کی، پھر گمان کیا کہ یہ نفل ہے تو اسے اس سابقہ نیت سے نماز پڑھتے رہنا چاہیئے، نماز فرض ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ جو نماز فرض کی نیت سے شروع کی گئی ہے، اس نیت کا آخر نماز تک باقی رہنا شرط نہیں۔ صرف شروع کرتے وقت شرط ہے۔ [4]

مسئلہ: اگر کسی نے دو فرضوں کی معاً نیت کی تو وہ نیت ظہر کی سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اگر دو فوت شدہ نمازوں کی ایک ساتھ نیت کی تو وہ نیت پہلی فوت شدہ نماز کی ہو گی اور اگر فوت شدہ دو وقتہ نماز کی ایک ساتھ نیت کی تو وہ فوت شدہ نماز کی نیت سمجھی جائے گی۔ اگر وہ آخر وقت میں ہو۔ [5]

مسئلہ: امام کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں [6] البتہ اگر عورتیں جماعت کریں تو امام عورت کو عورتوں کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ [7]

مسئلہ: مقتدی کو صرف فرض کی نیت کرنا اور نماز کی تعیین کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اقتداء کی بھی نیت کرنی چاہیئے، اگر امام کے اقتداء کی نیت کی لیکن نماز کا تعیین نہ کیا تو جائز ہے مگر یہ قول بعض کا ہے۔ قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ جائز نہیں اور اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اقتداء جیسے فرض میں ہوتی ہے اسی طرح نفل میں بھی ہوتی ہے۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا تعیین کرنا فرض میں ہوتا ہے اسی

۱ ھدایہ ج۱ ص۹۱ ۲ سراجیہ ج۱ ص۱۳۸ ۳-۴ ھدایہ ج۱ ص۹۱ ۵ خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۸۰
۶ خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۸۱ ۷ خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۴۷

طرح نفل میں بھی ہوتا ہے۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا تعین کرنا ضروری ہوا۔ [1]

اسی طرح اگر نیت کی کہ امام کے ساتھ پڑھتا ہوں تو اگر امام کی نماز کی نیت کی اور اس کی اقتداء کی نیت نہیں کی تو جائز نہیں۔ [2]

مسئلہ: اگر کسی نے اقتداء کی نیت کی اور اس کے دل میں یہ خیال نہیں گزرا کہ امام کون ہے تو اس کی نیت صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے امام کی اقتداء کی نیت کی اور وہ گمان کرتا ہے کہ امام زید ہے مگر وہ تھا عمر تو بھی نیت صحیح ہوگی۔ مگر جب وہ یہ اقرار کرے کہ میں نے زید کی اقتداء کی۔ [3]

ہدایت: افضل یہ ہے کہ امام کے اللہ اکبر کہنے کے بعد اقتداء کی نیت کرے اور اگر اس وقت کی کہ امام نماز کی جگہ کھڑا ہو تب بھی جائز ہے۔ [4]

مسئلہ: اگر کسی نے اس گمان سے کہ امام نے نماز شروع کر دی ہے، اس کی اقتداء کی نیت کر کے نماز شروع کر دی۔ حالانکہ ابھی امام نے نماز شروع نہیں کی تھی تو اس کی نماز شروع نہیں ہوئی پھر سے نیت کر کے نماز شروع کرنی چاہیئے۔ [5]

مسئلہ: اگر کوئی شخص سالوں تک نماز پڑھتا رہا مگر اس کو فرض و نفل میں تمیز نہ ہوئی تو اگر اس نے نمازیں فرض سمجھ کر پڑھی ہوں گی تو اس کی فرض نمازیں ادا ہو گئیں۔ اگر یہ سمجھ کر نمازیں نہ پڑھی ہوں گی تو اس کے ذمہ فرض نمازیں باقی رہیں گی اور اسے تمام سالوں کی قضا نمازیں ادا کرنی چاہیئے۔ [6]

ایک ضروری یادداشت:

جاننا چاہیئے کہ تمام عبادات میں باتفاق ائمہ نیت کرنا شرط ہے رکن نہیں۔ البتہ تکبیر تحریمہ میں اختلاف ہے کہ وہ شرط ہے یا رکن؟ مگر اعتماد علیہ یہ بات ہے کہ وہ بھی نیت کی مانند شرط ہے اور بعض اس کی رکنیت کے قائل نہیں تا کہ اس میں نماز جنازہ بھی شامل ہو جائے۔ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ سب کے نزدیک رکن ہے۔

۱-۲ خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۸۱ ۳ عالمگیری ج ۱ ص ۶۷ ۴ خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۸۰
۵ خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۸۱ ۶ خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۸۲

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ تمام عبادات میں نیت کرنا شرط ہے۔ اس سے وہ عبادات مستثنیٰ ہیں جو عبادات کے مشابہ ہیں۔ جیسے ایمان، تلاوت، اذکار اور اذان وغیرہ۔ یہ عبادتیں نیت کی محتاج نہیں۔ اگر کوئی عبادت مختلف الحال والی ہو تو اس کے ہر رکن کے ساتھ نیت کرنا ضروری نہیں۔ مثلاً نماز کے بہت سے افعال ہیں جیسے رکوع، سجدہ اور قعدہ وغیرہ اور یہ افعال ارکان نماز ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ رکوع و سجود کرتے وقت بھی نیت کی جائے۔ صرف شروع کی نیت کافی ہے۔ اس سے متعلق تمام افعال بھی اسی میں آ جائیں گے۔ اس بناء پر یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر کسی نے نماز خالص اللہ کے لئے ابتداء میں شروع کی اور پھر بیچ میں ریا کو بھی دخل ہو گیا تو اس کے خلوص میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا۔ [1]

باب ارکان الصلوٰۃ

یہ باب ارکان نماز کے متعلق ہے۔ ارکان نماز ان چیزوں کو کہتے ہیں جو نماز کے اندر فرض ہیں۔ ارکان رکن کی جمع ہے، رکن کے معنی فرض کے ہیں ارکان کے معنی فرائض کے ہوئے۔ یعنی اس باب میں نماز کے فرائض بیان کئے جائیں گے۔

اس باب کو صفۃ الصلوٰۃ بھی کہتے ہیں یعنی اس میں ان اوصاف کا بیان کیا جاتا ہے جو نفس نماز میں داخل ہیں اور وہ نماز کے اجزاء عقلیہ ہیں جیسے قیام، رکوع اور سجود وغیرہ۔ لغت میں صفت ایسے معنی کے بیان کو کہتے ہیں جو ذات موصوف میں موجود ہو اور عرف شرع میں صفت اس کیفیت کو کہتے ہیں جو فرض، واجب، سنت اور مستحب پر مشتمل ہو۔ پس صفۃ الصلوٰۃ یا ارکان صلوٰۃ کے باب میں اجزاء نماز کے اوصاف و کیفیت کو بیان کیا جاتا ہے۔

فرائض الصلوٰۃ:

نماز کے فرائض آٹھ ہیں۔ ان میں سے چھ فرض ایسے ہیں جن پر تمام ائمہ کا

۱ ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۳

اتفاق ہے اور دو ایسے ہیں جن میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ چھ فرائض یہ ہیں: (۱) تکبیر افتتاح (۲) قیام (۳) قراۃ (۴) رکوع (۵) سجود (۶) قعدہ اخیرہ۔ یعنی شروع میں تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنا بالکل سیدھے کھڑے ہونا، ایک آیت لمبی یا تین چھوٹی آیتوں کے مقدار ہر رکعت میں قراۃ پڑھنا، اس قدر جھکنا کہ اگر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے جائیں تو گھٹنوں پر ٹک جائیں، پیشانی اور ناک دونوں کا زمین پر رکھنا اور بمقدار تشہد بیٹھنا یہ چھ فرض ہیں جو سب کے نزدیک اتفاقی ہیں۔ [1]

باقی وہ دو فرائض جن میں اختلاف ہے یہ ہیں (۱) اول قصداً خود نماز قائم کرنا (۲) دوسرا تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجود وغیرہ ارکان کو ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ ادا کرنا۔ اول امر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض ہے مگر صاحبین کے نزدیک فرض نہیں اور تعدیل ارکان امام ابویوسفؒ کے نزدیک ایک فرض ہے اور وہ اپنے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں:

عن ابن مسعود انہ قال رسول اللہ ﷺ لا تجزیٔ صلوٰۃ لا یقیم الرجل فیھا ظھرہ فی الرکوع و السجود [2]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ جو انسان رکوع و سجود میں اپنی پشت کو قائم نہ کرے اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

برخلاف اسکے امام اعظم اور ان کے شاگرد امام محمد کے نزدیک رکوع و سجود میں طمانیت فرض نہیں۔ اس پر بعض اہل حدیث صاحبان اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس میں ان دونوں حضرات نے ان دو صحیح حدیثوں کا خلاف کیا ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم میں آئی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

تعدیل ارکان کی بحث:

وہ دو حدیثیں جو معترض اپنے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں ان کا خلاصہ

[1] ہدایہ ج ۱ ص ۹۲ [2] ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۱

عرف اس قدر ہے کہ ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے روبرو جلدی جلدی نماز ادا کی، رکوع و سجود کی حالت میں قرار و اطمینان ترک کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ تو پھر نماز پڑھ۔ اس نے دوبارہ اسی طرح جلدی جلدی نماز ادا کی۔ آپ نے پھر اعادہ کا حکم دیا۔ تیسری مرتبہ پھر اس نے نماز اسی طرح ادا کی اور آپ نے چوتھی بار اعادہ کا حکم فرمایا۔ چوتھی بار اس اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے سوائے اس طریقہ کے نماز کا اور کوئی طریقہ معلوم نہیں۔ آپ مجھے سکھا دیجئے اس پر آپ ﷺ نے اس کو نماز کا طریقہ شرعیہ تعلیم فرما دیا۔ اس میں آپ نے رکوع و سجود میں درمیان کے جلسہ میں اور رکوع و سجود کے درمیان قیام میں اطمینان کا حکم بھی فرمایا۔ [1]

اس حدیث سے نہ تو یہ معلوم ہوا کہ ان مقامات میں اطمینان فرض ہے اور نہ یہ معلوم ہوا کہ واجب یا سنت البتہ اس قدر ضرور ثابت ہوا کہ جو شخص ایسی جلدی نماز پڑھے کہ ان مقامات میں اطمینان ترک کر دے اس پر اس نماز کا اعادہ ضروری ہے اور یہ امر امام اعظم کے مذہب کے خلاف نہیں اس وجہ سے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اگرچہ ان مقامات میں اطمینان فرض نہیں اور نہ مثل رکوع و سجود وغیرہ ارکان کے کوئی رکن۔ مگر اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ امام صاحب کے نزدیک بے اطمینان کی نماز کامل ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض مشائخ کی تصریح کے موافق امام صاحب کے نزدیک اطمینان یا تعدیل ارکان واجب ہے جس کے قصداً ترک کر دینے سے نماز ناقص ہوتی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے اور اگر اس کو سہواً ترک کیا جائے تو سجدہ سہو کرنا لازم آتا ہے۔

تعدیل ارکان امام صاحب کے نزدیک سنت موکدہ ہے یا واجب؟

اس بحث کے سلسلہ میں اس امر کی وضاحت و تصریح کر دینا بھی ہے کہ

[1] ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۶

تعدیل ارکان امام صاحب کے نزدیک سنت موکدہ ہے یا واجب؟ سو ہدایہ میں ہے:

ثم القومة ای بعد الرکوع و الجلسة ای بین السجدتین سنة عند هما ای عند ابی حنیفة و محمد و کذا الطمانیة ای و کذا الاطمینان فی الرکوع و السجود سنة عندهما فی تخریج الجرجانی و فی تخریج الکرخی واجبة حتی تجب سجدة السهو بترکها انتهی[1]

یعنی قیام بعد رکوع کے اور جلسہ درمیان دو سجدوں کے سنت موکدہ ہے نزدیک ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے اور ایسا ہی اطمینان حالت رکوع و سجود میں سنت ہے ان کے نزدیک موافق تحقیق ابو عبداللہ جرجانیؒ کے اور موافق تحقیق کرخیؒ کے واجب ہے یہاں تک کہ واجب ہوگا سجدہ سہو بسبب اس کے ترک کے۔

اس مسئلہ کے متعلق شرح وقایہ مسمی بہ السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ میں حضرت مولانا ابوالحسنات مولوی محمد عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے خوب تحقیق کی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ان کی تحقیق انیق کو پیش کر دینا کافی دوانی ہے۔[2]

تعدیل ارکان امام صاحب کے نزدیک واجب ہے:

حضرت مولانا فرماتے ہیں خلاصہ مقصد یہ ہے کہ اطمینان رکوع و سجود میں رکوع و سجدہ کے درمیانی قیام میں اور دونوں سجدوں کے جلسہ میں امام شافعیؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرض ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہے موافق قول اصح و معتبر کے برخلاف تحقیق ابو عبداللہ جرجانی کے وہ سنت کہتے ہیں۔

[1] عینی شرح ہدایہ ج۱ ص۹۹ [2] ہدایہ ج۱ ص۹۹

واختار المحققون من المتاخرین وجوب القومة و الجلسة مع وجوب الطمانیة فیها ایضاً عند ابی حنیفة و محمد[1]

یعنی محققین متاخرین نے حنفیہؒ سے اس امر کو اختیار کیا ہے کہ قیام درمیان رکوع و سجود کے اور جلسہ درمیان دو سجدوں کے اور ایسا ہی اطمینان ان دونوں میں واجب ہے نزدیک ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

وهو الاصح بالنظر الدقیق.

یعنی یہی قول اصح اور معتبر ہے۔

ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اور حاشیہ ہدایہ میں اسی قول کی تائید و توثیق کی ہے اور حنفیہؒ سے اس امر کو ثابت کیا ہے۔ ان کی سب سے بڑی اور مضبوط دلیل یہ ہے کہ ان مقامات میں اطمینان پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت یعنی ہمیشگی کی ہے صاحب ردالمختار نے کبھی اس کو ترک نہیں کیا اور کسی فعل پر حضور کی مواظبت اسکو واجب کر دیتی ہے۔[2] ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں بھی ہے کہ تحقیق جب نمازی رکوع کرے اور رکوع سے سر اٹھائے بغیر سجدے میں گر پڑے بھولے سے تو امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک اس کی نماز تو جائز ہوگی مگر اس پر سجدہ سہو کرنا لازم آئے گا۔ کیونکہ اس نے واجب کا سہواً ترک کیا۔

اسی طرح شرح وقایہ میں جہاں نماز کے واجبات کا ذکر ہے وہاں ان واجبات میں تعدیل ارکان کو بھی رکھا ہے۔ علاوہ ازیں بے شمار مستند حوالہ جات ایسے ملتے ہیں جن سے تعدیل ارکان کا وجود آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے، ہم بخوف طوالت ان حوالہ جات کو نظر انداز کر کے صرف مذکورہ بالا حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں جو ہم حنفیوں کے لئے کافی سے زیادہ ہیں۔

خلاصہ بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام صاحبؒ کے نزدیک تعدیل ارکان

[1] ہدایہ ج۱ ص۹۹ [2] حاشیہ ہدایہ ج۱ ص۹۹

واجب ہے جس کا عمداً ترک کرنا گناہ کا باعث ہے علامہ تفتازانیؒ تلویح میں لکھتے ہیں کہ واجب کا قصداً ترک کر دینا حرام ہے اور تارک اسکے سبب عذاب جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر تعدیل ارکان کو واجب نہ مانا جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے سنت موکدہ ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں بھی تعدیل ارکان کی اہمیت باقی رہتی ہے کیونکہ سنت موکدہ کا ترک قریب حرام کے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص میری سنت کو چھوڑے گا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ بہر حال اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ رکوع وسجدہ میں اور قومہ وجلسہ میں اطمینان کرنا، ہر رکن میں آرام واطمینان سے اتنی دیر ٹھہرنا کہ ہر عضو مطمئن ہو جائے واجب ہے یا سنت موکدہ۔

اس کے بعد ہم اپنے ناظرین کو اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ نماز کو آرام و اطمینان کے ساتھ ادا کرنے کو واجب سمجھیں اور اسے دل لگا کر پڑھیں۔ اسی غرض سے ہم نے اس پر بحث کی ہے۔ افسوس کہ اول تو مسلمان نماز پڑھتے ہی نہیں اور اگر مارے باندھے کی یا عادتاً پڑھتے بھی ہیں تو بے دلی کے ساتھ اور ایک بیگار سمجھ کر یہی وجہ ہے کہ ان کی نمازیں بے اثر اور بے روح ہیں۔ کاش مسلمانوں کو وہ علم وبصیرت حاصل ہو جائے کہ وہ نماز کی اہمیت وحقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور وہ نمازوں کو آرام و اطمینان کے ساتھ دل لگا کر پڑھنے لگیں تا کہ ان کی مکروہ زندگیوں میں نور ایمان واتقاء چمک اٹھے اور نمازیں ان کو حقیقی وکامل مسلمان بنا دیں۔ اب ہم نماز کے فرائض کو علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کا بیان

شروع میں تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنا شرط ہے۔ اس کو تکبیر تحریمہ اس لئے کہتے ہیں کہ تحریم کے معنی ہیں کسی چیز کو حرام کر دینا یعنی تکبیر تحریمہ تمام مباحات کو حرام کر دیتی ہے اور انسان عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس تکبیر کے کہنے سے نماز شروع ہو جاتی ہے اور جو باتیں کہ نماز کے خلاف ہیں وہ حرام ہو جاتی

ہیں۔ پس یہ وجہ ہے اس کو تکبیر تحریمہ کہنے کی۔[۱]

جس وقت امام شروع میں اللہ اکبر کہہ چکے تو فوراً مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہے۔ اگر مقتدی اکبر کا لفظ امام کی تکبیر سے پہلے کہہ دے گا تو نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر امام رکوع میں ہو اور مقتدی رکوع میں پہنچ کر کہے تو نماز شروع نہ ہوگی۔[۲]

اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کیونکہ اکثر نمازی اس باب میں غلطی کرتے ہیں۔

مسئلہ: اگر مقتدی کو پہلی رکعت مل گئی تو تکبیر تحریمہ کی شرکت کی فضیلت مل جائے گی۔ ایک شخص نے امام کو رکوع میں پایا اور اس نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی مگر نہ رکوع کے تکبیر کی نیت کی نہ تکبیر تحریمہ کی تو اس شخص کی نماز تو صحیح ہو جائے گی مگر نیت لغو ہوگی۔[۳]

مسئلہ: گونگا آدمی اور وہ ان پڑھ شخص جو اچھی طرح اللہ اکبر نہیں پڑھ سکتا، اس کو صرف نماز کی نیت کر لینا کافی ہے زبان کو حرکت دینا واجب نہیں۔[۴]

بحث اس امر کی کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ کانوں تک یا مونڈھوں تک؟ اس میں دو مذہب ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھانے چاہئیں اور ان دونوں اماموں نے حدیث وائل بن حجر سے تمسک کیا ہے جس کو مسلم ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔[۵]

نیز کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیثیں جو حنیفہؒ کے موافق ہیں کتب صحاح

۱۔ حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۹۲ ۲-۳۔ مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۳۶ ۴۔ مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۲۷
۵۔ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۲۱

ستہ میں بکثرت آئی ہیں۔ صرف دو تین حدیثیں ایسی ہیں جو بظاہر مسلک حنفیہ کے خلاف نظر آتی ہیں۔ یہاں ہم پہلے حنفیہؒ کے موافق چند احادیث پیش کرتے ہیں، ان کے بعد مخالف حدیثوں کا جواب دیں گے۔ صحیح مسلم میں وائل بن حجر سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلوۃ و کبر و وضعها حیال اذنیه[1]

یعنی تحقیق آنحضرت ﷺ نے اٹھایا دونوں ہاتھوں کو جب کہ داخل ہوئے نماز میں اور تکبیر کہی اور رکھا دونوں ہاتھوں کو بوقت اٹھانے کے مقابل دونوں کانوں کے۔

یہی حدیث سنن ابوداؤد، سنن نسائی، معجم طبرانی اور سنن دار قطنی وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ نیز صحیح مسلم میں مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا کبر رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما اذنیه[2]

یعنی جب آنحضرت ﷺ تکبیر تحریمہ کہتے تو اٹھاتے تھے دونوں ہاتھوں کو یہاں تک کہ دونوں کانوں کے برابر کر دیتے تھے۔

اسی طرح ایک اور حدیث بھی اس صحیح مسلم میں آئی ہے۔ نیز مسند امام احمد، مسند اسحٰق بن راہویہ، سنن ابن ماجہ اور سنن بیہقی وغیرہ کتب احادیث میں بھی اسی قسم کی احادیث بکثرت آئی ہیں جن میں رسول خدا ﷺ کے اس فعل کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ احادیث بہ اسانید معتبرہ کتب معتمدہ میں موجود ہیں جن سے حنفیہ مذہب بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

باقی رہیں وہ دو یا تین حدیثیں جن میں یہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے تھے جیسے حدیث ابو حمید ساعدی کی جو سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے اور حدیث ابن عمر جو صحیحین میں مروی ہے اس کی صحت میں کسی حنفی کو کلام نہیں لیکن وہ اس کو حالت عذر پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ طحاوی نے

۱ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳ ۲ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۷

بھی لکھا ہے اور سنن ابوداؤد میں بھی مروی ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا پس دیکھا کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے کانوں تک۔ بعد اس کے دوسرے سال ایام سرما میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور صحابہ بسبب سردی کے چادریں اوڑھے ہوئے تھے اور چادروں کے اندر اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے تھے[1] اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا بہ سبب سردی کے تھا اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے۔

پھر حنفیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ ان دونوں قسم احادیث میں کچھ بھی مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص کانوں تک ہاتھ اٹھائے گا اس طرح پر کہ دونوں انگوٹھے کان کے نیچے کے مقابل ہوں تو لامحالہ ہاتھ کی ہتھیلی کسی قدر مونڈھوں کے مقابل رہے گی[2]۔ پس اس پر اس بات کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے کیونکہ ہاتھ تو نام ہے انگلیوں سے آخر تک کا نہ کہ صرف انگلیوں کا اور اس امر کی تصریح روایت وائل میں بھی موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں حنفیہؒ کا مذہب حدیث کے ہرگز ہرگز مخالف نہیں۔

مسائل و احکام تکبیر تحریمہ

تکبیر تحریمہ کی صورت یہ ہے کہ اول اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھائے۔ جب وہ کانوں کے مقابل ہو جائیں تو پھر تکبیر کہے۔[3] اس لئے کہ ہاتھوں کا اٹھانا بمنزلہ نفی کے ہے یعنی اس نے ماسواء اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے۔ داہنا ہاتھ مانند آخرت کے ہے اور بایاں مانند دنیا کے اور ہاتھ اٹھانے میں نفی کبریا غیر اللہ سے ہے اور قول اللہ اکبر بمنزلہ اثبات کبریائی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور نفی اثبات پر مقدم ہے اور اثبات موخر۔ پس ہاتھ پہلے اٹھانے چاہئیں اور بعدہ تکبیر کہنی چاہئیے۔[4]

نیز تکبیر تحریمہ کے وقت فرض اور واجب نمازوں میں جب کہ کوئی عذر نہ ہو،

۱ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۰۵، بیہقی ج ۲ ص ۲۸ ۲ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۷۳ ۳ حدایہ ج ۱ ص ۹۴
۴ مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۳۶

سیدھا کھڑا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا اگر جھکے جھکے تکبیر کہی تو جائز نہیں[1]۔ اگر جھکنا قیام کے قریب ہوگا تب تو نماز ہو جائے گی اور اگر رکوع کے قریب ہوگا تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے اکثر لوگ اس بات کی احتیاط نہیں کرتے۔

تکبیر افتتاح کے الفاظ تین ہیں۔ اللہ اکبر، اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر۔ اگر ان کے بدلے اللہ اجل کہہ دیا یا لفظ اللہ کے بعد اسمائے اللہ تعالیٰ میں سے کوئی اور اسم لگا دیا تو بھی جائز ہے مگر بہتر اور معمول بہ اللہ اکبر ہی ہے۔[2]

مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ اگر مقتدی کو یہ شک ہوا کہ اس نے تکبیر امام سے پہلے کہی ہے یا بعد تو اسے اپنی غالب رائے پر عمل کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک مقتدی کو امام کی تکبیر کے بعد تکبیر کہنی چاہیئے۔ تاکہ مذکورہ بالا شک کی گنجائش ہی نہ رہے۔ تکبیر تحریمہ نماز کی شرط ہے اور اس لئے اسے شروط الصلوٰۃ کے باب میں بیان کرنا چاہیئے تھا۔ مگر ہم نے اسے ارکان الصلوٰۃ کے باب میں اس لئے بیان کیا ہے کہ متقدمین و متاخرین نے اس کو ارکان الصلوٰۃ ہی میں رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ نماز کے ساتھ ایسی ملی ہوئی ہے جیسے دروازہ گھر سے۔ اس لئے اس کا ذکر نماز ہی کے ساتھ مناسب ہے۔

نماز کا پہلا رکن: قیام

قیام کھڑے ہونے کو کہتے ہیں اور کھڑے ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر ہاتھ سیدھے چھوڑ دیئے جائیں تو گھٹنوں تک نہ پہنچیں۔ اس طرح تھوڑی دیر ٹھہرنے سے بھی قیام ادا ہو جاتا ہے۔ فرض اور واجب نمازوں میں صرف اس قدر قیام فرض ہے جس میں بقدر ضرورت قرات پڑھی جا سکے اور نفل نماز میں قیام فرض نہیں۔ نفل نماز بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ لیکن بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب آدھا ہو جاتا ہے۔[3]

بغیر عذر کے ایک پاؤں پر قیام کرنا مکروہ ہے۔[4]

[1] طحطاوی ج ۱ ص ۱۳۹ [2] ھدایہ ج ۲ ص ۹۳ [3] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۳۹ [4] رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۴

مسئلہ: اگر کوئی شخص بیماری یا برہنگی کی وجہ سے یا زیادہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے فرض یا واجب نماز بیٹھ کر پڑھے تو جائز ہے کیونکہ وہ صاحب عذر ہے یعنی کھڑے ہونے سے معذور ہے۔[1]

مسئلہ: جتنی قرات فرض ہے اتنی ہی دیر قیام بھی فرض ہے اور اس سے زائد بقدر سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورت کے پڑھنے سے قیام کرنا واجب ہے اور اس سے زائد سنت ہے یا مستحب۔[2]

مسئلہ: اگر ایک شخص جلدی کی وجہ سے جماعت میں جھکے جھکے آ کر شریک ہو گیا اور صرف تکبیر تحریمہ کہی اور تکبیر انتقال نہ کہہ سکا یعنی وہ تکبیر جو رکوع میں جاتے وقت کہی جاتی ہے تو اب اگر وہ اتنا جھکا ہوا تھا کہ ہاتھ گھٹنوں پر جھک رہے ہیں یعنی بالکل رکوع کی حالت میں شریک ہوا تو اس کو یہ رکعت نہیں ملی کیونکہ رکعت میں قیام فرض تھا اور اس کو قیام نہ ملا اور اگر کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور پھر رکوع کیا مگر رکوع میں جانے کی تکبیر نہیں کہی تو قیام صحیح ہے اور رکعت بھی مل گئی۔[3]

مسئلہ: اگر ایک شخص مسجد میں آ کر جماعت سے نماز پڑھتا ہے مگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور گھر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اسے گھر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ کیونکہ قیام فرض ہے اور جماعت واجب۔ واجب کے لئے فرض ترک نہیں کیا جا سکتا۔

نماز کا دوسرا رکن: قرأت

قرأت قرآن مجید پڑھنے کو کہتے ہیں۔ یہ نماز کا دوسرا رکن ہے جس کی رکنیت اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے:

فاقرؤا ما تیسر من القرآن۔[4]

پس پڑھو جو کچھ قرآن میں آسان ہو۔

اس آیت کے مطابق نماز میں کم از کم ایک آیت پڑھنا فرض ہے۔ مگر حرفوں

[1] رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۵ [2] در مختار ج ۱ ص ۴۴۴ [3] رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۷ [4] مزمل : ۲۰

کو صحیح طور پر اتنی آواز سے پڑھنا چاہئے کہ خود اس کا نفس سن لے۔ اصل چیز یہ ہے کہ حروف صحیح طور پر ادا کرے۔ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کم از کم ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔[1]

فرض نماز کی صرف دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔ چاہے وہ دو رکعت والے فرض ہوں چاہے چار رکعت والے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعتوں والی فرض نماز میں دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت یا بڑی ایک آیت اور یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے۔[2]

فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے علاوہ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ فرض نماز کی چار رکعتیں ہوں یا تین اور یا دو بہر صورت دو رکعتوں میں قرات فرض ہے خواہ رکعتیں پہلی ہوں یا پچھلی ہوں۔ اگر کسی رکعت میں قرات نہ کی یا صرف ایک میں کی تو نماز نہ ہوگی۔[3]

مسئلہ قرات میں دوسرے ائمہ کا اختلاف :

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرض کی تمام رکعتوں میں قرات فرض ہے اور حضرت امامؒ کے نزدیک تین رکعتوں میں اور ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک صرف دو رکعتوں میں قرات فرض ہے۔ فرض نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں آدمی کو اختیار ہے خواہ چپ کا رہے اور خواہ پڑھے۔ خواہ سبحان اللہ پڑھ لے۔ امام اعظمؒ کا اس میں مذہب یہ ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں قرات قرآن فرض نہیں ہے۔ اگر ان میں کچھ نہ پڑھے تب بھی فرض ادا ہو جائے گا۔ اس کے متعلق بدائع شرح تحفۃ الفقہاء میں ہے کہ یہ تخییر جو امام صاحب سے منقول ہے کہ پچھلی رکعتوں میں اختیار ہے قرات قرآن کرے خواہ تسبیح و تہلیل ادا کرے خواہ چپکا کھڑا رہے۔ یہ مروی ہے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے۔ پس امام صاحبؒ کے اس حکم میں ان کے اجتہاد کو دخل نہیں بلکہ اس کی بناء صحابی کے قول و فعل پر ہے اور صحابی کا قول و فعل حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

[1] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۲۹ [2] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۲۹ [3] عالمگیری ج ص ۶۹

بقیہ مسائل :

اگر ایک شخص صحیح حروف ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے مگر ادا نہیں کرتا تو قرات جائز نہیں۔[1] تو تلا، ہکلا اور گونگا آدمی معذور ہے۔ اگر ان سے حروف صحیح نہ پڑھے جائیں یا بالکل ہی پڑھنا ممکن نہ ہو تب بھی ان کی نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کھڑے کھڑے بغیر ٹیک لگائے نماز میں سو گیا اور نیند کی حالت میں قرات پڑھی تو جائز نہیں۔ پھر سے قرات پڑھے۔ یہی حکم اور ارکان کا بھی ہے یعنی اگر سوتے ہوئے سجدہ ادا کیا تو صرف اس سجدہ کا اعادہ کرے اور اگر سجدہ میں سو گیا تو سجدہ ہو گیا۔ ہاں اگر پوری رکعت سوتے ہوئے ادا کی تو نماز فاسد ہوگی۔ دوبارہ پڑھنی چاہئے۔[2]

قرآن مجید کس کس نماز میں زور سے پڑھنا چاہئے؟

جن نمازوں میں آواز سے قرات کی جاتی ہے انہیں جہری نمازیں کہتے ہیں۔ کیونکہ جہر کی معنی زور سے پڑھنے کے ہیں۔ اور جن نمازوں میں آہستہ قرات کی جاتی ہے انہیں سری نمازیں کہتے ہیں کیونکہ سر کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں۔ جن نمازوں میں قرات زور سے کی جاتی ہے یہ ہیں۔ مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں، فجر کی دونوں رکعتوں میں، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں، رمضان المبارک کے مہینہ میں تراویح اور وتر کی نمازوں میں آواز سے پڑھے۔ یہ نمازیں جہری ہیں۔[3]

زور سے پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی آواز پاس والے شخص کے کان میں پہنچ سکے۔ نماز ظہر اور نماز عصر میں امام اور منفرد سب کو اور نماز وتر میں منفرد (اکیلا) کو قرات آہستہ کرنی چاہئے۔ ان دو نمازوں کو سری نمازیں کہتے ہیں۔ آہستہ پڑھنے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی آواز اپنے کان میں پہنچ سکے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص زبان سے الفاظ نہ کہے صرف خیال سے پڑھ جائے تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ زبان سے پڑھنا ضروری ہے۔

[1،3] عالمگیری ج ۱ ص ۶۹ [2] درمختار ج ۱ ص ۳۶۹

بحث قرات خلف الامام

فرائض نماز کے سلسلہ میں یہ بحث نہایت ہی معرکتہ الآرا اور اہم ہے۔ اس پر احناف اور غیر مقلدین کے درمیان بے شمار تحریری اور تقریری مباحثے ہوئے۔ متعدد کتابیں لکھیں گئیں اور اکثر مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ سلسلہ نہ ابھی تک بند ہوا اور نہ آئندہ بند ہونے کی امید۔ کیونکہ ان مباحثات سے مقصود اپنے اپنے فہم وعمل کی اشاعت نہیں بلکہ محض اپنی بات کی پچ کرانا مقصود ہوتا ہے۔

ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کیونکہ ہمارے علماء نے اس میں کوئی ایسی کسر باقی نہیں چھوڑی جو ہم جیسے بے علم و بے بضاعت لوگوں کو مزید خامہ فرسائی کی ضرورت لاحق ہوتا ہم جہاں تک اس بحث کا تعلق مدافعت اور عوام الناس کی آگاہی سے ہے کہ ہم اپنے ناقص علم وفہم کے مطابق بادل نخواستہ اس بحث پر قلم اٹھاتے ہیں وباللہ التوفیق۔

قرات فاتحہ خلف امام کا اختلاف :

قرات فاتحہ خلف امام کا مسئلہ کچھ آج ہی پیدا نہیں ہوا اور یہ اختلاف صرف ائمہ یا احناف اور غیر مقلدین ہی کا نہیں بلکہ صحابہ کے وقت سے یہ اختلاف چلا آتا ہے۔ چنانچہ عہد حیات حضور ﷺ میں ہی اس مسئلہ میں صحابہ کے دو فریق ہو گئے تھے۔ بعض اجل فقہا صحابہ جیسے عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ وغیرہ ہم مانع تھے۔ قرات فاتحہ خلف امام سے روکتے تھے اور بعض صحابہ مجوز تھے یعنی قرات خلف امام کو جائز سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں فریقوں میں سے کسی کو رد نہ کیا اور اس اختلاف کو بحال خود باقی رکھا۔ اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ در حقیقت اس قدر اہم نہیں کہ اس پر مانعین اور مجوزین آپس میں قیامت تک الجھے رہیں مباحثے کرتے رہیں، کتابیں لکھتے رہیں۔ طعن وتعریض کے تیر ایک دوسرے پر برساتے رہیں اور اسی کو مدار عبادت سمجھ کر اس پر اپنی تمام دماغی وعلمی قابلیتیں صرف کر دیں۔

اس سے ہماری مراد یہ نہیں کہ قرات فاتحہ خلف امام کے مسئلہ پر رد و کد کرنا غیر ضروری ہے بلکہ ہم تو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس پر نماز کا دارو مدار نہیں کہ بغیر اس کے نماز ہی نہ ہو یعنی اس مسئلہ کی نوعیت دیگر اختلافی مسائل سے زیادہ کچھ نہیں اور اس کا ثبوت ہمارے پاس یہ ہے کہ یہ تو آپ معلوم ہی کر چکے ہیں کہ اس مسئلے میں عہد نبوت میں ہی اختلاف رونما ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے دونوں مذکورہ فریق میں سے کسی کا رد نہیں کیا۔ اگر یہ مسئلہ اتنا اہم ہوتا جتنی اہمیت کہ غیر مقلدین نے اس کو دے دی ہے تو ضرور تھا کہ حضور ﷺ جس فریق کو غلطی پر سمجھتے اس کا رد فرماتے اور اس باب میں وحی آ کر قطعی فیصلہ کر دیتی۔

یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی ادنیٰ امر میں وحی نہ آئے مگر نماز جیسی اعظم عبادت میں کہ مدار دین کا گویا اس پر ہے، وحی کا نہ آنا قابل تعجب ہے۔ اگر جماعت صحابہ میں ایسا امر واقع ہو کہ مفاسد صلوٰۃ ہو ایک مدت تک اس پر تعامل رہے اور اس کے بارہ میں وحی نہ آئے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اس بناء پر اصول حدیث صحابہؓ کے ایسے قول وفعل کو مرفوع حدیث میں شمار کرتے ہیں۔

قرأت فاتحہ خلف امام کی نفی وجوب کی دلیل :

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جو فریق مانع قرات فاتحہ خلف امام پر معتقد اور عامل تھا۔ اگر اس کا یہ عمل مفسد صلوٰۃ ہوتا جیسا زعم غیر مقلدین کا ہے تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس عمل سے اس فریق کو روکتے۔ حالانکہ صحابہ کی ایک جماعت کثیر اس پر عامل تھی پس قرات فاتحہ خلف امام کی نفی وجوب کے لئے یہ دلیل کافی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اختلاف بعد وفات آنحضرت ﷺ کے حادث نہیں ہوا بلکہ آپ کی حیات کے وقت سے ہی اس میں یہ اختلاف چلا آتا ہے۔ لہٰذا کسی کو کسی پر سرزنش اور طعن وتعریض درست نہیں کیونکہ دونوں فعل بتقریر ثابت ہو چکے ہیں۔

اس اختلاف کی تفصیل :

سورۂ مزمل ابتدائی بعثت میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں مکہ میں نماز تہجد فرض

ہوئی تھی، اس وقت تک امام ومقتدی فاتحہ وسورۃ دونوں کو پڑھتے تھے۔ اس کے ایک سال کے بعد مکہ میں ہی آخر سورہ مزمل کا نزول ہوا جس میں آیت فاقرءُ وا ما تیسر من القراٰن[1] ہے۔ اس آیت سے طویل نماز تہجد منسوخ ہوگئی اور ما تیسر کی مقدار باقی رہ گئی۔ اس وقت تک بھی مقتدی، منفرد اور امام سب پر قراۃ فرض رہی۔ اس کے بعد معراج میں صلوٰۃ خمسہ کی فرضیت نے صلوٰۃ تہجد کی فرضیت منسوخ کردی اب صلوٰۃ خمسہ پردہ ومکان میں جماعت کے ساتھ پڑھی جانے لگی اور حسب دستور مقتدی بھی قراۃ پڑھتے تھے۔

کچھ مدت کے بعد سورہ اعراف نازل ہوئی جس میں یہ آیت ہے و اذا قری ءُ القران فاستمعو الہ و انصتوا[2] الخ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو۔ اس حکم سے مقتدی کی قراۃ بالکل منسوخ ہوگئی۔ جس پر بہت سی احادیث مرفوعہ وموقوفہ شاہد ہیں۔ ان تمام شواہد کو مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ الکلام میں نقل کرکے اس بحث کا قطعی طور پر خاتمہ کردیا ہے۔ ان کے رسالہ میں سے ہم صرف ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

> واخرج عبد بن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ و البیھقی عن ابن مسعود انہ صلی با صحابہ فسمع نا سا یقرءُ ون خلفہ فلما انصرف قال اما ان لکم ان تفھموا ان تعقلوا واذا قریٔ القران فاستمعو الہ[3]
>
> یعنی ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھی اور لوگوں کو پیچھے قراۃ پڑھتے ہوئے سنا جب آپ ان کی طرف لوٹے تو فرمایا کہ تم کو سمجھنا اور تعقل کرنا چاہئے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ واذا قری القران کے نزول سے پہلے صحابہ کرام فاتحہ وسورہ دونوں کو نماز میں پڑھتے تھے اور اس آیت کے نزول کے بعد دونوں کا پڑھنا منسوخ ہوگیا اور رسول خدا ﷺ نے

۱ مزمل: ۲۰ ۲ اعراف: ۲۰۴ ۳ تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۰۳ بحوالہ احسن الفتاوی ج ۳ ص ۱۱۷

بھی اس حکم مطلق کو سورت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا بلکہ علی العموم فاتحہ وسورۃ دونوں میں رکھا۔ اب اس زمانے کے جو لوگ اس آیت کا نزول خطبہ کے بارے میں بیان کرکے اس حکم کو خطبہ پر منحصر سمجھتے ہیں، یہ ان کی سراسر غلطی اور مغالطہ دہی ہے۔ اس لئے کہ صریح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا نزول مطلقاً قراۃ مقتدی میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اکثر علماء کے نزدیک جمعہ مدینہ میں فرض ہوا ہے اور سورہ اعراف جس میں آیت زیر بحث ہے باتفاق محدثین ومفسرین کلی ہے اور یہ آیت بھی مکیہ ہے۔

پھر اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ جمعہ مکہ میں ہی فرض ہوگیا تھا تو ان کے بیان کے مطابق حضور ﷺ کو اس کی ادا کا محل مکہ میں نہیں ملا۔ یہ کوئی بھی نہیں بتلا سکتا کہ آپ نے مکہ میں کب جمعہ ادا کیا اور کب لوگوں نے خطبہ میں کلام کیا؟ جو آیت نازل ہوئی۔ بہر حال مجوزین قراۃ فاتحہ خلف امام کی سراسر غلطی ہے کہ وہ سورہ اعراف کی آیت کو خطبہ کے متعلق سمجھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ قبل ہجرت مکہ میں قراۃ مقتدی کی مطلقاً منسوخ ہوچکی تھی اور جو صحابہ مانعین قراۃ تھے مثل عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے ان کو یہ نسخ محقق ہوچکا تھا۔ علی ہذا دیگر اصحاب کو بھی معلوم ہوچکا تھا کہ اول مقتدی کی قراۃ فرض تھی اور اب وہ سورہ اعراف کی آیت سے منسوخ ہوگئی۔

آیت مزمل سے استدلال کرنا غلط ہے:

مجوزین قراۃ فاتحہ خلف امام سورہ مزمل کی آیت فاقرء وا سے مقتدی کے حق میں استدلال لایا کرتے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا تفاصیل کی روشنی میں ہر اہل علم معلوم کرسکتا ہے کہ یہ استدلال ہرگز درست نہیں ہوسکتا کیونکہ سورہ مزمل کی آیت نزول میں سابق ہے اور سورہ اعراف کی آیت واذا قری اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ آخر اول کا ناسخ ہوا کرتا ہے۔ اپنے استدلال کی اس ناکامی اور بے بسی کو دیکھ کر مجوزین قراۃ کہہ دیا کرتے ہیں کہ سورۃ مزمل کی آیت فاقرء وا مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن محققین نے اس کو بھی بدلائل قاہرہ رد کردیا

ہے اور یہاں بھی ان کو جائے پناہ نہیں مل سکتی۔

سابق میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مقتدی کی قراۃ قبل ہجرت ہی منسوخ ہو چکی تھی۔ جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور علی الاعلان مسجد نبوی میں جماعت ہونے لگی۔ تو اب بھی مقتدی کا سکوت بدستور جاری تھا اور حضور ﷺ جانتے تھے کہ یہ مسئلہ سب پر بحکم سورہ اعراف واضح ہو چکا ہے کیونکہ سورہ اعراف کی آیت کے بعد کوئی دوسری آیت اس کی ناسخ بھی نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ آپ نے مقتدی کے سکوت کو کسی آیت کے حکم کے خلاف قرار دیا تھا اور اس دعویٰ پر حدیث عبادہ ایک نہایت عمدہ دلیل ہے جس کو ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔

صحابہ میں سے جن حضرات نے اس مسئلہ کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا وہ تو حالت اقتداء میں فاتحہ و سورت کچھ نہ پڑھتے تھے۔ لیکن جن پر یہ مسئلہ ابھی مشتبہ تھا انہوں نے حالت اقتداء میں قراۃ کا پڑھنا شروع کر دیا اور ان کی یہ قرات رسول اللہ ﷺ کی اجازت اور حکم سے نہ تھی۔ اور نہ اس کی آپ کو خبر تھی۔ جب آپ پر قراۃ کی دشواری ہوئی اور آپ نے پوچھا کہ کیا تم قراۃ کرتے ہو؟ تو صحابہ نے اپنے پڑھنے کا اقرار کر لیا۔ اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب آیت قرآن کی منع قراۃ مقتدی میں نازل ہو چکی تھی اور اس آیت کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے حکم بھی نہیں دیا تھا تو پھر بھی صحابہ کرام کیوں حالت اقتداء میں قرات پڑھتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صحابہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ بعض صحابہ پڑھتے تھے اور وہ تھے جن کو نزول آیت کی خبر نہ پہنچی تھی اور نسخ کا علم نہ تھا۔ باقی وہ صحابہ جو آخر حیات تک مانع قراۃ رہے وہ اول سے ہی عدم جواز کے مقر تھے اور ان کی تعداد اسی نفر تک ہے۔ الحاصل جب حضور ﷺ کو قراۃ میں منازعت اور ثقل واقع ہوا اور لوگوں کا پڑھنا معلوم ہوا تو آپ نے حکم فرمایا

لا تقرءُ وا الا بفاتحة الکتاب فانه لا صلوة الا بفاتحة الکتاب [1]

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۴، مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۸۱، ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲

یعنی مت پڑھو مگر فاتحہ کیونکہ نہیں ہوتی نماز مگر ساتھ فاتحہ کے

یعنی اگرچہ تم جلدی جلدی سکتات امام میں ہی پڑھتے ہو تاہم مت پڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پڑھنے والے صحابہ فاتحہ و سورت دونوں کو پڑھتے تھے۔ جیسا کہ قبل نزول آیت سورہ اعراف کے تمام صحابہ پڑھتے تھے۔ اس حکم پر صحابہ کرام کے دو فریق ہو گئے۔ جو فریق مجوزین کا تھا یعنی پڑھنے والے انہوں نے تو ظاہر الفاظ حدیث سے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے قراۃ فاتحہ کا ایجاب فرمایا ہے اور عموم آیت کو خاص فرما دیا ہے بقرینہ لا صلوٰۃ الا بفاتحة الکتاب اگر یہ فریق باوجود اس کے دوسرے فریق کی نماز کو فاسد نہیں جانتے تھے پس فریق مجوزین کا عمل اس بات پر ہوا کہ خلف امام فاتحہ پڑھنی چاہئے۔ خواہ نماز سریہ ہو یا جہریہ بہر حال سکتات میں صرف سورہ فاتحہ کو پڑھنا چاہئے۔ یہ فریق اسی عمل پر قائم رہا۔ رسول خدا ﷺ نے ان کے عمل کو رد کیا اور نہ وحی الٰہی نے اس میں کچھ اصلاح کی۔

باقی رہا صحابہ کا وہ فریق جو قراۃ سے منع کرتا تھا اس نے حضور ﷺ کے مذکورہ بالا حکم کو آیت کا ناسخ اور مخصوص نہیں جانا۔ بلکہ اس کو اس امر کی رخصت پر محمول کیا کہ سکتات میں صرف سورہ فاتحہ جلدی جلدی پڑھ لینی چاہئے اور واقع بات بھی یہی ہے کہ جملہ فانہ لا صلوٰۃ بیان خصوصیت رخصت کے لئے ہے نہ کہ بیان وجوب قراۃ فاتحہ مقتدی کے حق میں۔ پھر اس حدیث میں قرات فاتحہ کا وجوب منفرد و امام دونوں کے حق میں ہے۔ پس حکم زیر بحث کے صحیح اور قطعی معنی یہ ہوئے کہ تم اگر سکتات میں فاتحہ پڑھو تو میں اس کی نفی کرتا جیسا تم اب کرتے ہو۔ اس فریق کے فہم و عمل کو بھی رسول خدا ﷺ نے آخری حیات تک رد نہ فرمایا اور نہ ہی وحی آئی اس لئے یہ فریق بھی حق پر ٹھہرا۔ لہٰذا مذکورہ بالا دونوں فریق حق پر ہیں اپنے اپنے فہم و عمل کے مضبوط دلائل رکھتے ہیں۔ دونوں کا عمل عنداللہ کامل ہے۔ کسی میں کچھ فساد اور کراہت نہیں۔

خلاصہ بحث:

یہ ہوا کہ جو لوگ امام کے پیچھے قراۃ نہیں پڑھتے ان کی نماز میں ہرگز کوئی

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۴، مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۸۱، ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲

نقص وفساد اور کراہت نہیں اور نہ پڑھنے والوں کی نماز میں کوئی فساد و کراہت۔ دونوں فریق تقریر فخر عالم ﷺ اور صحابہ کی رائے وتاویل پر عامل ہیں۔ کسی کو کسی پر طعن کی گنجائش نہیں۔ البتہ اگر مجتہد علماء ترجیح ایک جانب میں کلام کریں تو مضائقہ نہیں کیونکہ وہ اس مسئلہ کے تمام متعلقات کے کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ مگر عوام کو اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ایک دوسرے کی تنقیص کرنا ہرگز روا نہیں۔ ان کا یہ منصب ہی نہیں کہ اس بارے میں گفتگو کریں یہ تو خاص علماء کا منصب ہے کہ وہ ترجیح کی جانب پر گفتگو کریں۔ فریقین کی حالت پر افسوس ہے کہ جو چیز ان کے لئے خاص تھی اس کو انہوں نے عام کر کے جاہل و نا اہل مسلمانوں کو اختلاف ومنازعت کے جال میں پھنسا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حالت پر رحم کریں۔

ساتھ ہی ہم آخر میں یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ نے اس مسئلہ میں جس جانب کو ترجیح دی ہے یعنی قراۃ فاتحہ خلف امام سے منع کیا ہے وہ مرجح ہے اور قرین عقل وصواب اور اس وجہ سے ترجیح کے بیان کو ہم عوام الناس کے حق میں ضروری نہیں سمجھتے اس لئے اس کو نظر انداز کرتے ہیں جن کو مزید تفصیلات کے معلوم کرنے کا شوق ہو وہ فریقین کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ یہاں تو ہمیں غیر مقلدین کے اس خیال خام کو رد کرنا مقصود تھا کہ تارک قراۃ فاتحہ کی نماز نہیں ہوتی اس کو ہم نے بطریق احسن وکمال رد کر دیا ہے اگر وہ اب بھی ہماری نمازوں کے بطلان کا حکم دیں تو یہ ان کی انتہائی جسارت و گستاخی ہوگی جس کا اثر براہ راست صحابہ تک پہنچتا ہے۔ وہ کونسا شقی اور بد بخت مسلمان ہے جو حنفیوں کی نمازوں پر بطلان کا حکم لگا کر دوسرے معنوں میں نعوذ باللہ صحابہ کی نمازوں کا بطلان کرے۔ اس گستاخی و جرات سے پہلے اس کو اپنا گھر جہنم میں بنا لینا چاہیئے۔

اے اللہ! ان دونوں فریق کو توفیق دے کہ وہ اپنے فہم وعمل پر عامل رہیں مگر ایک دوسرے کی تنقیص کر کے تیرے حبیب کے مقدس صحابہ کی توہین کے مرتکب نہ بنیں۔ امین یا رب العالمین۔

قراۃ میں غلطی ہونے کا بیان

قرآن مجید کی تلاوت اور مسلمان:

قرآن پاک کا نزول اس لئے ہوا تھا کہ اس پر ایمان رکھنے والی قوم مسلمان اس کو پڑھے، سمجھے اور پھر اس کے احکام پر عمل پیرا ہو، اپنی تمام علمی و عملی قوتوں کو قرآنی احکامات کی روشنی میں لے آئے۔ اس کا ہر قدم قرآنی حکم کے مطابق اٹھے اور وہ قرآن کی رہنمائی میں خیر الامم بن کر کائنات ارضی وسماوی پر اپنی حکومت قائم کرے۔ مگر افسوس کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد ایسا نہیں ہوا۔ قرآن پاک جو اسلامی تعلیمات کا منبع و ماخذ تھا اس کو طاق نسیاں پر دھر دیا گیا اس کا علم و عمل عام ہونے کے لئے تھا مگر اب وہ صرف علماء کے لئے ہے انہوں نے اس کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور عوام الناس کے لئے صرف قرآنی الفاظ کی رسمی تلاوت باقی رہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل وسرنگوں ہیں اور ان کی وہ قومی ومذہبی روح فنا ہو گئی جو قرآنی فہم وعمل کی وجہ سے زندہ و بیدار تھی اور جس کے بل بوتے پر انہوں نے تمام دنیا پر غلبہ وتسلط حاصل کیا تھا، اور اگر مسلمان قرآن کو پڑھتے، اس کو سمجھتے اور اس پر عمل کرتے تو ان کا قومی و مذہبی وقار قائم رہتا اور یہ ہمیشہ آگے بڑھتے اور زمین وقلوب پر اپنی حکومت قائم کرتے چلے جاتے ان کے اندر فرقہ بندی کی لعنت پیدا نہ ہوتی۔ ان کی وہ قوت جو اقوام عالم پر غلبہ پانے کے لئے تھی آپس میں ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے میں صرف نہ ہوتی، آج دنیا میں قرآنی قوانین نفاذ پذیر ہوتے، روئے زمین پر حکومت الٰہی کا قیام ہوتا، دنیا کی دوسری قومیں ان پر گوئے سبقت نہ لے جاتیں۔ بلکہ یہ استاد زمانہ ہوتے اور دوسرے ان کی پیروی کرتے۔ ان کا ظاہر و باطن اللہ کا محکوم ہوتا، اور دنیا بھی ان کی ہوتی اور دین بھی۔

لیکن آہ ایسا نہیں۔ قرآن مجید انسانی خواہشات واختلافات اور رسمی تلاوت میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کی صحیح تلاوت وفہم وعمل کا کہیں بھی پتہ نہیں۔ ان کی

موجودہ رسمی تلاوت اصلی تلاوت کو ظاہر نہیں کرتی حالانکہ ہمارے بزرگوں اور ائمہ دین نے قرآن مجید کی تلاوت کے طریقے ہمیں صدیوں پہلے سے بتلا رکھے ہیں مگر ہمارے لئے بے سود کیونکہ ہمارے اندر تلاوت قرآن کا حقیقی ذوق وشوق ہی باقی نہیں رہا۔

تلاوت قرآن کی غرض وغایت :

ہر کتاب کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ وہ پڑھی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ قرآن مجید کے نازل ہونے کا مدعا بھی یہی ہے کہ تمام انسان عموماً اور مسلمان خصوصاً اس کو پڑھ کر اور اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لائق بنیں جس طرح یہ کتاب مقدس انسان اور کامل انسان بنانے والی ہے اسی طرح بغیر اس کے کوئی مسلمان پکا مسلمان نہیں بن سکتا۔ پس ہر مسلمان پر قرآن کی تلاوت لازمی ہے بغیر اس کے اور بغیر اس پر عمل کئے حقیقی مسلمان بننا ناممکن ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہئیے کہ وہ قرآن پاک کے صرف الفاظ کی تلاوت پر محض ثواب کی نیت سے اکتفا نہ کریں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کے معنی ومطالب سے بھی آگاہی حاصل کریں اور اس کی تلاوت عمل کی نیت سے کریں۔ ان کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ قرآن کی لفظی تلاوت سے ثواب کے گٹھر باندھ لیں مگر عملاً اس کے احکام وقوانین کی نافرمانی کر کے حکومت الٰہی کی بیخ کنی کرتے رہیں۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئیے کہ جب تک وہ قرآن کی موجودہ رسمی تلاوت سے آگے نہیں بڑھیں گے وہ اصلاح وترقی کے میدان میں ایک انچ آگے بھی نہیں بڑھ سکتے۔ خواہ سینکڑوں ہی انجمنیں بنائیں ہزاروں پروگرام منظر عام پر آئیں۔ لاکھوں کانفرنسیں اور جلسے کریں اور کروڑوں تقریریں کریں، ان کا یقینی آزمودہ اور متفقہ پروگرام صرف قرآن ہے جب تک وہ اس کو مضبوط نہیں پکڑیں گے قیامت تک بھی ورطۂ ہلاکت وذلت سے نہیں نکل سکتے۔

مسلمانوں میں تلاوت کا ایک غلط مفہوم یہ رائج ہو گیا ہے کہ لوگ صرف اپنے پڑھنے کو تلاوت سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ تلاوت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس

کے معانی ومطالب سے آگاہی حاصل کی جائے قرآن پاک اپنی تلاوت کو غور وفکر کے ساتھ کہتا ہے تاکہ تلاوت کرنے والا علم وحکمت کی باتوں سے مالا مال ہو اور اس کی دماغی قوتیں روشن ہوں۔ چنانچہ آپ کو قرآن پاک میں ہر جگہ تدبر، تفکر اور تعقل کی تاکید وتکرار نظر آئے گی۔ کیونکہ تلاوت قرآن کا سب سے بڑا فائدہ ثواب نہیں بلکہ عبرت، نصیحت، تہدید، ترہیب، ترغیب اور بشارتوں کا اثر ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ تلاوت کرنے والا قرآن کے معنی سے بھی واقف ہوتا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی قسم کی تلاوت کرنے والوں کی شان میں فرماتا ہے:

اذا ذکر اللّٰہ و جلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم ایٰتہ زادتھم ایمانا [1]

اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب لرز جاتے ہیں اور جب ان پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو انکے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔

کیوں نہ ہو قرآن پاک کلام الٰہی ہے۔ اس کے پڑھنے اور تلاوت کرنے سے واقعی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قلوب گداز ہو جاتے ہیں اور روح آستانہ الٰہی پر سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ مگر اس وقت جبکہ قرآن کو سمجھا بھی جائے۔ جو لوگ خشوع وخضوع سے کلام الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، ان کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذا یتلیٰ علیھم یخرون لاذقان سجداً [2]

یعنی جب ان پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں قرآن پاک کی حقیقی تلاوت موجود ہی نہیں رہی، اس کی صرف ظاہری صورت تو باقی ہے مگر حقیقت وروح رخصت ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن پاک رکھتے ہوئے بھی اس کے اصل ثمرات وفوائد سے محروم ہیں۔ ہم مسلمانوں کی ایسی قسمت تو کہاں کہ قرآن کو قرآن کے

---

[1] سورہ انفال : ۲   [2] بنی اسرائیل : ۱۰۷

بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق تدبر و تفکر کے ساتھ پڑھیں اور تلاوت قرآن
کے باطن کو بھی مدنظر رکھیں۔ اس زمانہ میں اگر ظاہری تلاوت ہی کرلیں تو غنیمت
ہے کیونکہ ہمارے علماء کی اس طرف توجہ ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں میں حقیقی تلاوت
قرآن کو رائج کر کے اپنا فرض منصبی ادا کریں۔ لہٰذا بحالت موجودہ لفظی وظاہری
تلاوت ہی غنیمت ہے۔ اب ہم تلاوت قرآن کا وہ ظاہری مستحب طریقہ درج
کرتے ہیں۔

تلاوت قرآن کا مستحب طریقہ :

قرآن مجید کی تلاوت کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ
کرے تو وضو کرے اور پاک وصاف مقام پر مودب بیٹھ کر تلاوت کرے۔
شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے تاکہ پڑھنے والا حفظ خداوندی
میں آجائے اور شیطانی وساوس نزدیک نہ آنے پائیں۔ شروع تلاوت قرآن
میں اعوذ پڑھنا اور بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

گرمی کے موسم میں صبح کے وقت اور سردیوں میں رات کے اول حصہ میں
تلاوت کرنا افضل واولی ہے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے
کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جس نے صبح کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کی اللہ کے
فرشتے شام تک اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جس نے رات کے اول
حصہ میں تلاوت کی اللہ کے فرشتے صبح تک اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔
امام صالح جزائری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اگر تم زیادہ اجر وثواب
چاہتے ہو تو گرمی کے موسم میں صبح کے وقت اور سردی کے موسم میں رات کے
شروع میں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرو۔

چند ضروری ہدایات :

تلاوت قرآن کے وقت دل کا متوجہ ہونا تلاوت قرآن کی روح ہے۔ پس
تلاوت میں اس وقت تک مشغول رہنا بہتر ہے جب تک دل متوجہ رہے۔ جب
دل اکتا جائے تو تلاوت بند کردے۔ دل پر جبر کر کے زبردستی پڑھتے رہنا آداب

تلاوت کے خلاف ہے۔ جو لوگ ایک رات میں قرآن ختم کرتے ہیں وہ اپنے
نفس پر ظلم کرتے ہیں اور آداب کے خلاف کرتے ہیں کیونکہ تین دن سے کم میں
قرآن ختم کرنا خلاف اولی ہے۔ حضورﷺ فرماتے ہیں جس نے تین دن سے کم
میں قرآن مجید ختم کیا اس نے خاک بھی نہیں سمجھا۔

قرآن پاک کی تلاوت کام میں مشغول ہونے کی صورت میں بھی جائز
ہے۔ لیکن دل کا متوجہ ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے
سے افضل ہے کیونکہ دیکھ کر پڑھنے میں غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ جب بلند
آواز سے قرآن پڑھا جائے تو حاضرین پر اس کا سننا فرض ہے بشرطیکہ وہ محفل
تلاوت قرآن کے لئے منعقد ہوئی ہو۔ ورنہ صرف ایک شخص کا سننا کافی ہے۔
ایک مجلس میں بیک وقت بہت سے آدمیوں کا بلند آواز سے قرات کرنا حرام
ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بے ادبی ہوتی ہے۔ لہٰذا سب کو آہستہ پڑھنا چاہیئے۔

ناپاک مقامات پر قرآن پڑھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح بازاروں، شارع
عام اور ایسے مقامات پر جہاں لوگ اپنے کام میں مشغول ہوں بلند آواز سے
قرآن پڑھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اگر کام میں مشغول نہیں سنیں گے تو ان کی بے
اعتنائی کا گناہ پڑھنے والے پر ہوگا۔ نیز جہاں کوئی شخص علم دین کی تعلیم میں
مشغول ہو یا کوئی طالب علم سبق یاد کر رہا ہو وہاں بھی بلند آواز سے پڑھنا منع
ہے۔ قرآن مجید کا سننا بہ نسبت پڑھنے کے زیادہ باعث اجر وثواب ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور سننے والا اس غلطی سے واقف ہے تو
اس کو غلطی سے آگاہ کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے عارضی طور پر قرآن
شریف مانگ کر لائے اور اس میں کتابت کی غلطیاں ہوں تو اس پر واجب ہے
کہ ان غلطیوں کی اصلاح کردے۔

ایک اہم بات :

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ روزانہ تلاوت قرآن کی عادت ڈالنی
چاہیئے۔ حسب فرصت اس اہم عبادت کے لئے دن رات میں سے کچھ نہ کچھ وقت

ضرور نکالنا چاہیئے۔ مگر اس طرح کہ اس کے مطالب پر بھی غور فکر کرے آج کل با
ترجمہ قرآن شریف عام اور کثرت کے ساتھ ہر جگہ ملتے ہیں۔ مگر کسی مستند ترجمہ کو
پڑھنا چاہیئے جیسے تفسیر حقانی اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ترجمہ
وغیرہ۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو تفسیر میں دیکھ لے یا کسی جاننے والے سے
دریافت کرلے۔ قرآن مجید کے مضامین و مطالب پر غور کرنے سے نہ صرف مذہبی
معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ عقائد و اخلاق میں پختگی حاصل ہوتی ہے اور
دل و دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اگر آج مسلمانوں کو قرآن مجید سے دلچسپی اور
اس سے وابستگی پیدا ہوجائے اور وہ اس کے مضامین سے آگاہ ہوجائیں تو ان کی
زندگی کے ہر شعبہ میں ایک خوشگوار تحیر خیز انقلاب پیدا ہوسکتا ہے۔

مسائل و احکام

آداب تلاوت قرآن کے بعد ترتیل کا درجہ ہے۔ ترتیل کے معنی ہیں ٹھہر
ٹھہر کر پڑھنا کیونکہ اس سے قرآن کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سنوار کر پڑھنے
سے دل پر کلام الٰہی کا اثر ہوتا ہے اس کے متعلق باری تعالیٰ فرماتا ہے:

ورتل القران ترتیلا

اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔

قراۃ قرآن میں حسن صوت بھی ضروری ہے۔ یعنی خوش الحانی کے ساتھ
پڑھنا۔ نیز بقدر ضرورت فن تجوید قراۃ سے بھی واقفیت پیدا کرنی چاہیئے اتنی کہ
قرآن کا صحیح طور پر پڑھنا آجائے۔

اس بات پر تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ اگر قراۃ میں کوئی ایسی غلطی ہو
جائے جس سے معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اگر معنی نہ بدلیں تو
فاسد نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اعراب کی ایسی غلطیاں ہوجائیں جس
سے معنی بدل جاتے ہیں تو نماز فاسد ہوجاتی ہے ورنہ مفسد نہیں۔ پس صحیح قرآن
پڑھنا بڑے اہتمام کے قابل ہے۔

اگر کسی نے تشدید کو تخفیف کے ساتھ پڑھا تو اس سے نماز ہوجاتی ہے کوئی
حرجہ واقع نہیں ہوتا۔ مثلاً ایاک نعبد و ایاک نستعین میں "ی" پر تشدید
ہے۔ اگر کوئی اس تشدید کو نہ پڑھے ایاک کہہ جائے تو اس کی نماز ہوجائے گی۔
تاہم حتی الامکان ایسی غلطی سے بھی بچنا چاہیئے۔ اگر کسی نے تخفیف کی جگہ تشدید
پڑھی تو اس غلطی سے بھی نماز ہوجاتی ہے۔ یعنی اس تغیر سے نماز فاسد نہ ہوگی۔
مثلاً فمن اظلم ممن کذب علی اللّٰہ میں "ذال" پر زبر ہے۔ اگر ذال پر
کسی نے تشدید پڑھا یعنی بجائے کذب کے کذّب پڑھ دیا تو نماز ہوجائے گی۔
مطلب یہ ہے کہ تخفیف و تشدید کے تغیر سے نماز میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا[1]
صرف زائد کرنے سے اگر معنی نہ بدلیں تو نماز فاسد ہوگی اور اگر معنی بدل
جائیں تو فاسد ہوجائے گی۔ اس طرح اگر کسی نے بے موقع وقف کیا جہاں وقف
نہ کرنا تھا۔ تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ مثلاً ان الذین امنوا و عملوا
الصلحت پر وقف کردیا اور چند منٹ کے بعد آگے پڑھا اولئک ھم خیر
البریۃ تو اس غلطی سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر ایسی غلطی کرنا قبیح ہے۔[2]

اگر کسی نے کوئی کلمہ زیادہ کردیا اور اس سے معنی نہیں بدلے تو بھی نماز ہو
جائے گی اور اگر معنی بدل جائیں گے تو نماز فاسد ہوگی۔

اگر کسی نے کلمہ کو چھوڑ دیا لیکن معنی نہ بدلے تب بھی مثلاً جزآء سیئۃ
سیئۃ مثلھا۔ یعنی سیئۃ تو پڑھا مگر سیئۃ چھوڑ دیا تو نماز ہوجائے گی کیونکہ اس
سے معنوں میں چنداں تبدیلی نہیں ہوئی اور اگر فما لھم لا یومنون کا لفظ لا نہ
پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ اس سے معنوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ لا
یومنون کے معنی ہیں "نہیں ایمان لاتے" اور یومنون کے معنی ہیں "ایمان
لاتے ہیں" یعنی بجائے نفی کے اثبات بن گیا۔

اگر کسی نے کوئی حرف کم کردیا اور اس سے معنی بدل گئے تو نماز فاسد ہو
جائے گی۔ مثلاً خلقنا میں خ کو چھوڑ دیا یا جعلنا کو بغیر ج کے پڑھا تو نماز نہ ہوگی
اور اگر معنی نہ بدلیں تو حرف کے رہنے سے نماز ہوجائے گی۔

---
[1] فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۹ [2] فتاوی عالمگیری

نہیں؟ اس مشکل کا حل صرف یہی ہے کہ قرآن کو صحیح طور پر پڑھنا سیکھا جائے
تاہم آسانی کے لئے ہم یہاں اغلاط کے اقسام بیان کرتے ہیں۔

غلطی قرآن کی اقسام :

قراۃ کی غلطیاں چند قسم کی ہیں ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔
(۱) اعراب کی غلطی یعنی زبر کی جگہ زیر، زیر کی جگہ پیش، ساکن کی جگہ متحرک، متحرک کی جگہ ساکن، مشدد کی بجائے مخفف، مخفف کی بجائے مشدد اور مد کی جگہ قصر اور قصر کی بجائے مد ظاہر کر دینا وغیرہ۔ (۲) تبدیل حرف کی غلطی یعنی ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھ دینا۔ یا حرفوں میں کمی بیشی کر دینا اور یا ان میں تقدیم و تاخیر کر دینا۔ (۳) تبدیل کلمہ یا تبدیل جملہ کی غلطی یعنی ایک لفظ کے بجائے دوسرا لفظ یا ایک جملہ کی بجائے دوسرا جملہ پڑھنا یا الفاظ میں کمی بیشی کر دینا اور یا کلام میں تقدیم و تاخیر کر دینا (۴) وقف و وصل کی غلطی یعنی وقف کی بجائے وصل یا وصل کی بجائے وقف کر دینا۔

قرات کی یہ چار قسم کی غلطیاں ہیں۔ ان کے متعلق قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ان میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس قسم کی غلطی سے معنوں میں کیا تبدیلی ہوئی ہے۔ اگر معنوں کی ایسی تبدیلی ہوئی ہے جس کا اعتقاد کفر ہے تو ان قسموں میں جس قسم کی غلطی بھی ہوئی ہو۔ بہر حال نماز فاسد ہو جائے گی۔ خواہ زبر زیر کی بھی غلطی ہوئی ہو۔ مثلاً ایک آیت ہے وعصی ادم ربہ فغوی یعنی آدم نے اپنے رب کا فرمان نہ مانا اس لئے بھٹک گئے۔ اس آیت میں اگر کوئی ادم کے میم پر بجائے پیش کے زبر پڑھ دے اور رب کی جگہ ربہ کہہ دے یعنی یوں پڑھ دے وعصی ادم ربہ تو اس کے معنی یہ ہو جائیں گے اور آدم کے رب نے آدم کا کہنا نہ مانا۔ نعوذ باللہ اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس زبر اور پیش کی غلطی نے کفر آمیز معنی پیدا کر دیئے۔[۱]

ہاں اگر اعراب کی غلطی سے کفریہ معنی پیدا نہ ہوں تو نماز فاسد ہوگی۔ اگر

[۱] فتاوٰی قاضی خان، فتاوٰی عالمگیری

اگر کسی نے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ [illegible] دیا اور معنی نہ بدلے تو نماز فاسد نہ ہوگی مثلاً علیم کی جگہ حکیم کہہ دیا۔ یعنی بجائے [illegible] ولام کے ح اور کاف کہہ دیا تو نماز ہو جائے گی۔[۲] اور اگر معنی بدل جائیں مثلاً و [illegible] علینا انا کنا فعلین میں فعلین کی جگہ غافلین پڑھ دیا تو نماز نہ ہوگی کیونکہ معنی بد[illegible] گئے۔[۲]

حروف کی تقدیم و تاخیر میں بھی یہی حکم ہے [illegible] معنی بدل جائیں تو نماز نہ ہوگی اور اگر نہ بدلیں تو ہو جائے گی۔ اگر کسی نے ایک [illegible]ت کو دوسری آیت کی جگہ پڑھا اور وقف بھی کیا تو [illegible] ہو جائے گی مثلاً والعصر ان ا[illegible] پڑھا اور کچھ دیر توقف کر کے کہا ان الابرار [illegible] تو نماز ہو جائے گی اور اگر و[illegible]یں کیا تو معنی متغیر ہونے کی صورت میں نماز فاسد۔ [illegible] ۳

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کلمہ کو مکرر پڑھا اور معنی فاسد نہیں ہوئے تو نماز ہو جائے گی اور اگر معنی فاسد ہو گئے تو نماز نہ ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے رب رب العلمین پڑھا۔ یعنی رب کو دو مرتبہ پڑھا اور یہ خیال کیا کہ پروردگار عالم کا ایک رب ہے تو اس صورت میں معنی بدل گئے اس لئے نماز نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے صحیح مخارج کی نیت سے دوبارہ پڑھا یا پڑھتے وقت کوئی ارادہ نہیں تھا تو ان دونوں صورتوں میں نماز ہو جائے گی۔[۴]

اگر کسی نے شین کی سین اور قاف کی جگہ کاف پڑھا اور اس وجہ سے پڑھا کہ یہ حروف باوجود کوشش کے اس کی زبان سے صحیح ادا نہیں ہوتے تو اس صورت میں وہ معذور ہے اس کی نماز ہو جائے گی۔

تنبیہ :

مذکورہ بالا جتنی بھی صورتیں لکھی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو نماز نہیں ہوتی اور اگر معنی تبدیل نہ ہوں تو ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ معنوں کے تبدیل ہونے نہ ہونے کی تمیز تو عربی جاننے والے ہی کر سکتے ہیں۔ عوام الناس کو کیا معلوم کہ کس غلطی سے معنی تبدیل ہوئے اور کس سے

[۱] عالمگیری ج ا ص ۶۹ [۲] محیط [۳] عالمگیری [۴] فتاوٰی عالمگیری ج ا ص ۶۹

حرف یا کلمات کی غلطی سے معنوں میں کھلا ہوا تغیر پیدا ہو جائے تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً هٰذا الغراب کی بجائے هٰذا العباد پڑھ دیا تو نماز صحیح ہو گی۔ اور اگر حروف و کلمات کی غلطی سے تغیر فاحش پیدا نہ ہوتا اور اس کے جملے و کلمات قرآن میں موجود ہوں تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ مثلاً علیم کی بجائے حکیم اور خبیر کی بجائے بصیر کہہ دیا جائے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اگر اس طرح کے حروف و کلمات قرآن میں موجود نہ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مثلاً قوامین بالقسط کی جگہ قیامین بالقسط پڑھ دیا تو نماز نہ ہو گی۔ ۱

مسئلہ: قرآن کو اگر راگنی کی طرح یعنی گانے کے طرز پر پڑھا جائے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ۲

تحقیق مدولین :

مدولین میں حد سے تجاوز کیا جائے تو راگنی ہو جائے گی اور نماز نہ ہو گی اس لئے ضروری ہے کہ مدولین کی تعریف بھی بتلا دی جائے سو جاننا چاہئے کہ حروف مد تین ہیں۔ (۱) الف (۲) واؤ (۳) ی بشرط یہ کہ ان سے پہلے حروف کی حرکت ان کے موافق ہو۔ الف کے موافق زبر ہوتا ہے۔ واو کی موافق پیش اور ی کی موافق زیر مثلاً خالدین اس میں الف حرف مد ہے کیونکہ اس سے پہلے حرف "خ" پر زبر ہے جو اس کے موافق ہے۔ اور اس میں "ی" بھی حرف مد ہے کیونکہ اس سے پہلے حرف "د" پر زیر ہے جو اس کے موافق ہے۔ اور مسلمون میں واؤ حرف مد ہے کیونکہ اس سے پہلے حرف "میم" پر پیش ہے جو اس کے موافق ہے۔

حرف لین دو ہیں۔ (۱) واؤ اور (۲) ی بشرط یہ کہ ان سے پہلے حرف کی حرکت ان کے موافق نہ ہو مثلاً خالدین اس میں "ی" حرف لین ہے کیونکہ اس سے پہلے حرف "د" کی حرکت اس کے موافق نہیں اور وہ زبر ہے۔

وہ حروف جن کی باہم تمیز مشکل ہے مثلاً ص، ض، ظ، ت، ط۔ ان میں اگر

۱ فتاویٰ عالمگیری ۲ فتاویٰ عالمگیری

دانستہ تبدیلی کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور بے اختیار زبان سے نکل جائیں یا ان کا فرق جانتا ہی نہیں تو نماز ہو جائے گی۔ ۱

تنبیہ :

جو شخص تو تلا یا ہکلا ہو تو اس کو حرف صحیح ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر باوجود انتہائی کوشش کے بھی صحیح حروف ادا نہ ہوں تو پھر وہ معذور ہے۔ ۲

نماز کا تیسرا رکن۔ رکوع

نماز کا تیسرا رکن رکوع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وار کعوا یعنی رکوع کرو۔ رکوع کے معنی ہیں جھکنا۔ اس طرح کہ سرین، کمر اور سر تینوں اعضاء برابر ہو جائیں رکوع میں سر جھکانا ضروری ہے۔ اگر سر کو اتنا کم جھکایا کہ وہ قیام کے قریب رہا تو رکوع نہ ہو گا۔ اور اگر رکوع کے قریب رہے تو ہو جائے گا۔ ۳

رکوع میں ترتیب کو مدنظر رکھنا چاہئے یعنی اوّل قیام کرنا، کھڑے ہونے کے بعد رکوع کرنا اور رکوع کے بعد سجدہ کرنا۔ پس اگر کسی شخص نے اس ترتیب کے خلاف کیا یعنی پہلے سجدہ کیا اس کے بعد رکوع اور پھر قیام تو اس کی نماز نہ ہو گی۔

رکوع کی صورت یہ ہے کہ کمر اور سر کو برابر رکھے، دونوں ہاتھوں کا زور گھٹنوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رہیں۔

کبڑا آدمی جو ہر وقت حالت رکوع میں رہتا ہو وہ معذور ہے اس کو صرف اشارہ کرنا ہی کافی ہے زیادہ جھکنے کی ضرورت نہیں۔

اگر کسی نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا اور امام کے ساتھ رکوع میں کم از کم ایک مرتبہ بھی سبحان ربی العظیم کہہ لیا تو اس نے وہ رکعت پالی۔ اور اگر ایک مرتبہ بھی کہنے نہ پایا تھا کہ امام نے سر اٹھا لیا تو وہ رکعت نہ ملی۔ ۴

نماز کا چوتھا رکن۔ سجدہ

پہلا اور دوسرا دونوں سجدے باجماع امت فرض ہے۔ اور وہ پانچ اعضاء

۱ فتاویٰ عالمگیری، وردۃ الفرید ص ۱۰ ۲ کبیری ص ۴۸۲ ۳ شامی ج ۱ ص ۴۴۷ ۴ شامی ج ۱ ص ۴۴۷

کے زمین پر رکھنے سے ادا ہوتا ہے۔ پیشانی، ناک دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور
دونوں پاؤں اور ان پانچوں اعضاء کا زمین پر رکھ دینا سجدہ کہلاتا ہے۔ ان پانچوں
اعضاء میں سے تین اعضاء یعنی دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم تو
بہر حال حالت سجدہ میں زمین پر رکھنے لازمی ہیں۔ اب اگر کسی نے سجدہ میں
صرف پیشانی رکھی ناک نہ رکھی تو اس کا سجدہ ہو گیا بشرطیکہ ناک کا کوئی عذر ہو۔
مثلاً ناک پر کوئی پھنسی نکل رہی ہو اور یا زخمی ہو اور اگر بلا عذر ناک نہ رکھی تو مکروہ
ہے اسی طرح اگر کسی نے ناک تو رکھی مگر پیشانی نہ رکھی تو جائز ہے بشرطیکہ پیشانی
نہ رکھنے کا عذر ہو ورنہ سجدہ مکروہ ہوگا عالمگیری میں ہے کہ اگر کسی شخص نے
بلا عذر صرف ناک ہی پر سجدہ کیا پیشانی زمین پر نہ رکھی تو سجدہ نہ ہوا۔ اسی پر فتویٰ
ہے۔ مگر معذور اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

ناک پر سجدہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ناک کا سخت حصہ زمین سے چھو جائے
صرف ناک کا نرم سرا زمین سے لگ جانا کافی نہیں۔ [۱]

اگر کوئی شخص ایسا معذور ہے کہ ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ نہیں کر سکتا
یعنی دونوں میں سے ایک کو بھی کسی عذر کی وجہ سے نہیں رکھ سکتا تو سجدہ کے لئے
صرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔

سجدہ میں دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کا زمین پر رکھنا ہمارے امام صاحبؒ کے
نزدیک واجب نہیں اور امام زفرؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے۔ پس اگر کسی
نے سجدہ میں دونوں قدم زمین پر نہ رکھے تو سجدہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر ایک قدم بھی
رکھا تو ہو جائے گا۔ [۲]

اگر بسبب انبوہ کثیر اور جگہ نہ ہونے کے سامنے والی جماعت کے آدمی کی
پشت پر سجدہ کیا تو جائز ہے بشرطیکہ آدمی جس کی پشت پر سجدہ کیا ہے وہی نماز
پڑھ رہا ہو جو یہ معذور پڑھ رہا ہے اگر وہ شخص خالی بیٹھا ہو یا کوئی دوسری نماز پڑھ
رہا ہو تو پھر سجدہ نہ ہوگا۔

گھانس اور گدے وغیرہ پر اس وقت سجدہ کرنا جائز ہے جبکہ اس پر ناک اور

۱ عالمگیری، بحرالرائق ج ۱ ص ۳۱۷ ۲ منیۃ المصلی

پیشانی ٹھہر جائے۔ یعنی ناک اور پیشانی اس کی تہہ پر جا کر ایسی ٹک جائے کہ
دبانے سے آگے نہ دب سکے۔ [۱]

سجدہ اور قدموں کی جگہ ہموار ہونی چاہئے، اگر سجدہ کی جگہ ایک بالشت
اونچی ہو تو بھی سجدہ جائز ہے، اس سے زیادہ اونچی جگہ پر بلا عذر سجدہ کرنا جائز
نہیں۔

ضروری ہدایات :

پہلا سجدہ کر کے کم از کم اتنا اٹھنا چاہئے کہ بیٹھنے کے قریب ہو جائے پھر دوسرا
سجدہ کرے۔ اگر اس سے پہلے سجدہ کرے گا تو دوسرا سجدہ نہ ہوگا۔ یعنی جس شخص
نے پہلے سجدہ سے ذرا سر اٹھا کر پھر دوسرا سجدہ کیا تو اس کا یہ دوسرا سجدہ نہ ہوگا۔ اسی
طرح اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھا لے اور پھر فوراً
سر جھکا دے تو بھی ایک ہی رکوع اور ایک ہی سجدہ ہوگا مگر نماز درست ہو جائے
گی۔

رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑے ہونے کو قومہ اور دو سجدوں کے درمیان
بیٹھنے کو جلسہ کہتے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح قول کے
مطابق واجب ہیں ان کا قصداً ترک کرنا حرام ہے۔

نماز کا پانچواں رکن۔ قعدہ اخیرہ

نماز کے سات فرض یہ ہیں: تکبیر تحریمہ، قیام، قرأۃ، رکوع، سجدہ، قعدۂ
اخیرہ اور قصداً خود نماز ترک کرنی۔ ان میں سے پانچ فرائض کا بیان ہم نہایت
تفصیل کیساتھ مع ان کے اختلافات کے کر چکے ہیں۔ اب یہاں قعدہ اخیرہ کا
بیان کیا جاتا ہے۔

جس طرح دیگر ارکان تمام نمازوں میں خواہ وہ فرض ہوں یا واجب، یا سنت
اور یا نفل فرض ہیں اسی طرح قعدۂ آخیرہ بھی سب نمازوں میں فرض ہے یعنی

۱ عالمگیری

بمقدار قرأۃ تشہد آخر نماز میں بیٹھنا فرض ہے۔ [1]

جو شخص چار رکعت والی نماز پڑھ رہا ہو وہ قعدۂ اخیرہ کو چھوڑ دے اور پانچویں رکعت پڑھنے لگے تو جب تک وہ پانچوں رکعت کا سجدہ نہ کرے یاد آنے پر اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے اور قعدہ کر کے سجدۂ سہو کر لے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ کر کے بھولے سے پانچویں رکعت پڑھنے لگے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے اس وقت تک بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کر کے نماز تمام کر لے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا اور اس طرح پانچویں رکعت مکمل کر لی تو اس صورت میں اس کو چاہئے کہ چھٹی رکعت اور اس کے ساتھ ملا لے اور سجدہ سہو کر کے نماز تمام کر لے۔ تاکہ اوّل چار فرض ادا ہو جائیں اور آخر کے دو نفل ہو جائیں۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک چار رکعت پڑھنے والا اگر بھول سے پانچویں رکعت کے واسطے کھڑا ہو جائے، تو اس کی نماز بہر صورت باطل نہ ہوگی۔ بلکہ اس صورت میں کہ اس سے قعدۂ اخیرہ جو رکن نماز ہے چھوٹ گیا ہو، وہ بدون قعدۂ اخیرہ کے کھڑا ہو گیا ہو اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا ہو سوائے اس کے اور صورتوں میں نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے قبل اسے یاد آ گیا تو وہ اس قدر زائد نماز کو جو ایک رکعت سے کم ہو چھوڑ دے اور بیٹھ کر سجدہ سہو کر کے نماز تمام کر لے۔ خواہ اس نے پانچویں رکعت قعدۂ اخیرہ کر کے شروع کی ہو یا یہ چھوٹ گیا ہو۔

تحقیق تشہد :

حنفیوں کا مذہب یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں قعدہ کی صورت یہ ہے کہ بائیں پیر پر بیٹھے اور داہنے پیر کو کھڑا رکھے اس طرح کہ پیر کی انگلیاں قبلہ کے رخ رہیں۔ [2] اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ

---

[1] شامی ج۱ ص۴۲۸ [2] نسائی شریف ج۱ ص۱۷۳

مذہب دو حدیثوں کے خلاف ہے۔ ان میں سے ایک حدیث ابوحمید سے سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدہ میں بطریقہ مذکورہ بیٹھتے تھے اور دوسرے قعدہ میں تورّک کرتے تھے یعنی بائیں کولہے کو زمین پر رکھ کر بیٹھتے اور بایاں پیر داہنی طرف نکالتے اور داہنا پیر کھڑا رکھتے تھے [1] اسی حدیث کے موافق محدثین اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

یہ اور دوسری حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ لیکن ہمارے امام صاحب کا مذہب ان کے علاوہ متعدد احادیث کے موافق ہے اور وہ نہایت ہی مضبوط مؤکد ہے۔ ان میں سے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

كان يقول في كل ركعتين التحية و كان يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنى [2] الخ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت میں التحیات پڑھتے تھے اور پیر بچھاتے تھے آپ بائیں پیر کو بچھا لیتے تھے اور کھڑا کر لیتے تھے داہنے پیر کو سعید بن منصور نے وائل سے روایت کی ہے:

صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قعد و تشهد فرش رجله اليسرىٰ یعنی نماز پڑھی میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پس جبکہ بیٹھے آپ بچھا دیا بائیں پیر کو۔

نیز سنن نسائی میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:۔ من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم اليمنى وتستقبله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرىٰ۔ [3]

یعنی نماز میں سنت یہ ہے کہ کھڑا کرے تو داہنے قدم کو اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ کرے اور بائیں پیر پر بیٹھے۔

---

[1] آثار السنن ج۱ ص۱۳۲ نوٹ: جن احادیث میں بایاں پاؤں داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنے کا ذکر ہے وہ بڑھاپے یا کسی دوسرے عذر کی صورتیں ہیں لیکن عام حالات میں دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا وہی طریقہ ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ (علوی) [2] صحیح مسلم ج۱ ص۱۹۴ [3] سنن نسائی ج۱ ص۱۷۳

ان دونوں حدیثوں کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قعدے ایک طرح پر ہیں اور یہی طریقہ سنت ہے اور ہمارا طریقہ بھی احادیث معتبرہ کے موافق ہے۔

انگشت شہادت کا اٹھانا:

ہم نے انگشت شہادت اٹھانے کی ترکیب کو طریقہ ادائے نماز میں بیان کردیا ہے۔ یہاں دیگر ائمہ کا اختلاف دکھانا مقصود ہے۔ حنفیہ کا تو اس باب میں عمل یہ ہے کہ تشہد کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اپنے رانوں پر رکھے اور سیدھے ہاتھ کو حسب دستور باندھ کر انگشت شہادت سے اشارہ کرے۔ ائمہ میں ہاتھ باندھنے کی صورت میں اختلاف ہے اسی طرح اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ انگشت شہادت سے کس وقت اشارہ کرنا چاہئے؟ بعضے کہتے ہیں کہ الا اللہ کہتے وقت اشارہ کرے۔ بعضے اس کلمہ کو ختم کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں۔ مگر مشہور اور صحیح بات یہ ہے کہ نفی کے وقت انگشت شہادت اٹھائے اور اثبات کے وقت رکھدے یعنی لا الہ کہتے وقت اٹھائے اور الا اللہ کہتے وقت رکھ دے۔[1]

داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو حنفیہ کے طریقہ کے مطابق باندھنا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا احادیث صحاح میں واقع ہے اور اس باب میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ اکثر آئمہ احادیث وفقہائے مجتہدین اور امام اعظمؒ کا یہی معتبر ومستند مذہب ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشہد میں اسی طرح اشارہ کیا کرتے تھے اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔[2]

بعض علماء نے اشارہ کرنے کو مکروہ بتلایا ہے۔ لیکن کفایہ حواشی ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ امام محمد اور امام ابو یوسفؒ تینوں حضرات کے نزدیک تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا سنت ہے۔ اس پر علامہ نجم الدین زاہد کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے، کوفیوں اور

۱؎ شامی ج ۱ ص ۵۰۹، ابن ماجہ ص ۶۶ ۲؎ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۷۳

مدنیوں سے بھی یوں ہی آیا ہے اور اس کے سنت پر کثیر آثار واخبار شاہد ہیں تو لامحالہ اس پر عمل کرنا ضروری واولی ہوا۔

شارح وقایہ بھی کہتے ہیں کہ انگلیوں کو باندھنا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا ہمارے اصحاب سے آیا ہے۔

نیز اس مسئلہ میں امام عالم عامل اجل علی متقیؒ نے ایک رسالہ میں ان تمام احادیث وآثار اور دلائل وشواہد کو جمع کیا ہے جن سے مذہب حنفی راجح ثابت ہوتا ہے۔ پس جو لوگ اس کو مکروہ بتلاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ہمارے امام صاحبؒ اور صاحبین کا صحیح ومستند مذہب انگلیوں کا باندھنا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا ہے اور اسی پر حنفی مسلمانوں کو عمل کرنا چاہئے۔

درود شریف کا بیان:

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے اور ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک سنت[1] چنانچہ طبرانی، ابن ماجہ، دار قطنی سعد بن سعد سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں جو اپنے پیغمبر پر درود نہ بھیجے۔ نیز دار قطنی ابی مسعود انصاریؓ سے حدیث لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا وہ نماز جس میں مجھ پر اور میری اہل بیت پر درود نہ بھیجا وہ قبول نہیں کی جاتی۔ ان دو حدیثوں کے موافق قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا بھی ضروری ہوا۔[2]

درود کے متعلق متعدد روایات آئی ہیں لیکن وہ درود شریف جو ہم نماز کی ترکیب میں معہ ترجمہ بیان کر چکے وہی کافی ہے۔ بعض روایات میں یہ زائد کلمات بھی آئے ہیں:

وارحم وترحم کما رحمت وترحمت مگر علماء محققین نے ان کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اور ان کو از قبیل بدعت بتلایا ہے۔ لہٰذا جو درود شریف ہم عموماً اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں وہی صحیح ومعتبر اور کافی ہے۔ باقی درود شریف

۱؎ ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۳ ۲؎ ابن ماجہ ص ۱۵

کے بعد جو دعا ہم اپنی نماز میں پڑھتے ہیں اور جس کو ہم نے نماز کی ترکیب میں باترجمہ لکھا ہے، اس دعا کی سند یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسی دعا بتلائیے کہ جو میں آخر نماز میں پڑھوں۔ اس پر حضور ﷺ نے وہ دعا تعلیم فرمائی جو ہم پڑھتے ہیں اس دعا کے علاوہ اور بھی حدیث میں دعائیں آئیں ہیں[۱]، مگر ان میں یہی دعا افضل، کافی اور معتبر ہے۔

نماز کا چھٹا رکن۔ قصداً نماز کو تمام کرنا

نماز کا چھٹا فرض خروج بصنعہ ہے یعنی نماز کو قصداً تمام کرنا[۲] حقیقت اس بحث اور بیان کی یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے اور بعد فراغت نماز لفظ سلام یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا واجب ہے۔[۳] پس اگر کسی نے لفظ سلام نہ کہا بلکہ کوئی کام منافی نماز کے قصداً آخری نماز میں کر دیا تو نماز اس کی تو ہو جائے گی مگر ترک واجب کا گناہ لازم آئے گا اور نماز بھی کامل ومقبول نہ ہوگی اور اس کی نماز ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ذمہ سے تمام فرائض نماز ادا ہو گئے۔ وہ قضائے نماز سے بری ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ترک واجب سے اس پر گناہ لازم آیا۔ اور نماز کامل ومقبول نہ ہوئی۔ پس اگر کسی نمازی نے قدر تشہد کے بعد جان کر اپنا وضو توڑ دیا، یا کوئی کلام کیا اور یا کوئی عمل منافی نماز کیا تو بالاتفاق اس کی نماز ہو جائے گی۔ مگر وہ لفظ سلام کے ترک سے گناہ گار ہوگا۔

اس مسئلہ کی سند وہ حدیث ہے جو سنن ابوداؤد میں ہے۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے:

اذا قعد الامام فی اخر صلاتہ ثم احدث قبل ان یتشھد فقد تمت صلاتہ[۴]

---

[۱] ابن ماجہ ص ۶۵ [۲] رد المختار ج اص ۴۴۸ [۳] شرح الوقایہ ج اص ۱۶۱ [۴]

یعنی جب بیٹھے امام آخر نماز میں اور حدث کر دے قبل اس کے کہ التحیات پڑھے اس کی نماز تمام ہو جائے گی۔

اس مسئلہ پر چند مسائل تیمم بھی مبنی ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی مقتدی یا امام نے جس نے تیمم کر رکھا تھا حالت نماز میں تشہد کے لئے بیٹھنے سے پہلے حدث کیا تو اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ یا اگر وہ مسح کرنے والا تھا تو اس کی مدت مسح ٹوٹ جائے گی۔

نماز کے واجبات:

یہاں تک نماز کے فرائض کا بیان تھا جن کو ہم نے پوری تفصیل اور ان کے متعلقات کے ساتھ بیان کر دیا۔ اور اس سلسلہ میں جو باتیں باقی ہیں وہ آئندہ آجائیں گی۔ یہاں نماز کے واجبات کو بیان کیا جاتا ہے۔

مختلف نمازوں میں ۱۹ چیزیں واجب ہیں۔ ہر نماز کے واجبات کی یہ مقدار نہیں کسی میں اس سے کم ہیں اور کسی میں زیادہ۔ وہ واجبات یہ ہیں۔

(۱) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قرأۃ کے لئے مقرر کرنا (۲) الحمد شریف کا پڑھنا (۳) الحمد کا ہر رکعت میں ایک مرتبہ پڑھنا (۴) الحمد کا سورت سے پہلے پڑھنا (۵) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب وسنتوں کی سب رکعتوں میں سورت کا ملانا۔ (۶) دو رکعتوں اور دو سجدوں کے درمیان ترتیب کا قائم رکھنا (۷) رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا (۸) دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت سے قبل بیٹھ جانا (۹) تعدیل ارکان یعنی رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ میں سبحان اللہ کہنے کی مقدار اطمینان کے ساتھ توقف کرنا (۱۰) فجر، مغرب، عشاء، جمعہ تراویح، عیدین اور رمضان کے وتروں میں امام کو بلند آواز سے قرأۃ پڑھنا اور ظہر وعصر وغیرہ میں آہستہ پڑھنا (۱۱) جلسہ (۱۲) پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں التحیات پڑھنا (۱۳) لفظ سلام سے نماز تمام کرنی (۱۴) تکبیر قنوت کہنی (۱۵) دعائے قنوت پڑھنی (۱۶) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں میں چھ چھ تکبیریں کہنی (۱۷) مقتدی کا قرأۃ میں خاموش رہنا اور امام کی قرأۃ پر اکتفا

کرنا (۱۸) مقتدی کو بہر صورت امام کی تابعداری کرنا (۱۹) سجدہ تلاوت کرنا۔ [۱]

نماز کی سنتیں :

حنفیوں کے مذہب کے مطابق نماز کی سنتیں چھبیس ہیں:

(۱) تکبیر تحریمہ کے لئے تکبیر کہنے سے پیشتر دونوں ہاتھوں کا کانوں کی لو تک اٹھانا [۲] (۲) تکبیر کے وقت انگلیوں کا قبلہ کی رخ اور اپنی حالت پر رکھنا یعنی بالکل کشادہ ہوں اور نہ بالکل ملی ہوئی (۳) امام کو تکبیر تحریمہ لوگوں کی اطلاع کے لئے بقدر ضرورت پکار کر کہنا (۴) ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھنا۔ [۳] (۵) سبحانک اللھم پڑھنا (۶) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم (۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا (۸) فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں صرف الحمد للہ پڑھنی۔ (۹) آمین کہنی (۱۰) اعوذ، بسم اللہ اور آمین کا آہستہ کہنا۔ (۱۱) قرأۃ مسنون پڑھنی۔ (۱۲) تکبیرات انتقالی یعنی رکوع وسجدہ کے لئے اللہ اکبر کہنا (۱۳) رکوع میں سبحان ربی العظیم کا کم از کم تین بار کہنا (۱۴) رکوع میں دونوں گھٹنوں کو کشادہ انگلیوں سے پکڑنا (۱۵) امام کو سمع اللہ لمن حمدہ، مقتدی کو ربنا لک الحمد اور تنہا آدمی کو دونوں ملا کر کہنا (۱۶) سجدہ میں دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کو پیشانی سے پہلے زمین پر رکھنا (۱۷) سجدہ میں کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلی پڑھنا (۱۸) جلسہ اور تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا اور بایاں پاؤں بچھائے رکھنا (۱۹) ہر جلسہ اور ہر تشہد میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا (۲۰) التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا (۲۱) قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا (۲۲) قعدہ اخیرہ میں دعا پڑھنی (۲۳) سلام کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا (۲۴) امام کے لئے فرشتوں اور مقتدیوں کے سلام کی نیت کرنی (۲۵) امام کے لئے پہلے سلام سے دوسرے سلام کو پست آواز سے کہنا (۲۶) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر دائیں بائیں سلام پھیرنا۔ [۴]

---

[۱] ردالمختار ج۱ ص۴۵۸ تا ۴۷۳ [۲-۳] عالمگیری ج۱ ص۸۰ [۴] بحرالرائق ج۱ ص۳۲۶ تا ۵۸۰، ردالمختار ج۱ ص۴۷۳ تا ۴۷۷ و فتاوی ھندیہ ج۱ ص۸۰

ضروری ہدایات :

امام کو تکبیر تحریمہ اور باقی انتقالی تکبیرات کو بقدر ضرورت بلند آواز سے کہنا چاہئے۔ ان سے صرف یہی نیت نہ ہو کہ ان سے مقصود مقتدیوں کو اطلاع کرنا ہے بلکہ اپنی نماز کی تکبیروں کی نیت ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر اپنی تکبیروں کی نیت نہ کرے گا تو نہ امام کی نماز ہوگی اور نہ مقتدیوں کی۔ [۱] امام ہو یا منفرد بہرحال اس رکعت میں جس میں الحمد پڑھی جاتی ہے اور سورت نہیں پڑھی جاتی سب کے لئے الحمد سے قبل آہستہ بسم اللہ پڑھنی سنت ہے اور اعوذ باللہ صرف پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

نماز کے مستحبات :

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو دونوں ہاتھ آستینوں یا چادر وغیرہ سے باہر نکالنا (۲) دونوں قدموں کے درمیان بقدر چار انگلی کے فاصلہ رکھنا (۳) تنہا نماز پڑھنے والے کو رکوع وسجدہ میں تین بار سے زائد تسبیح پڑھنا (۴) قیام میں سجدہ گاہ پر رکوع میں دونوں پاؤں کی پشت پر، سجدہ میں ناک کے سرے پر، قعود میں اپنی گود پر، پہلے سلام میں دائیں شانہ پر نظر رکھنا (۵) رکوع میں انگلیوں کا کشادہ رکھنا اور سجدہ میں ملی ہوئی رکھنا (۶) جمائی کے وقت نماز میں منہ بند رکھنا (۷) اگر نماز میں کھانسی آئے تو بقدر امکان اس کا روکنا۔ [۲]

تکبیر تحریمہ کا ثواب اور چند بقیہ مسائل

ترمذی نے نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اس کو چاہئے کہ یہ دعا پڑھے:

انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض
حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی

---

[۱] کنز الدقائق ج۱ ص۲۳ [۲] ردالمختار ج۱ ص۴۷۸

ومحیای ومماتی لله رب العلمین لاشریک له
بذلک امرت وانا اول المسلمین اللهم انت
الملک لااله الا انت انت ربی وانا عبدک ظلمت
نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعاً انه
لایغفر الذنوب الا انت واهدنی لاحسن الاخلاق
لایهدی لاحسنها الا انت واصرف عنی سیئها
لایصرف عنی سیئها الا انت لبیک وسعدیک
والخیر کله فی یدیک والشر لیس الیک انا بک
والیک تبارکت وتعالیت استغفرک واتوب
الیک۔ [ل]

ترجمہ: میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، میں توحید کرنے والوں میں سے ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز میری عبادت، میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا خاص اللہ تعالیٰ عالموں کے پروردگار کے لئے ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور اسی توحید واخلاص کا مجھے حکم ہوا ہے۔ اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا پروردگار ہے۔ میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ میں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا پس تو بخش دے میرے سب گناہ کیوں کہ گناہوں کو تیرے سوا بخشنے والا اور کوئی نہیں۔ مجھے اچھی عادتوں کی راہ دکھا کہ تیرے سوا اچھی عادتوں کی راہ کوئی نہیں دکھاتا۔ اور دور کر مجھ سے بری عادتوں کو اور تیرے سوا بری عادتوں کو کوئی دور نہیں کرتا۔ میں حاضر ہوں تیرے حکم کے بجالانے میں اور تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور برائی تیری طرف نہیں لگائی

ل ترمذی شریف ص ۷۹، ج ۲، شرح الوقایہ ج ۱ ص ۱۲۶

جاتی ہیں تیرے ہی سبب سے موجود ہوں اور میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں، تو بابرکت ہے اور تو بلند ہے۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

ابن حبان نے اس دعا کا پڑھنا بعد تکبیر تحریمہ کے نقل کیا ہے اور بعض نے تکبیر تحریمہ سے پہلے روایت کیا ہے۔ غرض یہ کہ اداءِ نماز کے وقت اس دعا کا پڑھنا افضل اور باعث ثواب ہے۔

دعائے استفتاح:

تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کو دعاء استفتاح کہتے ہیں اور وہ دعائیں صحیح سندوں سے کئی طرح پر مروی ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ ہر وقت میں مختلف دعائیں پڑھتے تھے۔ کبھی کوئی اور کبھی کوئی اگر کوئی ان سب دعاؤں کو ایک ساتھ پڑھے تو جائز ہے۔ لیکن بعض مشائخ نے مذکورہ بالا دعا ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو نیت کے شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہیں مگر یہ خلاف روایت اور درایت کے ہے اور اس سے اقامت کے بعد جماعت قائم ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ میں دیر لازم آتی ہے۔

دوسری دعائے استفتاح یہ ہے:

اللهم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین
المشرق والمغرب اللهم اغسل خطایای بالماءِ
والثلج والبرد۔ [ل]

ترجمہ: اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنی دور ڈال دے جتنی تو نے مشرق ومغرب میں ڈالی ہے۔ اے اللہ میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھودے۔

دعا کی ان دونوں صورتوں میں گناہوں کے محو ہونے کے لئے مبالغہ مقصود ہے۔ کیونکہ مشرق اور مغرب میں بڑا فرق ہے۔ یعنی میرے گناہ اسی طرح دور

ل صحیح بخاری ص ۱۰۳ ج ۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۹، نسائی شریف ج ۱ ص ۱۴۲، ابن ماجہ ص ۵۸

ہوں اور جو کپڑا تین چیزوں سے کئی بار دھویا جاتا ہے وہ خوب صاف ہو جاتا ہے۔ یعنی اسی طرح مجھ کو پاک کر اور طرح طرح کی بخشش نازل فرما۔ یہ بطریق تمثیل کے فرمایا ہے اس کی حقیقت مقصود نہیں۔

تیسری دعائے استفتاح یہ ہے:

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک۔ [1]

میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اے اللہ! وابستہ تیری تعریف سے۔ اور بابرکت ہے تیرا نام اور بلند ہے تیری بزرگی اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

امام اعظمؒ، امام محمدؒ اور امام مالک وامام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس دعا کو تکبیر تحریمہ کے بعد آخر تک پڑھے اور دعائی وجھت الخ کو نہ پڑھے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں پڑھے۔ طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ مگر پہلے سبحانک اللھم الخ پڑھنا اولیٰ ہے۔ ان دونوں کی سند حدیث سے ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت سی دعائیں آئی ہیں لیکن ہم صرف مذکورہ دعاؤں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ دوسری دعاؤں کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔

تکبیر تحریمہ کا ثواب:

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ پائے، وہ اس کے لئے ہزار اونٹ مکہ معظمہ میں صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ نیز صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ پائی وہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اخبار میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ چند چوروں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چار سو اونٹ اور چالیس غلام چرا لئے آپ اس رنج و غم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول خدا ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو رنجیدہ دیکھ

[1] ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۸، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۱۳، ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۷

کر فرمایا ابوبکرؓ آج رنجیدہ کیوں ہو؟ آپ نے چوری کے واقعہ کی خبر دی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے تو یہ خیال کیا تھا کہ شاید آج تمہاری تکبیر تحریمہ فوت ہو گئی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے دریافت فرمایا یا رسول اللہ ﷺ کیا تکبیر تحریمہ کے فوت ہونے کا رنج اس سے زیادہ ہونا چاہیئے؟ فرمایا اس سے بھی زیادہ؟ اگر تمام زمین کو اونٹوں سے بھر دیا جائے تو وہ بھی تکبیر تحریمہ کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ [1]

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس سے تکبیر تحریمہ فوت ہوگئی اس کے ہاتھ سے وہ نوسو ننانوے دنبیاں جاتی رہیں جو جنت میں چر رہی ہیں اور جن کے سینگ سونے کے ہیں۔ [2]

ایک عجیب لطیفہ:

صاحب خیر المونس کہتے ہیں کہ اس میں نوسو ننانوے عدد کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "اللہ" کے چار حرف ہیں اور "اکبر" کے بھی چار ہی حرف ہیں اکبر کی "ے" کا نقطہ ایک حرف کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس میں ایک عجیب وغریب بھید مضمر ہے جس کی تفصیل یہ ہے جس قدر چیزیں تمام کتابوں میں بیان کی گئیں ہیں سب کا لب لباب قرآن میں موجود ہے فیھا کتب قیمۃ۔ اور جو چیزیں تمام قرآن میں موجود ہیں، ان کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے، اور جو چیز سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اس کا انتخاب "بسم اللہ" میں ہے اور بسم اللہ کا خلاصہ لفظ "با" میں اور با کا عطر اس نقطہ میں موجود ہے جو با کے نیچے ہے۔ نجم الدین نسفی کہتے ہیں کہ با کے معنی یہ ہیں بی کان ما کان وبی یکون مایکون۔ غرضیکہ لفظ "اللہ اکبر" کل نو حرف ہیں اور ہر ہر حرف کے عوض سو سو دنبیوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اب رہی ننانوے دنبیاں تو ہر حرف کے مقابلہ میں گیارہ دنبیاں مقرر ہوئیں کیونکہ بسط کے قاعدہ سے لفظ اللہ کے گیارہ حروف ہیں پس یہ وجہ ہے کہ نوسو ننانوے کے عدد کی تخصیص کی۔ الغرض تکبیر تحریمہ کا ثواب حد شمار سے باہر ہے۔ ہر نمازی مسلمان

[1]
[2]

کو حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ وہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ پالے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس اسم سے نماز کی ابتداء صحیح ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسموں میں سے ہو اور تعظیم پر دلالت کرتا ہو، مثلاً اللّٰہ اعظم اور اللّٰہ اجل وغیرہ۔ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے کیونکہ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔[1]

بحث تکبیر تحریمہ غیر عربی زبان میں:

امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہے یعنی بجائے اللہ اکبر کے کہے ''خدا تعالیٰ بزرگتر است'' تو روا ہے اسی طرح اگر ذبح کرتے وقت فارسی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام لے تو وہ ذبیحہ جائز ہے۔[2] یعنی ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر فارسی و ہندی وغیرہ کسی زبان میں اللہ اکبر کا ترجمہ کرے تو نماز درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں۔ مسنون اختیار زبان عربی بلکہ خاص لفظ اللہ اکبر ہے۔ چنانچہ ردالمختار میں ہے:

واما صحة الشروع بالفارسية وكذا جميع اذكار الصلوٰة فهي على الخلاف فعنده تصح الصلوٰة بها مطلقاً خلافاً لهما والظاهر ان الصحة عنده لاتنفي الكراهة۔[3]

یعنی شروع کرنا نماز کا فارسی زبان میں اور ایسے ہی اور اذکار نماز جیسے التحیات و تسبیح وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زبان فارسی میں درست ہے مطلقاً اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک اگر زبان عربی سے عاجز ہو تو دوسری زبان میں ان اذکار کا ادا کرنا درست ہے ورنہ نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک صحت نہی نفی کرتی کراہت کو۔

[1] ہدایہ ج ۱ ص ۹۴ [2] ہدایہ ج ۱ ص ۹۵ [3] ردالمختار ج ۱ ص ۳۸۴

یعنی ادا کرنا ان اذکار کا اگرچہ نماز کی صحت کے واسطے کافی ہے مگر کراہت سے خالی نہیں۔ اس مسئلہ کے درج کرنے کی غرض محض یہ ہے کہ ناظرین کو اس کی صحت کا علم ہو جائے۔

اسی طرح حضرت امام صاحب کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ فارسی میں قرآن پڑھنا درست ہے خواہ عربی زبان پر قادر ہو یا نہ ہو۔ لیکن آخر میں امام صاحبؒ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور اس کے قائل ہو گئے تھے کہ بہرحال عربی میں پڑھنا ہی لازمی ہے۔ چنانچہ ابن ملک کی شرح منار میں ہے:

الاصح انه رجع عن هذا القول یعنی صحیح بات یہی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔

تحقیق شرح منتخب حسامی سے منقول ہے:

قد صح رجوع ابی حنیفه الیٰ قول العامة رواه نوح ذكره فخر الاسلام في شرح كتاب الصلوٰة وهو اختيار القاضي ابي زيد وعامة المحققين.

ترجمہ: یعنی صحیح ہے ثابت ہونا رجوع ابوحنیفہ کا طرف قول اکثر کے۔ روایت کیا ہے اس کو ابوحنیفہ سے نوح ابن ابی مریم نے اور ذکر کیا اس کو فخر الاسلام بزدوی نے شرح کتاب الصلوٰۃ میں اور یہی مختار ہے قاضی ابوزید اور عام محققین کا۔

پس امام صاحبؒ کا زبان فارسی میں جواز نماز کے قول سے رجوع آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اور حنفیوں کا اسی پر فتویٰ ہے کہ نماز غیر عربی زبان میں نہیں ہوتی۔

قراۃ کے متعلق چند ضروری باتیں:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک ہی آیت فرض ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک ہی آیت پر اکتفا کر لینا چاہئے بلکہ آسانی اس شخص کے لئے ہے جو

معذور ہو۔ شرح وقایہ میں ہے کہ فرض قرأۃ ایک آیت ہے اور اس پر کفایت کرنے والا بہ سبب ترک واجب کے گنہگار ہے۔ لہٰذا قرأۃ کے مسائل میں اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ دیدہ ودانستہ اس کو چھوڑ دینے سے فسق لازم آتا ہے۔ نیز سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا بھی واجب ہے اور عمداً اس کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے۔

ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتاب میں ہے کہ اگر امام نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ مذہب ہے، امام اعظمؒ کا۔[1] اس پر غیر مقلدین اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس میں امام صاحب نے خلاف کیا ہے۔ اس حدیث کا جو بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان امامت کرتا تھا ان کی قرآن سے۔ یہ اعتراض ان کا بالکل لغو اور جہالت پر مبنی ہے کیونکہ بخاری کی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ذکوان نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے۔ معترضین کی یہ بات ناسمجھی اور افترا پردازی ہے۔ صحیح بخاری کے بلاسند یہ اثر ضرور مرقوم ہے۔ مگر اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ذکوان قبل شروع کرنے نماز کے قرآن کو دیکھ لیتے تھے اور اس سے یاد کر لیتے تھے۔ بعد اس کے اسی قدر نماز میں سنا دیتے تھے۔ چنانچہ عینی کی شرح ہدایہ میں مذکور ہے:

اثر ذکوان ان صح فھو محمول علیٰ انه کان یقرأ من المصحف قبل شروعه فی الصلوٰۃ ای ینظر فیه ویتلقن منه ثم یقوم فیصلی۔

یعنی اگر ذکوان کا اثر صحیح ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے قرآن سے دیکھ لیتے اس سے یاد کر لیتے اور بعد اسکے اسی قدر نماز میں سنا دیتے تھے۔

پس صحیح امر یہ ہے کہ قرآن دیکھ کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جو لوگ اس پر طعن کرتے ہیں وہ اپنی نادانی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

[1] ھدایہ ج ۱ ص ۱۳۲

استعاذہ کے مسائل:

استعاذہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے کو کہتے ہیں استعاذہ قرأت قرآن سے پہلے مسنون ہے۔ خواہ یہ قرأۃ نماز میں ہو یا خارج از نماز۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ[1] یعنی اور جب تو قرآن پڑھے تو اللہ سے استعاذہ کر یعنی اس کی پناہ میں آنے کے لئے اعوذ باللہ پڑھ۔ اس سے ظاہر امر کی وجہ سے بعض سلف اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ہیں۔ مگر ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک وہ مسنون ہے۔

اب قرأ اور فقہا کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ افضل اعوذ باللہ۔ یا استعیذ باللہ۔ روایت میں یہ دونوں لفظ آئے ہیں لیکن ہدایہ میں ہے کہ استعیذ کہنا اولیٰ ہے تاکہ قرآن کے موافق ہو۔[2]

استعاذہ کی بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی جاتی ہے۔ شروع نماز میں اس کا پڑھنا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے اگرچہ حضرت امام ابی حنیفہؒ کے نزدیک تسمیہ نہ سورۂ فاتحہ کے جزو ہے اور نہ کسی اور سورت کا تاہم اس کا شروع نماز میں پڑھنا مفتاح صلوٰۃ ہے۔ اور تعوذ کی طرح مسنون ہے۔ یعنی صرف پہلی رکعت میں پڑھنا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ کیونکہ تسمیہ برائے افتتاح قرآن ہے اور قرأۃ کے حق میں ہر رکعت مستقل ہے۔

بہرحال بسم اللہ الرحمن الرحیم کا نماز میں پڑھنا متفق علیہ ہے۔ لیکن اس کے جہر اور اسرار میں اختلاف ہے۔ یعنی اس امر میں کہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی چاہئے یا آہستہ؟ ہمارے امام صاحبؒ ثوریؒ اور احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ اور یہی مسلک حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت انسؓ کا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت

[1] سورہ نحل ۹۸ [2] ھدایہ ج ۱ ص ۹۶

ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ان سب کے پیچھے نماز پڑھی۔ میں نے ان میں کسی کو بھی بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔[1]

آمین کے مسائل :

مسلم، ابوداؤد، نسائی[2] اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ جب امام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھے تو مقتدی کو چاہئے کو امین کہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرے گا۔ ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ

واذا امن الامام فليؤمن المأموم فمن وافق تامينه تامين الملئكة غفرله ماتقدم من ذنبه.

ترجمہ: اور جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی آمین کہے کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے مطابق پڑتا ہے تو اس کے گناہ جو پیشتر گزر چکے ہیں بخش دیئے جاتے ہیں۔[3]

یعنی جب امام آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اسی لئے اس وقت مقتدیوں کو ان کی موافقت کرنی چاہئے کہ یہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔

اس میں امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہئے۔ مقتدی ہو خواہ امام اور نماز سری ہو خواہ جہری۔ اور ان کی سند یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ہیں جنہیں امام اخفا کرے: (۱) بسم اللہ (۲) اعوذ (۳) آمین (۴) تشہد۔ نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ، بسم اللہ، اعوذ اور آمین جہر سے نہ کہتے تھے۔ علاوہ ازیں دار قطنی اور حاکم نے علقمہ سے اور علقمہ نے وائل سے روایت کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ نے ولا الضالین کہا تو آمین چپکے سے کہی۔[4]

ایک دلیل ہمارے امام صاحبؒ کی یہ ہے کہ آمین دعا ہے جس کے معنی ہیں "الٰہی قبول کر۔" اور دعا آہستہ کرنی اولیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

---

[1] سنن نسائی ج۱ص ۱۴۳ [2] نسائی ج۱ص ۱۴۷، ابن ماجہ ج۱ص ۶۱ [3] صحیح مسلم ج۱ص ۲۷۶ [4] سنن ترمذی ج۱ص ۵۸، مسند امام احمد ص ۳۱۶ ج ۴

ادعوا ربکم تضرعا و خفية[1] یعنی اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی سے پکارو۔

الغرض ہمارا مذہب حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ اجل فقہا صحابہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جہر سے آمین کہنا موقوف ہو گیا ہے۔

رکوع کے مسائل :

جب رکوع کرے تو سبحان ربی العظیم کہے یعنی پاک ہے میرا بڑا پروردگار۔ نقل کیا اس کو مسلم، ابن حبان، حاکم اور بزاز نے۔ ایک روایت میں بزاز نے اس کا تین بار پڑھنا نقل کیا ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے۔ یعنی تین بار کہنا کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور جواز کا ادنیٰ درجہ ایک بار ہے۔ اور تین بار کہنا کمال میں داخل ہے[2] اور افضل پانچ بار یا سات بار ہے۔ بعضوں نے دس تک اور بعضوں نے قیام کے مقدار کے قریب بھی کہا ہے۔ مگر یہ سب حالتیں تنہائی میں ہیں۔ امام کو مقتدیوں کے حال کی رعایت کرنی چاہئے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ امام رکوع وسجدہ کی تسبیحیں پانچ بار کہے۔

رکوع کی جو مشہور اور معمول یہ تسبیح ہے اس کے علاوہ رکوع کی چند تسبیحات اور بھی آئی ہیں۔ ان میں سے ایک تسبیح یہ ہے:

سبحانک اللهم ربنا وبحمدک اللهم اغفرلی -[3] یعنی پاک ہے تجھ کو اے اللہ ہمارے پروردگار وابستہ تیری تعریف سے۔ الٰہی تو مجھ کو بخش۔

ایک تسبیح یہ کہ تین بار سبحان اللہ وبحمدہ کہے۔ نقل کیا اس کو احمد طبرانی نے اسی طرح اور بھی تسبیحات آئی ہیں مگر مختار سبحان ربی العظیم ہی ہے۔[4]

قومہ کا بیان :

مسلم وطبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے واذا قام من الركوع قال سمع

---

[1] اعراف: ۵۴ [2] حدایہ ج۱ص ۹۸ [3] بخاری شریف ج۱ص ۱۰۹، مسلم شریف ج۱ص ۱۹۲، سنن نسائی ج۱ص ۱۹۰، سنن ابوداؤد ج۱ص ۱۳۸ [4] سنن ابوداؤد ج۱ص ۱۳۶

اللہ لمن حمدہ یعنی جب رکوع سے کھڑا ہوا تو کہے اللہ نے قبول کیا اس کا قول جس نے اس کی تعریف کی۔ نیز یہ کہے ربنا لک الحمد یعنی اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ ان الفاظ کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

شیخ فخر الدین نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ کیونکہ جس کی کا قول ملائکہ کی قول کے مطابق پڑے گا اس کے پیشتر کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس میں ہمارے امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد۔ اور اکیلا نماز پڑھتا ہو تو دونوں کہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہے حمدہ کی "ہ" کو ساکن پڑھنا چاہئے۔

علاوہ ازیں قومہ میں ایک تسبیح یہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

اللھم لک الحمد ملأ السموت وملأ الارض وملأ ماشئت من شئی اللھم طھرنی بالثلج والبرد والمآءِ البارد اللھم طھرنی من الذنوب والخطا یا کما ینقی الثوب الابیض من الوسخ۔ [1]

ترجمہ: اے اللہ تیرے لئے سب تعریف ہے آسمانوں اور زمین کے بھرنے کی مقدار اور اس چیز کے بھرنے کی مقدار جس کو تو آسمان وزمین کے سوا چاہے۔ اے اللہ مجھ کو پاک کر برف، اولے اور ٹھنڈے پانی سے، یا اللہ! تو مجھ کو گناہوں سے اور خطاؤں سے پاک کر جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ تمثیل ہے حمد کی کثرت کی۔

سجدہ کا بیان:

سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جاتا ہے۔ سجدہ کی اس تسبیح کو مسلم، بزاز، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۰، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۲۳، ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۱، ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۲

ہیں۔ واذا سجد قال سبحان ربی الاعلیٰ یعنی جب سجدہ کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔ یعنی پاک ہے میرا پروردگار بہت بڑا۔

ایک روایت میں اس کا تین بار پڑھنا منقول ہے مگر یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ [1]

علاوہ ازیں کبھی کبھی رسول خدا ﷺ سجدہ میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک برضاک من سخطک وبما عافاتک من عقوبتک واعوذبک منک لااحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک [2]

ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری خوشنودی کی تیرے غضب سے اور پناہ مانگتا ہوں تیری عافیت کی تیرے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں تیرے صفات جمالی کی تیری صفات جلالی سے۔ میں نہیں گن سکتا تجھ پر تیری تعریف کو تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے تعریف کی اپنے نفس کی۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں، تو یہ دعا پڑھے:

اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی [3]

ترجمہ: اے اللہ! تو مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور مجھ کو تندرستی عطا فرما اور مجھ کو دین کی راہ دکھا اور مجھ کو رزق مرحمت کر۔

التحیات کا بیان:

صحاح ستہ اور بیہقی میں آیا ہے کہ: واذا جلس للتشھد یقرأ التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصلحین اشھد ان لاالہ الااللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ [4]

[1] احمد ایضاً ج ۱ ص ۱۰۱ [2] مسلم شریف ج ۱ ص ۱۹۲ کنز العمال ج ۴ ص ۸۷ [3] ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۳، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۲، بیہقی ج ۲ ص ۱۲۱ [4] ابن ماجہ ص ۶۳

ترجمہ: جب التحیات کے واسطے بیٹھے تو یوں پڑھے یعنی زبان کی سب عبادتیں اور بدن کی تمام عبادتیں اور مال کی ساری عبادتیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ سلام ہو تم پر اے پیغمبر اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں سلام ہو ہم موجودہ مسلمانوں پر اور خدا کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں۔

حنفی مذہب میں اسی تشہد کو پڑھتے ہیں اور یہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ ایک تشہد ابن عباسؓ کا بھی ہے جس کو شافعیہ نے اختیار کیا ہے۔ اس میں تشہد ابن مسعودؓ میں تھوڑا سا فرق ہے ان کے علاوہ اور تشہد بھی ہیں۔ مگر مشہور دو ہی ہیں۔[1]

التحیات میں داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت کا اٹھانا امام اعظمؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ ائمہ مجتہدین کے نزدیک نماز کی سنتوں میں سے ہے اور اس کے سنت ہونے کی روایتیں متفق ہیں۔[2] صحاح ستہ سے اسباب میں بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور صحابہ، تابعین ائمہ حدیث اور فقہا مجتہدین کا یہی مذہب حق ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی ذرا تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ جو لوگ اس کو مکروہ یا بدعت اور ناجائز بتلاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

درود پڑھنے کا بیان :

فرض نماز کے قعدۂ اخیر میں اور نفل وغیرہ کے قعدہ اولیٰ میں بھی درود شریف پڑھنا مسنون ہے۔ اور درود شریف پڑھنے کے فضائل میں احادیث بکثرت آئی ہیں۔ اس جگہ چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ دس بار رحمت نازل فرماتا ہے۔[3]

نسائی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص

---

[1] حدایہ ج ۱ ص ۱۰۲ [2] ابن ماجہ ص ۶۵ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۵

مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کی دس خطائیں معاف کرتا ہے اور اس کے دس درجے بلند کرتا ہے۔[1]

ترمذی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن مجھ پر سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھتا ہوگا۔ نیز ترمذی میں ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔[2]

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں دعا درجہ قبولیت تک نہیں پہنچتی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے۔ چنانچہ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس جلسہ میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر آئے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ اگر سو بار ذکر آئے تو سو بار درود شریف پڑھے۔

نماز میں التحیات کے بعد جو درود شریف پڑھے جاتے ہیں وہ صحاح ستہ میں منقول ہیں اور ان کے لئے ''صلوٰۃ'' کا لفظ آیا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی استغفار، دعا، رحمت اور پیغمبر خدا ﷺ پر درود بھیجنے کے ہیں۔ بعض علماء نے اس کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمعنی رحمت ہے اور بندوں کی طرف سے دنیا اور آخرت کی رحمت کا خدا سے اس کے حبیب کے لئے مانگنا ہے اور اللھم صلی علی محمد کے معنی یہ ہیں کہ یا اللہ تو دنیا میں ان کی تعظیم کر اس طرح کہ ان کا ذکر بلند، ان کا دین ظاہر ہو اور ان کی شریعت باقی رہے اور آخرت میں ان کی تعظیم کر اس طرح کہ بہت سا ثواب دے اور امت کی شفاعت کے لئے ان کو مقام محمود میں قائم کر۔ یہ معنی ہیں درود شریف کے۔

علماء کی تحقیق کے مطابق مختار مذہب یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام خاص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شعار ہے۔ غیر کے لئے درست نہیں البتہ ان کلمات کے ساتھ

---

[1] سنن نسائی ص ۱۹۱ [2] رواہ الترمذی، ابن حبان فی صحیحہ کلاھما من روایۃ موسیٰ بن یعقوب کذا فی الترغیب وبسطہ السخاوی فی القول البدیع الکلام علی تخریجہ، ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۱۰، سعادۃ الدارین ج ۱ ص ۵۱۸

درست ہے مثلاً یوں کہنا۔ اللھم صل علیٰ ال محمد واصحاب محمد۔ اے اللہ رحمت بھیج اوپر آل محمد اور اصحاب محمد کے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے۔ البتہ حضور ﷺ کی معیت میں ایسا کہہ سکتے ہیں۔

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد واصحاب محمد

لفظ آل کی تفسیر :

لغت میں آل کے معنی اہل وعیال اور تابعدار کے ہیں۔ سو درود شریف میں جو لفظ آل آتا ہے اس سے بھی تین معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن بعض علماء نے آل کی تفسیر آل بیت سے کی ہے اور اہل بیت آنحضرت ﷺ کے بنی ہاشم ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ رازی کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت آپ کی اولاد اور ازواج ہوں۔

درود شریف میں جو یہ آتا ہے کہ ''برکت اتار'' اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی خیر اور نعمت زیادہ کر۔ برکت کے معنی زیادتی کی ہیں۔ اور بعضوں نے اس کے معنی ہمیشگی اور لزوم کے بھی بتلائے ہیں یہ درود شریف جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں سب درودوں سے صحیح تر اور مستند ہیں۔ طالب کو چاہئے کہ انہی پر مداومت کرے۔ ان کے علاوہ اور بھی درود قسم قسم کے ناموں سے مشہور اور رائج ہیں مگر وہ قابل اعتماد نہیں۔ بعض میں لوگوں نے شرکیہ کلمات بھی داخل کر دیئے ہیں، بعض خود ساختہ ہیں جن کا ثواب بیان کرنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ مثلاً درود لکھی، ہزارہ اور درود تاج وغیرہ۔ سچے موحدوں اور حنفیوں کو چاہئے کہ وہ نماز کے درودوں پر ہی اعتقاد رکھیں اور انہی پر مداومت کریں کیونکہ فرمودہ خداوندی ارشاد رسول کے عین مطابق ہیں۔

درود پڑھنے کے بعد کی دعائیں :

قعدہ اخیرہ میں درود پڑھنے کے بعد دعا پڑھنا مسنون ہے۔ یہ دعا بھی عربی میں ہونی چاہئے۔ غیر عربی زبان میں مکروہ ہے۔ یہ دعا ایک تو وہ ہے جو عام طور پر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اور جس کو ہم معہ ترجمہ نماز کی ترکیب میں بیان

کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اور دعائیں بھی نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات ومن شر فتنۃ المسیح الدجال.[1] ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگانی وموت کے فتنہ سے اور کانے دجال کے فتنہ کی برائی سے۔

اس میں تین فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ان تینوں فتنوں کی تشریح کر دی جائے۔ سو جاننا چاہئے کہ زندگی کا فتنہ راہ سے پھرنا، صبر کا نہ ہونا اور راضی نہ ہونا، دنیا کی آفتوں میں گرفتار ہونا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خاتمہ بخیر نہ ہونا۔ موت کا فتنہ مرنے کے وقت شیطان کا وسوسہ، قبر کا عذاب، منکر نکیر کا سوال اور عذاب کی چیزوں سے دہشت کا ہونا اور دجال کا فتنہ سب ہی جانتے ہیں کہ وہ قیامت کے قریب نکل کر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اور بہتوں کا ایمان لے گا۔ بہت ممکن ہے کہ اس فتنہ کا مصداق پنجاب کے ایک منشی جی ہوں[2] چونکہ اس دعا میں ان تینوں فتنوں سے خدا کی پناہ مانگی جاتی ہے جو نہایت ہی جامع ومانع ہے اس لئے یہ دعا فی زمانہ ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ مسلمان ان فتنوں سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر قائم رہیں۔

اسی قسم کی ایک دعا بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں اور بھی آئی ہے[3] جس کے آخر میں گناہ اور قرض سے پناہ مانگی گئی ہے۔ چونکہ وہ بھی مفلس وقلاش مسلمانوں کے مناسب حال ہے۔ اور ضرورت ہے کہ وہ اس وقت جبکہ تمام دنیا گناہوں سے بھرپور ہوگئی ہے اور قرض وافلاس کی لعنت ومصیبت نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، اس دعا کو اختیار کریں۔ اس لئے اس کو بھی درج کیا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] صحیح مسلم ج۱ ص۲۱۷ [2] نوٹ: اس منشی جی سے اشارہ غلام احمد قادیانی کا فتنہ دجال ہے۔ (علوی)
[3] بخاری شریف ج۲ ص۱۱۵، مسلم شریف ج۱ ص۲۱۷

اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر واعوذبک من فتنة المسیح الدجال واعوذبک من فتنة المحیا والممات اللھم انی اعوذبک من المأثم والمغرم [1] اس میں صرف یہ آخر کے الفاظ زیادہ ہیں یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ سے اور قرض سے۔

ایک دعا یہ ہے:

اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت [2] ترجمہ: اے اللہ! تو میرے وہ گناہ معاف کر جو میں نے پہلے کئے اور پیچھے کئے اور جو پوشیدہ وظاہر کئے اور جو کچھ میں نے فضول خرچی کی اور ایسے گناہ جن کو تو میری نسبت زیادہ جاننے والا ہے۔ تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے ڈالنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

باقی یہ دعا جو ہم نمازوں میں پڑھتے ہیں اس کی سند یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی دعا سکھا دیجئے کہ میں اس کو اپنی نماز میں پڑھا کروں! اس پر حضور ﷺ نے یہی دعا سکھائی اللھم انی ظلمت نفسی [3] الخ۔

بہر حال نماز کے قعدہ اخیرہ میں درود کے بعد ان دعاؤں میں سے جو دعا بھی اچھی معلوم ہو اسی کو اختیار کرلے اور اسی کے ذریعہ سے خدا سے حالت نماز میں دعا مانگا کرے۔

ان کے علاوہ جو دعا اچھی معلوم ہو اس کا پڑھنا بھی جائز ہے مگر ایک شرط کے ساتھ کہ وہ لوگوں کے کلام سے مشابہ نہ ہو [4] یعنی ایسی دعا نہ ہو کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی سے مانگ لیتا ہو۔ مثلاً یوں کہنا اللھم اتنی مالاً او خبزاً۔ یعنی اے اللہ! مجھ کو مال یا روٹی دے۔ اس قسم کی دعا مانگنے سے امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا بہتر وانسب یہی ہے کہ وہی دعائیں پڑھے جو رسول

۱ بخاری شریف ج۱ ص۱۱۵، ابوداؤد شریف ج۱ ص۱۳۱، مسلم شریف ج۱ ص۲۱۷ ۲ بخاری شریف ج۱ ص۱۱۵
۳ مشکوٰۃ شریف ج۱ ص۸۷ ۴ ھدایہ ج۱ ص۱۰۴

ﷺ سے منقول ہوں۔

سلام کے مسائل:

نماز کے پوری ہونے کے بعد سلام پھیرنا مسنون ہے۔ سلام میں دونوں طرف اتنا رخ پھیرے کہ رخسار دکھائی دے۔ اگر کسی نے غلطی سے پہلے بائیں طرف سلام پھیر لیا تو جب تک کلام نہ کیا ہو یاد آتے ہی پہلے داہنے طرف پھیرے اور پھر بائیں طرف۔ اگر امام نے جلدی سے سلام پھیر دیا اور مقتدی نے ابھی تشہد کو بھی پورا نہیں کیا ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ امام کا ساتھ نہ دے بلکہ واجب ہے کہ تشہد کو پورا کر کے پھر سلام پھیرے۔ کیوں کہ قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ [1]

امام کے سلام پھیر دینے کے بعد جب تک مقتدی سلام نہ پھیرے وہ نماز سے باہر نہیں ہوتا یعنی مقتدی کو امام سے پہلے سلام پھیرنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی شدید ضرورت لاحق ہو جائے تو پھر امام سے پہلے سلام پھیرنا جائز ہے پہلی بار لفظ "سلام" کہتے ہی امام نماز سے باہر ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے "علیکم" نہ کہا ہو اس وقت اگر کوئی شخص شریک جماعت ہوگا تو اقتداء صحیح نہ ہوگی یعنی اس کو جماعت نہ ملے گی اور اگر کوئی شخص اسی حالت میں شریک ہو گیا اور آخر میں امام نے سجدہ سہو کیا تو جماعت مل گئی اور اقتداء صحیح ہوگی۔

بحث رفع یدین:

غیر مقلد کہتے ہیں کہ رفع یدین کرنا یعنی دونوں ہاتھوں کا اٹھانا رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے میں سنت غیر موکدہ ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ یہ مسئلہ بھی مسئلہ فاتحہ خلف امام کی طرح مختلف فیہا صحابہ سے ہے۔ رفع یدین رسول خدا ﷺ نے دائماً نہیں کیا۔ بلکہ کبھی کیا اور کبھی ترک کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے اس میں بھی دو فریق ہو گئے۔ ایک فریق نے اس کو مستحب جانا اور اس کے ترک فرمانے کو بیان استحباب پر حمل کیا

۱ کنز الدقائق ج۱ ص۲۲

کہ دوام سے سنت موکدہ واجب نہ ہو جائے اور دوسرے فریق نے ترک کو آخر فعل اور ناسخ سمجھا۔ ہر دو فریق اپنے اپنے فہم و عمل پر آخر عمر تک قائم رہے۔ چنانچہ ترمذی نے اپنی جامع میں ایک باب رفع یدین کا لکھا ہے اور دوسرا باب ترک رفع یدین کا۔ کیونکہ یہ دونوں عمل صحابہ کرامؓ کے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہو گیا کہ دونوں فریق صحابہ کا علم و عمل زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقرر ہو کر جاری ہوئے۔

فاتحہ خلف امام کی طرح اس مسئلہ میں بھی ایک دوسرے پر طعن نہ کرنا چاہئے کیونکہ دونوں عمل صحابہ ہیں۔ اس باب میں جو اختلاف صحابہ میں تھا وہی مجتہدین میں بھی آیا۔ ہر ایک مذہب کو ایک مجتہد نے مرجح ٹھہرا کر اپنا معمول کیا ہے۔ دونوں طرف احادیث صحاح ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس مسئلہ میں کلام کرتا ہے اور کسی ایک فریق کو حق پر مان کر دوسرے فریق پر زبان طعن دراز کرتا ہے وہ جھک مارتا ہے۔

تعدیل ارکان کا بیان :

تعدیل ارکان کے معنی ہیں اطمینان سے تمام نماز کے ارکان ادا کرنا۔ یعنی رکوع میں، دونوں سجدوں میں اور رکوع و سجدوں کے درمیان اطمینان کرنا چاہئے تعدیل ارکان اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں لیکن اس کے واجب ہونے میں شبہ نہیں۔ جیسا کہ ہم تعدیل ارکان کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔[1] تعدیل ارکان کے واجب ہونے کی ہم یہاں صرف دو دلیلیں درج کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ شرح وقایہ میں اس کو واجبات نماز میں رکھا ہے۔ دوسرے بحر الرائق میں ہے۔

ھو واجب علیٰ تخریج الکرخی وھو الصحیح کما فی شرح المنیة۔[2] یعنی تعدیل ارکان بہ مذہب ابو حنیفہؒ واجب ہے موافق استنباط و تحقیق کرخیؒ کے اور یہی صحیح ہے۔

اسی بناء پر فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ کہ اگر کوئی نمازی رکوع سے سر اٹھا کر

[1] کنز الدقائق ج ۱ ص ۲۴ [2] بحر الرائق ج ۱ ص ۵۲۲

فوراً ہی سجدہ میں گر پڑے تو امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہ ہو گی کیونکہ اس نے واجب کو ترک کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ تعدیل ارکان واجب ہے اور نمازیوں کو اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔ ورنہ ان کی نمازیں ناقص و نا تمام رہیں گی۔ اب ہم اس کے متعلق چند احادیث بھی پیش کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نماز کے رکوع و سجود میں نمازی اپنی پشت ہموار نہ رکھے وہ نماز کافی نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جب نمازی رکوع و سجود وغیرہ تمام ارکان کو اچھی طرح یعنی اطمینان سے ادا کرے، تو نماز کہتی ہے کہ اللہ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری محافظت کی اور اگر وہ رکوع و سجود وغیرہ اچھی طرح ادا نہیں کرتا تو نماز کہتی ہے خدا تجھے برباد کرے جس طرح تو نے مجھے رائیگاں کیا۔ ایسی نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر منہ پر مار دی جاتی ہے۔[1]

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کیا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا اس کی سال بھر کی نماز ایک دن بھی نہیں ہوئی جب تک یہ توبہ نہ کرے اور اپنی حالت کو درست نہ کرے۔ چنانچہ اس انصاری نے توبہ کر لی یعنی نماز کو تعدیل ارکان کے ساتھ پڑھنے لگا۔ اور پھر اس کی حالت بھی درست ہو گئی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو شخص نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور بظاہر دونوں کا رکوع و سجود ایک سا ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں کی نماز میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یعنی ایک تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور دوسرا یونہی رسمی طور پر۔

حضرت امام حسنؓ کی ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو سب سے بدتر چور کی اطلاع نہ دوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور فرمایا کہ بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرے عرض کیا گیا کہ نماز کی چوری کس طرح ہوتی

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر والبزار نحوہ، سنن نسائی "باب اقل مایجزی به الصلوٰة" ج ۱ ص ۱۹۳ "باب الرخصة فی ترک الذکر فی الرکوع" ج ۱ ص ۱۰۵

ہے؟ فرمایا رکوع وسجود کو آرام واطمینان کے ساتھ ادا نہ کرنا اس کے بعد فرمایا نماز ایک پیمانہ ہے جو اس کو پورے طور پر ادا کرے گا اس کو پورا ثواب ملے گا اور جو کم تولے گا تو تجھ کو معلوم ہی ہو جائے گا کہ وہ چور ہے اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کم تولنے والوں کے لئے عذاب ہے۔ [1]

تنبیہ :

یاد رکھنا چاہئے کہ جو شخص پنجگانہ نماز کی پابندی وادائیگی کا فکر وخیال تو ضرور رکھتا ہے مگر رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ وغیرہ ارکان نماز کو اچھی طرح دل لگا کر اور آرام واطمینان کے ساتھ ادا نہیں کرتا تو درحقیقت خدا کے نزدیک اس کی نماز نہیں ہوتی۔ ہاں وہ اس فرض کی بجا آوری کے فرض سے ضرور سبکدوش ہو جاتا ہے۔ جو نماز تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہیں کی جاتی وہ دراصل رسمی ہے اور نفس کو مغالطہ دہی ہے۔ ایسی رسمی اور بے دلی کی نماز سے نمازی پر وبال آتا ہے۔ اور خدا کی محبت واطاعت سے دوری پیدا ہوتی ہے۔

کیا وجہ ہے کہ ہماری نمازیں ہمیں گناہوں اور بدکاریوں سے نہیں روکتیں؟ اس لئے کہ ہم نماز کو اپنا فرض عبدیت سمجھ کر اور دل سے نہیں پڑھتے بلکہ محض اس لئے پڑھتے ہیں کہ اپنی نمائشی دینداری کو باقی رکھیں اور یا نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ ان باتوں کے اعتبار سے درحقیقت ہماری نمازیں نماز ہی نہیں ہیں۔ دل بہلاوا ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عباسؓ کا قول ہے کہ جس شخص کی نماز اسے اچھے کاموں کا حکم نہ دے اور برے کاموں سے نہ روکے تو اس کی نماز سوائے اللہ کی دوری کے کوئی بات پیدا نہیں کرتی۔ اسی طرح حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ جس شخص کو نماز بے حیائی اور بدکاری سے نہ روکے اس کی نماز اس کے لئے وبال ہے۔ [2]

ان احادیث واقوال کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ ہم نماز کو دل سے

---

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۰ [2] در منثور

اور تعدیل ارکان کی ساتھ نہیں پڑھتے اس لئے ہمیں ہماری نمازیں خدا کی نافرمانیوں سے نہیں روکتیں اور بجائے اس کے کہ ہم نمازوں کے ذریعہ خدا سے وابستہ ہوتے خدا کی محبت واطاعت سے دور ہوتے جارہے ہیں پس نماز تمام ارکان وفرائض اور آداب وسنن کو مدنظر رکھ کر پڑھو تا کہ نمازیں قبول ہوں۔

نماز کے آداب :

نماز میں مرد کو رکوع کرتے وقت اتنا جھکنا چاہیے کہ کمر برابر ہو جائے اور ہاتھوں کا زور گھٹنوں پر رہے اور عورت کو بحالت رکوع زیادہ جھکنے کی ضرورت نہیں وہ صرف اس قدر جھکے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ پیٹھ سیدھی نہ کرے اور گھٹنوں پر زور نہ دے۔ سجدہ میں جاتے وقت چاہئے کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر ناک اور پھر پیشانی اور جب سجدہ سے اٹھے تو پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک، پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے، مطلب یہ ہے کہ جس ترتیب سے اعضاء کو زمین پر رکھے، اٹھاتے وقت اس ترتیب کے خلاف کرے۔ سجدہ کا یہی مسنون طریقہ ہے۔ [1]

سجدہ کی حالت میں مرد کے لئے ضروری ہے کہ بازو کروٹوں سے جدا رہیں، پیٹ رانوں سے علیحدہ رہے اور کلائیاں زمین پر نہ بچھائی جائیں اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ سمٹ کر سجدہ کریں یعنی بازو کروٹوں سے ملادیں، پیٹ کو ران سے ملادیں ران کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے ملادیں۔ [2]

مرد کو چاہئے کہ دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ایک ساتھ نہ رکھ سکتا ہو تو پہلے داہنا رکھے اور پھر بایاں۔

دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر قیام کے لئے پنجوں کے بل گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کمزور ہو اور کمزوری کے سبب زمین پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ [3]

قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر یا رکوع کی حالت میں قدموں کی طرف،

---

[1] ردالمختار ج ۱ ص ۴۹۳ [2] ردالمختار ج ۱ ص ۵۰۳ [3] ردالمختار ج ۱ ص ۵۰۶

جلسہ اور قعدہ میں اپنی گود پر اور سجدہ کی حالت میں اپنی ناک پر نظر رکھنا مستحب ہے۔[1]

کھانسی کو حتیٰ المقدور روکنا چاہئے۔ قیام کی حالت میں اگر جمائی آئے تو سیدھے ہاتھ کی پشت سے منہ چھپالینا چاہئے۔ اور اگر قیام کے علاوہ دوسری حالتوں میں جمائی آئے تو بائیں ہاتھ کی پشت سے منہ چھپالینا چاہئے۔[2]

نماز کو فاسد کرنے والے اقوال وافعال

نماز کو فاسد کرنے والے اڑسٹھ امور ہیں جن کو ہم علیحدہ علیحدہ ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے لیکن پہلے نماز کے باطل اور فاسد ہونے کے معنی سمجھ لینا چاہئے۔ سو جاننا چاہئے کہ فساد اصلاح کی ضد ہے۔ فساد کے معنی ہیں نماز میں بگاڑ آجانا اور باطل کے معنی ہیں بے کار ہو جانا۔ بطلان وفساد عبادت میں دونوں برابر ہیں لیکن معاملات میں متفارق۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ عمل مشروع کے ناقص کو مفسد کہتے ہیں۔ اگر عمداً اس کا ارتکاب کیا جائے تو عذاب ہے اور اگر سہواً ہو تو عمل کا عدم یعنی نہ ہونا لازم آتا ہے۔

صحیح اور غیر صحیح کی تعریف:

اگر عمل کے تمام ارکان وشرائط اور وصف مرغوب پایا جائے وہ عمل صحیح ہے اور اگر اس میں کوئی امر قبیح پیدا ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو وہ امر قبیح باعتبار اصل کے ہوگا یا باعتبار وصف کے۔ اگر باعتبار اصل کے ہو تو باطل ہے جیسے نماز بدون رکن وشرط کے۔ اور اگر باعتبار وصف کے ہو تو فاسد ہے۔ جیسے نماز کے کسی واجب کو ترک کر دینا۔ یاد رہے کہ نماز کے باطل اور فاسد ہونے کے ایک ہی معنی ہیں اس فرق کے ساتھ جو اوپر بیان ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جس عمل کے تمام ارکان وشرائط اور وصف پائے جائیں وہ صحیح ہے اور جس میں کوئی امر قبیح بھی پیدا ہو جائے تو وہ غیر صحیح ہے۔ اب غیر صحیح ہونا یا تو

[1] کنز الدقائق ص ۲۳ [2] بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷

باعتبار اصل کے ہوگا اور یا باعتبار وصف کے۔ اوّل صورت بطلان کی ہے اور دوسری فساد کی۔ اس فرق کو سمجھنے کے بعد اب مفسدات نماز کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ نماز کو فاسد کرنے والے اڑسٹھ امور یہ ہیں:

(۱) قصداً یا بھول کر کلام کرنا۔ خواہ کم ہو یا زیادہ اور سہواً ہو یا خطا۔ سہو خطا میں فرق یہ ہے کہ سہو میں اصل نماز یاد نہیں رہتی اور خطا میں نماز تو یاد رہتی ہے لیکن پھر اس کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً زبان پر یا زید وغیرہ کلمات کا جاری ہو جانا۔ اگر ایک لفظ بھی با معنی زبان سے نکلا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "ق" اس کے معنی ہیں "بچا"۔[1]

(۲) دعا جو ہمارے کلام کے مطابق ہو۔[2]

(۳) قصداً یا سہواً سلام تحیۃ کرنا۔ یعنی وہ سلام کرنا جو رسمی طور پر باہم کیا جاتا ہے۔[3]

(۴) سلام کا نماز میں جواب دینا خواہ قصداً ہو یا بھول کر۔ اور خواہ زبان سے جواب دیا جائے خواہ مصافحہ سے۔[4]

(۵) عمل کثیر یعنی نماز میں کوئی ایسی حرکت کرنی جس کو دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ حرکت کرنے والا نماز کے اندر نہیں۔ بشرطیکہ وہ عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لئے ہو۔ اگر عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لئے ہوگا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے کسی وجہ سے بے وضو ہو گیا اور نماز چھوڑ کر وضو کے لئے مسجد کے اندر چلا تو چونکہ یہ عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لئے ہوگا اس لئے نماز نہ ٹوٹے گی۔ اگر عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لئے نہ ہو مثلاً کپڑے پہننا، کچھ کھانا پینا اور کسی کے دھکہ دینے سے نمازی کا چند قدم آگے پیچھے ہٹ جانا وغیرہ۔ تو اس قسم کے افعال سے نماز ٹوٹ جائے گی۔[5] کیونکہ یہ عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لئے نہیں ہوا۔ خواہ ایسا عمل اپنے قصد وارادہ سے ہو خواہ کسی دوسرے کے قصد وارادہ سے۔

[1] بحر الرائق ج ۲ ص ۲ [2] بحر الرائق ج ۲ ص ۳ [3] بحر الرائق ج ۲ ص ۸ [4] بحر الرائق ج ۲ ص ۸
[5] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۳۰۵

خلاصہ یہ ہے کہ عمل کثیر جو اصلاح نماز کے لئے ہو مفسد صلوٰۃ ہے اور عمل کثیر وہ ہے جس کے سبب دوسرا دیکھنے والا یہ سمجھے کہ نمازی نماز کے اندر نہیں، خواہ دیکھنے والے کو تردد ہو جائے بہر حال عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے۔

(۶) سینہ کا قبلہ کی طرف سے پھر جانا۔ [1]

(۷) جان کر یا بھول کر کچھ کھانا خارج سے اگرچہ قلیل ہی ہو۔ [2]

(۸) دانتوں میں اٹکی ہوئی چیز کا کھانا جو بقدر نخود ہو۔ [3]

(۹) کچھ پینا۔

(۱۰) بلا عذر بلند آواز سے گلا صاف کرنا اور کھنکارنا۔ [4]

(۱۱) کسی تکلیف سے اف کہنا۔ [5]

(۱۲) درد و تکلیف کے سبب رونا۔ [6]

(۱۳) آہ کہنا۔ [7]

(۱۴) درد و مصیبت سے بلند آواز میں رونا۔ اگر جنت و دوزخ کے خیال سے اونچی آواز میں روئے گا تو نماز نہ ٹوٹے گی۔ بلند آواز سے رونا مفسد صلوٰۃ ہے جو درد و مصیبت کے سبب ہو۔ [8]

(۱۵) یرحمک اللہ سے چھینک کا جواب دینا۔ [9]

(۱۶) خوشی کی خبر سن کر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنا۔

(۱۷) رنج و غم کی خبر یا مصیبت کی حالت سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا۔ الغرض وہ تمام باتیں جس سے جواب دینے کا قصد کیا جائے مفسد صلوٰۃ ہیں۔ مثلاً نماز میں کسی غیر نمازی سے کتاب طلب کرنے کے لئے کہنا خذا الکتاب یا غیر نمازی کی کسی بات کا جواب دینا۔

(۱۸) تیمم کئے ہوئے کو پانی کا پا جانا یا دیکھ لینا۔

(۱۹) جس نے موزوں پر مسح کیا اس کی مدت مسح کا ختم ہو جانا۔ یا ان کا پاؤں سے الگ کر دینا۔

(۲۰) نماز میں غیر نمازی کا کہنا ماننا۔ مثلاً کوئی شخص جہر کے ساتھ نماز پڑھ رہا

---

[1] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۳۰۵ [2]-[3]-[4] کنز ص ۳۲ [5]-[6]-[7]-[8]-[9] کنز الدقائق ص ۳۱

تھا اور اس نے قرأت میں کچھ غلطی کی اور کسی پاس بیٹھے ہوئے کے بتلانے سے اس نے اپنی غلطی کی اصلاح کر لی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(۲۱) ننگے کا بدن ڈھانکنے کے موافق کپڑا پا لینا۔

(۲۲) سوائے امام کے اور کسی کو نماز میں لقمہ دینا۔ یعنی اگر جماعت کی حالت میں امام نے کچھ غلطی کی اور مقتدی نے لقمہ دے کر اس کی اصلاح کر دی تو یہ جائز ہے۔ لیکن کوئی دوسرا شخص جو نماز میں شامل نہ تھا الگ بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا اور مقتدی نے اسے لقمہ دیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ [1]

(۲۳) نماز میں خدا سے اس قسم کے سوال کرنا جس طرح مخلوق سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ الٰہی فلاں عورت سے میرا نکاح کرا دے۔ یا فلاں عہدہ دلوا دے وغیرہ۔

(۲۴) قرآن شریف دیکھ دیکھ کر پڑھنا۔ [2]

(۲۵) قرآن شریف غلط پڑھنا۔ جس کا مفصل بیان پچھلے اوراق میں قرأت کی غلطیوں کے بیان میں ہوا۔

(۲۶) امام کا کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنانا جو امامت کے قابل نہیں ہے مثلاً جماعت ہو رہی ہے امام بے وضو ہو گیا اور وہ اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو امام بنا کر وضو کرنے چلا گیا جو امامت کے قابل نہیں تو سب کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ [3]

(۲۷) نماز فجر پڑھتے ہوئے سورج نکل آنا۔ یعنی ایک شخص فجر کی نماز پڑھ رہا تھا اور اسی حالت میں سورج نکل آیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ [4]

(۲۸) عیدین کی نماز میں وقت زوال کا آ جانا۔ اگر عیدین کی نماز پڑھتے وقت زوال آ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲۹) جمعہ میں اتنی دیر کرنا کہ عصر کا وقت داخل ہو جائے۔ [5]

(۳۰) زخم سے پٹی کا کھل جانا۔ [6]

---

[1] شرح الوقایہ ج ۱ ص ۱۹۱ و فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۰۹ [2] فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۰ [3] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۳۳۲ [4] کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۰ [5]-[6] کنز الدقائق ص ۳۱

(۳۱) معذور کے عذر کا جاتے رہنا۔

(۳۲) بے وضو ہو جانا، خواہ اپنے قصد وارادہ سے خواہ دوسرے کے۔ اپنے قصد سے یہ کہ وضو ٹوٹ جائے۔

(۳۳) بے ہوشی۔

(۳۴) جنون۔

(۳۵) دیکھنے سے احتلام ہو جانا۔ یہ تینوں صورتیں مفسد صلوٰۃ ہیں۔

(۳۶) نماز میں حدث ہو جانے کے باوجود نمازی کا مقام حدث پر بمقدار ایک رکن نماز کے ٹھہرے رہنا۔ یعنی نمازی کو نماز میں حدث ہو گیا اس کے لئے حکم ہے کہ وہ فوراً اسی وقت نماز سے علیحدہ ہو وضو کر کے اپنی بقیہ نماز پوری کر لے۔ نئے سرے سے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ کلام نہ کرے۔ اگر کلام کرے گا تو از سر نو نماز پڑھنی پڑے گی۔[1] اس حکم کو ترک کر کے نمازی بے وضو ہونے کے بعد اتنی دیر اسی جگہ ٹھہرا رہے جتنی دیر میں ایک رکوع یا سجدہ وغیرہ کیا جاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۳۷) عورت کا مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ اس میں چند شرطیں ہیں۔ اوّل عورت قابل جماع ہو۔ دوئم رکوع و سجود والی نماز ہو۔ سوئم عورت و مرد دونوں شروع تکبیر تحریمہ سے آخر اداء نماز تک شریک رہیں۔ چہارم مکان واحد ہو۔ پس اگر عورت قابل جماع نہ ہو نماز جنازہ ہو، عورت تکبیر تحریمہ سے شریک نہ ہوئی ہو اور مرد کسی بلند جگہ پر اور عورت نیچی جگہ پر تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح پانچویں شرط یہ ہے کہ عورت و مرد میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ اگر درمیان میں سترہ یا ستون وغیرہ حائل ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ عورت ذی عقل ہو، دیوانی نہ ہو۔ اگر دیوانی عورت برابر کھڑی ہو جائے گی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ امام نے عورتوں کی جماعت کی نیت بھی کی ہو۔ اگر نیت نہ کی ہو اور عورت برابر آ کھڑی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۱ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۴۴۴

امامت میں یہ بھی شرط ہے کہ امام نے تکبیر تحریمہ سے قبل عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو۔ اگر درمیان میں نیت کی تو عورت کی نماز نہ ہوگی۔ اور مرد کے لئے اس کا آ کھڑا ہونا کچھ مضر نہ ہوگا۔ اور آٹھویں شرط یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ایک رخ نماز پڑھ رہے ہوں اگر عورت اندھیری رات میں کسی اور طرف نماز پڑھ رہی ہو اور مرد اپنی رائے سے کسی اور سمت کو نماز پڑھ رہا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ الغرض ان آٹھ شرائط کے اور ان کی مذکورہ بالا تفصیلات کے ساتھ عورت و مرد کا برابر کھڑا ہونا مفسد صلوٰۃ ہے۔[1]

(۳۸) جوان آدمی کا نماز میں چلا کر ہنسنا۔

(۳۹) بغیر ضرورت کے دو صفوں کی مقدار کے برابر ایک دفعہ چلنا۔

(۴۰) حدث کے گمان سے مسجد سے باہر نکل جانا۔

یہ ہیں ارسٹھ امور میں وہ چالیس افعال واقوال جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے بقیہ صورتوں کو ہم ایک علیحدہ باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

فسادِ نماز کے متعلق بقیہ مسائل

گزشتہ امور میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ بلا عذر کھنکارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر امام آواز درست کرنے کے لئے یا مقتدی امام کی غلطی بتانے کے لئے کھنکارے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔[2]

(۴۱) ایک مقیم نے اپنے آپ کو مسافر سمجھ کر یا ظہر پڑھنے والے نے جمعہ کی نماز خیال کر کے دوسری رکعت میں سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیوں کہ اصلی نماز میں ہی سہو ہو گیا اور اگر کسی نے دوسری رکعت کے قعدہ میں اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ یہ چوتھی رکعت ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اس کو کھڑے ہو کر نماز پوری کر لینی چاہئے اور آخر میں

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۴، و کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۲۹۶ ۲ شامی ج ۱ ص ۶۱۸

سجدۂ سہو کرے۔

(۴۲) اگر کسی نے قیام یا رکوع وسجود میں سہواً سلام پھیر دیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(۴۳) نماز میں اگر اشارہ سے بھی سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۴۴) عورت نماز میں تھی اور بچہ آ کر دودھ پینے لگا اور دودھ بھی نکل آیا تو نماز فاسد ہو گئی اور اگر دودھ نہ نکلا تو فاسد نہ ہوگی۔

(۴۵) اگر تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کی ہمزہ کو کھینچ کر پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۴۶) بدن کا اتنا حصہ جس کا ڈھکنا فرض تھا بقدر اداءِ رکن کھلا رہا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(۴۷) اگر ایسے ناپاک کپڑے سے نماز پڑھی جو قدر معاف سے زیادہ نجاست آلودہ تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۴۸) مقتدی نے کسی رکن میں امام سے سبقت کی۔ یعنی رکن امام سے پہلے ادا کیا مثلاً امام سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا اور امام نے اس میں شرکت نہ کی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(۴۹) مسبوق بعد سلام امام یا قبل سلام التحیات پڑھنے کے بعد اپنی نماز پوری کرنیکے لئے کھڑا ہو گیا اور اس رکعت کا سجدہ بھی کر لیا۔ بعد ازاں امام کو یاد آیا کہ اس پر سجدہ سہو کرنا لازم ہے اس نے سجدۂ سہو کیا اور اس مسبوق نے بھی امام کی اس سجدۂ سہو میں متابعت کی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

(۵۰) اگر کسی نے نیند کی حالت میں نماز کا کوئی رکن ادا کیا اور اس رکن کا اعادہ نہ کیا تو نماز ٹوٹ گئی۔

(۵۱) امام نے اپنی نماز کو تمام کر کے قہقہہ لگایا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۵۲) عورت کا قدم اگر مرد کے عضو کے مقابل ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۵۳) اگر عورت مردوں کی صف میں آ کر مل جائے تو تین مردوں کی نماز

فاسد ہو جائے گی۔ دائیں بائیں اور پیچھے والی کی۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ عورت و مرد دونوں کی نماز ایک ہو اگر دونوں کی نماز ایک نہ ہوگی تو نماز نہ ٹوٹے گی۔

(۵۴) اگر بحالت نماز دانتوں سے خون نکلا اور اس میں خون غالب اور رطوبت کم تھی، اس کو نمازی نے نگل لیا تو نماز جاتی رہے گی۔ ہاں اگر خون کم اور رطوبت زیادہ تھی تو نماز نہ ٹوٹے گی۔ [1]

(۵۵) ایک رکن میں تین بار کھجانا اور ہر بار ہاتھ اٹھانا مفسد نماز ہے اور بلا عذر ایک بار کھجانا مکروہ ہے۔ [2]

(۵۶) اگر مٹھائی منہ میں باقی ہو اور مزہ آ رہا ہو یا کوئی چیز تل کے برابر منہ سے باہر آ جائے اور نمازی اس کو چبا کر نگل جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ ہاں اگر مٹھائی کھا کر پھر نماز شروع کی اور نماز میں اس مٹھائی کا کچھ مزہ باقی رہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (شامی)

(۵۷) اگر منہ بھر کے قے ہوئی اور نمازی اس کو نگل گیا حالانکہ باہر پھینک سکتا تھا تو اس کی نماز بھی ٹوٹ گئی اور وضو بھی جاتا رہا۔ اگر منہ بھر کر نہ تھی اور نگل گیا تو بقول امام محمدؒ نماز ٹوٹ گئی مگر وضو باقی رہا۔ یہ دونوں حکم اس حالت میں تھے کہ بلا ارادہ قے آئی ہو۔ اگر قصداً نماز میں قے کی ہو اور وہ منہ بھر کر ہو تو اس کے نگلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ورنہ نہیں، اور اگر نماز میں بغیر ارادہ کے منہ بھر کر قے آئی اور تھوک دی تو وضو ٹوٹ گیا مگر نماز فاسد نہیں ہوئی۔ وضو کر کے بغیر جدید نیت کے باقی نماز پوری کر لے اور اگر منہ بھر کر نہ ہوئی ہو اور تھوک دی ہو تو نہ وضو ٹوٹا اور نہ نماز۔ [3]

(۵۸) اگر کسی انسان کو درہ کی ایک ضرب ماری تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی نمازی کسی جانور پر سوار تھا اور اس کو جلدی چلانے کے لئے تین مرتبہ ہنٹر مارے تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی۔

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۳ [2] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۵ [3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۴

(۵۹) اگر کسی نے اذان کی نیت سے اذان دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۶۰) تین کلمات سے زائد لکھنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

(۶۱) اگر کسی نے اسم اللہ سن کر جل جلالہ کہا یا نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر درود بھیجا تو اگر اس کا ارادہ جواب دینے کا ہوگا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ [1]

(۶۲) عورت کا بوسہ لینے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ [2]

(۶۳) اگر دل میں کوئی شیطانی وسوسہ آیا اور لاحول ولاقوۃ کہا تو اب اگر یہ وسوسہ امر آخرت کے متعلق ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر امر دنیاوی سے متعلق ہوگا تو فاسد ہو جائے گی۔ [3]

(۶۴) اگر کوئی شخص جانور پر سوار نماز پڑھ رہا ہو اور بار بار پاؤں کو حرکت دیتا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۶۵) نماز میں شعر ترتیب دینے اور زبان سے اس کو ادا کرنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۶۶) پتھر اٹھا کر پھینکنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

(۶۷) بار بار متواتر کھجانے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۶۸) جوں مارنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

مسائل متفرقہ:

مسئلہ۔ اگر کسی کے بچھو نے کاٹا اور اس نے بسم اللہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں۔

مسئلہ۔ سانپ اور بچھو کے قتل کر دینے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مسئلہ۔ اگر کوئی اپنی فوت شدہ نمازوں کی ترتیب بھول کر وقت کی نماز پڑھ رہا تھا اور کسی نے اسے یاد دلا دیا کہ وہ صاحب ترتیب ہے تو اس کی موجودہ حاضر نماز باطل ہو جائے گی۔

[1] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۲۹۹ [2] کبیری ص ۴۴۴، ۴۴۵ [3] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۲۹۹

مسئلہ۔ کوئی شخص کپڑا نہ ملنے کی وجہ سے ننگا ہی نماز پڑھ رہا تھا اور اسے بدن ڈھانکنے کیلئے کپڑا مل گیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔

نماز میں وضو ٹوٹ جانے کے مسائل:

جو شخص نماز میں ہو اور بے اختیار اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کو چاہئے کہ فوراً نماز کی جگہ سے علیحدہ ہو کر وضو کرے اور اسی نماز پر بناء کرے۔ [1] مثلاً ایک شخص چار رکعت والی نماز پڑھ رہا تھا دو رکعت پڑھنے کے بعد بے اختیار اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز کی جگہ سے ہٹ کر وضو کرے اور اپنی بقیہ دو رکعتیں پوری کر لے۔ اسی طرح کہ جس رکن سے نماز چھوڑ کر وضو کرنے گیا ہو اسی رکن سے آگے شروع کرے۔ مثلاً حالت قعود میں وضو ٹوٹا تھا تو اب وضو کر کے قعود سے ہی بقیہ نماز پوری کرے۔ مگر جواز بناء کی تیرہ شرطیں ہیں ان کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) حدث سماوی ہو اور اس میں نمازی کو اختیار نہ ہو نہ اس کے سبب میں اختیار ہو جیسے ریح کا بغیر نمازی کے فعل کے نکلنا۔

(۲) حدث کا تعلق بدن سے ہو۔ پس اگر خارج سے اس کا بدن یا کپڑے نجاست آلودہ ہو جائیں تو پھر نماز پر بناء صحیح نہ ہوگی از سر نو نماز پڑھنی پڑے گی۔

(۳) ایسا حدث ہو جو بموجب غسل نہ ہو پس اگر کسی کو حالت نماز میں خیال کرنے یا نظر کرنے سے انزال ہو گیا تو نماز نئے سرے سے لوٹانی چاہئے۔

(۴) حدث نادر الوجود نہ ہو۔ اگر نادر الوجود ہو جیسے قہقہہ اور غشی وغیرہ تو بناء کرنا جائز نہیں پھر سے نماز پڑھے۔

(۵) کوئی فعل منافی نماز نہ صادر ہوا ہو۔ اگر بے اختیار وضو ٹوٹ جانے کے بعد عمداً دوسرا حدث کیا تو بنا کرنا صحیح نہ ہوگا پھر سے نماز پڑھے۔

(۶) کوئی غیر ضروری فعل نہ کیا ہو۔ مثلاً اگر کنوئیں سے پانی لیا تو نئے

[1] رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۰

سرے سے نماز پڑھنی ہوگی۔

(۷) حالت حدث میں اداء کی نیت سے کوئی رکن ادا نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر سجدہ میں بے وضو ہو گیا اور سر کو اداء کی نیت سے بھی اٹھالیا تو بنا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ پھر سے نماز پڑھے۔

(۸) چلتے ہوئے کوئی رکن ادا نہ کرے۔ مثلاً ایک شخص حالت قیام میں بے وضو ہوا فوراً وضو کرنے چلا گیا اور آتے ہوئے ایک آیت بھی پڑھ لی تو نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہئے۔

(۹) حدث کے بعد بلا عذر ذرا بھی توقف نہ کرے فوراً وضو کرنے چلا جائے۔ اگر ادائے رکن کی مقدار توقف کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ توقف کسی عذر کی وجہ سے ہو گیا مثلاً نیند اور نکسیر بند نہ ہونے کی وجہ سے تو پھر بناء کرنا صحیح ہے۔

(۱۰) کوئی دوسرا حدث لاحق نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کی مدت مسح پوری ہوگئی تو اس کی نماز باطل ہوگئی اسی طرح ایک شخص موزوں پر مسح کئے ہوئے تھا وہ حالت نماز میں بے وضو ہو گیا اور وضو کرنے گیا اتنے میں مدت مسح تمام ہوگئی تو اس کو از سر نو نماز پڑھنی چاہئے۔ اسی طرح اگر تیمم کئے ہوئے نماز میں حدث ہو گیا، جب وہ نماز کی جگہ سے علیحدہ ہوا تو پانی مل گیا تو اس کو بھی وضو کر کے سرے سے نماز پڑھنی چاہئے۔ ۱

(۱۱) صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد نہ آئے پس اگر اسے حدث سماوی کے بعد یہ بات یاد آ گئی کہ میں تو صاحب ترتیب تھا لیکن وقتی نماز پڑھ رہا تھا تو اس پر بناء نہ کرے اس کی نماز باطل ہوگئی۔ ۲

(۱۲) بقیہ نماز اسی جگہ تمام کرے جہاں بے وضو ہوا تھا۔ مگر یہ مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ نماز کا مکان تبدیل نہ کرے۔ اسی جگہ نماز تمام کرے خواہ امام فارغ ہو گیا ہو یا نہیں۔ منیہ میں ہے جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہوا ہو اسی جگہ نماز تمام کرے۔ اگر امام نے سلام پھیر لیا ہو تو اسے منفرد کی طرح جگہ تبدیل

۱-۲ کنز الدقائق ص ۳۰

کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اسے اختیار ہے کہ وضو کرنے کے بعد پہلی جگہ نماز تمام کرے یا کسی دوسری جگہ۔ بہتر تو یہی ہے کہ حتیٰ الامکان پہلی ہی جگہ نماز پوری کرے۔ اگر کوئی مجبوری لاحق ہو جائے تو پھر دوسری جگہ پوری کرلے۔ ۱

(۱۳) اگر امام کو حدث ہو جائے تو اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو جانشین بنائے جو مستحق امامت ہو۔ اگر اپنی جگہ غیر صالح مثلاً لڑکے یا عورت کو امام بنا دیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ بنا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ۲

تنبیہ: حدث والے کو بناء کرنے کا حکم ہے جس کی تفصیلات وشرائط اوپر گزریں۔ سو جاننا چاہئے بناء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بے وضو ہو جانے سے ساری ہی نماز باطل نہیں ہو جاتی بلکہ بے وضو ہونے سے پہلے جتنی نماز ادا کرلی ہے وہ بحالہ باقی رہتی ہے۔ اب وضو کر کے جہاں سے نماز کو چھوڑا تھا وہیں سے بقیہ نماز پوری کرلے۔ اس کو بناء کرنا کہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ بناء کرنے کا جواز اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کوئی منافی صلوٰۃ فعل نہ کرے۔ اگر کوئی شخص وضو کرتے وقت کوئی کلام کرے گا تو نماز سرے سے باطل ہو جائے گی۔

فائدہ: حالت نماز میں بے وضو ہو جانے والے کے لئے نماز کی جگہ سے ہٹ کر وضو کے لئے صرف چلنا پھرنا، لوٹا بھرنا اور وضو کرنا مباح ہو جاتا ہے۔ وہ گویا اس وقت حالت نماز میں ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو کوئی فعل منافی صلوٰۃ نہ کرنا چاہئے ورنہ اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

ہدایت:

منیۃ المصلی میں ہے کہ جو شخص حالت نماز میں بے وضو ہو جائے اس کے لئے سنت ہے کہ وہ اپنی جگہ سے جھکا ہوا اور ناک پکڑے ہوئے علیحدہ ہوتا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پڑی ہے۔

جوہرنیرۃ میں ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک امام و ماموم اور منفرد سب

۱ رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۶ ۲ رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۱

کے حق میں یہی افضل ہے۔ حدث ہوجانے کی حالت میں از سر نو نماز پڑھیں بناء
نہ کریں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف منفرد کے لئے ہے اور امام و مقتدی کو
بناء کرنا افضل ہے۔

امام بنانے کی کیفیت :

اگر امام بے وضو ہوجائے تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ ناک پکڑے ہوئے
اپنی جگہ سے علیحدہ ہو اور اپنی جگہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا کر وضو کرنے چلا جائے۔ مگر
امامت کے قابل شخص کو خلیفہ بنائے اور خلیفہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ جس شخص
کو اپنا خلیفہ بنانا چاہے اس کا کپڑا پکڑ کر محراب کی طرف کھینچے یا اس کی طرف
اشارہ کرے۔

سترہ اور نمازی کے آگے سے گزرجانے کا احکام

سترہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو نمازی آڑ کے لئے سامنے کھڑی کرلیتا ہے۔
سترہ کھڑا کرنے کے بعد اگر لوگ آگے سے گزرجائیں تو ان کے گزرنے سے
نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ سترہ کھڑا کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ نمازی
اپنے سامنے تین ہاتھ کے فاصلے پر دائیں ابرو کے مقابل سترہ کو کھڑا کرے۔
(غایۃ الاوطار)

بڑی مسجدوں اور جنگل میں اتنے فاصلے تک نمازی کے سامنے سے نہ گزرنا
چاہئے جہاں تک سجدہ گاہ نظر رکھتے ہوئے نمازی کی نظر پہنچے۔ اندازاً سجدہ گاہ
سے ڈھائی گز آگے تک نمازی کے سامنے سے نہ گزرنا چاہئے۔ نمازی کے آگے
سے گزرنے والے کے لئے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے اور گزرنے
والا سخت عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ مگر نمازی کی نماز میں کوئی نقصان و حرج نہیں
ہوتا۔ ۱

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے دو شخص ہوں تو جو شخص نمازی کی

۱ رد المحتار ج ۱ ص ۶۳۵

طرف ہوگا وہ گناہ گار ہوگا۔ اگر نمازی کسی اونچی جگہ نماز پڑھ رہا ہو اور سامنے سے
گزرنے والے شخص کا سر بھی اس کے پاؤں سے نیچا رہتا ہو تو سامنے سے
گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر گزرنے والے کے اعضاء نمازی کے
اعضاء کے مقابل ہوجائیں تو گزرنے والا گناہ گار ہوگا۔ ۱

اگر نمازی سر راہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور لوگوں کو اس راہ سے
گزرے بغیر چارہ نہ ہو تو گزرنے والوں پر کچھ گناہ نہیں، خود نمازی ہی گناہ گار
ہوگا بشرطیکہ اس کی نیت ہی راستہ روکنے کی ہو۔ اگر نمازی کی بھی یہ نیت نہ ہو تو
کسی پر کچھ گناہ نہیں۔ گزرنے والے کے لئے اولیٰ اور مناسب یہی ہے کہ اگر
کوئی اشد ضروری کام نہ ہو تو ختم نماز تک کھڑا رہے نمازی کے لئے لازم ہے کہ
ایک ہاتھ لمبی اور انگلی برابر موٹی لکڑی جنگل میں نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے گاڑ
لے یا لمبی لکڑی سامنے ڈال لے۔ چوڑان میں نہ ڈالے یہی مسنون ہے۔

اگر جنگل میں جماعت کی جائے تو صرف امام کے سامنے سترہ کافی ہے۔
مقتدیوں کے سامنے ضروری نہیں کیونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

وہ عذر جن کی وجہ سے نماز توڑنی واجب ہے

وہ عذر جن کی وجہ سے نماز توڑ دینی واجب ہوجاتی ہے چھ ہیں:

(۱) کسی مظلوم کی فریاد رسی کرنے کے لئے۔ یعنی اگر کسی شخص پر کوئی ظلم کر رہا
ہو اور وہ مظلوم نمازی سے فریاد کرے تو نمازی کو چاہئے کہ نماز توڑ کر اس کی فریاد
رسی کرے۔ (۲) پیشاب یا پاخانے کی انتہائی ضرورت کے وقت۔ (۳) جلتے
ہوئے یا ڈوبتے ہوئے کو بچانے کے لئے (۴) اندھے کو کنوئیں میں گرنے سے
بچانے کے لئے۔ (۵) حاکم سے فریاد خواہی کے لئے۔ (۶) مسافر کو سواری کے
چلے جانے یا جانور کے بھاگ جانے کے اندیشہ سے۔

یہ چھ عذر ہیں جن کی وجہ سے نماز توڑ دینا واجب ہے۔ ۲

علاوہ ازیں اگر جان و مال کے خوف کی کوئی اور صورت بھی ہو تو نماز

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۶ ۲ رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۴

توڑ دے، کیونکہ اسلام اپنے متبعین کو سختی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا بلکہ آسانی چاہتا ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ اشد ضرورتوں کے لئے نازک مواقع پر اپنے جان ومال کو بچانے کے لئے نماز توڑ دینے کا حکم ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر قسم کی رفع حاجت کو مقدم رکھ کر نماز کی پرواہ نہ کی جائے اور اس کو بازیچۂ اطفال بنالیا جائے۔ پس حتیٰ الامکان رفع حاجت پر نماز کو مقدم رکھے۔

مسئلہ: حالت نماز میں والدین کی آواز کا جواب نہیں دینا چاہئے جبکہ وہ فرض نماز پڑھ رہا ہو۔ اگر نفل نماز پڑھ رہا ہو اور باپ بھی جانتا ہو کہ میرا لڑکا نماز میں مشغول ہے اور پھر اپنے لڑکے کو پکارے تو بھی جواب نہ دے۔ اگر باپ نہ جانتا ہو اور بلائے تو نفل نماز میں جواب دینا چاہئے۔[1]

وہ عذر جن کی وجہ سے نماز توڑنی جائز ہے :

پچھلے چھ عذر جو بیان کئے گئے ہیں ان کی وجہ سے نماز توڑ دینا واجب ہے۔ اب ذیل میں وہ عذر بیان کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے نماز توڑ دینا جائز ہے، وہ تین عذر یہ ہیں: (۱) سانپ، بچھو اور کوئی موذی جانور کے مارنے کے لئے۔ (۲) مسافر کو سواری کے چلے جانے یا بھاگ جانے کے خوف کے وقت۔ (۳) جس چیز کی قیمت کم از کم پانچ آنے ہو اس کے تلف ہونے کے خوف سے۔ خواہ وہ چیز نمازی کی ہو یا کسی اور کی۔[2]

نماز میں کراہت تحریمی پیدا کرنے والے امور

مکروہ محبوب کی ضد ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ تحریمی اور تنزیہی۔ ان کا مفصل بیان ان کی جگہ ہو چکا ہے۔ یہاں دوبارہ اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ مکروہ تنزیہی حلال سے قریب تر ہوتا ہے اور مکروہ تحریمی حرام سے قریب تر ہوتا ہے۔ یہاں ہم پہلے نماز کے مکروہات کو بیان کرتے ہیں، بعدہ مکروہات تنزیہی کو بیان کریں گے۔

۱-۲ رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۴

(۱) کسی کپڑے کے بغیر پہنے ہوئے دونوں کنارے لٹکے چھوڑ دینا۔ مثلاً چادر یا رضائی وغیرہ کو دونوں مونڈھوں سے لٹکا دینا، یا کرتہ وانگرکھا وغیرہ کی دونوں آستینیں بغیر پہنے ہوئے گردن پر پیچھے کو ڈال لینا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر چادر وغیرہ کا ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پر پڑا ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔[1]

(۲) کرتہ کی آستین نصف کلائی سے زیادہ چڑھانا۔

(۳) چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے مونڈھوں پر ڈالے جائیں۔

(۴) کپڑوں کو سمیٹے رکھنا تاکہ مٹی نہ لگے یعنی نماز کی حالت میں کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے۔

(۵) داڑھی یا کپڑوں اور بدن سے کھیلنا۔

(۶) انگلیوں کا چٹخانا ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر جال بنانا۔ یہ امور چونکہ خشوع وخضوع کے منافی ہیں۔ اس لئے مکروہ ہیں اور ان کی ممانعت کی وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اہل عرب طواف کرتے وقت سیٹی بجایا کرتے تھے اور انگلیاں چٹخاتے رہتے تھے۔ جب اہل اسلام پر نماز فرض ہوئی تو انہوں نے اپنی اس قدیم عادت کو نماز میں بھی جاری رکھا۔ ایک روز رسول خدا ﷺ مسجد میں جلوہ افروز تھے اور صحابہ کرامؓ سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک یمنی شخص مسجد میں داخل ہوا اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگا۔ حالت نماز میں اس نے کئی مرتبہ انگلیاں چٹخائیں۔ حضور ﷺ نے اس حرکت کو دیکھا اور خاموش رہے۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا، میں نے تمہیں نماز میں انگلیاں چٹخاتے دیکھا ہے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ نماز ایک افضل ترین عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ نماز کی اہمیت کو محسوس کرو اور سوچو کہ اپنے رب کی طرف متوجہ رہنا بہتر ہے یا تفریحاً انگلیاں چٹخانا۔ میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ جب تم نماز شروع کرو تو اپنی تمام

---

۱ مراقی الفلاح ص ۱۹۸، فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۱۸

طاقتوں کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور انگلیاں نہ چٹخاؤ۔[1]

(۷) ایسی چیز کا منہ میں رکھنا جس سے قرأت مسنونہ ادا نہ کر سکے۔ اگر وہ چیز ایسی ہو کہ قرأت فرض ادا نہ کر سکے تو مفسد نماز ہے ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

(۸) ہاتھ کو لھے پر رکھنا۔

(۹) اِدھر اُدھر منہ کرنا اور دائیں بائیں توجہ کرنی۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔ اور سجدہ کی جگہ سے نظر ہٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنا انتہا درجہ کی لغویت ہے۔ جو شخص انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں مشغول ہوتا ہے حق تعالیٰ کی رحمت خاص اس کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ اور جب وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے تو اس سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۱۰) نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا۔

(۱۱) کسی آدمی کے منہ کی طرف نماز پڑھنا یعنی دوسرا آدمی منہ کئے ہوئے بیٹھا ہے اور نمازی اس کے منہ کی طرف نماز پڑھے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

(۱۲) خود بخود جمائیاں آنا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب نماز میں کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکے کیونکہ نماز میں جمائی لینا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کوشش کامیاب نہ ہو جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لے "ہا" نہ کہے۔

(۱۳) امام کا بلا عذر محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا۔ اگر امام محراب کے باہر کھڑا ہو اور سجدہ محراب کے اندر کرے تو مکروہ نہیں ہے۔ یاد رہے حدیث شریف میں امام کے لئے در، یا محراب میں کھڑے ہونے کی ممانعت آئی ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ رسالت میں قریب قریب تمام مسجدیں چھوٹی اور تنگ تھیں۔ اگر کوئی شخص در، یا محراب میں کھڑا ہو جاتا تو روشنی کم ہو جاتی تھی اور

[1] مراقی الفلاح ص ۱۹۵

ہوا کا گزر بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے زمانہ رسالت میں محرابوں میں نماز پڑھنا مکروہ تھا اب چونکہ مسجدیں فراخ ہیں اور مذکورہ بالا وجوہات، ممانعت نہیں پائی جاتیں اس لئے فراخ و وسیع دروں اور محرابوں میں کھڑے ہونا اب مکروہ نہیں۔ ہاں چھوٹی اور تنگ مسجدوں میں اب بھی مکروہ ہے۔[1]

(۱۴) امام کا ایک ہاتھ اونچے چبوترہ یا اور کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہونا اور مقتدیوں کا نیچے ہونا یا مقتدیوں کا ایک ہاتھ اونچی جگہ پر ہونا اور امام کا نیچے ہونا۔

(۱۵) اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا جس پر جاندار کی تصویر ہو۔ یا اس جگہ یا مکان میں نماز پڑھنی جہاں دائیں بائیں یا سامنے جاندار کی تصویریں ہوں اگر تصویر پاؤں کے نیچے ہو تو پھر مکروہ نہیں۔

(۱۶) چادر وغیرہ کو بدن پر اس طرح لپیٹنا کہ کہیں سے ہاتھ باہر نہ نکلے ہوں۔

(۱۷) عمامہ یا پگڑی اور صافہ وغیرہ کو سر پر اس طرح باندھنا کہ بیچ سے سر کھلا رہے۔

(۱۸) ڈھاٹا باندھ کر نماز پڑھنی کہ اس سے منہ اور ناک ڈھک جائے۔

(۱۹) مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت پڑھنی۔

(۲۰) عمامہ کی کور پر سجدہ کرنا بشرطیکہ زمین کی سختی معلوم ہو۔ یعنی زمین پر سر ٹک جائے اور درمیان میں عمامہ کی کور ہو۔ اور اگر زمین کی سختی معلوم نہ ہو تو نماز فاسد ہوگی۔

(۲۱) کرتہ ہوتے ہوئے صرف پاجامہ سے نماز پڑھنی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ایک دن ایک شخص کو اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ صرف تہبند باندھے ہوئے تھا اور اس کی قمیض اس کے پاس رکھی ہوئی تھی، جب وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو حضور ﷺ نے اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا۔ یہ بات مکروہ ہے کہ تم صرف تہبند یا پاجامہ پہن کر نماز پڑھو اور قمیض نہ پہنو یا چادر نہ اوڑھو۔

[1] مراقی الفلاح ص ۲۰۳

(۲۲) پیشاب پاخانہ کی شدید حاجت میں نماز پڑھنا۔

حضرت عبداللہ بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے، اتنے میں ایک اعرابی آیا اور اس نے پوچھا حضرت جس وقت پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہو یا ریاح کا غلبہ۔ زور ہو اور جماعت بھی قائم ہو گئی ہو تو اس حالت میں شریک جماعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا نماز ایک بہترین عبادت ہے اس میں سکون اور خشوع و خضوع کی ضرورت ہے جب کبھی ایسا اتفاق ہو کہ جماعت تیار ہو اور نماز پڑھنے والے کو پیشاب یا پاخانہ کی شدید حاجت ہو تو بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے بیت الخلاء جائے اور بعد میں نماز پڑھے۔[۱]

اگر نماز شروع کرنے سے پہلے پیشاب یا پاخانہ کی شدید حاجت ہو اور وقت میں بھی کافی گنجائش ہو تو نماز شروع کرنا ہی ممنوع ہے اور اگر وقت میں گنجائش نہیں ہے تو وقت کی رعایت ضروری ہے نماز پڑھ لے اور اگر نماز پڑھتے ہوئے حاجت ہو اور وقت میں گنجائش ہو تو نماز توڑ دینی واجب ہے۔ اگر اسی حالت میں اپنے قویٰ پر جبر کر کے نماز پڑھ لی تو نمازی گناہ گار ہوگا۔

تنبیہ:

اکثر عورتوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ جوڑا باندھ کر نماز پڑھتی ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ جوڑا باندھے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر نماز کی حالت میں کسی عورت نے جوڑا باندھ لیا تو نماز فاسد ہو گئی۔

نماز کی حالت میں کنکریاں ہٹانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں ایسی صورت ہو کہ سجدہ گاہ پر کنکریاں ہوں اور سجدہ کرنے میں دشواری ہو تو کنکریاں ہٹانے کی اجازت ہے۔ نیز نماز کی حالت میں مرد کا سجدہ میں زمین پر کلائیاں بچھانا بھی مکروہ تحریمی ہے۔[۲]

مذکورہ بالا تمام امور نماز میں کراہت تحریمی پیدا کرتے ہیں۔ اب کراہت تنزیہی پیدا کرنے والے امور بیان کئے جاتے ہیں۔

---

[۱] مراقی الفلاح ص ۲۰۱ و رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ [۲] مراقی الفلاح "مکروہات صلوٰۃ" ج ۱ ص ۱۹۴

کراہت تنزیہی پیدا کرنے والے امور

(۱) بلا عذر چار زانو یعنی پالتی مار کر بیٹھنا[۱]۔ (۲) جمائی کے وقت منہ کھلا رہنا۔ (۳) آنکھیں بند کر لینی[۲]۔ اگر خشوع و خضوع کے لئے آنکھیں بند کر لی جائیں تو جائز ہے۔ (۴) اگلی صف میں گنجائش کے باوجود مقتدی کا پچھلی صف میں اکیلا کھڑا ہونا اور اگر اگلی صف میں گنجائش نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔ (۵) سبحان اللہ وغیرہ تسبیحات کا نماز میں انگلیوں پر یا تسبیح سے شمار کرنا ہاں اگر انگلیوں کے پوروں کو اشارے سے دبا کر شمار کرے تو وہ مکروہ نہیں۔ (۶) کوئی عمل قلیل بغیر عذر کے کرنا (۷) بلا عذر تھوکنا (۸) عمل قلیل کے ساتھ آستینیں یا پنکھے سے ہوا کرنی اور اگر عمل کثیر کے ساتھ ہوا کرے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ (۹) بلا عذر ننگے سر نماز پڑھنا[۳]۔ (۱۰) سجدہ میں پاؤں کا ڈھانکنا۔ (۱۱) دائیں بائیں طرف جھک جانا (۱۲) دائیں بائیں کی پاؤں پر بلا عذر اور بلا وجہ زور ڈالنا (۱۳) خوشبو سونگھنی (۱۴) سجدہ میں ہاتھوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف پھیر لینا (۱۵) مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی مخصوص جگہ مقرر کر لینا (۱۶) امام کا کسی مقتدی کو شامل کرنے کی نیت سے رکوع یا سجدہ میں دیر کرنا (۱۷) دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں سے اوپر اٹھانا یا مونڈھوں سے نیچے رکھنا (۱۸) سجدہ میں مرد کو پیٹ سے رانوں کو ملائے رکھنا (۱۹) بلا ضرورت مکھی یا مچھر کا اڑانا (۲۰) امام کا اذکار مسنونہ کو جلدی جلدی ادا کرنا۔ نماز میں یہ تمام امور مکروہ تنزیہی ہیں۔[۴]

نوٹ: نماز میں اگر سر سے ٹوپی یا عمامہ گر جائے تو بغیر عمل کثیر کے اس کو دوبارہ سر پر رکھ لینا چاہئے۔ یہی افضل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ہاتھ سے ٹوپی یا عمامہ کو دوبارہ سر پر رکھ لینا افضل ہے۔

ہدایات:

نماز چونکہ افضل ترین عبادت ہے اس لئے اس کی ادیگی میں خاص طور پر

---

[۱] کبیری ص ۳۵۰ [۲] ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ [۳] حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۵۰ [۴] عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵، حلبی کبیر ج ۱ ص ۳۴۵، کبیری ج ۱ ص ۳۵۰

دلچسپی و دلجمعی اور فکرو اہتمام کا اظہار کرنا چاہیئے۔ دل و دماغ بھی پاک وصاف ہوں بدن بھی پاک ہو اور کپڑے بھی صاف وستھرے ہیں۔ الغرض طہارت و پاکیزگی مفتاح الصلوٰۃ ہے یہی وجہ ہے کہ میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑوں سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بشرطیکہ صاف کپڑے میسر ہوں اور ان کا صاف کرنا ممکن ہو۔ افسوس کہ مسلمان پاکیزگی وصفائی کا خاطر خواہ خیال نہیں رکھتے، سڑے ہوئے کپڑوں سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

ایسے مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نفاست پسندی دینداری اور عبادت کا جوہر ہے اس کے بغیر نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اخلاق سنورتے ہیں۔ اسلام کو گندگی وغلاظت سے سخت نفرت ہے چنانچہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ہماری مسجدوں میں کچی پیاز یا لہسن کھا کر نہ آئے۔ کیونکہ اس کے منہ سے بدبو آئے گی جس کی وجہ سے پاس کھڑے ہوؤں کو تکلیف پہنچے گی اور رحمت کے فرشتے نفرت کریں گے۔

ایک دن مسجد نبوی میں رسول خدا ﷺ نے ایک بدوی کو میلے کچیلے کپڑوں سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب وہ نماز سے فارغ ہوا ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس صاف کپڑے نہ تھے کہ ان کو پہن کر نماز پڑھ لیتے۔ اس نے کہا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ان کپڑوں کو دھو بھی نہ سکتے تھے۔ پس حتی الامکان نماز اچھے اور صاف کپڑوں کے ساتھ پڑھنی چاہیئے۔ اگر صرف کھدر ہی کے کپڑے میسر ہوں تو انہیں کو صاف رکھے۔ اگر دھونے کو صابن میسر نہ آئے تو صرف پانی ہی سے دھولیا کرے۔ الغرض بدن اور کپڑوں کی صفائی کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا ایک شخص پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں سے نماز پڑھ رہا ہے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اسے بلا کر دریافت کیا کہ اگر تمہیں کسی بڑے آدمی سے ملنے کے لئے بھیجا جاتا تو کیا تم یہ ہی کپڑے پہن کر جاتے؟ کہا نہیں فرمایا پھر تو ان کپڑوں سے نماز پڑھنا

کیسے گوارا کیا۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آراستہ ہو کر آنا چاہیئے[1]
روایت کیا گیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ عمدہ لباس پہن کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ نمازی واجبات نماز میں سے کوئی واجب عمداً ترک کر دے تو اس سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے اور سنن نماز میں سے کسی سنت کو عمداً ترک کر دینے سے مکروہ تنزیہی ہوتی ہے۔

باب الوتر

وتر کی نماز قول صحیح کے مطابق واجب ہے[2] اور اس کی ایک اسلام سے تین رکعتیں ہیں[3]۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے واجب ہونے کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ زادکم صلوٰۃ الا وھی الوتر[4]

یعنی خدا تعالیٰ نے تمہاری نماز میں کچھ اور بھی بڑھایا ہے اور وہ وتر ہے۔

باوجود مذکورہ بالا ارشاد رسول کے نماز وتر کے واجب اور سنت ہونے میں بہت اختلاف ہوا ہے۔ مگر یہ ہمارے علماء کی محض طبع آزمائی ہے۔ ورنہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ آنحضرت ﷺ، آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ مجتہدین کے قول وفعل سے نماز وتر ثابت ہے اور بطور تواتر اب تک وتر کا یہی طریقہ چلا آیا ہے جس پر ہم عامل رہیں جس طرح وتر کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح وتر کی رکعتوں میں بھی سخت اختلاف ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ایک تین اور پانچ کا پڑھنا احادیث میں آیا ہے اور مختلف روایتوں میں سے ایک سے لے کر سات رکعتوں کا ثبوت ہوتا ہے لیکن حنفیوں کے یہاں عام طور پر تین رکعتیں ہی پڑھتے ہیں اور ہمارے یہاں اسی پر عمل

---

[1] مراقی الفلاح ص ۱۸۹ [2] مراقی الفلاح ص ۲۱۶ [3] کبیری ج ۱ ص ۳۱۳ [4] مراقی الفلاح ص ۲۱۶

ہے۔[1]

تحقیق رکعات وتر :

کتب احادیث میں جو حدیثیں اس باب میں آئی ہیں وہ مختلف ہیں، کسی سے ایک وتر ثابت ہوتا ہے کسی سے تین، کسی سے پانچ، کسی سے سات، کسی سے نو، کسی سے گیارہ اور کسی سے تیرہ، لیکن ہمارے امام صاحبؒ نے تین رکعت والی حدیثوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے کتب حدیث میں جو حدیثیں موافق مذہب امام اعظمؒ کے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وتر میں تین رکعت ہیں بیک سلام نہ کم نہ زائد اور وہ آثار صحابہ جن سے موافقت مذہب حنفیہ کی ہوتی ہے ان میں سے اہم یہاں چند احادیث و آثار پیش کرتے ہیں۔

طحاوی نے شرح معانی الآثار میں عامر شعبی سے روایت کیا ہے:

سألت ابن عباس و ابن عمر کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فقالا ثلث عشرۃ رکعۃ ثمانیا ویوتر بثلاث و رکعتین بعد الفجر[2]

یعنی پوچھا میں نے عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ سے کیفیت آنحضرت ﷺ کی نماز کی بوقت شب پس کہا ان دونوں نے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز شب کو تیرہ رکعت تھی، آٹھ رکعت پڑھتے تھے پھر تین رکعت وتر اور دو رکعت سنت فجر بعد طلوع صبح صادق۔

اس میں کل تیرہ رکعتیں منقول ہیں۔ تین وتر کی اور باقی تہجد کی اور چونکہ تہجد کی نماز وتر کے ساتھ ملی ہوئی ہے[1] اس لئے راوی نے ساری نماز کو وتر شمار کیا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ رسول خدا ﷺ کی شب کی نماز سنت فجر کے سوا وتر سمیت تیرہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ:

کان نبی اللہ ﷺ لا یسلم فی رکعتی الوتر[3]

---

1. کبیری ج ۱ ص ۴۱۳ 2. شرح معانی الآثار ص ۱۹۷ 3. مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۴، نسائی کیف الوتر بثلاث ج ۱ ص ۲۴۸

یعنی نبی کریم ﷺ نماز وتر میں دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرتے تھے بلکہ تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی سے ایک دوسری روایت ہے:

کان یصلي اربعا فلا تسال عن حسنهن و طولهن ثم یصلي اربعاً فلا تسال عن حسنهن و طولهن ثم یصلي ثلاثاً[1]

یعنی شب کو آنحضرت ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے پس تو اس کے حسن اور تطویل کو نہ پوچھ یعنی بہت اچھی طرح سے پڑھتے تھے بعد اس کے پھر چار رکعت اسی طرح پڑھتے تھے اور پھر وتر پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ رات کو کل تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے یہی بات ایک چوتھی حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے:

صلی رسول اللہ ﷺ بعد العشآء رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر بثلاث

یعنی آنحضرت ﷺ نے بعد عشاء کے دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں اور پھر تین رکعت وتر پڑھے۔

اسی طرح صحاح ستہ کی بے شمار حدیثیں ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا تین وتر پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اب چند آثار بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حسن بصریؒ سے بسند ضعیف روایت ہے:

جمیع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی اخرهن[2]

---

1. مستدرک ص ۳۰۴ ج ۱، بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۴، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۰۵، موطا امام مالک ص ۴۴، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶ 2. مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۳، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۰، طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۳۳

یعنی اہل اسلام نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ وتر تین رکعت ہے نہ سلام پھیرا جائے مگر ان کے آخر میں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے:

الوتر کصلوٰۃ المغرب. یعنی وتر مثل نماز مغرب کے ہے۔[۱]

سنن بیہقی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

الوتر ثلث المغرب [۲]۔ یعنی وتر تین رکعت ہیں مثل تین رکعت مغرب کے۔ ان تمام احادیث و آثار مرفوعہ و موقوفہ سے روز روشن کی طرح ظاہر اور ثابت ہو گیا کہ وتر تین رکعت ایک سلام کے ساتھ صحیح ہیں اور حنفیوں کا عمل احادیث صحیحہ کے موافق ہے جو بے سمجھے بوجھے حنفیوں پر طعن کرے وہ بدترین متعصب ہے۔ الغرض بدلائل ثابت ہو گیا کہ وتر واجب ہیں اور اس کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

وتر کا وقت :

وتر کی نماز کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد سے لے کر صبح صادق تک ہے۔[۳] مگر افضل یہ ہے آخر شب میں پڑھے۔ مگر اس وقت جبکہ آخر شب میں اٹھنے کا یقین، اعتماد اور انتظام ہو اور آنکھ نہ کھلنے کا خوف ہو تو اول شب میں ہی پڑھ لے۔ خلاصہ یہ کہ جس کو آخر شب میں اٹھنے اور تہجد پڑھنے کی عادت ہو اس کے لئے تو افضل آخر شب میں ہے اور یہ عادت نہ ہو تو پھر عشاء کی نماز کے ساتھ ہی پڑھ لینے چاہئیں۔

وتر کی تینوں رکعتیں پر ہوتی ہیں۔ یعنی الحمد اور کوئی سورت ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ تیسری رکعت میں قرات سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے قبل حنفیہ کے نزدیک دعا قنوت پڑھی جاتی ہے اور شافعیہ کے نزدیک رکوع کے بعد قومہ میں دعا قنوت پڑھی جاتی ہے۔ اور دعا قنوت کا پڑھنا واجب ہے۔ حنفیہ کا

۱ مؤطا امام محمد ص ۱۵۰ ۲ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۲ ۳ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۱۸، ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۰، ابن ماجہ ص ۸۳

عمل اس بارے میں اس حدیث پر ہے جس کو ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ ہی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وتر میں رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھی ہے۔[۱]

دعا قنوت :

وتر کی تیسری رکعت میں جو دعا پڑھی جاتی ہے، وہ کئی دعائیں ہیں کیونکہ حدیثوں میں متعدد دعائیں آئی ہیں۔ لیکن بالعموم دو دعائیں پڑھی جاتی ہیں انہی دونوں دعاؤں کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے عام طور پر جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔

اللھم انا نستعینک و نستغفرک و نؤمن بک و نتوکل علیک و نثنی علیک الخیر و نشکرک ولا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد و لک نصلی و نسجد و الیک نسعی و نحفد و نرجو رحمتک و نخشیٰ عذابک ان عذابک بالکفار ملحق [۲]

یعنی ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں بھلائی سے اور تیری نعمت کی ناشکری نہیں کرتے۔ ہم دل سے بیزار ہوتے ہیں اور چھوڑتے ہیں ایسے شخص کو جو تیری نافرمانی کرتا ہے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی عبادت کی طرف کوشش کرتے ہیں اور خدمت کی طرف دوڑتے ہیں اور ہم تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں جو حق ہے اور تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ تیرا عذاب جو حق ہے کافروں کو ملنے والا ہے۔

اس دعا میں مدد مانگتے ہیں سے مراد یہ ہے کہ ہم احکام الٰہیہ کی بجا آوری اور

۱ مراقی الفلاح ص ۲۱۷ ۲ ابن ابی شیبہ ص ۵۷ ج ۲، سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۰۱ ج ۲، مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۱۹، تحفۃ الکبیر ج ۱ ص ۲۱۷

ارتکاب معاصی سے اجتناب کرنے کے لئے نفس شیطان اور تمام کافروں پر غالب ہونے کے لئے تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں اس مقصد عظمیٰ میں کامیابی دے۔

ایک قابلِ غور اَمر:

اسلام نے پنج وقتہ نمازوں کے ذریعہ ہمارے اندر وہ عام اخلاقی خوبیاں پیدا کرنا چاہی ہیں کہ اگر ہم ان کو حاصل کرلیں تو ہمارے اعلیٰ اخلاق دیکھ کر ساری دنیا ہماری طرف مائل ہو جائے، ہماری ناپاک اور نامراد زندگیوں میں سچائی، ایمانداری، انصاف، رحم دلی، ہمدردی نوع، مساوات، ایثار اور خلوص وغیرہ اوصاف کا نور چمک اٹھے۔ ہم دارین میں کامیاب ہو جائیں، ہمارے اسلام اور ایمان میں کوئی خامی نہ رہے اور ہم صحیح معنوں میں خیرالامم بن جائیں لیکن ہمارے دلوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ اسلام ہم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ بلا سوچے سمجھے رسمی طور پر الٹی سیدھی نمازیں پڑھ لیا کریں اور طوطے کی طرح نماز کے تمام الفاظ وکلمات ادا کرلیا کریں۔

مثال کے طور پر اسی دعا قنوت کو لے لیجئے اس کو ہم ہر روز رات کو اپنی نماز وتر میں پڑھتے ہیں مگر سمجھتے خاک نہیں کہ ہم روزانہ اپنے سے کیا وعدہ اور اقرار کرتے ہیں اور اس کو کہاں تک پورا کرتے ہیں؟ ذرا انصاف سے دعا قنوت کے معنوں پر غور کر کے بتلایئے کہ جو نمازی روزانہ اپنے خدا سے مذکورہ باتوں کا اقرار کرے وہ گناہوں کا ارتکاب کر سکتا ہے اور خدا کے نافرمانوں سے اپنا دلی تعلق قائم رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مثلاً اس میں اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم اس شخص سے دل سے بیزار ہیں جو تیرا نافرمان ہے۔ اب اگر مسلمان اس عہد کو عملی طور پر پورا کریں تو کیا ہماری قوم میں کوئی عملی خرابی باقی رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ہماری سوسائٹی بداخلاقیوں اور کمزوریوں کے زہر سے صاف ہو جائے۔ لیکن حالت ہماری یہ ہے کہ ہم خدا سے اس کے نافرمانوں سے بیزار ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں اور نافرمانوں سے تعلقات بھی بڑھاتے ہیں، مداہنت فی الدین کا ارتکاب

بھی دل کھول کر کرتے ہیں، اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے اعمال کی اصلاح کو اپنا فرض ہی نہیں سمجھتے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں یار کی یاری سے مطلب ہے نہ کہ اس کے افعال سے۔ یہ اچھے نمازی ہیں کہ خدا سے کچھ اقرار کرتے ہیں اور کرتے ہیں کچھ اور ہم بلاخوف و تردد کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نمازیں حقیقت میں نمازیں نہیں بلکہ دل کا بہلاوا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کثیر جماعت آج بھی نمازیں پڑھتی ہے مگر ان نمازوں کا وہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا جو عہد صحابہ میں ہوتا تھا اور جو ان کا فطری نتیجہ ہونا چاہئے ہم نے سرے سے عبادت کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ ہم جانتے ہی نہیں کہ عبادت براہ راست بندہ اور خدا کے درمیان ایک مضبوط تعلق قائم کر دیتی ہے اور وہ ہمارے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہیں کاش ہم ان باتوں کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔

دوسری دعا:

دعائے قنوت ایک تو یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری دعا یہ ہے جس کی نسبت حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے وتر میں پڑھنے کے لئے یہ دعا بھی تلقین فرمائی ہے:

اللھم اھدنی فیمن ھدیت و عافنی فیمن عافیت وبارک لی فیما اعطیت و قنی شرما قضیت انک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارک ربنا و تعالیت نستغفرک و نتوب الیک[1]

یعنی اے اللہ! تو مجھ کو راہ دکھا ان لوگوں کی جن کو تو نے راہ دکھائی یعنی مجھ کو ہدایت یافتہ لوگوں میں سے کر اور مجھ کو عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت دی اور مجھ کو دوست رکھ ان لوگوں میں جن کو تو نے دوست رکھا اور میرے لئے برکت دے اس چیز

[1] بیہقی کبیر ج ۲ ص ۲۰۹، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۰۹

میں جو تو نے مجھ کو عنایت کی اور مجھ کو بچا اس چیز کی برائی سے جس کو تو نے مقدر کیا۔ تو حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے اور تجھ پر حکم نہیں کیا جاتا اور وہ شخص ذلیل نہیں ہوتا جس کو تو نے دوست رکھا اور نہ ہمیں وہ شخص عزیز ہو جس کو تو نے دشمن رکھا، تو برکت والا ہے اے ہمارے پروردگار تو برتر ہے ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیرے ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نسائی کی روایت میں بعد دعاء قنوت کے درود شریف پڑھنا بھی آیا ہے۔ چنانچہ سیوطی نے قنوت کے بعد یہ درود روایت کیا ہے صلی اللہ علی النبی محمد والہ وسلم نووی نے لکھا ہے کہ قنوت کے بعد اسی درود کا پڑھنا مستحب ہے۔

اگر قنوت پڑھنے والا امام ہو تو اس میں جمع کی ضمیریں لائے۔ مثلاً اهدنی کی جگہ اهدنا اور وقنی کی جگہ وقنا وغیرہ کہے اور اگر اسی طرح مفرد ضمیریں پڑھے تب بھی کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ اللهم انا نستعینک کے ساتھ اللهم اهدنی والے قنوت کو بھی ملائے مگر پہلے مقدم الذکر کو پڑھے بعد میں موخر الذکر کو۔

وتر کا سلام پھیرنے کے بعد کی دعا:

جب وتر کا سلام پھیرے تو تین بار سبحان الملک القدوس کہے یعنی پاکی بیان کرتا ہوں بادشاہ نہایت پاک کی۔ تیسری دفعہ میں اپنی آواز کو کھینچے اور آواز کو بلند کرے۔ دارقطنی کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ رب الملئکۃ والروح کو بھی سبحان الملک القدوس کے ساتھ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا اگر ان دونوں کو ملا کر کہے تب بھی جائز بلکہ افضل ہے۔

دعائے قنوت پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تیسری رکعت میں بعد رکوع کے اٹھ کر دعائے قنوت پڑھے۔ یعنی الحمد اور سورت پڑھنے کے بعد کانوں تک ہاتھ

اٹھا کر تکبیر کہے اور پھر ہاتھ باندھ کر قنوت پڑھے اور رکعت پوری کرے۔[1]

وتر کے احکام و مسائل:

ان دعاؤں میں سے جو دعا چاہے یاد کر کے پڑھا کرے۔ کوشش کر کے دعائے قنوت کو یاد کرنا چاہیے اگر باوجود کوشش کے یہ دعا یاد نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار[2] پڑھ لیا کرے۔ اگر یہ بھی یاد نہ ہو سکے تو تین مرتبہ اللھم اغفرلنا پڑھ لیا کرے۔[3]

مسئلہ: اگر وتر سہواً ترک ہو جائیں اور فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد یاد آئیں تو صاحب ترتیب کے لئے لازم ہے کہ دوبارہ پہلے وتر پڑھے پھر نماز فجر ادا کرے تا کہ ترتیب درست ہو جائے اور اگر اثناء نماز میں یاد آئے تو نماز فجر فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس فرض کی حالت میں ایک واجب یاد آ گیا۔

روضہ میں لکھا ہے جو شخص وتر کی تین رکعتیں پڑھے اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ دوسری میں قل یا ایھا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ اور معوذتین پڑھے۔ ورنہ جو سورتیں یاد ہوں ان کو پڑھ لے۔[4]

مسئلہ: اگر کسی کو وتر کی دوسری رکعت میں خیال ہوا کہ یہ تیسری رکعت ہے اور اس نے دوسری ہی میں دعا قنوت پڑھ لی۔ پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ یہ تو دوسری رکعت تھی تو اس کو تیسری رکعت میں دوبارہ دعا قنوت پڑھنی چاہیے۔ اسی طرح ہر رکعت میں یہ خیال ہوا کہ یہ تیسری رکعت ہے تو ہر رکعت میں قنوت پڑھے اور ہر رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے۔[5]

مسئلہ: اگر مسبوق کو امام کے ساتھ دعا قنوت مل جائے یا کم از کم تیسری رکعت کے رکوع میں شریک ہو جائے تو دوبارہ بقیہ نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھنی

---

[1] حلبی کبیر ج ۱ ص ۴۶۶ [2] حلبی کبیر ج ۱ ص ۴۱۸ [3] مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۳۹ [4] ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۱، نسائی ج ۱ ص ۲۴۹، ابن ماجہ ۸۳ [5] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۵

چاہیئے۔[1]

مسئلہ: اگر کسی کو تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا یاد نہ رہا اور رکوع میں جا کر یا رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یاد آیا تو دونوں جگہ قنوت نہ پڑھے اور اگر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد قنوت پڑھ لی تو اس رکوع کا اعادہ کرے ورنہ سجدہ سہو کرے کیونکہ قنوت کا موضع اصلی جاتا رہا۔[2]

مسئلہ: اگر امام رکوع میں چلا گیا اور مقتدی ابھی دعا قنوت سے فارغ نہیں ہوا یا ابھی شروع ہی نہ کی تو اب اگر اسے رکوع کے فوت ہو جانے کا یقین ہے تو امام کی متابعت کرے اگرچہ امام نے قنوت کو ترک کر دیا ہو تو امام کی مشارکت کو قائم رکھے۔ قنوت پڑھ لے اور اگر اس کا پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر نہ پڑھے امام کی متابعت کرے۔[3]

ہدایت: فقط رمضان میں وتر کو جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے بہ نسبت آخر رات میں اکیلے پڑھنے سے، اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے کہ یہی بات صحیح ہے، یعنی جماعت کے ساتھ وتر پڑھنا آخر رات میں پڑھنے سے افضل ہے۔[4]

موکدہ اور غیر موکدہ سنتوں کا بیان

پنجوقتہ نمازوں میں سات سنتیں موکدہ ہیں، یعنی جن کو ادا کرنے کی رسول اللہ ﷺ سے تاکید ثابت ہے[5]۔ وہ سات موکدہ سنتیں یہ ہیں: (۱) فجر کے دو فرضوں سے پہلے دو رکعتیں۔ (۲-۳) نماز ظہر سے قبل چار اور بعد کی دو رکعتیں[6]۔ (۴) جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعتیں[7]۔ (۵) مغرب کی نماز کے بعد دو رکعتیں[8]۔ (۶) عشاء کے فرضوں کے بعد دو رکعتیں۔ (۷) رمضان کی بیس تراویح۔ یہ سب سنتیں موکدہ ہیں۔ جو شخص ان کو بلا عذر محض سہولت پسندی کی وجہ سے ترک کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔[9]

[1] حلبی کبیر ج ا ص ۴۲۱ ۲-۳-۴ مراقی الفلاح ص ۲۲۳ [5] حلبی کبیر ج ا ص ۳۸۳ [6] ترمذی ج ا ص ۹۶ [7] حلبی کبیر ج ا ص ۳۸۳ ۸-۹ سنن ترمذی ج ا ص ۹۶

ان سنتوں میں فجر کی دو سنتیں سب سے زیادہ موکدہ ہیں۔ چنانچہ بعض تو ان کو واجب بتلاتے ہیں ان کے بعد مغرب کی دو سنتوں کا مرتبہ ہے، پھر جمعہ و ظہر کے بعد کی سنتیں ہیں اسی اعتبار سے ان کا ثواب بھی ہے۔[1]

فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھنی سنت ہے۔ اگر چار رکعت والی سنتوں کو دو دو کر کے دو سلام سے پڑھے تو سنتیں نہ ہوں گی بلکہ نفلیں ہو جائیں گی۔

غیر موکدہ سنتیں:

مندرجہ ذیل سنتیں غیر موکدہ جن کو نفل بھی کہتے ہیں۔ عصر سے پہلے چار رکعتیں، عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعتیں۔ عشاء کی دو موکدہ سنتوں کے بعد دو سلاموں سے چار رکعت، مغرب کی سنت موکدہ کے بعد چھ رکعت اور جمعہ کی سنت موکدہ کے بعد دو رکعتیں۔[2]

مسئلہ: فرضوں سے قبل والی سنتیں پڑھ کر دنیوی کاموں میں مشغول ہونا درست نہیں تاوقتیکہ فرض نہ پڑھ لئے جائیں۔ اس سے ان کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک تو وہ سنتیں ہی نہیں رہتیں بلکہ نفل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا سنتیں پڑھنے کے بعد کسی دنیوی کاروبار میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے۔

عصر کی سنتوں کا ثواب:

عصر کی نماز سے قبل چار رکعت سنتیں غیر موکدہ ہیں لیکن ان کا ثواب بہت زیادہ ہے[3] اور احادیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے[4]۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے کی عادت ڈالے اس کے لئے یہ چار رکعتیں قیامت کے روز آتش دوزخ سے سپر ہو جائیں گی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں ایک قصر عالی شان بناتا

[1] عالمگیری ج ا ص ۱۱۲ [2] حلبی کبیر ج ا ص ۴۲۸ [3] حلبی کبیر ج ا ص ۳۸۴ [4] ترمذی شریف ج ا ص ۹۸

ہے۔[1]

تنبیہ:

جوں جوں زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا جاتا ہے توں توں مسلمانوں کے دماغوں میں کجی، دلوں میں کھوٹ اور طبیعتوں میں سہولت پسندی و آرام طلبی کا مادہ آتا جاتا ہے۔ حد ہے کہ نفس کے بندوں نے بجائے پانچ نمازوں کے تین ہی مقرر کر لی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں خدا کی محبت و اطاعت میں کچھ نہ کرنا پڑے۔ بلکہ ویسے ہی جنت مل جائے الغرض عبادت الٰہی کی بجا آوری میں ہماری سہولت پسندی اور حیلہ جوئی حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی ہے جو ذرا احتیاط دیندار ہیں وہ فرض اور واجب کی ادائیگی تو جبراً وقہراً کر ہی لیتے ہیں مگر سنتوں کی ادائیگی میں غفلت و تساہل سے کام لیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہئیے۔ اگر غیر موکدہ سنتیں بلا عذر بھی ترک کر دی جائیں تو مواخذہ نہیں۔ لیکن اگر موکدہ سنتوں کو بلا عذر چھوڑ دیا جائے تو گناہ لازم آتا ہے۔ لہٰذا ان کی ادائیگی میں نفس کشی اور تندہی سے کام لینا چاہئیے۔

فجر کی سنتوں اور قنوت نوازل کی بحث

فجر کی سنتوں کی تاکید وجوب کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے[2]۔ ان کے متعلق ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ فجر کی نماز کے وقت اگر کوئی شخص مسجد میں آوے اور دیکھے کہ فرضوں کی جماعت ہو رہی ہے لیکن اس شخص نے سنت نہیں پڑھی ہیں تو اس صورت میں اگر اسے یہ خوف ہے کہ سنت پڑھنے سے میری ایک رکعت جاتی رہے گی اور ایک مل جائے گی تو اس کو چاہئیے کہ جہاں جماعت ہو وہاں سے کسی علیحدہ جگہ ہو کر سنتیں پڑھ لے اور پھر جماعت میں شریک ہو۔[3]

اس پر غیر مقلد صاحبان یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت

---

[1] حلبی کبیر ج ا ص ۳۸۸ [2] ترمذی شریف ج ا ص ۸۱، حلبی کبیر ج ا ص ۳۸۳ [3] در مختار باب ادراک الفریضہ ص ۵۳۰ ج ا

امام اعظمؒ نے اس حدیث کے خلاف کیا ہے جو مسلم میں ابو ہریرہؓ سے آئی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اذا اقمیت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ یعنی جس وقت کہ کھڑی ہو جائے نماز یعنی تکبیر ہو فرضوں کی پس نہیں ہے کوئی نماز سوائے فرض کے۔[1]

سو یہ حدیث اگرچہ کتب حدیث میں باسانید معتبرہ مروی ہے اور بسبب اپنے اطلاق کے اسی امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب نماز فرض کی تکبیر شروع ہو جائے تو اس وقت کوئی نماز نہ پڑھنا چاہئیے مگر وہی فرض۔ لیکن بہت سے صحابہ کرام سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ چنانچہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے:

انه دخل المسجد ولا مام فی الصلوٰۃ فصلی رکعتی الفجر[2]

یعنی وہ مسجد میں اس وقت آئے کہ امام نماز صبح پڑھ رہے تھے پس پڑھی انہوں نے نماز سنت فجر بعد اس کے شریک ہوئے فرض میں۔

دوسری سند سے ایک اور روایت آئی ہے:

دعا سعید بن العاص ابا موسیٰ و حذیفة و عبداللّٰه بن مسعود قبل ان یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده و قد اقیمت الصلوٰۃ فجلس عبداللّٰه الی اسطوانة من المسجد یصلی رکعتین ثم دخل فی الصلوٰۃ۔[3]

یعنی بلایا سعید بن عاص نے ابو موسیٰ اشعریؓ، حذیفہؓ اور ابن مسعودؓ کو قبل ادا کرنے نماز فجر کے پھر نکلے یہ سب ان کے پاس سے اس حالت میں کہ فرض صبح کی اقامت ہو گئی تھی۔ پس بیٹھ گئے۔ ابن مسعودؓ ایک ستون مسجد کے پاس اور دو رکعت نماز پڑھنے لگے۔ اس کے بعد شریک جماعت ہوئے۔

نیز طحاوی نے ابو مخلد سے ایک تیسری روایت نقل کی ہے:

---

[1] شرح معانی الآثار ص ۲۵۴، سنن ترمذی ج ا ص ۸۳ [2] شرح معانی الآثار ص ۲۵۵ [3] شرح معانی الآثار ص ۲۵۵

دخلت فی صلوٰۃ الغداۃ مع ابن عمر و ابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر حتی طلع الشمس فرکع رکعتین۔ [1]

یعنی داخل ہوا میں نماز صبح میں اس حال میں کہ امام نماز پڑھتا تھا ساتھ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے۔ پس ابن عمرؓ تو داخل ہو گئے صف میں اور شریک فرض ہو گئے۔ لیکن ابن عباسؓ انہوں نے ادا کیں دو رکعتیں سنت بعد اس کے شریک جماعت ہوئے، پس جب سلام پھیرا امام نے بیٹھے رہے ابن عمرؓ یہاں تک طلوع ہوا آفتاب پس ادا کیں دو رکعت سنت۔

اسی طرح شرح معانی الآثار میں اور بھی بہت سے آثار باسانید معتبرہ وطرق متعددہ مروی ہیں۔ جن سے حنفیہ کا مذہب اجلہ صحابہ کے فعل کے موافق ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہی مذہب ایک جماعت تابعین کا بھی ہے۔ لہٰذا صحابہ اور تابعین کے عمل سے حدیث زیر بحث میں دو سنت کا حکم مستثنیٰ کر لیا گیا ہے۔ یعنی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس وقت اقامت کہی جاوے فرض کی پس نہیں ہے کوئی نماز مگر نماز فرض الا دو رکعت سنت صبح۔ اس پر حنفیہ کا عمل ہے جو آثار کثیرہ سے مستند ہے۔ پس صحیح طریقہ یہی ہے کہ اگر ایک رکعت فرض نماز کے ملنے کی امید ہو تو جماعت سے کسی الگ جگہ پر سنت ادا کر کے شریک جماعت ہو۔ اور اگر فرض نہ ملنے کی امید ہو تو سنت کو چھوڑ دے اور شریک جماعت ہو جائے۔

یادداشت :

مگر یاد رہے صبح کی سنت کا ادا کرنا مشروط ہے اس امر کے ساتھ کہ صفوف کے پاس سنتیں ادا نہ کرے۔ بلکہ صفوف سے علیحدہ ہو کر ادا کرے۔ مثلاً حجرہ میں

[1] شرح معانی الآثار ص ۲۵۶

مسجد کے دوسرے حصہ میں یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ صبح کی سنتیں اپنے گھر ہی پر ادا کیا کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو اسی جگہ صفوں کے پاس سنتیں ادا نہ کرے، صفوں میں کوئی چیز حائل ہونی چاہیئے۔

اس مسئلہ میں عام طور پر بہت بے احتیاطی کی جاتی ہے۔ لوگ صفوں کے پاس ہی سنتیں پڑھنے لگتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

سنت کے ضروری مسائل :

کسی نے صبح کی نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کر لی اور سنتیں ادا نہ کی تھی تو اس کے لئے حکم ہے کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے سنتوں کو نہ پڑھے نہ اس پر سنت کی قضا کرنا لازم ہے۔ اگر دن نکلے پڑھ لے تو افضل ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کی نماز صبح قضا ہو جائے تو زوال سے پہلے پہلے سنت اور فرض دونوں کو ادا کرے۔ اس طرح کہ پہلے سنت پڑھے اور پھر فرض اور اگر زوال تک پڑھنے کا موقع نہ ملے تو پھر صرف فرض کی قضا گزارے۔

قنوت فجر کی بحث :

صبح کی نماز میں ہمیشہ دعاء قنوت کا پڑھنا مذہب شافعی میں سنت موکدہ ہے لیکن امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ سوائے نماز وتر کے اور نمازوں میں دعائے قنوت پڑھنی جائز نہیں۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک صبح کی نماز میں ایسا ہے اور نمازوں میں قنوت سنت نہیں سوائے وتر کے البتہ نوازل میں سنت ہے یعنی جب کوئی واقعہ عظیمہ جیسے جہاد یا طاعون وغیرہ پیش آئے تو دفع بلا کے لئے صرف فجر کی نماز میں قنوت کا پڑھنا سنت اور جائز ہے اور یہ نماز فجر میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ امام سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد مصیبت کا قنوت پڑھے اور مقتدی آمین کہیں [1]

بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت سب نمازوں میں قنوت پڑھے اور بعض علماء کہتے ہیں صرف جہری نمازوں میں پڑھے۔ لیکن حنفیوں کے

[1] شامی ج ا ص ۴۷۱

نزدیک مصیبت کا قنوت صرف نماز فجر میں پڑھا جاتا ہے اور یہی امر بڑے بڑے صحابہ سے مروی ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ کا عمل مروی ہے انهم کانو لا یقنتون فی الفجر یعنی یہ صحابہ صبح میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ اسی مصنف میں یہ روایت ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے نماز فجر میں قنوت پڑھا اس زمانہ میں جبکہ ان میں اور حضرت امیر معاویہ میں لڑائی درپیش تھی تو لوگوں نے ان پر انکار کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے دشمن پر فتح ونصرت کی دعا کی ہے۔[1] نیز ابن عباسؓ ابن مسعودؓ ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ وہ نماز فجر میں قنوت نہ پڑھتے تھے۔ کتاب الآثار میں بھی ایسا ہی مروی ہے۔

شرح معانی الآثار میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا بدعت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت نہیں پڑھی مگر صرف ایک مہینہ۔ پھر آپ نے اس کا پڑھنا ترک کر دیا۔[2]

الغرض امام اعظمؒ کے نزدیک قنوت کا ہمیشگی سے پڑھنا منسوخ ہے اور یہ سند بہت سی حدیثوں سے لائے ہیں۔ باقی رہیں قنوت کی حدیثیں جن پر شافعیوں کا عمل ہے اور جس کی بناء پر وہ نماز فجر میں ہمیشہ قنوت کا پڑھنا سنت موکدہ بتلاتے ہیں، امام صاحب ان حدیثوں کو اس امر پر محمول کرتے ہیں کہ رعل اور ذکوان دو قبیلوں نے جو قاریوں کو شہید کیا تو آنحضرت ﷺ نے ایک مہینہ تک ان کے حق میں بددعا کی پھر یہ بددعا منع کی گئی اور چھوڑ دی۔[3]

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مصیبت کے وقت صرف نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے۔

ایک ضروری بحث :

جس شخص کی فجر کی سنتیں رہ گئی ہوں اس کی نسبت عینی شرح ہدایہ میں ہے کہ نہ قضا کی جاوے سنت فجر کی بعد طلوع آفتاب کے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ

[1] فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۰ [2] شرح معانی الآثار ص ۱۷۵ [3] شرح معانی الآثار ص ۱۷۴، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۹

کے نزدیک۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ان کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لے دوپہر تک۔ اگر نہ پڑھے تو کچھ گناہ نہیں۔ ان تینوں حضرات کے اقوال کا خلاصہ و مدعا یہ ہے کہ بعد طلوع آفتاب کے سنت کا پڑھنا ضروری اور لازمی نہیں ہے۔

یاد رہے کہ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک بعد نماز فرض صبح قبل طلوع آفتاب سنت فجر کا ادا کرنا مکروہ ہے۔ ان کے اس حکم کے موافق صحاح ستہ میں حدیث موجود ہے چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

قال قال رسول الله ﷺ لا صلوٰة بعد الصبح حتیٰ تطلع الشمس ولا صلوٰة بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس[1]

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نہ پڑھی جائے کوئی نماز نفل بعد نماز صبح کے تا طلوع آفتاب اور نہ بعد عصر کے تا بہ غروب آفتاب۔

اس حدیث کے مطابق حضرت امام اعظمؒ نے قبل طلوع آفتاب سنت نہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور حنفیوں کو اسی پر عمل رکھنا چاہیئے۔ اگر باوجود اس ممانعت کے کوئی شخص پڑھ لے تو اس کی سنتیں مکروہ ہوں گی۔

فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا بیان :

جن نمازوں کو کسی وجہ سے عمداً یا سہواً ترک کر دیا گیا ہو یا وقت کے اندر واجب ہو کر فوت ہو گئی ہوں یا نیند وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہوں، ان کی قضا واجب ہے۔ البتہ حسب ذیل نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے۔[2]

(۱) اگر حالت ارتداد میں مرتد کی نمازیں فوت ہو گئی ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو حالت ارتداد کی نمازیں واجب الادا نہیں۔

[1] بخاری ج ۱ ص ۸۲، مسلم ج ۱ ص ۲۷۵ [2] مراقی الفلاح ص ۲۲۳

(۲) اگر مجنون کی جنون کی وجہ سے نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کی قضا بھی لازم نہیں ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص اتنا بیمار ہو کہ اشارہ سے بھی نہ پڑھ سکے اور یہ بیماری کی حالت ایک دن ایک رات سے زائد باقی رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا بھی لازم نہیں۔

(۴) اگر کسی پر بیہوشی کی حالت ایک رات دن سے زائد طاری ہے تو فوت شدہ نمازیں معاف ہیں۔

(۵) ایام حیض ونفاس کی نمازیں معاف ہیں۔[1]

نوٹ: اوپر بیان ہوا ہے کہ بیماری کی حالت کی نمازیں معاف ہیں جن کی شرائط بھی اوپر بیان کردی گئی ہیں۔ اس کے متعلق اتنی بات یاد رکھنی چاہئیے کہ اگر بیمار مذکور کی بیماری کی حالت یا بے ہوش کی بے ہوشی ایک دن رات سے کم رہے تو پھر فوت شدہ نمازوں کی قضا ضروری ہے۔[2]

مذکورہ بالا پانچ نمازوں اور حالتوں کے علاوہ جتنی نمازیں خواہ کسی وجہ سے رہ گئی ہوں ان کی قضا کرنا واجب ہے۔[3]

مسائل واحکام:

اگر حیض ونفاس والی عورت کی ایک نماز قبل از حیض ونفاس چھوٹ گئی ہے اور پھر پاک ہونے پر اس نماز کو قضا نہیں کیا اور باوجود یاد ہونے کے وقتی نماز پڑھ لی تو جائز نہیں۔

جاننا چاہئیے کہ صاحب ترتیب کو درمیان قضا وقتی نماز واجب ہے، پس جس کی نماز قضا ہو جائے اور جب اس کو یاد آوے تو پہلے قضا ادا کرے اور پھر وقتی نماز پڑھے۔ مثلاً کسی شخص کی صبح کی نماز قضا ہو گئی اور ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو اس کو چاہئیے پہلے صبح کی فوت شدہ نماز پڑھے اس کے بعد ظہر کی۔ اگر باوجود یاد ہونے کے اس نے نماز فجر ادا نہ کی اور ظہر کی وقتی نماز پڑھ لی تو اس کی ظہر کی نماز نہ ہوگی۔

[1] عالمگیری ج ا ص ۳۷ [2] عالمگیری ج ا ص ۳۸ [3] عالمگیری ج ا ص ۳۷

کیونکہ اس نے دانستہ ترتیب کو ترک کر دیا۔ ہاں یہ ظہر کی نماز جو اس نے پڑھ لی ہوگی وہ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نفل ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایک لڑکا رات کو سوتے وقت نابالغ تھا جب صبح کو اٹھا تو احتلام کی علامتیں موجود تھیں۔ اس پر گزشتہ عشاء کی نماز کی قضا واجب ہے کیونکہ احتلام کے بعد نماز واجب ہو گئی۔ ہاں اگر لڑکی سوتے وقت نابالغ تھی اور صبح کو اٹھنے کے بعد حیض کے علامات نمودار ہوئے تو اس پر عشاء کی قضا نہیں ہے۔ کیونکہ حیض سے قبل تو نابالغ ہونے کی وجہ سے نماز واجب نہ تھی اور حیض کے بعد عذر حیض کی وجہ سے نماز معاف ہو گئی۔[1]

صاحب ترتیب کسے کہتے ہیں؟

صاحب ترتیب اس شخص کو کہتے ہیں جس کی کبھی چھ یا چھ نمازوں سے زائد متواتر قضا نہ ہوئی ہوں۔ یعنی چھ نمازوں تک ایک شخص صاحب ترتیب رہتا ہے اور اس کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ قضا وقتی نماز میں ترتیب کو ملحوظ رکھے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب درمیان نماز قضا و وقتی واجب نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔[2]

ترتیب ساقط ہونے کے وجوہ:

تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ترتیب کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی ترتیب کا حکم جاتا رہتا ہے۔ ان عذروں کے ہوتے ہوئے قضا نمازوں میں ترتیب رکھنا ضروری نہیں جس طرح بھی پڑھے گا فوت شدہ نمازیں ادا ہو جائیں گی۔ وہ تین عذر یہ ہیں:

(۱) تنگی وقت۔ مثلاً کسی کی ظہر کی نماز قضا ہو گئی اور عصر کا وقت اتنا تنگ ملا کہ اگر ظہر کی فوت شدہ نماز ادا کرے تو عصر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ اس تنگی وقت کی وجہ سے صاحب ترتیب نہیں رہا۔[3]

(۲) نسیان یعنی بھول جانا۔ مثلاً کسی کی مغرب کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اس

[1] عالمگیری ج ا ص ۱۳۲ [2] مراقی الفلاح ص ۲۲۳ [3] عالمگیری ج ا ص ۱۳۲

نے عشاء کے وقت بھول کر عشاء کی نماز پڑھ لی تو اس کی عشاء کی نماز ہو جائے گی کیونکہ نسیان کے عذر کی وجہ سے ترتیب کا حکم جاتا رہا۔[1]

(۳) چھ یا چھ نمازوں سے زائد قضا ہوگئی ہوں تو پھر ترتیب کا حکم ساقط ہو جاتا ہے ایسا شخص جس نماز کو چاہے پہلے ادا کرے اور جس کو چاہے بعد میں۔[2]

مسئلہ: وتروں کے اندر بھی صاحب ترتیب کے لئے ترتیب ضروری ہے اگر وتر قضا ہو گئے اور باوجود یاد ہونے کے وتر نہ پڑھے اور فجر کی نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی۔[3]

مسئلہ: اگر کسی کے ذمہ چھ نمازیں متفرق طور پر ہوں مثلاً چھ نمازیں فجر کی ہوں اور دیگر اوقات کی نمازیں پڑھ لی ہوں، یا یوں کہ چھ عصر کی ہوں یا دو فجر کی، دو عصر کی اور دو عشاء کی ملا کر چھ ہوں، ظہر و مغرب کی نہ ہوں تو صحیح قول کے مطابق وہ شخص صاحب ترتیب نہیں رہا۔ جس طرح چاہے ادا کرے۔ (درمختار)

مسئلہ: ایک شخص کی عشاء کی نماز قضا ہوگئی، فجر کو اس خیال سے کہ وقت میں گنجائش نہیں ہے فجر کی نماز پڑھ لی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی دو رکعت کے لائق وقت موجود ہے تو یہ شخص دوبارہ فجر کی نماز ادا کرے۔ پہلی نماز نفل ہو جائے گی۔ اگر سہ بارہ بھی دوگانہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی دو رکعت کے لائق وقت باقی ہے تو تیسری دفعہ بھی فجر کی نماز پڑھے۔ پہلی دونوں نمازیں نفل ہو جائیں گی۔ الغرض جتنی مرتبہ وقت میں گنجائش نکلتی رہے گی فجر کی نماز پڑھتا رہے گا۔ جو دوگانہ طلوع کے وقت ہوگا وہ فرض ہوگا باقی سب نفل۔

مسئلہ: کسی صاحب ترتیب کی فجر کی نماز قضا ہوگئی اور ظہر کے وقت اس نے نماز فجر کی قضا کو بھول کر ظہر کی نماز شروع کر دی۔ دوسری رکعت میں یاد آیا کہ میرے ذمہ فجر کی نماز باقی ہے تو اس کو چاہئے کہ تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ یہ دونوں رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ پھر فجر کی نماز ادا کر کے ظہر پڑھے۔ اسی طرح تیسری یا چوتھی رکعت پڑھتے وقت یاد آ جائے تو دونوں صورتوں میں چاروں رکعت پوری کرے۔ یہ چاروں نفل ہو جائیں گے۔ بعدہ فجر کی نماز ادا کر کے ظہر

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۲ [2] حلبی کبیر ج ۱ ص ۵۳۰ [3] حلبی کبیر ج ۱ ص ۵۳۱

پڑھے۔[1]

کثیر نمازوں کی قضا:

اگر کسی شخص کے ذمہ مدت کی سینکڑوں نمازیں واجب الادا ہوں اس نے سب نمازیں ادا کر لیں صرف ایک یا دو نمازیں رہ گئیں۔ اس کے علاوہ پھر نئی نمازوں میں ایک دو قضا ہو گئیں تو اس حالت میں باوجود یاد ہونے کے وقتی نماز پڑھنی جائز ہے کیونکہ جب تک گزشتہ فوت شدہ نمازوں میں سے ایک بھی اس کے باقی ذمہ رہے گی وہ صاحب ترتیب نہ ہوگا۔ اسی قول پر فتویٰ ہے۔[2]

ایک شخص نے سال دو سال یا دس سال تک نماز نہ پڑھی پھر شروع کرنے کے بعد اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اب اگر نماز قضا ہوگی تو اس کو گزشتہ فوت شدہ نمازوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور جب تک تمام قضا شدہ نمازیں ادا نہ کرے گا اس وقت تک وہ صاحب ترتیب نہ ہوگا۔[3]

مسئلہ: اگر کسی کی بہت سی نمازیں قضا ہو جائیں تو ان کی ادائیگی میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً کسی کی ایک مہینہ کی نمازیں قضا ہو گئیں پھر ان کو اس طرح ادا کیا کہ پہلے تیس نمازیں فجر کی پڑھ لیں پھر تیس نمازیں ظہر کی پھر تیس عصر کی اور پھر تیس تیس مغرب اور عشاء کی تو یہ سب نمازیں درست ہوں گی۔[4]

مسئلہ: ایک شخص کی ایک نماز قضا ہوگئی اور یہ یاد نہیں کہ کونسے وقت کی نماز تھی اور کسی نماز پر گمان غالب بھی نہیں ہوتا کہ فلاں نماز تھی تو ایسی حالت میں پورے ایک رات دن کی نمازوں کی قضا پھیرے۔ اسی طرح اگر تین وقت کی نمازوں میں تردد ہو تو تین شبانہ روز کی قضا نمازیں پھیرے۔ الغرض جتنے وقتوں کی نماز میں تردد ہو اتنے ہی رات دن کی نمازوں کی قضا پھیرنی چاہئے۔ ہاں اگر کسی نماز کے متعلق یقین یا گمان غالب ہو کہ فلاں نماز قضا ہوئی ہے تو صرف اسی ایک نماز کی قضا کرے۔[5]

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۲ [2-3-4] حلبی کبیر ج ۱ ص ۵۳۲-۵۳۳ [5] حلبی کبیر ج ۱ ص ۵۳۳

سفر اور قیام کی فوت شدہ نمازیں :

یاد رکھنا چاہیئے کہ جو نمازیں حالت سفر میں قضا ہوئی ہوں اور حالت قیام میں ان کو ادا کرے یا سفر ہی کی حالت میں ادا کرنا چاہے تو دونوں صورتوں میں قصر کے ساتھ ہی پڑھے اور جو نمازیں قیام کی حالت میں فوت ہوئی ہوں ان کو سفر و حضر ہر حالت میں پوری پوری ادا کرے، مثلاً سفر میں ظہر کی نماز فوت ہوگئی اور پھر قیام کی حالت میں اس کو ادا کرنا چاہے تو دو رکعت پڑھے، اگر ظہر قیام کی حالت میں قضا ہوئی ہو اور حالت سفر میں اس کی قضا دینا چاہے تو چار رکعت ہی پڑھے۔[1]

مسئلہ: ماں باپ یا کسی اور عزیز رشتہ دار کی طرف سے قضا نمازیں پڑھنی درست نہیں کیونکہ نماز عبادت بدنی ہے جو ہر شخص کے ذمہ علیحدہ علیحدہ فرض ہے یعنی عبادت بدنی میں ہر شخص اپنی ادا اور قضا کا ذمہ دار ہے۔ کسی کی طرف سے کوئی دوسرا شخص ادا نہیں کر سکتا بخلاف عبادت مالی کے کہ وہ ایک کے ادا کرنے سے دوسرے کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔[2]

فائدہ: قضا نمازوں کا علی الاعلان مسجد میں ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ نماز میں بلا عذر کے تاخیر کرنا گناہ ہے اور اس گناہ پر دوسروں کو مطلع کرنا دوسرا گناہ ہے۔ اس سے دوسرے کو شہ ملتی ہے اس لئے قضا نمازوں کو چھپ کر پڑھنا چاہیئے۔[3]

اسقاط کا بیان :

اوپر بیان ہوا ہے کہ کسی کی قضا نمازوں کو دوسرا نہیں ادا کر سکتا کیونکہ نماز عبادت بدنی ہے۔ البتہ قضا نمازوں کا کفارہ دوسرا شخص ضرور ادا کر سکتا ہے اسی کو اسقاط کہتے ہیں۔ پس اگر ایک شخص نے مرتے وقت اپنے ورثاء کو قضا نمازوں کا کفارہ دینے کی وصیت کی اور اس کا کچھ ترکہ بھی ہے تو اس کے تہائی مال سے یہ وصیت پوری کی جائے گی، اس طرح کے ہر فرض اور وتر نماز کے عوض نصف

[1-2-3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵

صاع گیہوں بطور کفارہ دیئے جائیں گے۔ گویا ہر فرض اور وتر کا کفارہ نصف صاع یعنی ایک سیر اور سات چھٹانک گندم ہے۔ اگر میت کا ترکہ موجود نہ ہو تو اس کے مالدار ورثاء کو چاہیئے کہ تبرعاً اس کی طرف سے مذکورہ کفارہ دیں۔ اور اگر وارثوں میں سے کوئی غنی نہ ہو تو یوں کرنا چاہیئے کہ نصف صاع گیہوں میں کسی مسکین کو دے دیئے جائیں اور وہ مسکین بطور صدقہ کے کسی فقیر وارث کو دیدے اور پھر یہ وارث کسی مسکین آدمی کو یہ گیہوں بطور کفارہ کے دیدے۔ اسی طرح دور رکھا جائے۔ یہاں تک کہ سب نمازوں کا کفارہ ہو جائے۔[1]

یاد رکھیئے یہ اسقاط کا جواز صرف امام محمدؒ کے قول کے موافق ہے ورنہ عام فقہا حنفیہ کے نزدیک اسقاط جائز نہیں۔ ہم نے محض معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے اس کے جواز کی صورتیں لکھ دی ہیں ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ عبادت بدنی مالی کفارہ سے ساقط نہیں ہو سکتی۔

شیخ فانی کا حکم :

شیخ فانی اس بوڑھے شخص کو کہتے ہیں جس کے اعضاء جوارح نے جواب دے دیا ہو اور مرنے کے قریب ہو۔ ایسے بوڑھے کے لئے حکم ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے نماز ادا کرے۔ کیونکہ شریعت نے اس عبادت میں اتنی آسانیاں کر دی ہیں کہ کوئی انسان کسی حالت میں بھی ضعف و پیری کا عذر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا شیخ فانی کے لئے حکم ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو نماز ادا کرے۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔ اس سے زیادہ اور کیا آسانی ہو سکتی ہے؟ الغرض شیخ فانی میں جب تک زبان ہلانے کی طاقت ہے اس وقت تک نماز معاف نہیں۔ بہر حال اس کو نماز ادا کرنی چاہیئے اسے کفارہ دینا جائز نہیں۔ البتہ روزوں کا کفارہ دے سکتا ہے جیسا کہ کتاب الصوم میں تصریح ہے۔[2]

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵، ردالمحتار ج ۱ ص ۵۴۴ [2] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵

تتمہ :

ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک ترتیب درمیان قضا اور وقتی نماز کے واجب ہے اور اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ جنگ خندق میں رسول اللہ ﷺ کی بوجہ مشغولیت چار نمازیں فوت ہوگئیں تھیں۔ پھر آپ نے ترتیب وار ان کی قضا نکال کر فرمایا صلو ا کما رأیتمو نی اصلی یعنی تم بھی اسی طرح ترتیب کے ساتھ نمازیں پڑھا کرو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ظاہر ہے کہ یہ امر ترتیب کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

مسافر کی نماز کا بیان

شریعت میں مسافر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل کر تین روز کی مسافت پر کہیں جائے۔ یہ تین روز کی مسافت درمیانی رفتار سے ہونی چاہیئے۔ خواہ وہ پیادہ چلے یا اونٹ پر اور یہ بھی ضروری نہیں کہ رات دن چلتا ہی رہا ہے۔ بلکہ صبح سے دو پہر تک چلنے سے جو مسافت قطع ہو وہ ایک روز کی مسافت خیال کی جائے گی۔ کوس اور میل کا بھی امتیاز نہیں ہے۔ اگر ایک مقام کے دو رستے ہوں ایک تین دن کا اور ایک دو دن کا تو جس راستہ سے جائے گا اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ یعنی اگر تین دن کے راستہ سے جائے گا تو مسافر کے احکام جاری ہوں گے اور اگر دو دن کے راستہ سے جائے گا تو مسافر کے حکم میں نہ ہوگا بلکہ مقیم سمجھا جائے گا۔[1]

مسافر کے احکام

مسافر کی تعریف تو تمہیں معلوم ہوگئی ہے۔ اب مسافر کے احکام سنئے: شریعت نے مسافر کے لئے پانچ سہولتیں رکھی ہیں:

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۸

(۱) چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر۔ یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھے دو معاف ہیں۔ (۲) جمعہ اور عیدین کی نمازیں اس پر واجب نہیں ہیں۔ (۳) رمضان کے فرضی روزے اگر رمضان میں ترک کر دے تو جائز ہے۔ (۴) موزوں پر تین دن رات تک مسح کر سکتا ہے۔ (۵) قربانی اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔[1] یہ ہیں وہ پانچ سہولتیں جو شریعت نے مسافر کے لئے رکھی ہیں۔ نماز قصر کے متعلق اللہ تعالٰی حکم دیتا ہے:

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکفرین کانو الکم عدواً مبیناً[2]

یعنی اے مسلمانو! جب تم جہاد کے لئے کہیں جاؤ اور تم کو خوف ہو کہ کافر تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے لگیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ گھٹا دیا کرو بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

اس سے آگے اللہ تعالٰی نے نماز سفر و نماز خوف کے احکام اور کیفیت بیان کی ہے۔ ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خوف و سفر کی حالت میں چار رکعت والی فرض نماز کو قصر کرنا چاہیئے۔ خدا تعالٰی کا فضل و کرم ہے کہ یہاں ہندوستان میں ہمیں خوف کا معاملہ درپیش نہیں۔ البتہ سفر کی حالت باقی ہے اور سفر علی العموم ہر شخص کو پیش آتے رہتے ہیں لہٰذا ہمیں پہلے اس سوال پر غور کرنا چاہیئے کہ حالت امن میں سفر ہو تو نماز قصر کرنی چاہیئے یا نہیں؟ کیونکہ مذکورہ بالا آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کے لئے سفر ہو اس میں نماز قصر کرنی چاہیئے۔

حالت سفر میں صلوٰۃ واجب ہے :

اس سوال کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ حالت سفر میں ہمیشہ نماز قصر کرنی چاہیئے۔ اگرچہ وہ حالت امن میں ہو۔ چنانچہ نسائی میں یعلی بن امیہ سے

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۸ [2] النساء : ۱۰۱

روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے پوچھا کہ آیت اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح الخ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف حالت خوف میں قصر کیا جائیگا؟ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا اے یعلی! جس طرح تجھ کو اس آیت کے مفہوم سے تعجب ہوا مجھے بھی ہوا تھا میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تو فرمایا خدا کا تم پر صدقہ ہے تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔[1]

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں قصر صلوٰۃ واجب ہے اور اس کا تارک گناہ گار کیونکہ اصول ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کو چاہتا ہے اور تارک وجوب گنہگار ہوتا ہے الغرض قصر صلوٰۃ کا وجوب کتاب وسنت سے ثابت ہے۔[2]

تفسیر نسفی میں ہے کہ قصر صلوٰۃ کے جواز کے لئے خوف شرط ہے چنانچہ خوارج کا اسی پر عمل ہے لیکن جمہور کے نزدیک خوف شرط نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

قسطلانی نے تفسیر ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ فرمایا ابن عباسؓ نے کہ وہ پہلی نماز جس میں رسول خدا ﷺ نے قصر کیا وہ عصر تھی اور یہ واقعہ عسفان میں غزوۂ اتحاد میں پیش آیا۔[3] درمختار کی تصریح کے مطابق قصر صلوٰۃ کا حکم ۴ھ میں نازل ہوا۔

سفر کی نیت اور احکام سفر کی ابتداء وانتہا:

نیت سفر کی صحت کی تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ سفر کرنے والا نیت کرنے میں مستقل ہو کسی دوسرے کا تابع نہ ہو۔ یعنی سفر کرنے اور اقامت کرنے میں کسی دوسرے کا تابع نہ ہو۔ پس عورت اور غلام کی نیت معتبر نہیں، کیونکہ سفر اقامت کی نیت میں عورت اپنے خاوند اور غلام اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے عورت اور غلام سفر و اقامت کی نیت کرنے میں مستقل نہیں ہوتے کیونکہ مفرد اقامت کی نیت کرنے میں مستقل نہیں ہوتے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مسافر بالغ ہو۔ پس لڑکے نابالغ کی نیت صحیح نہیں۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ مدت سفر تین دن سے کم نہ

۱ سنن نسائی ج ۱ص ۲۱۱ ۲ عالمگیری ج ۱ص ۱۳۹، سنن ابوداؤد ج ۱ص ۱۷۰ ۳ طحاوی ص ۲۲۹

ہو۔ جس وقت مسافر اپنی آبادی کی عمارتوں سے نکل جائے۔ یعنی آبادی کے مکانات نظر سے اوجھل ہو جائیں اس وقت سے اس پر سفر کے احکام جاری ہو جاتے اور وہ مسافر ہو جاتا ہے۔[1] اور جب تک وطن کی آبادی میں داخل نہ ہو اس وقت تک مسافر ہی رہتا ہے۔

اقامت کی شرطیں:

حکم اقامت کی پانچ شرطیں ہیں:

(۱) اتحاد مکان یعنی ایک ہی جگہ اقامت کرنے کی نیت کرے۔ اگر دو جگہ اقامت کرنے کی نیت کرے گا تو مقیم نہ ہوگا۔ مثلاً ایک شخص لاہور سے دہلی آتا ہے اور وہ نیت یہ کرتا ہے کہ میں دہلی میں بھی رہوں گا اور غازی آباد میں بھی تو وہ مقیم نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ ان دونوں جگہ میں سے کسی ایک جگہ کو رات کے لئے متعین کرلے تو پھر مقیم ہو جائے گا۔ کیونکہ اقامت انسان کا اطلاق رات کے رہنے کی جگہ پر ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ ایک ہی جگہ اقامت کی نیت کرنا شرط ہے۔[2] (۲) جس جگہ اقامت کی نیت ہو وہ جگہ ٹھہرنے کے قابل بھی ہو۔ جنگل یا دریا یا جزیرہ وغیرہ نہ ہو۔ اگر جنگل یا جزیرہ میں اقامت کی نیت کی تو وہ صحیح نہ ہوگی۔ (۳) مسافر چلنا موقوف کردے۔ یعنی اپنے سفر کو قطع کردے۔ اگر حالت سفر میں اقامت کی نیت کی تو صحیح نہ ہوگی۔ (۴) پندرہ دن یا اس سے زائد اقامت کرنے کی نیت ہو (۵) پانچویں شرط وہی ہے جو سفر کی نیت کے بیان میں لکھی گئی یعنی مسافر اپنی رائے میں مستقل ہو، دوسرے کا تابع نہ ہو اور اقامت کی نیت خود اس کی رائے پر موقوف ہو۔

اگر مذکورہ بالا پانچوں شرطیں پائی جائیں گی تو مسافر مقیم ہو جائے گا۔ احکام سفر اٹھ جائیں گے اور اگر یہ پانچویں شرطیں نہ پائی جائیں گی تو مسافر پر احکام سفر برابر جاری رہیں گے۔ مثلاً ایک شخص نے اقامت کی نیت تو کی مگر برابر چلتا

۱ ۲ عالمگیری ج ۱ص ۱۳۹

رہا۔ یا پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی یا بیابان وکوہستان وغیرہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا جہاں بالعموم لوگوں کا قیام نہیں ہوتا، یا دس روز ایک جگہ اور دس روز دوسری جگہ ٹھہرنے کا ارادہ کیا، ایک جگہ جم کر اقامت کی نیت نہ کی یا نوکر نے اپنے آقا کے تابع ہو کر اور عورت نے اپنے شوہر کے تابع ہو کر مجبوراً اقامت کی نیت کی تو ان سب صورتوں میں اقامت کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ وہ بدستور مسافر رہے گا۔[۱]

مسئلہ: قصر کا حکم جاری ہونے کے لئے سفر کی نیت شرط ہے۔ خواہ وہ سفر کسی جائز ضرورت کے لئے ہو خواہ کسی ناجائز و معصیت کے کام کے لئے مثلاً جو شخص چوری اور رہزنی کی نیت سے نکلے اس کو نماز میں قصر کرنی چاہئے۔[۲]

مسئلہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ جو شخص اقامت و سفر کی نیت میں غیر کا تابع ہے وہ اسی غیر کی نیت کا مکلف ہے یعنی جس کا تابع ہے وہ اگر اقامت کی نیت کرے گا تو مقیم ہوگا اور اگر سفر کی نیت کرے گا تو مسافر۔ مثلاً عورت اقامت و سفر کی نیت میں اپنے شوہر کے تابع ہے۔[۳]

وطن اصلی اور وطن اقامت:

وطن اصلی وہ ہے جہاں انسان اپنے اہل وعیال اور دیگر متعلقین کے ساتھ بود و باش رکھتا ہے یا جہاں پیدا ہوا ہو اور جہاں زندگی بسر کرتا ہے اور وطن اقامت وہ ہے جہاں پندرہ دن یا زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرلے۔ اگر انسان اپنے وطن اصلی سے بالکل قطع تعلق کر کے کسی دوسری جگہ جہاں جا کر اقامت اختیار کرلے یعنی اہل وعیال کو بھی اپنے ہمراہ لے جائے تو وہی دوسری جگہ وطن اصلی بن جائے گی اور پہلی جائے رہائش سے وطن اصلی کا حکم جاتا رہے گا۔ وطن اصلی کو تبدیل کرنے کی ایک یہ صورت بھی ہے پھر سابقہ جگہ لوٹ کر آنے کی نیت بھی نہ ہو۔ نہ وطن اصلی میں کوئی ایسا سلسلہ باقی ہو جس سے بود و باش ظاہر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک جگہ کو چھوڑ کر مع اہل وعیال کسی دوسری جگہ پر رہائش اختیار کرلی جائے اور

[۱-۲] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۱

پہلی جگہ بود و باش کا کوئی تعلق بھی باقی نہ رہے تو پھر یہ وطن ثانی ہی اصلی بن جاتا ہے اور وطن اول سفر کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر پہلے وطن سے کچھ بھی تعلق باقی ہو مثلاً وہاں زمین ہو یا مکان ہو یا کچھ اور سلسلہ باقی ہو تو پھر یہی اصلی وطن رہے گا۔ اس میں اگر دو روز کے لئے بھی آئے گا تو مقیم سمجھا جائے گا اور وطن ثانی کو دار الاقامۃ کہا جائے گا۔[۱]

مسائل واحکام:

مسافر کو صرف چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنی چاہئے۔ تین رکعت یا دو رکعت والی فرض نماز میں قصر نہیں ان کو پوری پڑھے۔ یعنی مغرب اور فجر کے فرض نماز میں قصر نہیں۔ صرف تین نمازوں یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نمازوں میں قصر کرنے کا حکم ہے۔ قصر کہتے ہیں کم کرنے کو۔ یعنی چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت کم کر کے صرف دو رکعت پڑھے۔ اگر چار رکعت والی نماز میں بھی قصر نہ کرے اور بھول کر پوری چار رکعت پڑھ لے تو آخر میں سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔ سجدہ سہو کر لینے سے دو فرض ہو جائیں گے اور دو نفل۔

مسئلہ: اگر کوئی گھر میں ہی سفر کی نیت کرے تو جب تک وہ اپنے شہر سے باہر نہ ہوگا مسافر نہ ہوگا۔[۲]

مسئلہ: قصر صرف چار رکعت والی فرض نماز ہے چار رکعت والی سنتوں میں نہیں سنت کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مسافر سرے سے سنتیں ہی نہ پڑھے صرف فرض اور واجب نمازوں پر اکتفا کرے اور بعض کہتے ہیں سنتیں بھی ادا کرے۔[۳]

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی شہر میں اس نیت سے آئے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے شہر میں واپس آ جاؤں گا تو وہاں اگر دو سال بھی رہے گا تو مقیم نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی غرض پندرہ روز سے کم میں پوری نہ ہو اور اس وقت اقامت کی نیت کرنے سے مقیم ہو جائے گا۔[۴]

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۲ [۲-۳-۴] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹

مسئلہ: مسافر اس وقت تک مسافر رہتا ہے جب تک وہ اپنے شہر میں نہ آئے جب مسافر اپنے شہر میں آگیا تو مقیم ہوگیا خواہ اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے۔ یعنی وطن اصلی میں اقامت کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے[1]

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی شہر میں دو سال تک رہے لیکن اقامت کی نیت نہ کرے اور اس کے دل میں بھی ارادہ رہے کہ میں آج کل میں سفر کروں گا۔ ایسا متردد مسافر دو سال تک بھی مقیم نہ ہوگا جب تک وہ اقامت کی نیت نہ کرلے (کنز) ایسے مسافر کو نمازوں میں قصر کرنی چاہیئے خواہ کتنے ہی عرصہ تک رہے۔

قصر میں اقتداء اور امامت کا حکم :

مقیم آدمی مسافر امام کی قتداء وقتی سب نمازوں میں کرسکتا ہے البتہ مسافر آدمی مقیم امام کی اقتدا صرف وقتی نماز میں کرسکتا ہے غیر وقتی نماز میں نہیں کرسکتا۔ نیز مسافر آدمی مقیم امام کی اقتداء ظہر، عصر اور عشاء کی قضا نماز میں نہیں کرسکتا۔ ہاں مغرب اور فجر کی قضا نمازوں میں کرسکتا ہے۔[2]

اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام اپنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور مقتدی سلام نہ پھیرے۔ بلکہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہو اور اپنی دو رکعت بعد میں پوری کرے اور یہ دو رکعتیں جو امام کے سلام کے بعد پڑھے گا ان میں قرأت نہ پڑھے بلکہ قرات میں خاموش کھڑا رہے کیونکہ وہ ان میں بھی امام کا تابع ہے۔[3]

اگر مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے چوتھی رکعت میں آکر شریک ہوا تو بقیہ تین رکعتیں اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں جو کہ واقع میں اس کی دوسری رکعت ہے قرات نہ پڑھے مقدار قرات خاموش کھڑا رہے پھر رکوع وسجود کرکے قعدہ کرے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں جو درحقیقت اس کی تیسری رکعت ہے اس میں بھی کچھ نہ پڑھے اور رکوع وسجود کرکے بغیر قعدہ کھڑا ہوجائے اس کے بعد تیسری رکعت میں جو دراصل اس کی چوتھی رکعت ہے سبحانک اللھم، الحمد اور

---

[1] عالمگیری ج اص ۱۳۲،۱۳۰ [2] شرح التنویر ج اص ۱۰۸ [3] عالمگیری ج اص ۱۳۳، فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۴ ص ۴۸۵

سورت پڑھ کر رکوع وسجود کرکے قعدہ میں بیٹھ کر سلام پھیر دے۔

اگر مقیم مقتدی مسافر امام کی اقتداء قعدہ اخیر میں کرے تو پہلی دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھے اور پچھلی دو رکعتیں پر پڑھے۔

ہدایت :

مسافر امام کے لئے مستحب ہے کہ امامت کرانے سے پہلے ہی کہہ دے کہ میں مسافر ہوں دو رکعتیں پڑھوں گا تم اپنی دو رکعتیں میرے سلام کے بعد پوری کرلینا۔ اس طرح سلام پھیرنے کے بعد بھی کہہ دے کہ تم اپنی نماز پوری کرلو۔[1]

جو لوگ رات دن بوجہ ملازمت دورہ پر رہتے ہیں جیسے گارڈ، ڈرائیور اور سارنر وغیرہ وہ حالت سفر میں مسافر نہیں کہلاسکتے ان کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

چلتی ریل اور کشتی وغیرہ پر نماز کا طریقہ :

اگر مسافر کو چلتی ہوئی ریل یا چلتی ہوئی کشتی یا چلتے ہوئے جہاز پر رکوع وسجود کرنے کی قدرت ملے تو اس کو اشارہ سے نماز پڑھنا ناجائز ہے رکوع وسجود کرنا چاہیئے اسی طرح اگر قیام پر قدرت ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ ہاں گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی وغیرہ سواری پر اشارہ ہی سے نماز پڑھ لینی جائز ہے رکوع وسجود کرنا ناجائز ہے۔

اگر کشتی کنارہ پر بندھی ہوئی ہے یا زمین پر ٹھہری ہوئی ہو اور یا ریل رکی ہوئی ہے تو رکوع وسجود کرنا چاہیئے اور قیام بھی کرنا چاہیئے بہتر یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کشتی اور ریل سے باہر اتر کر نماز پڑھے تاکہ رکوع وسجود اور قیام وغیرہ ارکان اچھی طرح ادا ہوسکیں اگر باہر اتر کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو مثلاً ریل اتنی نہیں ٹھہرتی کہ نماز پڑھ سکے تو پھر بوجہ مجبوری ریل میں ہی پڑھ لے۔[2]

مسئلہ: ایک مسافر اور مقیم کی عصر کی نماز قضا ہوگئی اور دونوں چاہتے ہیں کہ اس قضا شدہ نماز کو جماعت سے ادا کریں تو چاہیئے کہ مسافر امامت کرے اور مقیم اقتدا کرے اگر مقیم امامت کرے اور مسافر اقتداء کرے تو مسافر کی نماز ادا نہ ہوگی

---

[1] عالمگیری ج اص ۱۳۲ [2] عالمگیری ج اص ۱۴۳

البتہ اگر دو آدمی یعنی مقیم اور مسافر وقتی نماز جماعت سے پڑھیں تو دونوں کی امامت صحیح ہوگی۔ خواہ مقیم امامت کرے یا مسافر۔

بیمار کی نماز کا بیان

جہاں اسلام نے حالت سفر میں نمازی کے لئے بقدر ضرورت آسانیاں رکھی ہیں جس کا تفصیل کے ساتھ بیان ہوا۔ وہاں حالت مرض میں بھی آسانیاں پیدا کر دی ہیں تاکہ نماز نہ پڑھنے کا کوئی تساہل آمیز نامعقول عذر باقی نہ رہے۔ شریعت نے مریض کے لئے جو آسانیاں رکھی ہیں وہ تین ہیں:

(۱) اگر کوئی ایسا مریض ہے کہ جو فرض قیام مقدار بھی نہیں کھڑا ہو سکتا اور کھڑا ہونے سے واقعی ضرر پہنچتا ہے یعنی مرض بڑھ جاتا ہے یا مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہے یا مرض کے دیر میں اچھا ہونے کا اندیشہ ہے تو ان سب صورتوں میں وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ اس صورت میں اجازت ہے کہ مریض بالکل سیدھا کھڑا نہ ہو سکے اور اگر مریض بالکل سیدھا نہ کھڑا ہو سکتا ہو یا زیادہ دیر تک نہ کھڑا رہ سکتا ہو تو جتنا بھی کھڑا ہو سکے اور جتنی دیر کھڑا رہ سکے اتنی ہی دیر قیام کرنا واجب ہے مثلاً ایک مریض تکبیر تحریمہ یا ایک آیت کی مقدار کھڑا ہو سکتا ہے زیادہ کھڑا ہونے کی طاقت نہیں تو اس کو اتنا ہی کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اگر لاٹھی کے سہارے سے یا دیوار کی ٹیک لگا کر یا اور کسی آدمی پر بوجھ ڈال کر کھڑا ہو سکتا ہے تو اسی طرح کھڑا ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک اور جتنا ممکن ہو کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ جب کوئی امکانی صورت ہی نہ ہو تو پھر بدرجہ اتم مجبوری قیام ترک کر کے بیٹھ کر نماز پڑھے۔[۱]

(۲) اگر کوئی شخص کھڑا تو ہو سکتا ہے مگر رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو تو افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجود کے لئے اشارہ کر لے کیونکہ قیام کی صورت میں رکوع و سجود کے لئے اشارہ کرنا نسبتاً دشوار ہے اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا اور

---

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۶

رکوع و سجود کے لئے اشارہ کرنا جائز اور افضل ہے۔[۱]

(۳) اگر کوئی شخص قیام اور رکوع و سجود پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر سر کے اشارہ سے نماز پڑھے رکوع میں ذرا کم اور سجدہ میں زیادہ جھکے۔ اگر سیدھا بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو دیوار یا آدمی کے سہارے سے بیٹھ کر نماز پڑھے۔ الغرض جہاں تک ممکن ہو بیٹھ کر پڑھے قعود پر قادر ہوتے ہوئے لیٹ کر نہ پڑھے۔[۲]

اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کوئی امکانی صورت نہ ہو تو پھر لیٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ بیمار کے لئے شریعت نے یہ چار سہولتیں رکھ کر بیماری کے تمام حیلے بہانوں کا قلع قمع کر دیا ہے اور اس حالت میں بھی اس فرض اتم کو اٹل بنا دیا ہے۔[۳]

لیٹ کر نماز پڑھنے کی ترکیب:

یہ ہے کہ چت لیٹ کر قبلہ طرف پاؤں کر لے مگر پاؤں موڑے رکھے پھیلائے نہیں، کیونکہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے۔ مذکورہ قاعدہ کے مطابق چت لیٹ کر سر کے نیچے کوئی اونچا سا تکیہ رکھ لے۔ تاکہ رکوع و سجود اور قعدہ سے کسی قدر شباہت پیدا ہو جائے، پھر سر کے اشارہ سے رکوع و سجود کرے۔ اگر اس طرح چت لیٹ کر نہ پڑھ سکے تو دائیں کروٹ لیٹ کر پڑھے۔ اگر دائیں کروٹ سے بھی نہ پڑھ سکے تو بائیں کروٹ پر پڑھ لے مگر بہر صورت منہ قبلہ کی طرف رہے۔ اگر منہ قبلہ کی طرف نہ رہ سکے اور اس طرف منہ پھیرنے والا بھی کوئی نہ ہو تو پھر مجبوری ہے۔ جدھر کو منہ ہوا اسی طرف پڑھ لے۔[۴]

نماز کب ساقط ہوتی ہے؟

جتنی صورتیں لکھی گئی ہیں ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان بیٹھ کر، لیٹ کر اور سر کے اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے فرض معاف نہیں ہو سکتا۔ اگر پڑھ نہیں تو جب تک جان ہے اس وقت تک زبان تو ہلا سکتا ہے اس حالت میں بھی نماز معاف نہیں ہو سکتی۔ البتہ جب انسان سر کے اشارہ سے بھی نماز نہ پڑھ

[۱،۲] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۶ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۶ [۴] خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۹، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۷

سکے تو پھر نماز ساقط ہو جاتی ہے۔

اب اگر مریض کی ایسی شدت مرض ایک رات دن سے کم رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے اور اگر اسی حالت میں ایک دن رات سے زیادہ مدت گزر جائے تو پھر فوت شدہ نمازیں بھی معاف ہیں۔[1]

بے ہوش اور مجنون آدمی کا بھی یہی حکم ہے یعنی اگر بیہوشی یا جنون کی حالت ایک دن رات طاری رہی تو فوت شدہ نمازوں کی قضا دینا واجب ہے۔ اگر اس سے زیادہ مدت گزر جائے تو قضا بھی معاف ہے لیکن یہ اس صورت میں حکم ہے کہ بیہوشی بیماری یا کسی قدرتی سبب کی وجہ سے ہو۔ اگر نشہ کی وجہ سے سرمستی و مدہوشی ہو تو خواہ کتنی ہی مدت تک رہے نمازوں کی قضا واجب ہوگی۔[2]

مسئلہ: اگر بیہوش مریض کو تھوڑی دیر کے لئے کبھی کبھی افاقہ بھی ہو جاتا ہے تو اس افاقہ کی دو صورتیں ہوں گی یا تو افاقہ کا کوئی وقت مقرر ہوگا یا اس کا کوئی خاص وقت مقرر نہ ہوگا۔ اول صورت میں فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے مثلاً ایک مریض ایسا ہے کہ اس کو صبح کے وقت افاقہ ہو جاتا ہے تو ایسے مریض پر قضا واجب ہے اور دوسری صورت میں قضا معاف ہے مثلاً کبھی صبح کو افاقہ ہو جاتا ہے اور کبھی شام کو تو ایسے مریض پر قضا واجب نہیں ہے۔[3]

مسئلہ: اگر مریض قرات، تسبیح اور تشہید پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو بدرجہ مجبوری ان کو ترک کر دے۔[4]

مسئلہ: اگر مریض خود رکعتوں اور سجدوں کو شمار نہ کر سکتا ہو تو کسی دوسرے شخص کو پاس بٹھالے اور مریض کو وہ شخص یاد دلائے۔[5]

بیمار یا حاملہ عورت اگر کسی اونچی چیز کو سجدہ کے لئے زمین پر سامنے رکھ لے تو جائز ہے اور اگر وہ چیز کسی آدمی کے ہاتھ پر رکھی ہو تو جائز نہیں۔ اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

اگر کسی کی پیشانی پر زخم ہو اور پیشانی پر سجدہ نہ کر سکتا ہو تو صرف ناک پر سجدہ کرے۔ اس صورت میں اشارہ سے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر سجدہ کے لئے

[1] عالمگیری ج ا ص ۱۳۷ [2]-[3]-[4] فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۳۷ [5] عالمگیری ج ا ص ۱۳۸

نہ جھک سکتا ہو تو پھر اشارہ سے سجدہ کر لے۔[1]

کسی جانور کی سواری پر فرض اور واجب نماز کا حکم:

اگر کوئی شخص کسی جانور کی سواری پر ہو تو اس پر فرض اور واجب نمازیں مثلاً عیدین، نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز نہیں۔ یعنی سواری پر فرض اور واجب نمازیں نہیں پڑھی جا سکتیں۔ مگر ضرورۃً مثلاً سواری سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے میں کسی چور ڈاکو کا ڈر ہے کہ میرے نفس کو یا جانور کو یا کپڑے کو نقصان پہنچے گا یا کسی درندے کا خوف ہے، یا زمین پر کیچڑ ہے یا جانور سرکش ہے کہ پھر اس کا قابو میں آنا مشکل ہے اور یا اس کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہے تو ان سب صورتوں اور ضرورتوں میں فرض و واجب نمازوں کا سواری پر پڑھنا جائز ہوگا۔

سجدہ تلاوت سواری پر وہ جائز نہیں جو زمین پر واجب ہوا تھا۔ اگر سواری پر تلاوت کرتے ہوئے واجب ہوا تو وہ جائز ہے۔[2]

یہی حکم محمل میں نماز پڑھنے کا ہے یعنی اس میں فرض و واجب نمازیں جائز نہیں خواہ جانور چل رہا ہو یا کھڑا ہو۔ ہاں اگر محمل میں نیچے مٹی بچھی ہوئی ہو اور اسی پر سجدہ کرے تو محمل میں کھڑے ہو کر نماز جائز ہے۔ اس وقت وہ زمین کے حکم میں ہے۔[3]

کشتی میں نماز کا حکم:

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک جو کشتی جاری ہو اس میں بھی بلا عذر بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز صحیح ہے (۲) اور صاحبین کے نزدیک بیٹھ کر صحیح ہے مگر عذر کی حالت میں جیسے دوران سفر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے بلا عذر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا اس امر پر تینوں حضرات کا اتفاق ہے کشتی میں اشارہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا، جو کشتی پانی کے اندر ٹھہری ہوئی ہو اور ہوا کی شدت سے ہلتی ہو تو وہ مذکورہ بالا احکام کے اعتبار سے جاری کشتی کے حکم میں ہے اور اگر ہوا سے ہلتی نہ ہو تو وہ ٹھہری ہوئی کشتی کے حکم میں ہے اور اگر کنارہ پر بندھی ہوئی ہو تو اس میں

[1] عالمگیری ج ا ص ۱۳۶ [2]-[3] عالمگیری ج ا ص ۱۴۳ ۔ کجاوہ

بالاجماع بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہیئے بشرطیکہ سجدہ ایسی جگہ پر کیا جائے کہ پیشانی زمین پر قرار پکڑ لے۔ اگر سجدہ میں پیشانی زمین پر قرار نہ پکڑے تو نماز صحیح نہ ہوگی ہاں اگر کشتی سے باہر نکل کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر صحیح ہوگی۔[1]

اگر کوئی شخص کشتی میں تکبیر افتتاح کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز شروع کرے اور کشتی کا رخ قبلہ سے بدل جائے تو وہ بھی دوسری طرف پھر جائے اور قبلہ کی طرف متوجہ رہے۔[2]

سجدہ سہو کا بیان

سہو ونسیان سے کوئی بشر خالی نہیں چنانچہ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے لہٰذا انسان سے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی غلطی لامحالہ ہو ہی جاتی ہے اس لئے فقہ کی کتابوں میں بسلسلہ بیان نماز سہو کا بھی ایک باب مقرر کیا گیا ہے اور اس کے متعلق تفصیلی احکام بیان کئے گئے ہیں۔[3]

سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے؟

سجدہ سہو دو صورتوں میں واجب ہوتا ہے اول یہ کہ واجبات نماز میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے مثلاً اگر کوئی شخص وتر میں دعائے قنوت پڑھنا یا قعدہ اولیٰ میں التحیات پڑھنا بھول گیا یا عیدین کی تکبیریں بھول گیا تو اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہے دوسری یہ کہ کسی فرض میں تاخیر ہو جائے۔[4]

ذخیرہ میں ہے کہ سجدہ سہو چھ باتوں سے واجب ہوتا ہے۔ اول کسی رکن کو مقدم کر دینے سے مثلاً قرات سے پہلے رکوع کر لینا یا رکوع سے قبل سجدہ کرنا۔ دوئم کسی رکن میں تاخر کرنا مثلاً کوئی سجدہ ترک کر دیا یا دوسری رکعت میں یاد آیا اور وہ سجدہ ادا کر لیا تیسرے قیام میں تاخیر کرنا مثلاً رکعت اولیٰ کے سجدہ کرنے کے بعد بیٹھ گیا بعد میں یاد آیا اور کھڑا ہو گیا تو چونکہ قیام میں تاخیر ہو گئی اس لئے سجدہ

۱-[1] فتاوٰی عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۳ [3] حلبی کبیر ج ۱ ص ۴۵۵ [4] حلبی کبیر ج ۱ ص ۴۵۷

سہو کرنا چاہیئے۔ چوتھے کسی رکن کو دوبارہ ادا کرنا مثلاً دو رکوع کر لینا یا تین سجدہ کرنا پانچواں کسی واجب میں تغیر کر دینا مثلاً جہری نمازوں میں آہستہ قرات پڑھنا یا سری نمازوں میں بلند آواز سے قرات کرنا اور چھٹے کسی واجب کو ترک کر دینا مثلاً قعدہ اولیٰ ترک کر دینا۔

علاوہ ازیں سجدہ سہو کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جبکہ نماز میں شک پڑ جائے کہ کوئی رکعت کم پڑھی ہے یا زیادہ مختصر طور پر اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ فرض میں تاخیر ہو جانے یا کسی واجب کو ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

سجدہ سہو کا طریقہ :

سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کا جواز بھی احادیث سے ثابت ہے اور سلام سے قبل بھی ثابت ہے۔ اسی بناء پر ائمہ میں سجدہ سہو کے محل کی بابت اختلاف ہے یعنی اس بارے میں سجدہ سہو سلام سے قبل کرنا چاہیئے یا بعد میں۔ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا محل سلام پھیرنے کے بعد ہے۔ امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے قبل ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت ہے کہ اگر نماز میں سہواً کوئی زیادتی ہوئی ہے تو سجدہ سہو بعد میں کرنا چاہیئے اور اگر سہواً کچھ نقصان یا کمی ہوئی ہے تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا چاہیئے۔[1]

سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ التحیات پڑھنے کے بعد صرف داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے۔ ان کے بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔ اگر کسی نے سلام پھیرے بغیر سہو کے سجدے کر لئے تو بھی جائز ہے مگر بعض فقہا نے لکھا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ لہٰذا سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدے کرنے چاہئیں۔[2]

نماز کے واجبات اگرچہ پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں لیکن آسانی اور حفظ کے لئے دوبارہ لکھے جاتے ہیں کیوں کہ سجدہ سہو کا دار و مدار بہت حد تک انہی پر ہے۔

تکبیر تحریمہ میں لفظ اللہ اکبر کہنا الحمد شریف پڑھنا پھر کوئی دوسری صورت

---

[1] حلبی کبیر ج ۱ ص ۴۵۵ [2] درمختار ج ۱ ص ۵۳۶، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۳

ملانا فرض کی پہلی دو رکعتوں میں وتر و نفل کی ہر رکعت میں واجب ہے۔ الحمد کا سورت سے پہلے پڑھنا اور ہر رکعت میں سورت سے پہلے ایک مرتبہ الحمد پڑھنا، الحمد اور سورت کے درمیان کسی چیز کا فاصل نہ ہونا، قرات کے بعد متصلا رکوع کرنا ایک سجدہ کے بعد دوسرا سجدہ کرنا تعدیل ارکان یعنی رکوع وسجود میں قومہ وجلسہ میں کم سے کم اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک مرتبہ سبحان اللہ کہتے ہیں، قومہ کرنا یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا، جلسہ کرنا یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا، قعدہ اولی کرنا اور اس میں تشہد پر کچھ اضافہ نہ کرنا، دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا، وتر میں دعائے قنوت پڑھنا، دعائے قنوت پڑھ کر تکبیر کہنا، عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں چھ تکبیریں کہنا ہر جہری نماز میں امام کو جہر سے قرات کرنا اور غیر جہری نماز میں آہستہ قرات کرنا، ہر نماز میں دوسری رکعت سے پہلے قعدہ نہ کرنا، چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت پر قعدہ نہ کرنا، آیت سجدہ پر سجدہ تلاوت کرنا اور سہو ونسیاں واقع ہونے پر سجدہ سہو کرنا، امام جب قرات کرے تو مقتدی کا خاموش رہنا۔[1]

نماز میں یہ تمام امور واجب ہیں اگر ان میں سے ایک چیز بھی رہ جائے تو اس کی تلافی کے لئے سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ ان میں سے کسی واجب کا ترک بھول کر ہوا ہو۔ اگر کسی نے قصداً کسی واجب کو ترک کیا تو اس سجدہ سہو سے تلافی نہ ہوگی بلکہ نماز کا اعادہ کرنا یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

اگر نماز کا کوئی فرض ترک ہو جائے تو اس کی تلافی بھی سجدہ سہو سے نہیں ہو سکتی بلکہ نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔ اگر نماز میں کوئی ایسا واجب ترک ہو جائے جو واجبات نماز میں سے نہیں بلکہ اس کا وجوب خارج میں ہو تو اس صورت میں سجدہ سہو کرنا واجب نہیں مثلاً خلاف ترتیب قرآن مجید پڑھنا ترک واجب ہے مگر ترتیب کے موافق پڑھنا واجبات تلاوت سے ہے۔ واجبات نماز میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

سجدہ سہو واجب ہونے کی جو صورتیں ہیں ہم نے ان کو بقدر امکان آسان

۱ مسائل واحکام سجود السہو ی الحلبی کبیر ج ا ص ۴۵۵ تا ۴۷۰

کر کے لکھ دیا ہے اور ہر شخص نے ان کو دیکھ کر معلوم کر لیا ہوگا کہ فرض میں تاخیر ہونے اور واجب کو سہواً ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے واجبات نماز کو بھی دوبارہ لکھ دیا ہے تاہم مزید آسانی کے لئے ہم ان صورتوں کو تفصیلاً درج کرتے ہیں۔

سجدہ سہو کن صورتوں میں واجب ہوتا ہے؟

اگر فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور وتر و نفل کی کسی رکعت میں سورہ الحمد کی ایک آیت بھی رہ جائے یا کسی شخص نے سورت سے پہلے دوبار الحمد پڑھی یا سورت ملانا بھول گیا یا سورت کو الحمد پر مقدم کیا یا الحمد کے بعد ایک یا دو چھوٹی آیتیں پڑھ کر رکوع میں چلا گیا اور یاد آنے پر پھر تین آیتیں پڑھ کر رکوع کیا تو ان سب صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے۔[1]

اگر کسی شخص نے الحمد کے بعد سورت پڑھی اور اس کے بعد پھر الحمد پڑھی تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ اسی طرح فرض کی پچھلی رکعتوں پر فاتحہ کی تکرار سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اگر پہلی رکعتوں میں الحمد کا زیادہ حصہ پڑھ لیا تھا پھر اس کا اعادہ کیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔

اگر کسی شخص نے فرض کی پچھلی رکعت میں سورت ملائی تو سجدہ سہو واجب نہیں اسی طرح اگر پچھلی رکعت میں الحمد نہ پڑھی تب بھی سجدہ سہو واجب نہیں۔ اگر رکوع و سجود اور قعدہ میں قرآن پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہے۔ اگر کوئی شخص الحمد پڑھنا بھول گیا اور سورت شروع کر دی اور بقدر ایک آیت کے پڑھ لی اس کے بعد اسے یہ خیال آیا کہ میں نے الحمد نہیں پڑھی تو اس کو چاہیئے کہ الحمد پڑھ کر سورت پڑھے اور سجدہ سہو کرے۔

اگر کسی نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کرنا بھول گیا تو سجدہ تلاوت کر کے پھر سجدہ سہو کرے۔[2]

۱ بحر الرائق ج ۲ ص ۹۴، حلبی کبیر ج ا ص ۴۵۳ ۲ حلبی کبیر ج ا ص ۴۵۶

ہدایت :

جو افعال نماز میں مکرر ہیں ان میں ترتیب رکھنا واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فعل خلاف ترتیب واقع ہو تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ مثلاً اگر قرات سے پہلے رکوع کر دیا اور رکوع کے بعد قرات نہیں کی تو نماز فاسد ہوگئی کیونکہ فرض ترک ہوگیا اور اگر رکوع کے بعد قرات تو کی مگر پھر رکوع نہیں کیا تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ قرات کی وجہ سے رکوع جاتا رہا اور اگر بقدر فرض قرات کر کے رکوع کیا مگر واجب قرات ادا نہیں کی مثلاً الحمد نہیں پڑھی یا سورت نہیں ملائی تو اس صورت میں یہ حکم ہے کہ رجعت اختیار کرے اور الحمد و سورت پڑھ کر رکوع کرے اور پھر سجدہ سہو کرے اور اگر دوبارہ رکوع نہیں کیا تو نماز جاتی رہی کیونکہ پہلا رکوع جاتا رہا۔

اگر کسی رکعت کا کوئی سجدہ رہ گیا اور آخر میں یاد آیا تو اس بارے میں یہ حکم ہے کہ سجدہ کرے، پھر التحیات پڑھے اور پھر سجدہ سہو کرے۔ سجدہ سے پہلے جو افعال کئے ہیں وہ باطل نہ ہوں گے۔

اگر کوئی شخص تعدیل ارکان بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہے اگر کوئی فرض نماز میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو جب تک سیدھا نہ کھڑا ہو رجعت اختیار کرے یعنی بیٹھ جائے۔ اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں۔ اگر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اس نے رجعت اختیار کی تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔[1]

مسائل متفرقہ :

اگر مقتدی بھول کر کھڑا ہو گیا تو اس کے لئے واجب ہے کہ رجعت اختیار کرے تا کہ امام کی مخالفت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت یا چوتھی رکعت اور یا پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک اس رکعت کا سجدہ ادا نہ کیا ہو جو زائد پڑھنے کھڑا ہوا ہے تو رجعت اختیار کرے اور سجدہ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔ مثلاً ظہر کی نماز میں کوئی شخص قعدہ اخیرہ کرنا بھول گیا

۱ درمختار ج ۱ ص ۵۵، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۷

اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو کھڑا ہوتے ہی سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ اس کو چاہئے کہ جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص بقدر تشہد قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو رجعت اختیار کرے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

مسئلہ: اگر کسی نے قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد صرف اتنا پڑھا اللھم صل علیٰ محمد تو سجدہ سہو واجب ہو گیا یہ سجدہ سہو اس لئے واجب نہیں ہوا کہ اس نے درود شریف پڑھا بلکہ اس لئے واجب ہوا کہ تیسری رکعت کے لئے بعد تشہد کے فوراً قیام کرنا فرض تھا اس میں تاخیر ہوئی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ اولیٰ میں صرف اتنی دیر بھی خاموش رہے جتنی دیر میں اللھم صل علیٰ محمد پڑھتے ہیں تب بھی اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔[1] اس مسئلہ پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے پر سجدہ سہو کا حکم دینا مناسب نہیں کیونکہ اس سے درود شریف کی توہین ہوتی ہے ان کا یہ جذبہ محبت رسول ﷺ تو قابل قدر ہے مگر یہ جذبہ واقعات و احکام کی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص رکوع و سجود اور قومہ میں قرآن پڑھے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے تو کیا اس سے کلام الٰہی کی توہین ہوئی؟ ہرگز نہیں اسی پر درود شریف کو بھی قیاس کر لینا چاہئے کہ جب سجدہ سہو سے کلام الٰہی کی توہین نہیں ہوتی تو بوجہ تنزل درود شریف کی بھی توہین نہ ہو گی۔

مسئلہ: اگر فرض نماز کے پہلے دوگانہ میں بحالت قیام الحمد سے پہلے بھول کر تشہد پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں اور اگر الحمد کے بعد پڑھا تو واجب ہے کیونکہ الحمد کے بعد اس چیز کا محل ہے جس کا پڑھنا الحمد کے بعد واجب ہے۔ اس واجب میں تاخیر ہوئی سجدہ لہٰذا سہو لازم آیا اور فرض نماز کے آخر دوگانہ میں بحالت قیام تشہد پڑھ لیا تب بھی سجدہ سہو واجب نہیں ہے اور اگر یہ قیام وتر یا سنت یا نفل کا ہو

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۷

ہدایت :

جو افعال نماز میں مکرر ہیں ان میں ترتیب رکھنا واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فعل خلاف ترتیب واقع ہو تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ مثلاً اگر قرات سے پہلے رکوع کر دیا اور رکوع کے بعد قرات نہیں کی تو نماز فاسد ہو گئی کیونکہ فرض ترک ہو گیا اور اگر رکوع کے بعد قرات تو کی مگر پھر رکوع نہیں کیا تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ قرات کی وجہ سے رکوع جاتا رہا اور اگر بقدر فرض قرات کر کے رکوع کیا مگر واجب قرات ادا نہیں کی مثلاً الحمد نہیں پڑھی یا سورت نہیں ملائی تو اس صورت میں یہ حکم ہے کہ رجعت اختیار کرے اور الحمد و سورت پڑھ کر رکوع کرے اور پھر سجدہ سہو کرے اور اگر دوبارہ رکوع نہیں کیا تو نماز جاتی رہی کیونکہ پہلا رکوع جاتا رہا۔

اگر کسی رکعت کا کوئی سجدہ رہ گیا اور آخر میں یاد آیا تو اس بارے میں یہ حکم ہے کہ سجدہ کرے، پھر التحیات پڑھے اور پھر سجدہ سہو کرے۔ سجدہ سے پہلے جو افعال کئے ہیں وہ باطل نہ ہوں گے۔

اگر کوئی شخص تعدیل ارکان بھول گیا تو سجدہ سہو واجب ہے اگر کوئی فرض نماز میں قعدہ اولیٰ بھول گیا تو جب تک سیدھا نہ کھڑا ہو رجعت اختیار کرے یعنی بیٹھ جائے۔ اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں۔ اگر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اس نے رجعت اختیار کی تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔[1]

مسائل متفرقہ :

اگر مقتدی بھول کر کھڑا ہو گیا تو اس کے لئے واجب ہے کہ رجعت اختیار کرے تاکہ امام کی مخالفت نہ ہو۔ اگر کوئی شخص قعدہ اخیرہ کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت یا چوتھی رکعت اور یا پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک اس رکعت کا سجدہ ادا نہ کیا ہو جو زائد پڑھنے کھڑا ہوا ہے تو رجعت اختیار کرے اور سجدہ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔ مثلاً ظہر کی نماز میں کوئی شخص قعدہ اخیرہ کرنا بھول گیا

[1] درمختار ج ا ص ۵۵، فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۲۷

اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو کھڑا ہوتے ہی سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ اس کو چاہئیے کہ جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص بقدر تشہد قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو رجعت اختیار کرے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

مسئلہ: اگر کسی نے قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد صرف اتنا پڑھا اللّٰھم صل علٰی محمد تو سجدہ سہو واجب ہو گیا یہ سجدہ سہو اس لئے واجب نہیں ہوا کہ اس نے درود شریف پڑھا بلکہ اس لئے واجب ہوا کہ تیسری رکعت کے لئے بعد تشہد کے فوراً قیام کرنا فرض تھا اس میں تاخیر ہوئی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدہ اولیٰ میں صرف اتنی دیر بھی خاموش رہے جتنی دیر میں اللّٰھم صل علٰی محمد پڑھتے ہیں تب بھی اس پر سجدہ سہو واجب ہو گیا۔[1] اس مسئلہ پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے پر سجدہ سہو کا حکم دینا مناسب نہیں کیونکہ اس سے درود شریف کی توہین ہوتی ہے ان کا یہ جذبہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو قابل قدر ہے مگر یہ جذبہ واقعات و احکام کی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ غلطی پر ہیں۔ ان کو اس امر پر غور کرنا چاہئیے کہ اگر کوئی شخص رکوع و سجود اور قومہ میں قرآن پڑھے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے تو کیا اس سے کلام الٰہی کی توہین ہوئی؟ ہرگز نہیں اسی پر درود شریف کو بھی قیاس کر لینا چاہئیے کہ جب سجدہ سہو سے کلام الٰہی کی توہین نہیں ہوتی تو بوجہ تنزل درود شریف کی بھی توہین نہ ہو گی۔

مسئلہ: اگر فرض نماز کے پہلے دوگانہ میں بحالت قیام الحمد سے پہلے بھول کر تشہد پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں اور اگر الحمد کے بعد پڑھا تو واجب ہے کیونکہ الحمد کے بعد اس چیز کا محل ہے جس کا پڑھنا الحمد کے بعد واجب ہے۔ اس واجب میں تاخیر ہوئی سجدہ لہٰذا سہو لازم آیا اور فرض نماز کے آخر دوگانہ میں بحالت قیام تشہد پڑھ لیا تب بھی سجدہ سہو واجب نہیں ہے اور اگر یہ قیام وتر یا سنت یا نفل کا ہو

[1] عالمگیری ج ا ص ۱۲۷

تو خواہ پہلا دوگانہ ہو یا پچھلا ہو بہر حال اس کا وہی حکم ہے جو فرض سے پہلے دوگانہ کا ہے یعنی اگر الحمد سے قبل تشہد پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں اور اگر بعد میں پڑھا تو واجب ہے۔[1]

مسئلہ: اگر قعدہ اولیٰ کو بھول کر بغیر قعدہ کئے ہوئے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اگر سیدھا نہ کھڑا ہو۔ بیٹھنے کی قریب ہو اور یاد آ جائے تو لازمی طور پر بیٹھ جائے۔ اس سورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور اگر کھڑا ہونے کے قریب ہو گیا ہو تو اب نہ بیٹھے بلکہ اخیر میں سجدہ سہو کر لے۔ یہ حکم امام اور منفرد دونوں کا ہے اور مقتدی سیدھا کھڑا ہونے کے بعد بھی وجوباً بیٹھ جائے گا اگر نہ بیٹھے گا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ امام کی اقتداء اس کے ذمہ بہر صورت لازم ہے۔[2]

مسئلہ: اگر قعدہ اخیرہ کو بھول کر کوئی شخص کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لازم ہے کہ رجعت کرے یعنی بیٹھ کر سلام پھیرے (درمختار) اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا ہو تو ایک رکعت اور ملا کر پوری چھ رکعتیں کرے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ یہ چھ کے چھ نفل ہو جائیں گے کیونکہ قعدہ اخیرہ فرض تھا۔ اس فرض کا ترک ہوا۔[3]

اگر قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھ کر پھر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہو تو اس صورت میں بھی اگر پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو بیٹھ جانا واجب ہے اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا ہے تو پھر پوری چھ کر کے آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ اس صورت میں چار فرض اور دو نفل ہو جائیں گے (عالمگیری) اس فرق کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ اگر قعدہ اخیرہ ترک کر کے پانچویں کے لئے کھڑا ہوا ہے تو چھ پوری کرنے کی صورت میں سب رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور قعدہ اخیرہ بقدر تشہد کر کے پھر پانچویں کے لئے کھڑا ہوا ہے تو چھ پوری کرنے کی صورت میں چار فرض ہو جائیں گے اور دو نفل۔[4]

مسئلہ: مقتدی سے اگر کوئی واجب ترک ہو گیا ہو تو سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ

---

[1] عالمگیری ج ا ص ۱۲۶ [2-3] عالمگیری ج ا ص ۱۲۷ [4] عالمگیری ج ا ص ۱۲۹

اس کے لئے امام کی متابعت ضروری ہے اور بحالت متابعت سجدہ سہو کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر امام کے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے گا تو امام کی مخالفت لازم آئے گی اور اگر بعد میں کرے گا تو سجدہ سہو نماز سے فارغ وقت میں ہو گا جو معتبر نہیں ہے۔

مسئلہ: مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد کی طرح ہے۔ اگر بقیہ نماز میں کوئی سہو ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہے اور اگر امام کے ساتھ سہو ہوا ہے تو باتباع امام سجدہ سہو کر لے اور اگر اس حصہ نماز میں صرف اسی کو سہو ہوا جو امام کے پیچھے پڑھ رہا تھا تو اس کا حال مقتدی مدرک کی طرح ہے یعنی اس پر سجدہ سہو لازم نہیں۔[1]

مسئلہ: مسبوق نے اگر امام کی اقتداء دوسرے سجدہ سہو میں کی پہلا سجدہ جو امام کر چکا ہے وہ اس سے جاتا رہا تو اب دوسرا سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح اگر سہو کے دونوں سجدے کرنے کے بعد اس نے امام کی اقتداء کی تب بھی سجدہ سہو نہ کرے (عالمگیری) لاحق سے اگر سہو ہو جائے تو وہ بھی سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ امام کی پیروی میں لاحق مقتدی کی طرح ہے۔[2] ہاں مگر لاحق کے امام کو سہو ہو گیا اور اس نے سجدہ کیا تو لاحق بھی سجدہ کرے مگر اپنی نماز کے آخر میں کرے کیونکہ امام نے بھی اپنی نماز کے آخر میں کیا ہے اور اگر امام کے ساتھ کرے گا تب بھی دوبارہ لازم ہے۔[3]

مسئلہ: اگر امام کو سہوا ہونے کے بعد حدث ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ مسبوق کو خلیفہ بنا دیا تو اس مسبوق کو چاہئے کہ سجدہ سہو کرنے کے لئے کسی مدرک کو اپنی جگہ قائم کر دے تاکہ وہ امام کے بجائے سجدہ سہو کرے اور اگر مقتدیوں میں کوئی شخص مدرک نہ ہو تو سب کے سب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے بعد علیحدہ علیحدہ سجدہ سہو کریں۔[4]

مسئلہ: اگر امام قعدہ اخیرہ کر لینے کے بعد پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو اس سہو پر متنبہ کریں یا تو اللہ اکبر آواز سے کہہ دیں یا التحیات۔ اگر سہو پر آگاہ کرنے کے بعد بھی امام نہ بیٹھے تو اس کے بیٹھنے کا انتظار

---

[1] درمختار ج ۲ ص ۹۱ [2] درمختار ج ۲ ص ۹۲ [3] درمختار ج ۲ ص ۸۳ [4] عالمگیری ج ا ص ۱۲۹

کریں۔ اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے بیٹھ جائے تو امام کے ساتھ سلام پھیر دیں ورنہ مقتدیوں پر اس حال میں امام کی متابعت واجب نہیں سب سلام پھیر کر علیحدہ ہو جائیں اور اگر امام کی اقتدا کرتے رہیں تب بھی درست ہے یعنی پانچویں رکعت میں مقتدیوں کو امام کی متابعت کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ بصورت اقتداء اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو یہ بھی چھٹی رکعت پوری کرلیں۔ سب کے چار فرض اور دو نفل ادا ہو جائیں گے اور اگر امام نے پانچویں رکعت کر کے نماز قطع کر دی تو امام پر دو رکعتوں کی قضا واجب نہیں مگر مقتدیوں پر قضا لازم ہے۔ [1]

مسئلہ: اگر امام سہواً پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقتدی بھی سہواً اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پھر امام کو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آ گیا مگر مقتدیوں کو سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا اور وہ سجدہ کرنے کے بعد قعدہ میں لوٹے تو سب کی نماز صحیح ہوگئی۔ کیونکہ اس صورت میں امام سے مقتدیوں کا ایک سجدہ زائد ہوا اور مقتدی کی سہواً ایک رکن کی زیادتی امام کے خلاف مفسد نماز نہیں۔ ہاں اگر امام رکوع سے پہلے قعدہ میں لوٹ آیا اور مقتدی رکوع و سجود کر کے لوٹے تو دو رکعتوں کی زیادتی کی وجہ سے سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (غایۃ الاوطار) یعنی اگر امام کے خلاف مقتدیوں سے ایک رکن کی بھی زیادتی ہوئی ہو تو یہ زیادتی مفسد نماز نہیں۔ اور اگر دو رکنوں کی زیادتی ہوئی ہے تو یہ مفسد نماز ہے۔

مسئلہ: اگر مسافر کو دو رکعت کے اندر سہو ہو گیا اور اس نے سجدہ سہو کر لیا پھر سجدہ سہو کے بعد قیام کی نیت کر لی تو دوبارہ سجدہ سہو کرنا چاہیئے کیونکہ پہلا سجدہ سہو نماز کے اندر ہوا ہے اور سجدہ سہو وسط نماز میں نہیں ہوتا بلکہ ختم نماز میں ہوتا ہے لہٰذا سجدہ سہو اول کالعدم ہو گیا۔ [2]

ضروری یاداشتیں وہدایتیں :

ہم نے سجدہ سہو کا طریقہ پہلے بیان کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ ذرا مجمل ہے

[1] شرح وقایہ ج۱ ص۲۲۱، در مختار ج۲ ص۸۷ [2] عالمگیری ج۱ ص۱۳۰

اس لئے مزید تفصیل کے ساتھ اسے یہاں دوبارہ درج کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر قعدہ میں تشہد درود اور دعا تینوں چیزوں سے فارغ ہو کر داہنی طرف سلام پھیر دے۔ پھر اللّٰہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جھک جائے اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ کر اللّٰہ اکبر کہہ کر جلسہ کرے، پھر اللّٰہ اکبر پڑھ کر دونوں طرف کا سلام پھیر کر نماز کو ختم کر دے۔

(۱) اگر کسی سے ایک نماز میں کئی واجب ترک ہو جائیں مثلاً الحمد شریف پڑھنی اور قعدہ اولیٰ کرنا دو واجب بھول جائے تو ایک ہی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ [1] یہ نہیں کہ جتنے واجب ترک ہوں اتنے ہی سجدہ سہو بھی واجب ہو جائیں۔ سجدہ سہو ایک ہی دفعہ ہوتا ہے اور چند اسباب کا تدارک ایک سجدہ سہو سے ہی ہو جاتا ہے۔ [2]

(۲) اگر فرضوں کے اخیر دوگانہ میں کسی نے الحمد کے ساتھ سورت ملائی تو سجدہ سہو واجب نہیں۔ [3]

(۳) تعدیل ارکان اگر سہواً ترک ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہو گا۔ (عالمگیری) اور اگر عمداً ترک کیا تو سخت گناہگار ہو گا۔

(۴) سجدہ سہو کا حکم فرض، واجب، سنت اور نفل سب نمازوں میں یکساں ہے۔ [4]

(۵) مقتدی سے اگر کسی واجب کا ترک ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں۔

(۶) اگر امام مسافر کو سہو ہوا تو مقتدی مقیم کو بھی کرنا چاہیئے۔ [5]

(۷) اگر کسی کو سجدہ سہو میں ہی سہو ہو گیا تو مزید سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ سجدہ سہو میں سہو نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو سہو کا سلسلہ ہی لاانتہا ہی ہو جائے۔ [6]

(۸) سجدہ سہو کے بعد بھی التحیات پڑھنا واجب ہے یعنی سجدہ سہو کر کے دوبارہ التحیات ضرور پڑھنی چاہیئے ورنہ واجب کا ترک ہو گا۔ باقی التحیات کے

[1] المحیط البرہانی ج۲ ص۵۴۳ [2] عالمگیری ج۱ ص۱۳۰ [3-4] عالمگیری ج۱ ص۱۲۶ [5] عالمگیری ج۱ ص۱۲۸ [6] عالمگیری ج۱ ص۱۳۰

علاوہ درود پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ خواہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ اگر نہ پڑھے نماز ہو جائے گی۔

(۹) اگر کوئی شخص قرأت وغیرہ کسی موقعہ پر کچھ سوچنے لگا اور اتنی دیر توقف کیا جتنی دیر میں تین دفعہ سبحان اللہ کہتے ہیں تو سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ کیونکہ فرض کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی۔ [۱]

(۱۰) اگر امام سجدہ سہو کرے تو مقتدی پر بھی سجدہ سہو کرنا واجب ہے اگرچہ مقتدی سہو ہونے کے بعد جماعت میں شامل ہوا ہو۔ اور اگر امام سے سجدہ سہو ساقط ہو گیا تو مقتدی سے بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

(۱۱) مسبوق کو بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس کے شامل ہونے سے پہلے سہو واقع ہوا ہو۔ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہیں کیا اور اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا تو آخر میں سجدہ سہو کر لے اور اگر بقیہ نماز میں مسبوق سے بھی کوئی سہو ہو جائے تب بھی ایک ہی سجدہ سہو کرنا کافی ہے۔ اس اصول کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خواہ اسباب وجوب چند ہوں یا ایک سب کا تدارک ایک سجدہ سہو سے ہو جاتا ہے۔

(۱۲) مذکورہ بالا مسئلہ کی دوسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا پھر اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور اس مین بھی سہو واقع ہو گیا تو اس صورت میں اسے اپنے سہو کے لئے بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔

(۱۳) اگر مسبوق جلدی سے کھڑا ہو گیا اور پھر امام نے سجدہ سہو کیا تو جب تک مسبوق نے اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ کر امام کے ساتھ سجدہ کرے اور پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرے۔ اگر اس نے رجعت اختیار نہیں کی اور بغیر سجدہ سہو کئے اپنی نماز پڑھ لی تو آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ مسئلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ اگر اس رکعت کا سجدہ بھی مسبوق نے کر لیا جو سجدہ کئے بغیر کھڑا ہوا تھا تو اب لوٹ کر نہ بیٹھے۔ اگر رجعت کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

---
[۱] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۸۰ ۲

(۱۴) امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ [۱]

شک وظن اور وہم کے مسائل :

پہلے سہو، شک، ظن اور وہم وغیرہ کی تعریف اور فرق معلوم کر لیجئے۔ سہو کے متعلق اتنا جان لیجئے کہ سہو بھول جانے کو کہتے ہیں۔ اب شک وظن اور وہم کی تعریف اور ان کا فرق سنئے۔

جو تصور اور خیال انسان کے دل میں آتا ہے اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی صحت اور غلطی دل میں ایک سی ہو، نہ اس کی تصدیق کو غلبہ ہو اور نہ تکذیب کو تصدیق وتکذیب کی دونوں طرفیں برابر ہوں۔ اس حالت کا نام شک ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی صحت اور غلطی میں سے کسی ایک کا دل پر غلبہ ہو۔ اور ایک کو دوسرے پر رجحان ہو لیکن ساتھ ہی اس کی ضد اور نقیض کے امکان سے بھی انکار نہ ہو تو اس حالت کو ظن کہتے ہیں۔ اب ان دونوں کو دوسرے لفظوں میں سمجھئے تاکہ ساتھ ہی وہم کی تعریف بھی ہو جائے۔ شک کسی چیز کے ہونے نہ ہونے میں متردد ہونے کو کہتے ہیں بشرطیکہ کسی جانب گمان غالب نہ ہو۔

اگر گمان غالب ہو گا تو غالب گمان ظن اور مغلوب جانب کو جو اس کی ضد و نقیض ہے وہم کہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کی صحت اور غلطی میں سے کسی جانب کو دل پر ایسا غلبہ ہووے کہ اس کی ضد ونقیض کے امکان سے بھی انکار نہ ہو تو اس حالت کو یقین کہتے ہیں۔ انسان کے دل میں جو خیال وتصور آتا ہے اس کی یہی چار حالتیں ہوتی ہیں جن کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

سہو وشک دونوں کا حکم ایک ہے۔ یعنی فقہا کے نزدیک سہو وشک دونوں حکم میں برابر ہیں جس طرح سہو سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اسی طرح شک سے بھی واجب ہو جاتا ہے۔ شک کی سب صورتیں وجوب سجدہ میں برابر ہیں۔ (در مختار)

اب شک کی مختلف صورتوں کے متعلق چند ضروری احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

---
[۱] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۰۷

مسئلہ: اگر کسی کو نماز میں شک ہوا کہ معلوم نہیں میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں ہیں تو اس شک کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ وہ شک کرنے کا عادی ہے اور شکی مزاج کا آدمی ہے اس کو اکثر ایسا ہی شک ہوتا رہتا ہے۔ دوسری صورت یہ اس کو صرف پہلی بار اتفاق سے شک ہوا ہے۔ پہلی صورت میں یعنی شکی مزاج والے کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ رکعتوں کی کم مقدار اختیار کرے۔ مثلاً چار رکعتوں والی نماز میں شک ہوا کہ معلوم نہیں میں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تین یا چار؟ تو اسے تین رکعتوں کو اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ یہ کم مقدار ہے۔ اگر پہلی رکعت میں شک ہوا کہ یہ اول ہے یا دوسری تو اسے رکعت اول ہی مقرر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں غالب گمان اول ہونے کا ہے اور اس رکعت کے بعد قعدہ کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے جس رکعت کو اول رکعت ٹھہرایا ہے وہ اول نہ ہو دوسری رکعت ہو اور دوسری کے بعد قعدہ ضروری ہے پھر دوسری رکعت کے بعد بھی قعدہ کرے کیونکہ ممکن ہے جس رکعت کو اس نے اول مانا ہے وہ اول نہ ہو اور پہلا قعدہ بے محل ہوا ہو۔ لہٰذا یہ دوسرا قعدہ برمحل ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس تیسری اور چوتھی رکعت کے بعد بھی قعدے کرے۔ گو اس صورت میں چار قعدے ہوں گے مگر کوئی قعدہ فرض یا واجب ترک نہ ہوگا۔ پھر آخر میں سجدہ سہو کرے نماز صحیح ہو جائے گی۔ [1] دوسری صورت کے متعلق یعنی اگر پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تو یہ حکم ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے۔

نماز کے اندر بے وضو ہونے کا شک اور اس کا حکم:

مذکورہ بالا حکم رکعتوں کے شک کے بارے میں تھا اب بے وضو ہونے کے شک کا حکم سنیئے۔

اگر کسی کو نماز کے اندر شک ہوا کہ میں بے وضو ہوں تو اسی شک کی حالت میں ہی نماز پڑھتا رہے۔ اس شک کی وجہ سے نماز کو قطع نہ کرے۔ یہ اس وقت تک حکم ہے جب تک شک ہی شک رہے۔ اگر یہ شک یقین سے تبدیل ہو

[1] شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۲۶، عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۱

جائے اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ میں بے وضو ہوں تو اس کو فوراً نماز قطع کر دینی چاہیئے اور پھر وضو کر کے از سر نو نماز پڑھنی چاہیئے۔ [1]

مسئلہ: اگر کسی شخص کو کسی رکن کے کرنے نہ کرنے میں تردد ہوا اور کچھ دیر تک یہی سوچتا رہا دیر کے بعد اسے یقین ہوا کہ کر لیا ہے یا نہیں کیا ہے، تو اسی یقین کے مطابق عمل کرے مگر اس میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر یہ تردد توقف اتنی دیر رہا جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں تو سجدہ سہو واجب ہو گیا۔ [2] اور اگر اس سے کم تردد و توقف کیا تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر وتر کی نماز میں شک ہوا کہ یہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری تو سب رکعتوں میں دعائے قنوت پڑھنی چاہیئے اور ہر رکعت کے بعد قعدہ بھی کرنا چاہیئے نماز درست ہو جائے گی۔ [3]

مسئلہ: اگر نمازی بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے اور یہ خیال کرے کہ چار رکعتیں ہو گئیں بعد میں یاد آیا کہ دو رکعتیں ہی ہوئی ہیں تو یاد آتے ہی فوراً کھڑا ہو جائے اور چار رکعتیں پوری کرے اخیر میں بوجہ تاخیر سجدہ سہو کرے۔ یعنی بھول کر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دینے سے نمازی نماز سے باہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر مسبوق بھی بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو وہ بھی نماز سے خارج نہ ہوگا۔ مگر مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔ [4]

مسئلہ: اگر نماز کے بعد کوئی شخص خبر دے کہ تم نے بجائے چار رکعتوں کے تین یا پانچ رکعتیں پڑھی ہیں یا دو کے بجائے تین پڑھ لی ہیں تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے وہ یقیناً صحیح ہے یا غلط؟ جس طرف یقین ہو اسی پر عمل کرے یعنی اگر اس کی خبر کے غلط ہونے کا یقین ہے تو بس نماز ہو گئی۔ اس کے کہنے سے تردد میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور اگر صحیح ہونے کا یقین ہے تو از سر نو نماز پڑھے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ بہر حال نماز از سر نو پڑھ لے۔ [5]

مسئلہ: اگر سہو کے بارہ میں امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہو جائے ہر

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۱ [2] در مختار ج ۲ ص ۹۲ [3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۱ [4] در مختار ج ۲ ص ۸۳
[5] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۱

ایک کو اپنے قول کا یقین ہو تو اگر امام کو اپنی صحت نماز کا یقین ہے تو وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے لیکن مقتدی ضروری اعادہ کریں کیونکہ غلط گمان سے ان کی نماز فاسد ہو گئی۔ (درمختار)

فائدہ:

اگر سلام پھیرنے اور نماز کو ختم کرنے کے بعد نماز میں کچھ شک ہوا تو نماز ہو گئی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔[۱]

سجدہ سہو کب ساقط ہوتا ہے؟

امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں حضرات کا متفقہ بیان ہے کہ سجدہ سہو اس وقت واجب ہے جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور اگر گنجائش نہ ہو مثلاً نماز فجر میں سہو ہوا سلام پھیرنے کے بعد ابھی پہلا سجدہ بھی نہیں کیا تھا کہ آفتاب طلوع ہو گیا تو سجدہ سہو ساقط ہو گیا۔ اگر جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز کا وقت قریب الاختتام ہو تب بھی یہی حکم ہے یعنی وقت کی تنگی سے سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے۔[۲]

اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر مسبوق نے اپنی نماز بچانے کے لئے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہیں کیا اور اس کا یہ خیال ہے کہ اگر سجدہ سہو کروں گا تو نماز جاتی رہے گی۔ مثلاً نماز فجر میں آفتاب طلوع ہو جائے گی یا جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت آجائے گا یا موزے پر مسح کی مدت گزر جائے گی تو ان صورتوں میں امام کے ساتھ سجدہ سہو نہ کرنے میں کچھ کراہت نہیں۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

سجدۂ تلاوت کی حقیقت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب کلام مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھی جاتی ہے جس کو سن کر اور پڑھ کر سجدہ کرنا واجب

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۲ [۲] عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۵

ہے اور مسلمان ایسی آیت پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان اپنے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور بصد افسوس کہتا ہے کہ ہائے میری بدبختی میں یہ دیکھتا ہوں کہ ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اور وہ نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل بجا لایا مگر میں نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور میرے لئے دوزخ ہے۔[۱]

اس حدیث سے سجدہ تلاوت کی فضیلت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ رہی سجدہ تلاوت کی حقیقت؟ اس کے متعلق امام شیخ عبدہ مصری اپنی کتاب "الفضیلۃ الصلوٰۃ" میں لکھتے ہیں۔

"سجدہ خواہ کسی قسم کا ہو، وہ اظہار عبودیت کا آخری درجہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جبکہ انسان اپنی روح، اپنے دل، اپنی تمام قوتوں، اپنے تمام جذبات اور اپنی تمام خواہشوں کے ساتھ حضرت حق جل وعلا شانہٗ کے آگے جھک جاتا ہے، وہ جسے اس نے بلند کیا اس کی ہر مخلوق کے آگے بلند ہو کر اسی کے حضور میں جھکایا جاتا ہے۔ زیادہ عام فہم انداز میں یوں سمجھئے کہ اگر کسی عاجز بندہ نے سجدہ کیا تو اس نے گویا اپنے رب کے حضور میں اپنی عاجزی و تذلل و انکسار ظاہر کیا اور باری تعالیٰ کی عظمت و جلالت کو تسلیم کیا۔ ذرا غور کیجئے اور اپنی بصیرت سے کام لیجئے کہ اس انداز اطاعت میں کیسی شان عبودیت پنہاں ہے اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کو خدا نے حقیقی جذبہ اطاعت اور پاکیزہ روح عطا فرمائی ہے۔

جس وقت بندہ بارگاہ کبریائی میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اس وقت باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ اے بندے ہمیں تیرا یہ انداز اطاعت اور شان عبودیت بہت پسند ہے۔ مجھے عارف کامل جنید بغدادیؒ کا واقعہ یاد ہے کہ جب ان سے کسی نے پوچھا کہ نماز میں سجدہ کی شرائط کیا کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے لئے تو یہ کہ پیشانی اور ناک زمین سے مس ہو جائے اور ہمارے لئے یہ کہ جب ایک بار سجدہ میں گر جائے تو پھر دوبارہ زمین سے نہ اٹھے۔ اللہ اللہ سجدہ کے ذریعہ کسی قدر شان عبودیت کا اظہار ہوتا ہے۔

میں جہاں تک سجدہ کی حقیقت پر غور کرتا ہوں میرے نزدیک اظہار

[۱] اعلاء السنن "باب السجود والتلاوۃ" ج ۷ ص ۲۲۳

اطاعت کا یہ بہترین ذریعہ ہے اور میں صداقت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اسلام کے معنی اطاعت حق کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ (پس مسلمانو! سن لو کہ) اسلام کا زبانی اور رسمی دعویٰ ہیچ اور بے قدر ہے جب تک عمل سے اطاعت ثابت نہ ہو۔ میں اسلام کا دعویٰ کرنے والوں سے کہتا ہوں کہ اگر حقیقت میں تمہارا دعویٰ صحیح ہے تو اس کا عملی ثبوت دینا چاہیئے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہر کام میں حق تعالیٰ کی رضا مندی کو سامنے رکھا جائے۔ اگر ہمارے طرز عمل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تو ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ ہمارا دعویٰ بے حقیقت ہے اور ہم اس دعویٰ کے ساتھ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

سجدہ تلاوت کا حکم :

جاننا چاہیئے کہ سجدہ تلاوت حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ سجدہ تلاوت ہر مسلمان عاقل اور بالغ پر پڑھنے اور سننے سے واجب ہو جاتا ہے۔ پس کافر پر، دیوانے پر، نابالغ پر اور حیض و نفاس والی عورت پر نہ پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے اور نہ سننے سے۔ ہاں اگر ان کے منہ سے کوئی دوسرا عاقل اور بالغ مسلمان سنے تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ اس کے واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سجدہ کی آیت رواں پڑھی جائے۔ اگر ہجاء کے ساتھ پڑھی جائے گی تو نہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوگا اور نہ سننے والے پر۔ [۱]

سجدہ کی آیت خواہ کسی زبان میں پڑھی جائے جیسے عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں بہر حال پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور سننے والے پر اس وقت واجب ہوتا ہے کہ اس کو کوئی شخص بتا دے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے، اسی طرح عربی نہ جاننے والے بھی اس وقت تک معذور ہیں جب تک ان کو معلوم نہ ہو۔ [۲]

سجدہ تلاوت کا طریقہ :

اگر نماز سے خارج سجدہ تلاوت واجب ہوا ہے یعنی خارج از نماز تلاوت

۱-۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳

کرتے وقت تو اس صورت میں سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے اور سجدہ میں تسبیح پڑھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے۔ [۱] اس ترکیب سے سجدہ تلاوت کی سنت اور مستحب امور بھی آ جاتے ہیں۔ سجدہ تلاوت میں دو تکبیریں سنت اور دو قیام مستحب ہیں۔ یہ طریقہ اس وقت ہے جبکہ سجدہ خارج از نماز واجب ہوا ہو اور اگر سجدہ نماز میں ہی واجب ہوا ہے تو سجدہ تلاوت کی آیت تلاوت کرتے ہی فوراً اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور تین مرتبہ تسبیح پڑھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ جائے۔ [۲]

اگر پڑھنے والا ایک اور سننے والے کئی ہوں تو مستحب طریقہ یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا آگے اور سننے والے اس کے پیچھے صف باندھ کر سجدہ کریں۔ یہ بھی مستحب ہے کہ سامعین قاری سے پہلے سر نہ اٹھائیں۔ اگر کسی نے اس کے خلاف کیا یعنی قاری کی متابعت نہیں کی اور اپنی جگہ پر سجدہ کر لیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بہر حال سجدہ ادا ہو گیا۔

اگر کسی نے بیٹھ کر سجدہ کر لیا یعنی قیام نہیں کیا نہ اللّٰہ اکبر کہا اور نہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا تب بھی سجدہ ہو جائے گا۔ مگر ایسا کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ یہ طریقہ حضور سرور کائنات ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقہ کے خلاف ہے دوسرے اس میں سہولت پسندی بھی پائی جاتی ہے جو شان عبودیت کے خلاف ہے۔

اگر کوئی شخص تنہا سجدہ کرے تو سنت یہ ہے کہ تکبیر اتنی آواز سے کہے کہ خود سن لے اور دوسرے بھی سن سکیں لیکن اگر تکبیر آہستہ سے کہی تب بھی سجدہ ہو جائے گا۔

سجدۂ تلاوت میں پڑھنے کی دعا :

سجدہ تلاوت میں عام طور پر وہی معروف سجدہ کی تسبیح پڑھی جاتی ہے یعنی سبحان ربی الاعلیٰ اس کے علاوہ نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور حاکم وغیرہ نے ایک اور دعا بھی روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

سجد وجهی للذی خلقه وصوره و شق سمعه و

۱ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۳ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵

بصرہ بحولہ وقوتہ ۱؎

یعنی میرے چہرہ نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت دی کان ور آنکھیں کھولیں، اپنی قدرت اور طاقت سے۔

اس دعا کو کئی بار پڑھے مگر طاق مرتبہ اس کے علاوہ دو ایک دعائیں اور بھی آئی ہیں جن کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔ البتہ ایک دعا ضرور لکھے دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتا ہوں اور جب میں نے سجدہ کیا تو اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور یہ دعا پڑھی۔

اللھم اکتب لی عندک بھا اجراً وضع عنی بھا وزرا واجعلھا لی عندک ذخرا و تقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد ۲؎

یعنی اے اللہ! میرے لئے اپنے پاس اس سجدہ کے سبب سے ثواب لکھ اور مجھ سے اس کے سبب گناہوں کا بوجھ دور رکھ اور اس کو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ کر اور اس کو مجھ سے قبول فرما جیسے تو نے اس کو اپنے بندے داؤد علیہ السلام سے قبول کیا۔

سجدہ تلاوت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا کافی ہے لیکن وہ دعائیں جو آنحضرت ﷺ سے سجدہ میں پڑھنا ثابت ہوئی ہے، ان دعاؤں کا پڑھنا بھی افضل ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ سجدہ تلاوت میں اس آیت کا پڑھنا بہت بڑا ثواب ہے۔ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔

اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پڑھے محض سجدہ کرلے تب بھی جائز ہے۔

سجدہ کی آیتیں:

سارے قرآن میں سجدہ کی چودہ آیتیں ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے

۱؎ مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۹۲ ۲؎ البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۳

نزدیک بھی چودہ آیتیں ہیں۔ ۱؎ مگر فرق یہ ہے کہ ان کے نزدیک سجدہ سورۂ "ص" کی جگہ دوسرا سجدہ سورۂ "حج" کا ہے سورۂ "ص" میں ان کے نزدیک سجدہ موکدہ نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ سجدے ہیں۔ ان کے نزدیک سورۂ "نجم" اور "اذا السمآء انشقت" اور "اقرأ باسم" میں سجدہ نہیں۔ لہٰذا چودہ میں سے تین نکالنے کے بعد صرف گیارہ سجدے رہ گئے۔ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک چودہ سجدے ہیں۔

(۱) سورۂ اعراف کی آخری آیت ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ ویسبحونہ ولہ یسجدون ۲؎

ترجمہ: جو لوگ پاس ہیں تیرے رب کے بڑائی نہیں کرتے اس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں۔

اس کی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

(۲) سورۂ رعد کی یہ آیت وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا وظللھم بالغدو والاصال۔ ۳؎

ترجمہ: اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں خوشی سے اور زور سے اور ان کے سائے صبح اور شام۔

(۳) سورۂ نحل کی یہ آیت وللہ یسجد ما فی السمٰوٰت والارض من دآبۃ والملئکۃ وھم لا یستکبرون۔ ۴؎

ترجمہ: اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔

(۴) سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت ان الذین اوتو العلم من قبلہ اذا یتلیٰ علیھم یخرون للاذقان سجدا ویقولون سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا ویخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا۔ ۵؎

ترجمہ: جن کو علم ملا ہے اس کے آگے سے جب ان کے پاس

۱؎ البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۰ ۲؎ اعراف: ۲۰۶ ۳؎ رعد: ۱۵ ۴؎ نحل: ۴۹ ۵؎ بنی اسرائیل: ۱۰۹

اس کو پڑھے گرتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں اور کہتے ہیں
پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ البتہ ہوتا ہے اور
گرتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے
ان کو عاجزی۔

(۵) سورۂ مریم کی یہ آیت اذا تتلٰی علیھم ایٰت الرحمن خروا سجدو بکیا. [1]

ترجمہ: جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر آیتیں رحمٰن کی گرتے ہیں
سجدے میں اور روتے ہیں۔

(۶) سورۂ حج کی یہ آیت الم تر ان اللّٰہ یسجدلہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب. ومن یھن اللّٰہ فمالہ من مکرم ان اللّٰہ یفعل مایشآء. [2]

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی
آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج، چاند،
تارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت آدمی اور بہت ہیں کہ ان
پر ٹھہر چکا عذاب اور جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے
والا نہیں اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

(۷) سورۂ فرقان کی یہ آیت واذاقیل لھم اسجدو اللرحمن قالوا وماالرحمن انسجد لما تامرنا وزادھم نفوراً. [3]

ترجمہ: اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ سجدہ کرو رحمٰن کو۔ کہیں رحمٰن
کیا ہے؟ کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرماوے گا اور
بڑھتا ہے ان کا سرکشی کرنا۔

(۸) سورۂ نمل کی یہ آیت ان لا یسجدو للّٰہ الذی یخرج

[1] مریم : ۵۸ [2] سورۂ حج : ۱۸ [3] سورۂ الفرقان : ۶۰

الخبء فی السموت والارض ویعلم ما تخفون وما تعلنون اللّٰہ لآ الٰہ الا ھو رب العرش العظیم. [1]

ترجمہ: کیوں سجدہ کریں وہ اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں
میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر
کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں صاحب بڑے تخت کا۔

(۹) سورۂ سجدہ کی یہ آیت انما یومن بایاتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجدا وسبحو بحمد ربھم وھم لا یستکبرون. [2]

ترجمہ: ہماری آیتوں کو وہ مانتے ہیں کہ جب ان کو یاد دلایا جاتا
ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور تسبیح بیان کرتے ہیں
اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔

(۱۰) سورۂ "ص" کی یہ آیت فاستغفر ربہ وخرراکعاو اناب ففغفرنا لہ ذالک وان لہ عند نالزلفیٰ وحسن ماب [3]

ترجمہ: پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گرا جھک کر اور
رجوع ہوا۔ پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام اور اس کو
ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ۔

(۱۱) سورۂ حم السجدۃ کی یہ آیت ومن ایٰتہ الیل والنھار والشمس والقمر. لا تسجدو للشمس ولا للقمر واسجدو اللّٰہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون فان استکبرو افالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنھار وھم لا یسئمون. [4]

ترجمہ: رات، دن سورج اور چاند اللہ کی قدرت کے نمونے
ہیں۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان
کو بنایا۔ اگر تم عبادت اسی کی کرتے ہو۔ پھر اگر وہ غرور وتکبر

[1] سورۂ نمل : ۲۶ [2] سورہ سجدۃ : ۱۵ [3] سورہ ص : ۲۴ [4] حم سجدۃ : ۳۷

کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ نہیں تھکتے۔

(۱۲) سورۂ النجم کی یہ آیت فاسجدوا للہ واعبدوا [1]

ترجمہ: سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور اس کی عبادت کرو۔

(۱۳) سورۂ انشقاق کی یہ آیت فما لھم لا یومنون واذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون۔ [2]

ترجمہ: پھر ان کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب پڑھا جاتا ہے ان پر قرآن تو سجدہ نہیں کرتے۔

(۱۴) سورۂ "اقرأ" کی یہ آیت واسجد واقترب [3]

ترجمہ: اور سجدہ کر اور نزدیک ہو۔

سجدہ کی جو چودہ (۱۴) آیتیں ہیں ان میں سے کسی آیت کو سن کر اور پڑھ کر ہر حال میں سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے خواہ قصداً سنے یا بلا قصد۔ سجدہ واجب ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پوری آیت پڑھی جائے بلکہ صرف وہ لفظ جس میں سجدہ کا مادہ موجود ہے، اس کے ساتھ اس سے قبل یا بعد کو کوئی لفظ ملا کر پڑھنا کافی ہے۔ [4]

احکام و مسائل:

اگر کسی نے سجدہ کی آیت اتنی آواز سے پڑھی کہ سننے میں کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی، مگر شور و غل یا بہرہ ہونے کی وجہ سے آواز نہیں آئی اور کسی دوسرے آدمی نے یہ کہا کہ سجدہ کی آیت تلاوت کی گئی ہے تو سجدہ سہو واجب ہو گیا اور اگر محض ہونٹ ہلے اور آواز پیدا نہیں ہوئی تو سجدہ واجب نہ ہوا۔

(۱) اگر کسی نے سجدہ کی آیت پڑھی لیکن کسی دوسرے نے نہیں سنی تو سجدہ واجب نہیں ہوا۔ اگر امام نے سجدہ کی آیت پڑھی مگر سجدہ نہیں کیا تو مقتدی کو بھی سجدہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ امام کی متابعت ضروری ہے اگرچہ صاف طور پر سجدہ کی

[1] النجم: ۶۲ [2] انشقاق: ۲۱ [3] اقرأ: ۱۹ [4] بحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۳

آیت سنی ہو۔

(۲) ایک شخص خارج از نماز تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ اس نے سجدہ کی آیت پڑھی اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے بھی وہ سجدہ کی آیت سن لی تو اس نمازی پر سجدہ واجب ہو گیا، اسے چاہیئے کہ نماز سے فارغ ہو کر پھر سجدہ کرے۔ اگر نماز میں ہی سجدہ کر لے گا تو کافی نہ ہوگا۔ دوبارہ سجدہ کرنا پڑے گا مگر نماز فاسد نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جو سجدہ کی آیت بحالت نماز خارج سے سنی جائے تو خارج ہی میں سجدہ کرنا چاہیئے۔ [1] یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر اس نمازی نے تلاوت کرنے والے کے ساتھ ہی اس کی اتباع کی نیت سے نماز میں سجدہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۳) ایک شخص سجدہ کی آیت پڑھ کر نماز میں شامل ہو گیا تو اس سے سجدہ ساقط ہو گیا۔

(۴) اگر کسی شخص نے خارج از نماز سجدہ کی آیت پڑھی تو فوراً سجدہ کرنا واجب نہیں کچھ دیر بعد بھی کر سکتا ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ فی الفور سجدہ کر لے تاکہ بھول نہ جائے اور اگر وضو نہ ہو یا کوئی ضروری کام درپیش ہو یا غسل کی حاجت ہو تو پھر تو مجبوراً سجدہ میں تاخیر کرنی پڑے گی کسی دوسرے وقت سجدہ کر لے۔ [2] اگر سجدہ کی آیت سننے کے بعد کوئی شخص فی الفور سجدہ نہ کر سکے تو تلاوت کرنے والے کو اور سجدہ سننے والے کو یہ کہہ لینا مستحب ہے۔

سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا و الیک المصیر

مسئلہ: اگر مقتدی بحالت اقتداء کوئی سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو نہ اس پر سجدہ واجب ہے نہ امام پر اور نہ مقتدیوں پر۔ ہاں اگر کوئی بیرونی شخص مقتدی کی آیت سن لے گا تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ [2]

مسئلہ: اگر کسی بیرونی آدمی نے امام سے سجدہ کی آیت سنی اور امام اس وقت پہلی رکعت میں تھا مگر اس شخص نے اسی نماز کی دوسری رکعت میں آ کر اقتداء کی تو اس کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سجدہ خارج

[1] مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۵۷ [2] شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۳۰

ازنماز سن کر واجب ہوا ہے۔ خارج ہی میں کرنا چاہیئے اور اگر اس نے پہلی رکعت میں آکر اقتداء کی اور امام نے اس وقت تک سجدہ نہ کیا ہو تو امام کے ساتھ سجدہ کر لے۔ اگر امام سجدہ کر چکا ہو تو اس سے سجدہ ساقط ہو گیا نہ نماز کے اندر سجدہ کرے اور نہ نماز سے باہر۔

مسئلہ: ایک نمازی پر نماز کے اندر سجدہ واجب ہوا مگر اس نے سہواً یا قصداً سجدہ تلاوت نہ کیا، تو پھر نماز سے باہر سجدہ نہ کرے۔ کیونکہ جو سجدہ نماز کے اندر واجب ہوتا ہے اس کے ادا کرنے کا محل نماز ہی ہے۔ نماز سے باہر قضا نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کا سجدہ نماز کا جز ہے۔ جو شخص قصداً سجدہ ترک کرے گا وہ گنہگار ہو گا۔ اس کی تلافی توبہ استغفار سے کرنی چاہیئے۔

مسئلہ: سوتے ہوئے یا نشہ والے آدمی سے اگر سجدہ کی آیت سنی جائے تو بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود سونے والے اور نشہ والے پر بھی سجدہ واجب ہے، بشرطیکہ اس کو سجدہ کی آیت کی اطلاع دی جائے۔ [۱]

مسئلہ: اگر کسی نے نماز کے اندر سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کرنے سے پہلے نماز کسی وجہ سے فاسد ہو گئی تو اب یہ نماز کا سجدہ نہ رہا۔ نماز فاسد ہونے کے بعد تلاوت کا سجدہ ہو گیا۔ لہٰذا خارج ازنماز سجدہ کرنا واجب ہے۔ [۲]

چند سجدوں کے بجائے ایک سجدہ کافی ہونے کا بیان:

چند سجدوں کی بجائے ایک سجدہ اس وقت کافی ہے جبکہ سجدہ کی آیت ایک ہی ہو اور اسی کو ایک مجلس میں بار بار پڑھا جائے۔ یعنی چند سجدوں کے بجائے صرف ایک سجدہ اس وقت کافی ہے۔ جبکہ سجدہ کی آیت اور اس کی تلاوت کی جگہ ایک ہو۔ اگر آیت یا جگہ کا اختلاف ہو گا تو جتنی دفعہ مختلف آیتیں پڑھی جائیں گی اتنی دفعہ ہی سجدہ واجب ہونگے۔ [۳] اس کو پھر دوبارہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں سجدہ کی ایک آیت کو کئی بار پڑھا یا سنا تو ایک ہی سجدہ واجب ہو گا۔ اگرچہ اس مجلس میں کئی آدمیوں سے اس آیت کو سنا ہو۔

[۱] عالمگیری ج ا ص ۱۳۲ [۲] ردالمختار ج ۳ ص ۱۰۹ [۳] حلبی کبیر ج ا ص ۵۰۲

اگر پڑھنے والے نے کئی مجلسوں میں ایک آیت بار بار پڑھی اور سننے والے کی مجلس نہ بدلی تو پڑھنے والا جتنی مجلسوں میں پڑھے گا اس پر اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔ اور سننے والے پر صرف ایک سجدہ واجب ہو گا۔ [۱]

اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں آیت سجدہ پڑھی یا سنی اور سجدہ کر لیا اور پھر اسی مجلس میں وہی آیت پڑھی یا سنی تو اب دوبارہ سجدہ کرنا واجب نہیں وہی پہلا سجدہ کافی ہے اگر ایک مجلس میں چند بار آیت پڑھی یا سنی اور آخر میں اتنی ہی دفعہ سجدہ کرنا چاہے تو یہ خلاف مستحب ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ صرف ایک ہی دفعہ سجدہ کرے۔

مجلس کس طرح بدلتی ہے:

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں سجدہ کی ایک آیت کو کئی دفعہ پڑھا یا سنا تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے۔ اور اگر پڑھنے والے نے کئی مجلسوں میں بار بار ایک آیت کو پڑھا اور سننے والے کی مجلس نہ بدلی تو پڑھنے والا جتنی مجلسوں میں پڑھے گا اس پر اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے اور سننے والے پر ایک سجدہ واجب ہو گا۔ اور اگر پڑھنے والا ایک مجلس میں بار بار پڑھتا رہے مگر سننے والے کی مجلس بدلتی رہے تو پڑھنے والے پر ایک سجدہ واجب ہو گا اور سننے والے پر مجلسوں کی تعداد کے مطابق سجدے واجب ہوں گے۔ اب اس بات کو سمجھ لیجئے کہ مجلس کس طرح بدلتی ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ ایک دو لقمہ کھانے یا ایک دو گھونٹ پانی پینے، یا کھڑے ہونے یا ایک دو قدم چلنے یا سلام کا جواب دینے یا بات چیت کرنے اور یا مکان کے ایک گوشے سے دوسرے گوشہ میں چلے جانے سے مجلس نہیں بدلتی یعنی مجلس بدلنے کے حکم میں مذکورہ بالا باتیں داخل نہیں۔ بلکہ مجلس بدلنے کے لئے اہم و نمایاں تغیر کی ضرورت ہے۔ مثلاً ایک بڑا محل ہے جس کے مختلف اور علیحدہ علیحدہ فاصلے سے متعدد کمرے اور حصے ہیں، ایسے محل کے ایک

[۱] شرح وقایہ ج ا ص ۲۳۳

گوشہ سے دوسرے گوشہ میں چلے جانے سے مجلس بدل جاتی ہے اور اگر کوئی معمولی مکان ہے تو نقل وحرکت سے مجلس نہ بدلے گی۔ [1]

اگر کوئی شخص کشتی میں سفر کر رہا ہے اور وہ چل رہی ہے تو نقل وحرکت سے مجلس نہ بدلے گی۔

میرے خیال میں ریل کے متعلق بھی یہی حکم دیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی شخص جانور پر سوار ہے اور وہ چل رہا ہے تو مجلس بدل رہی ہے۔ نیز تین لقمہ کھانے، تین گھونٹ پینے، تین کلمے بولنے، تین قدم میدان میں چلنے، کچھ خرید وفروخت کرنے اور کچھ دیر لیٹ کر سو جانے سے مجلس بدل جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص سواری پر نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی دوسرا آدمی بھی اس کے ہمراہ سوار ہے یا وہ کسی دوسری سواری پر چل رہا ہے مگر نماز میں مشغول نہیں ہے تو ایسی حالت میں اگر سجدہ کی آیت بار بار پڑھی جائے تو اس سے پڑھنے والے پر ایک سجدہ واجب ہوتا ہے اور ساتھ چلنے والے پر اتنے سجدے واجب ہوتے ہیں جتنی دفعہ وہ سجدہ کی آیت کو سنے۔

کسی مجلس میں دیر تک بیٹھنے اور تسبیح وتقدیس، درس وتدریس اور وعظ وتلقین میں مشغول رہنے سے مجلس نہیں بدلتی۔ ہاں اس عرصہ میں اگر کوئی دنیاوی کام کیا۔ مثلاً کوئی شخص کپڑا سینے میں مشغول ہو گیا تو مجلس بدل گئی۔ اسی طرح اگر کوئی عورت کچھ دیر تک تسبیح وتقدیس میں مشغول رہی پھر اس نے اپنے بچے کو دودھ پلایا تو مجلس بدل گئی۔

اگر کسی نے نماز سے باہر سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کرنے کے بعد پھر نماز شروع کی اور نماز میں پھر وہی سجدہ کی آیت پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرنا چاہیئے۔ اگر پہلے سجدہ نہیں کیا تھا تو یہ سجدہ جو نماز میں کیا ہے باہر کے سجدہ کا قائم مقام ہو جائے گا۔ بشرطیکہ آیت پڑھنے اور نماز کے درمیان کوئی اجنبی فعل یا فاصل نہ ہو اور اگر پہلے بھی سجدہ نہ کیا تھا اور اب بھی نہیں کیا یعنی نماز میں بھی سجدہ تلاوت نہیں کیا تو اب دونوں سجدے ساقط ہو گئے لیکن جس نے قصداً ایسی کوتاہی کی وہ

[1] مجمع الانہر ج ۱ص ۱۵۸

گنہگار ہوگا اسے توبہ کرنی چاہیئے۔

اگر کسی نے ایک رکعت میں بار بار سجدہ کی آیت پڑھی تو اس کے لئے ایک ہی سجدہ کافی ہے خواہ کئی دفعہ پڑھ کر سجدہ کیا یا صرف ایک دفعہ پڑھ کر سجدہ کیا۔ اگر کسی نے ایک نماز کی تمام رکعتوں میں وہ آیت پڑھی تو سب کے لئے ایک سجدہ کافی ہے۔ [1]

اگر کسی نے نماز میں سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کر لیا اور سلام پھیرنے کے بعد پھر وہی آیت پڑھی تو اگر اس نے کلام نہیں کیا تھا تو وہی نماز والا سجدہ جو پہلے نماز میں کر چکا ہے اس دوسرے سجدہ کا بھی قائم مقام ہو جائے گا دوبارہ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر سلام پھیرنے کے بعد کچھ کلام کر لیا تھا تو دوبارہ سجدہ کرنا چاہیئے تیسری صورت اسی مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر نماز میں سجدہ نہیں کیا تھا اور سلام پھیرنے کے بعد پھر وہی آیت پڑھی تو اندرون نماز کا سجدہ ساقط ہو گیا۔ یعنی صرف ایک سجدہ کرنا چاہیئے۔ [2]

مسئلہ: اگر کسی مجلس میں سجدہ کی چند آیتیں پڑھی گئیں تو اتنے ہی سجدے کرنے چاہئیں ایک سجدہ کافی نہیں۔ [3]

متفرق ہدایات:

اگر سجدہ کی آیت پڑھنے کے بعد فوراً نماز کا سجدہ کر لیا تو اگرچہ سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی ہو تاہم سجدہ ہو گیا اگر سجدہ کی آیت سورت کے درمیان ہے تو افضل یہ ہے کہ اسے پڑھ کر سجدہ کرے اگر سجدہ کی ایک آیت پر سورت ختم ہے اور آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تو سجدہ سے اٹھنے کے بعد دوسری اگلی سورت کی کچھ آیتیں پڑھ کر رکوع کرنا چاہیئے۔ اگر دوسری سورت کی آیتیں پڑھے بغیر رکوع کر لیا تب بھی جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر سجدہ کی آیت کے بعد سورت کے ختم ہونے میں دو تین آیتیں باقی ہیں تو چاہیئے فوراً رکوع کر دے یا سورت ختم کرنے کے بعد کرے دونوں طرح جائز ہے۔ اگر تلاوت کے بعد امام رکوع میں گیا اور

[1] شرح وقایہ ج ۱ص ۲۳۲ [2] شرح وقایہ ج ۱ص ۲۳۱ [3] مجمع الانہر ج ۱ص ۱۵۸

سجدہ کی نیت کرلی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو مقتدیوں کا سجدہ نہ ہوا۔ لہٰذا امام جب سلام پھیرے تو مقتدی سجدہ کرکے قعدہ کریں اور سلام پھیریں۔ اس قعدہ میں تشہد واجب ہے۔ اور اگر قعدہ نہیں کیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ مگر یاد رہے کہ یہ حکم جہری نماز کے متعلق ہے۔ سری نماز میں چونکہ مقتدی کو علم نہیں ہوتا لہٰذا وہ معذور ہے۔ اور اگر امام نے رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت نہیں کی تو اسی سجدہ نماز سے مقتدیوں کا بھی سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ اگرچہ نیت نہ کی ہو۔ اس صورت میں امام کو چاہیئے کہ رکوع میں سجدہ کی نیت نہ کرے۔ کیونکہ اگر مقتدیوں نے نیت نہیں کی تو ان کا سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

اگر جہری نماز میں امام نے سجدہ کی آیت پڑھی تو سجدہ کرنا بہتر ہے یعنی قیام سے بغیر رکوع کئے ہوئے سجدہ میں چلا جائے۔ اگر سری نماز میں سجدہ کی آیت پڑھی تو امام کو رکوع کرنا بھی مناسب ہے تاکہ مقتدیوں کو غلط فہمی نہ ہو۔

اگر امام نے سجدہ تلاوت کیا اور مقتدیوں کو رکوع گمان ہوا اور وہ رکوع میں چلے گئے تو رکوع توڑ کر سجدہ کریں۔ اگر رکوع کے بعد سجدہ کرلیا تب بھی جائز ہے اگر رکوع کے بعد دو سجدے کئے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی از سر نو پڑھنی چاہیئے۔[1]

سجدہ تلاوت کے بھول جانے کا حکم :

اگر کوئی نمازی سجدہ تلاوت کرنا بھول گیا اور رکوع یا سجدہ یا قعدہ میں اسے یاد آیا تو بہتر یہ ہے کہ فوراً سجدہ کرلے اور جس رکن میں تھا اس کی طرف عود کرے۔ مثلاً اگر وہ رکوع میں تھا تو سجدہ کرنے کے بعد رکوع کرے۔ اگر رکن کا اعادہ نہ کیا تب بھی نماز ہوگئی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ رکن کا اعادہ کرلیا جائے اگر کسی نے سجدہ کی ایک آیت پڑھی اور پھر اسی جگہ کسی دوسرے آدمی سے وہی آیت سنی تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوا۔

اگر ایک شخص نے سجدہ کی ایک آیت کو آتے جاتے دونوں وقت پڑھا اور سننے والے نے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سنا تو پڑھنے والے پر دو سجدے واجب

1. فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳

ہوئے اور سننے والے پر ایک سجدہ واجب ہوا۔ کیونکہ پڑھنے والے کا مکان بدل گیا اور سننے والے کا مکان ایک ہی رہا۔[1]

اگر کوئی شخص ایک ہی جلسہ میں سارا قرآن پڑھ لے تو اس پر چودہ سجدے واجب ہوں گے۔ ساری سورت پڑھنی اور سجدہ کی آیت کو قصداً چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

اگر امام شافعیؒ ہو اور مقتدی حنفیؒ اور شافعیؒ امام سجدہ کی وہ آیت تلاوت کرے جہاں حنفیہ کے نزدیک سجدہ نہیں ہے تو متابعت امام کی وجہ سے مقتدی حنفی بھی سجدہ کرے ہاں اگر نماز سے باہر مذکورہ آیت سنے تو سجدہ نہ کرے۔ یہ حکم مالکیؒ امام کا بھی ہے۔

اقتداء کی حالت میں وجوب سجدہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام سجدہ کرے۔ چنانچہ اگر حنفی امام بھی سجدہ نہ کرے تو مقتدی پر بھی سجدہ نہیں ہے خواہ مقتدی نے امام کی تلاوت کردہ آیت سجدہ کو سنا ہو یا نہ سنا ہو۔

اگر کسی نے نماز کے اند سجدہ کی آیت تلاوت کی تو فوراً سجدہ کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز سے باہر جو سجدہ واجب ہوا ہے تو اس میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

سجدہ کی آیت پڑھنے والے پر اس وقت سجدہ واجب ہوتا ہے جبکہ وہ نماز کا اہل ہو اگر وہ نماز کا اہل نہیں ہے تو اس پر سجدہ بھی واجب نہیں ہے۔ پس اگر کافر، مجنوں یا نابالغ، حیض و نفاس والی عورت نے سجدہ کی آیت پڑھی تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہے۔[2] لیکن اگر مسلمان عاقل اور نماز کے اہل نے ان سے سجدہ کی آیت سنی تو اس پر سجدہ ہے۔

اگر بے وضو شخص نے یا اس نے جس پر غسل واجب تھا سجدہ کی آیت پڑھی تو اس پر بھی سجدہ واجب ہوگیا۔ وضو یا غسل کے بعد سجدہ کرنا چاہیئے۔

اگر کسی عورت نے نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کی اور سجدہ نہیں کیا یہاں تک کہ حیض جاری ہوگیا تو اب اس پر سے سجدہ ساقط ہوگیا۔ اب اسے سجدہ

1. شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۲۳ 2. مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۵۷

کرنے کی ضرورت نہیں۔

سجدہ شکر کا بیان :

جس وقت کوئی نعمت انسان کو حاصل ہو یا کوئی مصیبت اور تکلیف سر سے ٹل جائے تو سجدہ شکر کرنا چاہیئے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ شکر مکروہ ہے۔ اس کے کرنے والے کو نہ ثواب ملتا ہے اور نہ ترک کرنے والے کو عذاب۔ مگر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور اس کی ہیئت وہی ہے جو سجدہ تلاوت کی ہے۔[1]

سجدہ شکر کے لئے صرف ایک سجدہ کیا جاتا ہے اور کم از کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جاتا ہے۔ اوقات مکروہہ میں سجدہ شکر نہ کرنا چاہیئے۔ اکثر لوگ بلاسبب نماز کے بعد محض عادتاً سجدہ کیا کرتے ہیں۔ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔ لہٰذا اس عادت کو ترک کر دینا چاہیئے۔[2]

امامت و جماعت

اسلام میں نماز ایک ایسی عبادت ہے جو انفرادی حیثیت سے بھی ہو جاتی ہے لیکن چونکہ اسلام کی فطرت نظام اجتماع ہے اور وہ دینی و دنیوی امور میں سختی کے ساتھ اطاعت امیر کی تاکید وہدایت کرتا ہے۔ اسلام بتلاتا ہے کہ مسلمان بہترین امت ہیں، وہ اقوام عالم کے رہبر ہیں اور دنیا میں ان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اتحاد و اتفاق کی قوت ظاہرہ سے خدا کی حکومت و بادشاہی قائم کریں اور یہ مقصد عظمیٰ اس وقت بحسن وخوبی سرانجام پا سکتا ہے جبکہ مسلمان اطاعت امیر کے عادی ہوں اپنے امیر کے اشارہ پر اپنا جان ومال سب کچھ قربان کر دینے کے خوگر ہوں اس لئے اسلام نے نماز با جماعت کی تاکید کی ہے۔ دنیاوی امور میں انقیاد وامام کی روح سے جو قوت وکامیابی حاصل ہوتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور دنیا کی کچھ دار قومیں اپنے ڈکٹیٹروں کے ذریعہ جن قوتوں اور کامیابیوں کا

۱ مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۹۳ ۲ ردالمختار ج ۲ ص ۱۳۰

مظاہرہ کر رہی ہیں ان کو ساری دنیا جانتی ہے۔

اسلام نے ہمیں تاکیدی حکم دیا ہے کہ ہم انفرادی حیثیت سے علیحدہ علیحدہ نماز نہ پڑھیں بلکہ ایک امام کے پیچھے سب مجتمع ہو کر پڑھیں۔ اپنے میں سے ایک امیر یا امام کا انتخاب کر کے اس کی اقتداء میں نماز پڑھیں تاکہ ان کی عبادت میں اجتماعیت کی شان پیدا ہو اور مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ عملی طور پر اتحاد و اتفاق اور اطاعت و انقیادِ امام کا سبق ملتا رہے۔ اسلام نے اس چیز کو ترقی وکامیابی کا پہلا قدم بتلایا ہے۔

جماعت کی ضرورت پر اس سے زیادہ کسی لمبی چوڑی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ یہ لفظ خود اپنی خوبی، قوت، کامیابی اور شاندار اعمال کو ظاہر کر رہا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اتحاد قومی اور یگانگت کی زندہ تصویر جماعت میں نظر آتی ہے اور باہم ایک دوسرے کے ملنے ملانے سے وہ اہم قومی اغراض ومقاصد حاصل ہوتے ہیں جو قومی زندگی کے لئے لابد ہیں۔ ان اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے مغربی تہذیب نے کانفرنسوں، لیکچروں اور انجمنوں کا طریقہ ایجاد کیا ہے لیکن نبی اُمّی پاک ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی اپنی امت کو ان چیزوں سے بے نیاز کر دیا اور نماز با جماعت کا طریقہ ایجاد کر کے اتحاد قومی کی ایک بہترین سبیل پیدا کر دی۔

نماز اور اطاعت امیر :

مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ اطاعت امیر کا عملی سبق دیا جاتا ہے اور ان کی عبادت میں اجتماعیت کی شان پیدا کی جاتی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ اسلام نے عبادات کی بہترین صورت میں کس خوبصورتی کے ساتھ نظم واتحاد، اتحاد عمل اور اطاعت امیر کو رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر اطاعت امیر کا اور کیا عملی سبق ہوگا کہ تمام دنیا کے مسلمان دن میں پانچ مرتبہ ایک امام کے پیچھے ہو کر اپنے حرکات و سکنات کو امام کی حرکات وسکنات کے تابع کر کے خدا کے حضور میں سجدہ ریز نظر آتے ہیں اور یہی چیز قومی زندگی کی اصل روح ہے۔

ہمارے اسلاف کی ترقی و کامیابی کا راز صرف اس امر میں مضمر تھا کہ وہ اپنے اندر اطاعت امیر کا مخلصانہ جذبہ رکھتے تھے۔ ہر مسلمان اپنے امیر کے حکم پر اپنی جان و مال کو فدا کرنا جانتا تھا اور ان کے تمام اعمال و افکار کا ایک مرکز تھا جہاں سے ان کے رگ و پے میں روح حیات کی ترقی کی روح دوڑتی تھی اور مسلمان خدا کی راہ میں اپنی جانیں ہنس ہنس کر فدا کر دیتے تھے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔

اسلام اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ تمہاری بقا نظام اجتماع میں ہے اور اسی سے مسرت افزاء حضارت اور حسین تمدن پیدا ہوتا ہے۔ اسلام نے اس چیز کا اس درجہ اہتمام و انتظام کیا ہے کہ اپنے تمام عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق و آداب میں اس کو ملحوظ رکھا اور اسلامی احکام کی روح رواں ٹھہرایا۔ چنانچہ اسلام نے اس کو عقائد میں ''توحید'' سے عبادت میں ''نماز با جماعت'' سے اور سیاسیات میں ''حاکم و محکوم کے درمیان رشتہ اتحاد اور اطاعت امیر'' سے استوار و مستحکم کیا ہے۔ کاش مسلمان جماعت کے فوائد سے آگاہ ہوتے اور کما حقہٗ فائدہ اٹھاتے۔

قرآن وحدیث سے جماعت کا ثبوت :

خدائے حکیم بصیر نے مسلمانوں میں نظام اجتماع باقی رکھنے کے لئے حکم دیا ہے کہ وہ مسجدوں میں نماز با جماعت پڑھیں ارشاد ہوتا ہے۔ وارکعوا مع الراکعین اور رکوع کیا کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز با جماعت پڑھا کرو۔ اس میں لفظ ''ارکعوا'' اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ یہود کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔ اور چونکہ رکوع میں انتہائی تواضع پائی جاتی ہے اس لئے تمام نماز پر رکوع کا لفظ بولا گیا ہے۔ اور ''راکعین'' سے مراد جماعت ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرو۔

یہ زمانہ کج روی و عقل پرستی کا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اگر نماز میں جماعت کی اتنی ہی اہمیت ہوتی جتنی کہ ظاہر کی جاتی ہے تو چاہیئے تھا کہ قرآن میں نماز با جماعت کا بالکل صاف اور واضح الفاظ میں حکم دیا جاتا۔ لیکن یہاں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ''رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے کہ اس نے نہایت خوبصورتی سے ایک مفہوم کو ادا کر دیا۔ اب اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو زبان عربی سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مقصود تو یہ تھا کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرو، اس مفہوم کو مذکورہ بالا الفاظ میں ادا کر کے مقصود اصلی کو پورا کر دیا اب یہ کیا ضرور ہے کہ جماعت کے الفاظ بھی ہوتے۔ جو لوگ اس قسم کا مطالبہ کرتے ہیں وہ اپنی کوتاہ فہمی، سطح النظری اور کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں ہمیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے جو قرآن ہی کا جزو ہے۔ سنت کیا ہے؟ قرآن کریم کی تفصیل و تشریح، بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ الجماعۃ افضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ [1]

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجے بڑھی ہوئی ہے۔

اس حدیث میں صاف طور پر ''صلوٰۃ الجماعۃ'' کے الفاظ موجود ہیں۔ گویا قرآن کریم سے معنًی نماز با جماعت کا ثبوت ہوتا ہے اور حدیث سے لفظًا اور قرآن وحدیث دونوں سے مل کر نماز با جماعت کا قطعی طور پر ثبوت ہو گیا۔

جماعت کی تاکید :

اسلام جس طرح دنیاوی امور میں انفرادی زندگی کو مسلمانوں کی موت بتلاتا ہے اسی طرح دینی امور یعنی عبادات میں بھی انفرادیت کو گوارہ نہیں کرتا۔ اور مسلمانوں کو ایک نظام کے ماتحت لانا چاہتا ہے اس چیز پر اسلام نے کتنا زور دیا ہے؟ اور کیونکر مسلمانوں میں اجتماعیت کی روح پھونکی ہے؟ سنیئے۔

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۸۹

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لا یرید الرجعۃ فھو منافق۔ [۱]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ جس شخص نے مسجد میں اذان پائی پھر وہ بغیر حاجت کے مسجد سے نکل گیا اور پھر واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو وہ منافق ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور وہ مسجد میں آنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اس کی نماز نہیں مگر عذر کے ساتھ۔ [۲]

حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں سانپ بچھو بکثرت ہیں اور میں نابینا ہوں کیا میرے لئے ترک جماعت کی رخصت ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم "حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح" کی آواز سنتے ہو؟ کہا ہاں۔ فرمایا تو بس تمہیں مسجد میں آ کر جماعت میں شامل ہونا چاہئے۔ [۳]

حضور کے ان ارشادات عالیہ سے اندازہ لگایئے کہ آپ نے جماعت کی کس قدر تاکید کی ہے اور مسلمانوں کو کیونکر عبادت میں اجتماعی زندگی کا سبق پڑھایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں جمع ہو جائیں تو نماز کا حکم دوں اور اس کے لئے اذان کہی جائے۔ پھر میں ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوئے۔ ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ [۴]

---

[۱] رواہ ابن ماجہ ج ا ص ۵۳ [۲] مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۹۶ [۳] مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۹۷ [۴] صحیح مسلم ج ا ص ۲۳۲، ابوداؤد شریف ج ا ص ۸۱، ابن ماجہ ۵۷، ترمذی شریف ج ا ص ۵۲، مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۹۵

اس سے زیادہ نماز با جماعت کی تاکید اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ جماعت میں شریک نہ ہونے والوں اور گھروں میں تنہا نماز پڑھنے والوں کے گھروں کو نذرِ آتش کر دینے کی آرزو فرما رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جماعت ترک کر کے تنہا نماز پڑھنا شدید ترین دینی و دنیوی نقصان کا باعث ہے۔ جب ہی تو آپؐ نے اتنے شدید الفاظ میں ایسے غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ اگر تنہا پڑھنا ایسی ہی معمولی بات ہوتی جیسا کہ اس زمانہ کے لوگ سمجھے ہوئے ہیں تو رحمۃ للعالمین کے الفاظ میں اتنا جوش اور اتنا غضب نہ ہوتا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو عام طور پر حکم دے دیا تھا کہ تم نماز میں خیال رکھا کرو کون آیا ہے اور کون نہیں آیا۔ اگر کچھ لوگ تمہیں نماز میں نظر نہ آئیں تو تم ان کے گھر عیادت کے لئے جایا کرو۔ اگر وہاں جا کر وہ تمہیں تندرست ملیں تو نماز با جماعت ترک کرنے سے انہیں منع کرو اس لئے کہ جماعت میں سستی اور غفلت کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالیہ اور صحابہ کے طرز عمل ہدایات نے اس زمانہ کے لوگوں کو جماعت کا اتنا محافظ و پابند بنا دیا تھا کہ وہ جماعت ترک کرنے والوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ جماعت کی خود بھی سختی سے پابندی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی کراتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ جماعت ترک کرنے والوں اور نماز چھوڑ دینے والوں کے یہاں مصنوعی طور پر "نماز کا جنازہ" بنا کر جایا کرتے تھے۔ عوام کا احساس واحتساب اس معاملہ میں اتنا تیز اور سخت تھا کہ لوگوں کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ نماز کو ترک کر دیں یا جماعت میں نہ آئیں۔ لوگ اسے نہایت معیوب و معصیت سمجھتے تھے۔

نمازِ جماعت اور اس کے فضائل :

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت اور ثواب محض اتنا ہی نہیں کہ تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ثواب کا باعث ہے بلکہ اس سے روز و شب کے معاصی و ذنوب بھی اس سے معاف ہو جاتے ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ نماز

باجماعت ایک ''جشن عبادت'' ہے۔ اس سے ذاتی فلاح و بہبود سے گزر کر ملی فوائد و برکات بھی حاصل ہوتے ہیں گویا نماز باجماعت ذاتی و ملی فوائد و برکات پر فتح ہوتی ہے اس کا سب کو فائدہ پہنچتا ہے خود کو بھی نفع ہوتا ہے اور ملت کو بھی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ظہر کی نماز جماعت سے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ فجر سے لے کر اس وقت تک معاف کر دے گا۔ پھر عصر کی نماز جماعت سے پڑھے گا تو اس وقت تک کے سب گناہ معاف کر دے گا۔ پھر اگر مغرب کی نماز جماعت سے پڑھے گا تو عصر سے اس وقت تک کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جب عشاء کی نماز جماعت سے پڑھے گا تو مغرب سے اس وقت تک کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جب فجر کی نماز جماعت سے پڑھے گا تو فجر تک کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ پنج وقتہ نمازیں دن و رات کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ نماز باجماعت کی فضیلت اور کیا ہوگی؟ مگر یہاں اس امر کو سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو کبیرہ اور دوسرے صغیرہ۔ پھر ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سو صغائر تو نماز باجماعت سے معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر توبہ استغفار سے معاف ہوتے ہیں۔ پس نماز صغائر کا کفارہ ہو جاتی ہے نہ کہ کبائر کا۔

اللہ اللہ خدا اور اس کا رسول امت مسلمہ پر کتنا مہربان ہے کہ صغیرہ گناہوں کو معافی کی کیسی آسان تدبیر بتلا دی ہے کہ اگر ہم اس پر عمل کریں یعنی نماز باجماعت کی پابندی کریں تو صغیرہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جائیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے پاس بیٹھا کرو۔ جو شخص اس کے ساتھ نشست و برخاست رکھے گا وہ نقصان میں نہیں رہے گا۔ ابوہریرہؓ اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے جسم کو تمام آلائشوں سے پاک رکھو اور تمام برائیوں سے محفوظ رہو تو نماز باجماعت کبھی ترک نہ

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر کذا فی الترغیب

کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بھی جماعت کی پابندی کرے گا اللہ تبارک و تعالیٰ اسے دنیا و آخرت دونوں کی نعمت و بزرگی عطا فرمائے گا۔

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں جو شخص ہمیشہ جماعت سے پنج وقتہ نماز ادا کرتا رہے گا اس کو خدا تعالیٰ پانچ باتیں عطا فرمائے گا۔ (۱) تنگی عیش اس سے اٹھالی جائے گی۔ (۲) وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ (۳) نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا جس کی وجہ سے حساب میں نرمی اور سہولت ہوگی۔ (۴) وہ پل صراط سے تیز پرندہ کی طرح گزر جائے گا۔ (۵) وہ جنت میں بلا حساب داخل ہوگا۔ [1]

تازیانۂ عبرت:

حقیقت نماز سے غافل مسلمان نمازیو! اور سستی و غفلت سے جماعت ترک کرنے والے نفس کے بندو! مذکورہ بالا احادیث کو بار بار غور سے پڑھو، ان کے مطالب و معنی پر غور کرو اور اپنی حالت کا جائزہ لو۔ ذرا غور تو کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی کتنی تاکید کی ہے اور کیا فرما گئے ہیں؟ ان تمام ہدایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی اور ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھی جائے گی تو لازماً ہم میں محبت و ہمدردی پیدا ہوگی۔ اخوت اسلامیہ کا جذبہ بڑھے گا، دل حسد و کینہ سے پاک ہوں گے، خلوص و ایثار بڑھے گا، اجتماعی قوتوں میں جان آئے گی اور تمام صغیرہ گناہ معاف ہوں گے۔ اور اگر سرے سے مسجد میں قدم ہی نہ رکھا جائے تو ان اوصاف حمیدہ اور فوائد و برکات میں سے کوئی چیز بھی حاصل نہ ہوگی۔ اور سراسر نقصان ہوگا۔ کتنا بدبخت اور نادان ہے وہ مسلمان جو باوجود اتنے فضائل اور اتنی مہتم بالشان ذاتی و ملی فوائد رکھنے والی چیز کو اپنی غفلت و سستی سے ترک کر دے اور نقصان میں پڑا رہے اس کی بدبختیوں، محرومیوں اور غداریوں کو کن الفاظ میں واضح کیا جائے؟ اور ان کی حالت پر کس طرح ماتم کیا جائے مسلمانو! خدا کے لئے اب بھی ہوش میں آؤ

[1] تنبیہ الغافلین للشیخ نصر بن ابراہیم السمرقندی

اب بھی خواب غفلت سے بیدار ہو، اب بھی سمجھو اپنی مسجدوں کو آباد کرو، نمازیں پڑھو، جماعت کی پابندی کرو اور دونوں جہاں کی روسیاہی نہ خریدو۔

ترک جماعت کا عذاب :

بقائے ملت کا راز اجتماع اور اتحاد و اتفاق میں ہے اگر غور سے دیکھو تو یہ نظام عالم اور عظیم الشان کارخانۂ حیات جذبات باہمی اور تناصر و تعاون پر چل رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہی چیز قوموں کی ترقی کامیابی اور بقا کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ تمہاری ترقی و بقا نظام اجتماع میں ہے۔ سب متحد و متفق ہو کر اللہ کی رسی یعنی قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور اس نظم و اتحاد میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اگر تم اس ہدایت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپس میں پھوٹ ڈالو گے تو تمہارا شیرازہ بکھر جائے گا۔ تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی اور تم ہر طرح ذلیل و خوار اور غلام و محکوم ہو جاؤ گے۔

مسلمانوں کو نظم و اتحاد سے جکڑنے اور پھوٹ سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے نماز با جماعت کا حکم دیا ہے جب تک ہم جماعت کے پابند رہے ہمارا قدم آگے ہی بڑھتا رہا اور جب جماعت کو ترک کر دیا تو ہماری زندگی موت سے بدتر ہو گئی ترک جماعت نے اور ذرا ذرا سی باتوں پر تنہا نماز پڑھنے کی عادت و دستور نے نہ صرف یہ کہ ہماری نمازوں کو بے لطف کر دیا ہے بلکہ ان کو ایک قسم کا بار بنا دیا ہے۔ ان کو بے اثر اور بے کیف کر دیا ہے۔ نمازوں کی وہ اہمیت باقی نہ رہی جو عہد خلافت میں تھی اور اس طرح مسلمان نماز کے حقیقی فوائد سے محروم ہو گئے۔ ترک جماعت نے نمازوں کو بے اثر کر کے ان کو ایک رسمی چیز بنا دیا ہے۔ لوگوں کو سرے سے ترک نماز کی جرأت دلائی ہے۔ ان کو گناہوں پر دلیر کیا ہے خدا سے باغی بنایا ہے اور نمازوں سے ان کی توجہ کو ہٹا دیا ہے جب تک مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ مسلمانوں میں باہمی محبت و ہمدردی تھی۔ نماز نہ پڑھنے میں شرم محسوس ہوتی تھی۔ مسلمان ایک جسم و جان تھے۔ نفس و شیطان نے ان پر پوری طرح قبضہ نہ کیا تھا، اور اوصاف حمیدہ سے

متصف تھے اور ان کی روحیں زندہ تھیں لیکن جب سے جماعت کی اہمیت نظروں سے اوجھل ہوئی اور تنہا نماز پڑھنے کا منحوس و ملعون رواج ہوا۔ ان سے اسلام کی حقیقی روح رخصت ہو گئی۔ اور گویا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ مل گیا۔ یعنی سست کاروں اور مداہنت برتنے والوں نے اس پردہ اور آڑ میں نماز ہی پڑھنی چھوڑ دی۔ پہلے ایک ایک دو دو وقت کی نمازیں قضا ہونی شروع ہوئیں پھر رفتہ رفتہ میدان ہی صاف ہو گیا اور ترک نماز کا ایک اچھا خاصہ معقول بہانہ ہاتھ آ گیا۔ جہاں کسی نے مسجد میں نہ آنے پر ٹوکا تو کہہ دیا کہ ہم تو گھر پر پڑھ لیتے ہیں۔ امراء نے مساجد میں جانا ہی ترک کر دیا مخملین جا نمازیں تیار ہونے لگیں، مسجدیں ویران ہو گئیں اور افتراق ملی کی تباہ کن اساس قائم ہو گئی۔

نماز با جماعت کا مقصود اصلی :

نماز کا مدعا تو یہ تھا کہ شاہ و گدا اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر دنیا کے سامنے اسلامی مساوات کا ایک نہایت شاندار، جاذب توجہ اور انسانیت پرور منظر پیش کرتے، غرور و نخوت خاک میں ملتی، امارت و غربت کا امتیاز باقی نہ رہتا۔ ایک دوسرے کا ہمدرد و غمگسار ہوتا، اتحاد و اتفاق قائم رہتا اور ساری دنیا مسلمانوں کی طاقت کے سامنے جھکتی مگر ہوا یہ کہ یہ ساری باتیں جاتی رہیں۔ امیروں کو غریبوں سے نفرت پیدا ہو گئی، امراء کو مسجدوں میں جانے میں شرم آنے لگی، اخوت اسلامیہ کا رشتہ پارہ پارہ ہو گیا۔ دلوں میں بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھی۔ امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مسجدیں اکھاڑہ بن گئیں۔ حسنات کی جگہ سیئات نے لے لی اور مسلمانوں پر دینی و دنیوی ترقی کے تمام دروازے بند ہو گئے۔

ہم خدا کو کیوں بھول گئے ہیں؟ اس لئے کہ ہم نمازوں کی پابندی سے غافل ہو گئے ہیں اور نماز با جماعت کی طرف سہل انگار ہو گئے ہیں۔ ہم پر افتراق و تفرقہ اور بغض و عناد کی لعنت کیوں مسلط ہے؟ محض اس لئے کہ ہم جماعت کے تارک ہیں۔ ہم نے نماز با جماعت کو ایک قانونی درجہ دے دیا ہے اور اس کی حکمت و

مصلحت کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ انسانی فطرت میں تکاہل و نسیان بھی موجود ہے۔ اس میں بہت جلد سستی و غفلت آجاتی ہے اور انسان بہت جلد خدا کو بھول جاتا ہے۔ اس تکاہل و نسیان سے بچانے کے لئے خدائے قدوس نے ہمیں پنجگانہ نمازوں کا حکم دیا ہے کہ مسلمان اپنے خدا کو نہ بھول جائیں۔ نمازوں کے ذریعہ دن و رات میں پانچ بار اپنے خدا کا ذکر کرتے رہیں۔ مگر آہ ہم نے سرے سے نمازوں ہی کو ترک کر دیا اور خدا کو بھول گئے۔

جماعت کے بارے میں مسلمانوں کی کجروی:

خدارا سوچو اور غور کرو کہ اگر مسلمان نماز باجماعت کی پابندی کرتے تو کیا وہ فرقہ بند منتشر آوارہ اور پریشان حال ہوتے؟ ہرگز نہیں وہ ایک جسم ایک جان ہوتے اور دشمنوں کے مقابلہ میں کانهم بنیان مرصوص افسوس ایسا نہیں ہوا۔

مسلمان نمازیو! جماعت کی تاکید اور اس کا فلسفہ تمہارے سامنے ہے۔ اب بتلاؤ تمہارے اندر کتنے ایسے نمازی ہیں جنہوں نے جماعت کے فلسفہ کو سمجھا ہو اور اس اجتماعی نظام کو اس کے اصلی رنگ میں قائم و برقرار رکھا ہو۔ صحیح اور سچی بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے جماعت کے فوائد و برکات کو سمجھا ہی نہیں۔ اگر کسی نے سمجھا بھی ہے تو محض اتنا کہ یہ اسلامی شریعت کا حکم ہے۔ مگر اس سے کوئی خاص فائدہ اور غرض مقصود نہیں بلکہ شارع نے اس کی یوں ہی تاکید و ہدایت کر دی ہے۔ جب ہی تو بلا عذر تنہا نماز پڑھ لی جاتی ہے۔ جہاں کسی امام یا کسی مقتدی سے ان بن ہوئی اور جھٹ اپنی ڈھائی اینٹ کی علیحدہ مسجد بنائی۔ اب کیا مجال کہ جو مسجد میں قدم بھی دھریں اپنا گھر اور پنج وقتہ نمازیں۔ بعض شعلہ مزاج نمازی صرف اس وجہ سے امام صاحب سے بگڑ جاتے ہیں کہ اس نے جماعت میں ان کا انتظار نہیں کیا۔ الٰہی توبہ یہ خدا پرستی ہے یا نفس پرستی کہ ذرا ذرا سی باتوں پر جماعت کو ترک کر دیا جاتا ہے اور شریعت کی اس نافرمانی کو چنداں نافرمانی بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔

آہ۔ ہماری حالت میں کس درجہ انقلاب آگیا ہے اور کیسا عظیم و دردناک فساد و اختلال رونما ہوا ہے کہ مسجدیں اس لئے تھیں کہ ان میں مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ نظم و اتحاد، مودت و اخوت، محبت و یگانگت اور خدا پرستی کا عملی سبق ملتا رہے مگر اب ان مسجدوں میں فتنہ پردازی، تکفیر و تفسیق، بغض و عناد، ہنگامہ آرائی اور جنگ و جدل کا سبق ملتا ہے۔

یہ قصور کس کا ہے؟ ہمارے واعظوں اور مذہبی رہنماؤں کا۔ اس لئے کہ وہ جماعت کے فلسفہ اور اس کی تاکید کو جانتے ہیں اور پھر اس پر نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں سے کرانے میں اپنا اثر و اقتدار استعمال کرتے ہیں اگر وہ تنہا بلا عذر نماز پڑھنے کے خلاف شدید احتجاج کرتے اور مضبوط قدم اٹھاتے، سمجھاتے مسلسل وعظ و پند سے کام لیتے اور فتوے دیتے تو مسلمانوں کو ترک جماعت کی جرأت نہ ہوتی۔ ہمارے تشتت و افتراق کی یہ حالت نہ ہوتی اور بے نمازیوں کی اتنی کثرت نظر نہ آتی۔

امامت کا بیان

امام کے معنی سرداری کے ہیں اور امام کسی قوم کا پیشوا کو کہتے ہیں۔ امامت کی دو قسمیں ہیں اول امامت کبریٰ یعنی دین و دنیا کی مصالح کی حفاظت کے لئے آنحضرت ﷺ کا نائب ہونا اس کو خلیفہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسری امامت صغریٰ یعنی نماز میں مقتدیوں کی چند شرائط کے ساتھ پیشوائی کرنا۔ یہاں اسی امامت کا بیان کرنا مقصود ہے۔

امامت اذان سے افضل ہے۔ شروط صحت امامت مردوں کے لئے چھ چیزیں ہیں۔

(۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عقل (۴) ذکورۃ (۵) قراۃ (۶) عذروں سے سلامت ہونا جیسے نکسیر وغیرہ۔ یعنی امامت کی صحت کی چھ شرطیں ہیں۔ مسلمان ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، مرد ہونا، قرأت پڑھنے کے قابل ہونا اور اعذار سے

سلامت ہونا۔ پس کافر، نابالغ لڑکے، نشہ سے سرمست انسان اور عورت کی امامت صحیح نہیں۔ اس طرح جو ہمیشہ صاحب عذر رہتا ہے مثلاً قطرے کا مرض ہے، یا نکسیر کا مرض ہے یا اور کوئی ایسا مرض ہے کہ پاک نہیں رہ سکتا اس کی امامت بھی صحیح نہیں ہے۔[1]

نابالغ کی امامت:

صحیح اور مختار قول کے مطابق کسی نماز میں نابالغ کے پیچھے بالغ کی نماز صحیح نہیں خواہ عید کی نماز ہو یا کسوف وخسوف کی یا وتر کی اور یا تراویح۔[2] الغرض کوئی نماز بھی نابالغ کے پیچھے صحیح نہیں۔ کیونکہ نابالغ لڑکے کے ذمہ کوئی نماز واجب نہیں اس کو صرف عادت ڈالنے کے لئے قبل از بلوغ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن مشائخ کے نزدیک نابالغ لڑکے کے پیچھے نفل نماز ادا ہو جاتی ہے ان کے نزدیک بھی نابالغ لڑکے کو امام بنانا درست نہیں ہے کیونکہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کا امام نہیں بن سکتا۔ یہ صورت تو فرض نمازوں کی اقتداء کی ہے۔ باقی نفلوں میں نابالغ کی امامت صحیح نہیں ہے کیونکہ بالغ کی نفل نماز نابالغ کی نفل نماز سے قوی تر اور متفق علیہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بالغ کی نفلیں شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے نیت توڑ دے گا تو قضا کرنی لازم ہے۔ بہر صورت دونوں قولوں کی بموجب نابالغ لڑکے کی کسی نماز میں بھی امامت درست نہیں۔

امام بننے کا کون زیادہ مستحق ہے؟

امامت کے لئے لائق تر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ عالم وفقیہ اور نماز کی صحت وفساد کے مسائل زیادہ جاننے والا ہو اس کے بعد وہ شخص جو عمر میں زیادہ ہو۔

بہر حال امام ایسا ہونا چاہیئے جو زیادہ متقی ہو یعنی ظاہر گناہوں سے مطعون ہونے سے بچا ہوا ہو اور قرأت مسنونہ سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔ اگر اس

۱ مراقی الفلاح ص ۱۶۵ ۲ درمختار "باب الامامۃ" ج ۱ ص ۵۴۸

بات میں دو آدمی برابر ہوں تو جو قاری ہو یعنی فن تجوید وقرأت سے واقف ہو اسے امام بنایا جائے۔ اگر اس صفت میں بھی دو آدمی شریک ہوں اور ایک جیسے ہوں تو جو صاحب ورع ہو یعنی مشتبہ گناہوں سے بچتا ہو اس کو امام بنایا جائے۔ اس کے بعد زیادہ عمر کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر ان تمام باتوں میں بھی کچھ آدمی برابر کے شریک ہوں تو پھر ان میں سے خوش اخلاق آدمی کو ترجیح وفضیلت دی جائے گی۔ اس کے بعد وجیہ اور خوبصورت آدمی کو قابل ترجیح سمجھا جائے گا پھر شرافت حسب اور ذاتی کمالات کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر اس میں بھی مساوات ہو تو سب سے زیادہ شریف النسب کو اولیٰ سمجھا جائے گا اور سید کی امامت افضل مانی جائے گی۔ اس کے بعد سب سے زیادہ خوش آواز کو مقدم رکھا جائے گا۔ اس کے بعد زیادہ مالدار اور دنیوی جاہ واعزاز رکھنے والے کا لحاظ رکھا جائے گا۔[1]

بہر حال مطلب یہ ہے کہ امام ایسا شخص ہونا چاہیئے جو بلحاظ علم وتقویٰ و اخلاق حمیدہ سے متصف ہو، فن قرأت سے اچھی طرح واقف ہو، نماز کے تمام مسائل جانتا ہو اور صحیح الاعضاء وتندرست ہو۔ اس کو اس مثال سے سمجھ لینا چاہیئے کہ گویا امام مسلمانوں کا کمان افسر ہوتا ہے اور مقتدی سپاہی کی مانند ہوتے ہیں۔ ان اللہ کے سپاہیوں کا دنیا میں کام یہ ہے کہ نماز کے ذریعہ ہر قسم کی طہارت و پاکیزگی حاصل کر کے دنیا میں خدا کی حکومت و بادشاہی قائم کریں آپ سب جانتے ہیں کہ فوج کا کمان افسر وہی ہوتا ہے جو علم وعقل رکھتا ہو، اپنے فرائض منصبی سے کما حقہٗ واقف وآگاہ ہو اور ہر وقت مستعد وسرگرم رہے۔ تم نے کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی فوج کا کمان افسر جاہل، بدھو، اندھا اور جولاہہ ہو۔ مگر یہ کیا حماقت ہے کہ مسلمانوں کے امام اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کے ناکارہ اور اپاہج لوگ ہماری مسجدوں میں بھرے ہوئے ہیں۔

وہ لوگ جن کی امامت ناجائز یا مکروہ ہے:

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مذکورہ ذیل اشخاص کے پیچھے نماز

۱ درمختار ج ۱ ص ۵۵۷

ناجائز ہے۔ (۱) دائمی مجنوں (۲) مدہوش (۳) نابالغ (۴) عورت (۵) خنثیٰ
(۶) معذور یعنی وہ شخص جو توتلا ہو یا ہکلا ہو، یا سلسل بول وغیرہ مرض میں مبتلا ہو
اور مقتدی غیر معذور ہوں۔ اگر مقتدی وامام دونوں کو ایک ہی عذر ہو مثلاً دونوں
ہکلے ہوں یا دونوں توتلے ہوں یا دونوں کو سلسل البول کا عارضہ ہو تو ان صورتوں
میں نماز ناجائز نہیں ہے کیونکہ دونوں صاحب عذر ہیں۔ (۷) مسبوق (۸)
لاحق اور (۹) بدعتی کے پیچھے بھی نماز ناجائز ہے۔ مسبوق اور لاحق کا بیان آگے آتا
ہے۔ بدعتی بداعتقاد لوگوں کو کہتے ہیں۔ یعنی جو دین میں اعتقاداً کوئی نئی بات پیدا
کریں مثلاً رافضی یا خارجی یا جبری اور قدری وغیرہ۔ [1]

فاسق کی امامت :

فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو اعلانیہ گناہ کبیرہ کرتا ہو مثلاً شراب پیتا ہو یا زنا
کرتا ہو یا جوا کھیلتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ضروری
معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کبیرہ گناہوں کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے
تا کہ لوگوں کو انتخاب امام میں آسانی ہو اور ان کی نظر وفکر کو مدد ملے۔ کبیرہ گناہ اس
کو کہتے ہیں جس کے لئے شرع میں حد مقرر ہوئی ہے یا اس پر وعید واقع ہوئی ہو یا
جس کی قرآن شریف اور صحیح و قطعی حدیث سے ممانعت آئی ہو۔ کبیرہ گناہوں کی
تعداد جو حدیث سے ثابت ہے، سترہ (۱۷) ہے۔ ان کبائر کے درجوں میں
تفاوت ہے۔ بعض بعض سے سخت تر اور قبیح ہیں۔ وہ یہ ہیں چار گناہ دل سے تعلق
رکھتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

اول شرک کرنا۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً اللہ کی ذات میں، عبادت
میں، مدد چاہنے میں، علم میں، قدرت میں، حکم چلانے میں، پیدائش میں، پکارنے
میں، قول میں، نام رکھنے میں، ذبح کرنے میں، نذر میں، اور لوگوں کے کام سپرد
کرنے میں شرک کرنا۔ دوسرے کبیرہ گناہ پر اصرار اور ہٹ دھرمی کرنا۔ تیسرے
اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا۔ چوتھے اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہونا۔ یہ چار کبیرہ

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۵

گناہ ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ چار گناہ زبان سے تعلق رکھتے ہیں جن کی
تفصیل یہ ہے۔

اول جھوٹی قسم کھانی، دوسرے جھوٹی گواہی دینی، تیسرے نیک مرد یا عورت
کو گالی دینی، چوتھے جادو ٹونہ کرنا۔ تین گناہ پیٹ سے تعلق رکھتے ہیں جو یہ ہیں۔
پہلا شراب پینا دوسرے یتیم کا مال کھانا تیسرا سود لینا۔ دو گناہ جو قبل و دبر سے علاقہ
رکھتے ہیں۔ پہلا زنا دوسرا لواطت۔ دو گناہ جو ہاتھ سے علاقہ رکھتے ہیں۔
پہلا ناحق کسی کو مار ڈالنا دوسرا چوری کرنی اور ایک گناہ پاؤں سے علاقہ رکھتا ہے۔
جہاد سے بھاگنا اور ایک گناہ تمام بدن سے تعلق رکھتا ہے اور وہ والدین کی
نافرمانی کرنی اور ان کو ستانا دکھ دینا ہے۔

یہ کل سترہ کبیرہ گناہ ہوئے۔ جو شخص اعلانیہ ان گناہوں کا مرتکب ہو وہ
فاسق ہے۔ جس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

مذکورہ ذیل اشخاص کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ غلام، جاہل، حرامی یا
بیوقوف یعنی سادہ لوح، فالج زدہ، مبروص اور جزامی یہ کراہت اس وقت ہے
جب کہ مقتدیوں میں ان سے بہتر اور کوئی شخص امامت کرنے والا موجود ہو ورنہ
نہیں۔ (غایۃ الاوطار)

نابینا کی امامت :

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نابینا کی امامت مکروہ ہے۔ چنانچہ درمختار
میں ہے۔

تکرہ تنزیھا امامۃ عبد و اعرابی و فاسق و اعمی الا ان یکون
غیر الفاسق اعلم القوم ۔ [1] یعنی غلام یا بدوی، فاسق اور اندھے کا امامت
کرنا مکروہ تنزیہی ہے مگر یہ کہ ہووے سوائے فاسق کے۔ یعنی غلام، بدوی اور
اندھا بہ نسبت اوروں کے زیادہ علم رکھنے والا۔ پس اگر مقتدیوں میں سب سے
زیادہ عالم اندھا ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں معلوم ہوا کہ اندھے کی امامت امام

[1] درمختار ج ۱ ص ۵۶۰

اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں مکروہ تنزیہی ہے جبکہ مقتدیوں میں اس سے زیادہ عالم موجود ہو ورنہ نہیں۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن مکتومؓ کو امام بنایا تھا، حالانکہ وہ نابینا تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے ان کو اس وقت امام بنایا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے سفر کیا تھا اور مدینہ میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم موجود نہ تھا۔ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ نے عتبان کو بھی امام بنالیا تھا جو نابینا تھے۔ خلاصہ یہ کہ اندھے سے زیادہ عالم کی موجودگی میں اس کا امام بنانا مکروہ تنزیہی ہے۔ [1]

تنبیہ:

مسلمانوں کو اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ اس پر کہاں تک عامل ہیں۔ سو دیکھنے میں تو یہ آرہا ہے کہ اکثر جاہل اندھے ہماری مسجدوں میں بھرے ہوئے ہیں حالانکہ ان سے بہتر لوگ موجود ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں اور اندھوں کے پیچھے اپنی نمازوں کو مکروہ نہ کریں۔

امامت کا مقصود:

مسلمانوں کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کی جماعتی زندگی اور ترقی و کامیابی کا راز انتخاب امام، انقیاد امیر اور اتحاد عمل میں پوشیدہ ہے۔ جس کا عملی سبق انہیں پنج وقتہ نمازوں میں ملتا ہے۔ اگر مسلمانوں نے آج تک امامت اور نماز با جماعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا تو آج سمجھ لیں کہ ان کا مقصد اصلی یہی ہے کہ لوگ امیر کا انتخاب اور انتخاب کے بعد اس کی پوری پوری اطاعت کرنے کے عادی ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ امامت کے لئے لازمی اور ضروری ہے کہ مسلمانوں کا امام اعلیٰ درجہ کا متقی، پرہیزگار، عالم، عاقل، وجیہہ ہو اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں نے اسے اپنی خوشی سے امامت کے لئے مقرر کیا ہو اور اس کی امامت کو دل سے قبول کرتے ہوں۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[1] دیکھئے تفسیر مظہری ج ۱۲ سورہ عبس

ثلثة لا یقبل اللہ صلوتھم من یقدم قوما وھم لہ کارھون الخ [1]

تین شخص ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی ایک وہ کہ قوم کا امام ہو اور لوگ اس سے ناراض ہوں الخ۔

یعنی جس امام سے لوگ ناراض ہوں ان کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ اس کا مسلمانوں کو خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

مذکورہ بالا باتوں سے دو باتوں کا ثبوت ہوا۔ ایک تو یہ کہ امامت کے لئے بہترین شخص کا انتخاب ہونا چاہیئے جو لوگوں میں اپنے علم و عمل کے لحاظ سے ممتاز و نمایاں ہو اور انتخاب کے بعد سچے دل سے اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ امامت کا فائدہ اور نتیجہ اسی وقت مرتب ہوسکتا ہے جبکہ یہ دونوں باتیں پائی جائیں۔

ائمہ مساجد کی اجارہ داری:

امامت کوئی دنیا کمانے اور اس پر ناجائز قبضہ جمائے رکھنے کا نام نہیں۔ لیکن ائمہ مساجد نے یہی سمجھ رکھا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ نماز کے بارے میں مسلمانوں کی کوئی بات بھی شریعت کی روشنی میں اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں۔ مقتدی اور امام دونوں نااہل ہیں۔ مقتدی انتخاب کرنا نہیں جانتے اور امام امامت کرنا نہیں جانتے۔ مقتدی صرف اتنا چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی الٹی سیدھی نمازیں پڑھادے خواہ وہ کوئی ہو اور کیسا ہی ہو اور امام اپنا پیٹ بھرنا چاہتے ہیں خواہ مقتدی راضی ہوں یا ناراض۔ چونکہ مسلمان ائمہ مساجد کا انتخاب و تقرر کرنا نہیں جانتے اس لئے امامت پر نااہلوں، ' رٹوں اور جمعراتی ملانوں کا قبضہ ہوگیا ہے۔ انہوں نے امامت کو اپنی ریاست سمجھ رکھا ہے۔ امامت ان کی، ان کے باپ کی اور ان کے بیٹے کی جب تک وہ زندہ رہے گا جمعرات کی روٹیاں کھاتا رہے گا اور مسجد کا واحد ٹھیکیدار بنا رہے گا۔ اور جب وہ مر جائے گا تو اس کی امامت اس کے بیٹے کو بطور وراثت مل جائے گی۔ گویا اس زمانے میں امامت ایک مطلق العنان بادشاہت

[1] درمختار ج ۱ ص ۵۵۹

بن گئی ہے کسی مسلمان کو کیا مجال کہ اپنے امام سے آنکھ ملا سکے چاہے وہ دین الٰہی کی حرمت کفار و مشرکین کے ہاتھ بیچیں۔ خواہ وہ کتنے ہی جاہل، کندۂ ناتراش، فتنہ انگیز اور دنیا پرست کیوں نہ ہوں۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے ائمہ مساجد کے نصب و عزل کا اختیار دیا جا رہا ہے اور ائمہ مساجد خدائی فوجدار بن گئے۔ جب سے ائمہ مساجد نے امامت کو ریاست اور دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا ہے اور مساجد اللہ میں استبداد مطلق العنانی کی نحوست و لعنت آئی ہے اسی وقت سے ہماری مسجدیں اپنی حقیقی شان کھو چکیں اور علوم و عرفان سے محروم ہو گئیں۔ اور ممبروں پر گندم نما جو فروش، غلامی پسند، اغیار نواز فتنہ انگیز اور کندۂ ناتراش دھرے ہوئے ہیں۔

ائمہ مساجد کی ہٹ دھرمی :

بعض جگہ تو ائمہ مساجد کی ہٹ دھرمی سے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ لوگ ان کی امامت سے ناخوش ہوتے ہیں مگر وہ امامت چھوڑنے میں نہیں آتے۔ اپنی امامت کو بحال رکھنے کی خاطر وہ طرح طرح کی خوشامد و چاپلوسی، ہتھکنڈوں اور مکر و فریب سے کام لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں تفریق اور جتھہ بندی کی آگ مشتعل کرتے ہیں۔ سر پھٹول کراتے ہیں اور فوجداری کرا دیتے ہیں۔ بہر حال اپنی امامت کو نہیں جانے دیتے۔ ایک ہٹ دھرمی و اجارہ داری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف و موافق دو جماعتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک مسجد میں دو دو جماعتیں ہونے لگتیں ہیں مسجدیں اکھاڑہ و دنگل بن جاتی ہیں اور شریعت عظمٰی کا مقصد امامت فوت ہو کر رہ جاتا ہے ذرا غور کرو جس بد بخت و ناسمجھ قوم کے ائمہ مساجد ایسے ہوں ان کی نمازیں اور مقتدی کیسے ہوں گے۔

یہ سب خرابیاں کیوں رونما ہوئیں؟ اس لئے کہ مسلمان یہ جانتے ہی نہیں کہ امامت کیا چیز ہے؟ امام کیسا ہونا چاہیئے اور اس کے نصب و عزل کے شرعی قوانین کیا ہیں؟ اگر مسلمان احکام شرعیہ کی روشنی میں سچے دل کے ساتھ امامت کے فوائد و نتائج کو حاصل کرنا چاہیں تو ان جغرافی ملاؤں اور ان خرابیوں سے نجات

مل سکتی ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا تفاصیل کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان نصب امام کے بارے میں سختی سے احکام شرعیہ کو ملحوظ رکھیں اور امامت کے بارے میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لیں تا کہ نماز یا جماعت کا اثر و نتیجہ مرتب ہو اور ان کی نمازوں میں جان آئے مگر یاد رہے سابق میں ہم نے امام کے جتنے اوصاف لکھے ہیں وہ صرف امام کی افضلیت سے متعلق ہیں۔ اگر ایسا قابل امام نہ ملے تو بہر حال جماعت ساقط نہیں ہوتی۔ اہل سنت کے نزدیک جماعت کی نماز ہر فاسق و فاجر کے پیچھے ہو جاتی ہے اور تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے جماعت کو ہر حال میں لازم سمجھنا چاہیئے اور انفرادیت سے بچنا چاہیئے کیونکہ انفرادیت موت ہے اور جماعت سے مسلمانوں میں باہمی اتحاد و الفت کا سلسلہ منظم رہتا ہے مسائل شرعی سیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ ہمسایوں، اہل محلّہ اور اہل شہر کا حال دریافت ہوتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اخوت اسلامیہ کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے اور مسلمانوں کو غیر مذاہب کی نظر میں جلال و قوت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے پہلے کوشش تو یہ کرنی چاہیئے کہ امام بہتر، قابل اور لائق ملے۔ اگر ایسا نہ ملے تو فاسق و فاجر کے پیچھے بھی مجبوراً ہو جاتی ہے۔ الغرض جماعت کو بہر صورت قائم رکھنا چاہیئے۔

جماعت کے احکام و مسائل

پنج وقتہ فرض نمازوں میں جماعت سے نماز پڑھنی واجب ہے۔ بلا عذر جماعت ترک کرنے والا گنہگار ہے اور نماز کی اقتداء کی شرطیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) مقتدی اقتداء کی نیت کرے۔ (۲) مقتدی اور امام کی جگہ ایک ہو۔ (۳) مقتدی اور امام کی نماز بھی ایک ہی ہو (۴) مقتدی کے گمان میں امام کی نماز صحیح ہو (۵) امام سے مقتدی کے پاؤں کی ایڑیاں آگے نکلی ہوئی نہ ہوں (۶) مقتدی یہ جان رہا ہو کہ اب امام رکوع میں گیا اب سجدہ میں گیا اب کھڑا ہوا اور اب بیٹھا مطلب یہ کہ مقتدی کو امام کی حرکات و سکنات سے آگاہی ہونا شرط ہے۔ اب یہ

بات خواہ دیکھ کر جانے یا سن کر یا دوسروں کو دیکھ کر مقصود تو امام کی حرکات کو جاننا ہے وہ خواہ کسی طرح ہو۔ (۷) مقتدی امام کی حالت جانتا ہو کہ امام مقیم ہے یا مسافر؟ خواہ یہ علم نماز سے پہلے ہو یا بعد کو ہو جائے۔ (۸) مقتدی تمام ارکان میں امام کی اقتداء کرے (۹) مقتدی بنسبت امام کے نماز کے ارکان وشرائط کی بجا آوری میں کمتر ہو۔ یعنی اگر امام رکوع وسجدہ کرے اور مقتدی بھی رکوع وسجدہ کرے تو اقتداء صحیح ہے یا امام رکوع وسجدہ کرتا ہو اور مقتدی کسی عذر کی وجہ سے رکوع وسجود اشارہ سے کرے تب بھی اقتداء صحیح ہے۔ یا امام ومقتدی دونوں معذور ہوں دونوں اشارہ سے رکوع وسجود کر رہے ہوں تب بھی اقتداء صحیح ہے ہاں اگر امام رکوع وسجود کا اشارہ کرتا ہو اور مقتدی رکوع وسجود کرتا ہو تو اقتداء صحیح نہیں۔ [1]

اقتداء صحیح ہونے کی یہ نو شرطیں ہیں جن کا اوپر بیان ہوا۔ ان شرائط کی بناء پر جو عدم صحت اقتداء کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) اگر امام سوار ہو اور مقتدی پیادہ، یا مقتدی سوار ہو امام پیادہ یا مقتدی ایک سواری پر ہو اور امام دوسری سواری پر یا امام ایک مکان میں ہو اور مقتدی دوسرے مکان میں تو ان سب صورتوں میں چونکہ اتحاد ومکان نہیں اس لئے اقتداء صحیح نہیں۔

(۲) اگر امام نفل پڑھتا ہو اور مقتدی فرض، یا امام اور فرض پڑھتا ہو اور مقتدی دوسرے فرض تو اقتداء صحیح نہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ امام فرض پڑھتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے نفل پڑھ لے۔

(۳) اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز صحیح نہ ہوگی تو امام کی امامت اور مقتدی کی اقتداء صحیح نہیں۔

(۴) پانچویں شرط کی صورت اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ہی مقتدی ہو اور دائیں ہاتھ کو کھڑا ہو تو مقتدی کی ایڑیاں امام سے آگے نہ ہونی چاہئیں ورنہ مقتدی کی نماز نہ ہوگی ہاں اگر مقتدی کے قدم لمبے ہوں اور اس طول کی وجہ سے مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے بڑھ

[1] شامی ج ۱ص ۵۵۱

جائیں تو کچھ حرج نہیں۔

(۵) ساتویں شرط کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر ایسی صورت ہو کہ امام نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا اور مقتدیوں کو معلوم نہیں کہ امام نے بھول کر سلام پھیرا ہے یا سفر کی وجہ سے تو اقتداء صحیح نہیں۔

(۶) اگر کسی رکن میں مقتدی نے اپنے امام کی متابعت نہ کی یا کسی رکن کو امام سے پہلے کر لیا تو اقتداء صحیح نہیں۔ [1]

ترک جماعت کے عذر:

بلا عذر جماعت کو ترک کرنا سخت گناہ ہے۔ مگر مذکورہ ذیل عذروں کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا گناہ نہیں وہ عذرات یہ ہیں۔ (۱) اپاہج ہونے کی وجہ سے (۲) بیماری کی وجہ سے (۳) مینہ اور کیچڑ کی وجہ سے (۴) زیادہ سردی کی وجہ سے بیماری کا اندیشہ ہو (۵) سخت اندھیرا ہونے کی وجہ سے (۶) رات کے وقت آندھی آنے کی وجہ سے (۷) زیادہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے (۸) علم دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے (۹) مریض کی خدمت کرنے کی وجہ سے (۱۰) مال کے چوری چلے جانے کے خوف سے (۱۱) قرض خواہوں کے خوف سے (۱۲) ظالم کے ظلم کی وجہ سے (۱۳) قافلہ کے چلے جانے کے خوف سے [2]

یہ تیرہ عذرات ہیں جن کی وجہ سے جماعت ترک کرنا گناہ نہیں۔ ان کے علاوہ اگر کسی خود ساختہ عذر یا تن آسانی وسہل پسندی کی وجہ سے جماعت کو ترک کرے تو سخت گناہ لازم آتا ہے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ منافق ہی جماعت کو ترک کرتا ہے۔

یاد رہے یہ عذرات بھی اسی وقت قابل قبول ہو سکتے ہیں جبکہ یہ اپنی انتہائی صورت میں موجود ہوں۔ یہ نہیں کہ تیماردار کے مسجد جانے میں مریض کو کوئی خطرہ نہیں اور محض سستی کی وجہ سے تیمارداری کو عذر بنا کر جماعت ترک کر دی یا

[1] مراقی الفلاح ج ۱ص ۱۷۱ [2] شامی ج ۱ص ۵۵۵، فتاوی ہندیہ ج ۱ص ۸۳، مؤطا امام محمد ج ۱ص ۱۳۸

معمولی اندھیرا یا کیچڑ یا آندھی کی وجہ سے گھر سے نہ نکلے۔ خلاصہ یہ کہ ان عذرات کے پردہ میں کسل مندی اور غفلت و سستی کو نہ آنے دینا چاہئے۔ تن آسانی کی وجہ سے یا امارت کی وجہ سے یا کسی نفسانی بغض وعناد کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا گناہ ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہے وہ ہر ڈھکی چھپی باتوں کو جانتا ہے اگر کوئی شخص مذکورہ عذرات کی وجہ سے جماعت کی جماعت کی نماز نہ پڑھ سکے لیکن دل میں جماعت کی حسرت ہے تو اسے جماعت کا ثواب ملتا رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام کمزوریوں اور عذروں سے واقف ہے ان کی نظر دلوں پر ہے اور وہ اپنے بندوں کی آسانی چاہتا ہے۔ [1]

جماعت کے متعلق مختلف مسائل:

اگر پنجوقتہ فرضی نماز میں امام کے سوا دو آدمی ہوں اور جمعہ میں امام کے سوا تین آدمی ہوں تب بھی جماعت کا حکم ہے۔ یعنی جماعت کا نصاب دو مقتدی اور ایک امام ہے خواہ دو مقتدیوں میں ایک سمجھدار لڑکا ہی ہو اس صورت میں بھی جماعت ترک کرنے کا حکم نہیں ہے۔ [2]

جماعت جس طرح مسجدوں میں ہوتی ہے اسی طرح گھروں میں، دوکانوں میں جنگلوں میں بھی ہو جاتی ہے رہا مسجد کی جماعت کا ثواب تو وہ تو مسجد ہی کے ساتھ مخصوص ہے گھروں اور جنگلوں میں وہ ثواب نہیں مل سکتا۔ چنانچہ محلّہ کی مسجد میں گھر کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب ہے، جامع مسجد میں محلّہ کی مسجد سے پانچ سو نمازوں کا زیادہ ثواب ہے بیت المقدس کی مسجد میں پانچ ہزار نمازوں کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ مدینہ منورہ کی مسجد میں پچیس ہزار کا ثواب ملتا ہے اور مکہ معظمہ میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ [3]

اگر محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو تو محلّہ داروں کے لئے محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنی درست نہیں، خواہ وہ جامع مسجد میں کیوں نہ

---

[1] صحیح مسلم مع الشرح ج ۲ ص ۳۱۷ [2] شامی ج ۱ ص ۵۵۳ [3] درمختار ج ۲ ص ۲۰۲ و شامی ج ۱ ص ۵۵۴

ہو، کیونکہ محلّہ داروں پر اسی مسجد کا حق ہے جو ان کے محلّہ میں ہے۔ لہٰذا اس مسجد میں اذان کہہ کر تنہا نماز پڑھ لینی چاہئے۔ تاکہ مسجد آباد رہے۔ اس مسجد میں تنہا نماز پڑھنی اور مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ان کے حق میں افضل ہے۔ [1]

اگر محلّہ میں دو مسجدیں ہوں تو جو مسجد زیادہ قریب ہو اس میں نماز پڑھنی چاہئے۔ [2]

اگر دونوں کا فاصلہ برابر ہو تو جو زیادہ قدیمی مسجد ہو اس میں پڑھنی چاہئے۔

اگر کسی مسجد میں اذان ہو جائے تو پھر بغیر نماز پڑھے مسجد سے چلے جانا مکروہ ہے۔ ہاں امام و موذن کو اگر دوسری مسجد میں اذان دینی اور نماز پڑھانی ہو تو ان کے لئے مکروہ نہیں۔ [3]

صفوں کی درستی و ترتیب:

وہ چیز جو اسلام کو تمام مذاہب سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ اس کی ہر عبادت میں باطنی آداب اور دلی رجوع کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر نظم و درستگی ترتیب سلیقگی صفائی اور ظاہری خوبصورتی کو بھی رکھا گیا ہے چنانچہ نماز کی ہر بات میں یہی نظام و انضباط اور درستی و ترتیب نظر آتی ہے جو دیکھنے والے کو بھی معلوم ہوتی ہے۔

صفوں کی درستی و ترتیب کے لئے حدیث میں آیا ہے:

یمسح منا کبنا فی الصلوٰۃ یقول استووا ولا تختلفوا فیختلف قلوبکم لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ [4]

جماعت کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے سیدھے ہو جاؤ اور آگے پیچھے نہ رہو اور تم بے ترتیبی اور اختلاف کرو گے تو تمہارے قلوب

[1-2] درمختار ج ۱ ص ۶۵۹ [3] شامی ج ۲ ص ۵۲ [4] سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۰، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱

میں اختلاف بڑھ جائے گا۔ میرے نزدیک وہ لوگ کھڑے ہوں جو بہت عقلمند اور سمجھدار ہیں پھر وہ جو ان سے قریب ہوں اور پھر وہ جو ان سے قریب ہوں۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من تمام الصلوٰة [1]

صفوں کو سیدھا کرو۔ کیونکہ صفوں کو سیدھا کرنا نماز کا کمال ہے۔

نیز فرمایا:

"اپنی صفوں کو مضبوط باندھو، دو صفوں میں نزدیکی رکھو اور اپنے کندھوں کو ملالو خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں صفوں کے درازوں سے شیطان کو داخل ہوتا دیکھتا ہوں۔" اندازہ لگایئے حضور ﷺ نے صفوں کی درستی وترتیب پر کتنا زور دیا ہے۔ لہٰذا اس بات کا بھی نمازیوں کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔ [2]

امام کے نزدیک ایسے لوگوں کو کھڑا ہونا چاہئے جو دین میں زیادہ سمجھ رکھتے ہوں پہلی صف میں شامل ہونے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے مقتدیوں کو لازم ہے کہ پہلے پہلی صف کو پوری کریں، پھر دوسری پھر تیسری وغیرہ، کندھے سے کندھا اور قدم ملا کر کھڑا ہونا چاہئے۔ صف سے الگ ہوکر نماز پڑھنی درست نہیں۔ [3]

سب سے اوّل مردوں کی صفیں ہوں، پھر لڑکوں کی اور پھر عورتوں کی ہے۔ اس ترتیب کا اچھی طرح خیال رکھنا چاہئے۔ نماز میں لڑکوں کو پیچھے کھڑے ہونے کا اس لئے حکم ہے کہ ایسا نہ ہو کسی کی ہوا خارج ہوجائے یا کسی امر پر ہنس پڑیں تو دوسروں کی نماز میں خلل آئے۔

شریعت نے جو جماعت کی نماز میں زیادہ ثواب رکھا ہے اور صفوں کی درستی وترتیب کی تاکید کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے وحدت ویگانگت اور یک رنگی

۱ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۷۰، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۲ ۲ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۱ ۳ شامی ج ۱ ص ۵۶۹ ۴ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۸

ویک جہتی پیدا ہوتی ہے اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی شارع نے یہاں تک تاکید وہدایت کی ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں، صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے کے کندھے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے غرض یہ ہے کہ ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کرسکیں، وہ چیز جس سے خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے یاد رکھو انسان میں قدرت نے یہ قوت رکھی ہے کہ وہ دوسرے کے انوار کو جذب کرلیتا ہے، یہاں جماعت میں وحدت اور نورانیت کی ایک برقی لہر دوڑ جاتی ہے اور تمام نمازیوں میں وحدت ویک رنگی پیدا ہوجاتی ہے۔

وہ امور جو امام کے لئے مکروہ تحریمی ہیں:

اماموں کو چاہئے کہ وہ ان امور سے اجتناب کریں کیونکہ یہ امور مکروہ تحریمی ہیں: [1] (۱) قرأت واذکار مسنونہ سے زیادہ طول دینا یعنی امام کو ضعفاء، کمزور، بیمار اور حاجتمندوں کا خیال رکھ کر قرأت میں تخفیف کرنی چاہئے (۲) ایسی جگہ میں جہاں صرف اجنبی عورتوں کی امامت کرنی ہو جہاں امام کی محرم عورتوں میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ [2] (۳) امام کا صف کے بیچ میں کھڑے ہونا بشرطیکہ صف میں دو مقتدیوں سے زائد ہوں۔ اگر وہ مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہے۔ [3]

اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑیوں کے پاس ہوں ایک مقتدی کا بائیں طرف کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ [4]

مسئلہ: ایک مقتدی امام کے برابر کھڑا تھا دوسرا آ گیا تو یہ دوسرا شخص اس مقتدی کو پیچھے کھینچ لے خواہ نیت باندھ کر کھینچے یا نیت باندھنے سے قبل مقتدی ہٹتے وقت اصلاح نماز کی نیت کرے۔ اگر مقتدی کی یہ نیت نہ ہوگی تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر پہلا مقتدی اپنی جگہ سے نہ ہٹے گا اور اس کے پیچھے اور مقتدی صف باندھ لیں گے تو نماز بالاتفاق مکروہ ہوگی۔ ہاں اگر پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ہو تو

۱ ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۸ ۲ اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۵۵ ۳ الفتاوی العالمگیریہ ج ۱ ص ۸۸، رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۶ ۴ درمختار ج ۱ ص ۵۶۷

پھر امام کو ایک قدم آگے بڑھ جانا چاہئے۔[1]

مسئلہ: اگر ایک شخص ایسے وقت میں آیا کہ پہلی صف بالکل بھر چکی تھی اس میں ایک آدمی کی بھی گنجائش نہ تھی تو اس کو امام کے رکوع تک دوسرے کا انتظار کرنا چاہئے اس اثناء میں اگر کوئی دوسرا مقتدی آجائے تو دونوں صف میں امام کے پیچھے کھڑا ہو جانا چاہئے اگر دوسرا مقتدی نہ آئے تو جس امام رکوع کو جائے کسی مسئلہ جاننے والے کو اوّل یا دوسری صف میں سے اور اگر ایسا شخص نہ ہو جو اس مسئلہ کو جانتا ہو تو خود اکیلا امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے اس وقت اکیلے کھڑا ہونا مکروہ نہ ہوگا۔ ورنہ مکروہ ہے۔

صفوں میں ثواب کے اعتبار سے سب سے بہتر پہلی صف ہے، پھر دوسری پھر تیسری پھر اسی ترتیب سے چوتھی اور پانچویں وغیرہ، مگر جنازہ کی نماز میں اس کے برعکس ہے یعنی سب سے پچھلی صف میں زیادہ ثواب ہے۔[2]

مسئلہ: وضو کرنے والے کی اقتداء تیمم کرنے والے کے پیچھے صاحب عذر کی اقتداء اپنے جیسے معذور کے پیچھے، پاؤں دھونے والے کی اقتداء اس کے پیچھے جس نے موزوں پر یا پٹی پر مسح کیا ہو، کھڑے ہونے والے کی اقتداء بیٹھے ہوئے آدمی کے پیچھے[3] صحیح وتندرست آدمی کی اقتداء کبڑے یا لنگڑے کے پیچھے جو پورے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔[4] نفل پڑھنے والے کی اقتداء فرض پڑھنے والے کے پیچھے اور مسافر کی مقیم کے پیچھے یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ مگر مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت نکل جانے کے بعد جائز نہیں۔[5]

مسئلہ: عیدگاہ میں، جنازہ گاہ میں اور مسجد میں تو امام اور مقتدیوں کے درمیان جتنا فاصلہ بھی ہو جائز ہے مگر جنگل میں ایک صف کے لائق فاصلہ ہونا چاہئے اس سے زائد اگر بقدر دو صفوں کے ہوگا تو ناجائز ہے۔ اور اگر امام سر راہ نماز جنازہ پڑھانے کو کھڑا ہو اور مقتدی بھی اس کے پیچھے راستہ میں کھڑے ہوں تو اس قدر فاصلہ چھوڑنا چاہئے کہ گاڑی درمیان سے نہ گزر سکے اس سے زائد

---

[1] شامی ج ۱ ص ۵۶۸ [2] شامی ج ۱ ص ۵۷۰ [3] ردالمحتار ج ۱ ص ۵۸۸ [4] المحیط البرہانی ج ۱ ص ۱۸ [5] ردالمحتار ج ۱ ص ۵۸۰، ۵۸۱

فاصلہ چھوڑنا ناجائز ہے نماز صحیح نہ ہوگی۔[1]

مسئلہ: اگر امام مسجد کی چھت پر ہو اور لوگوں پر اس کی حالت مشتبہ نہ ہو، اس کے حرکات وسکنات دیکھ سکتے ہوں تو اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔[2]

وہ صورتیں جن میں مقتدی پر امام کی تابعداری لازم نہیں:

مقتدی کو امام کا اقتداء وتبع کرنا لازم ہے۔ رکوع، قیام اور سجدہ میں سبقت نہیں کرنی چاہئے رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص رکوع یا سجدہ میں امام سے پہلے سر اٹھائے گا اس کا سر قیامت کے روز گدھے جیسا ہوگا۔[3] یعنی جو امام سے پہلے سر اٹھائے گا وہ بیوقوف اور احمق ہے، اس نے اطاعت امام کا فلسفہ کو سمجھا ہی نہیں پس امام سے پہلے کوئی رکن نہ کرنا چاہئے لیکن مذکورہ ذیل صورتوں میں مقتدی پر امام کی تابعداری لازم نہیں:

(۱) اگر امام عیدین کی تکبیریں چھ سے زائد کہے تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں۔[4]

(۲) اگر امام جنازہ کی نماز میں چار سے زائد تکبیریں کہے تو مقتدی اس کی تابعداری نہ کریں صرف چار تکبیریں کہیں۔[5]

(۳) اگر امام کسی رکن میں زیادتی کرے، مثلاً دو سجدوں کی بجائے تین سجدے کرنے یا ایک کی بجائے تین سجدے کرے یا ایک رکوع کی بجائے دو رکوع کرے تو مقتدی تیسرے سجدے اور دوسرے رکوع میں امام کا ساتھ نہ دیں۔[6]

(۴) اگر امام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی کھڑے نہ ہوں۔[7]

یہ چار صورتیں ہیں جن میں مقتدیوں پر امام کی تابعداری لازم نہیں۔ اور وہ امور جن کو اگر امام ترک کر دے تو مقتدی ان کو ترک نہ کرے بلکہ ان کو مقتدی ادا کریں، یہ ہیں:

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۸۷ [2] عالمگیری ج ۱ ص ۸۸ [3] سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۲ [4-5] ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲ [6] ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲ [7] شامی ج ۲ ص ۱۲

(۱) اگر تکبیر تحریمہ کے وقت امام ہاتھ نہ اٹھائے تو مقتدی ضرور اٹھائے۔ امام کی متابعت میں ترک نہ کریں۔ [1]

(۲) اگر امام سبحانک اللھم نہ پڑھے تو مقتدی ضرور پڑھیں۔

(۳) اگر امام تکبیرات انتقالی یعنی رکوع وسجود کے وقت اللہ اکبر نہ کہے تو مقتدی ضروری کہیں۔ [2]

(۴) اگر امام رکوع وسجود میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ نہ کہے تو مقتدی ضروری کہیں۔ [3]

(۵) اگر امام قومہ میں سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد ضرور کہیں۔ [4]

(۶) اگر امام نے تشہد پڑھی تو مقتدی ضرور پڑھیں۔ [5]

(۷) اگر امام لفظ السلام علیکم نہ کہے تو مقتدی ضرور کہیں۔ [6]

(۸) اگر امام ایام تشریق کی تکبیریں نہ کہے تو مقتدی ضرور کہیں۔ [7]

ہدایات:

امام سے پہلے رکوع وسجود میں جانا یا سر اٹھانا مکروہ تحریمی ہے۔ [8] اگر مقتدی سے قبل امام قعدۂ اولیٰ میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے یا قعدۂ اخیرہ میں مقتدی سے قبل امام درود ودعا پڑھ کر سلام پھیر دے یا رکوع وسجود کی تسبیحات پڑھ کر مقتدی سے قبل امام سر اٹھالے اور یا مقتدی سے پہلے امام دعاء قنوت پڑھ کر رکوع میں چلا جائے تو ان سب صورتوں میں مقتدی پر لازم ہے کہ باقی حصہ کو چھوڑ کر امام کی تابعداری کرے۔ [9]

مقتدی کی قسمیں

مقتدیوں کی چار قسمیں ہیں: (۱) مدرک (۲) لاحق (۳) مسبوق (۴)

[1] ردالمختار ج ۲ ص ۱۲ [2] شامی ج ۲ ص ۱۲ [3-4-5-6] شامی ج ۲ ص ۱۲ [7] ردمختار ج ۲ ص ۱۲
[8] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۷۸ [9] عالمگیری ج ۱ ص ۹۰

مسبوق لاحق۔ مدرک کے معنی ہیں پانے والا یعنی وہ مقتدی جس نے امام کے ساتھ اوّل سے آخر تک پوری نماز ادا کی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مدرک وہی ہے جو تکبیر تحریمہ سے امام کے ساتھ شامل ہوا بلکہ وہ بھی مدرک ہے جس نے پہلی رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شرکت کی۔ لاحق وہ ہے جس نے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی نیت باندھی لیکن درمیان نماز میں بے وضو ہو گیا یا اور کوئی وجہ ہوئی اور مقتدی چلا گیا۔ بعد میں آکر قضا شدہ رکعت تنہا پوری کی۔ مطلب یہ کہ لاحق مقتدی وہ ہے جو شروع نماز سے امام کے ساتھ شریک ہوا پھر درمیان میں کوئی امر مانع صلوٰۃ لاحق ہو گیا اور وہ نماز چھوڑ کر چلا گیا اور پھر بقیہ نماز تنہا ادا کی۔ مسبوق وہ ہے جو ایک دو رکعت فوت ہو جانے کے بعد جماعت میں آکر شریک ہوا ہو۔ اور مسبوق لاحق وہ ہے جو دوسری رکعت میں بحالت قیام جماعت میں شریک ہوا پھر تیسری یا چوتھی رکعت میں بے وضو ہو گیا یا سو گیا اور نماز کے آخری حصہ میں یا امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد وضو کر کے آیا یا بیدار ہوا اور بقیہ نماز پوری کی۔ [1] اب ان سب کے احکام الگ الگ بیان کئے جاتے ہیں:

مسبوق کے احکام:

مسبوق کی نماز ادا کرنے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس طرح اسکی نماز فوت ہوئی ہے اسی طرح بقیہ نماز ادا کرے مثلاً ظہر کی نماز میں مسبوق کو امام کے ساتھ صرف چوتھی رکعت ملی یعنی امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی تو جس وقت امام سلام پھیر دے یہ مسبوق کھڑا ہو جائے اور اس طرح نماز پڑھے گویا اب نماز شروع کی ہے یعنی سبحانک اللھم، اعوذ باللہ، بسم اللہ، الحمد للہ اور کوئی سورت پڑھ کر رکوع کر کے سجدہ کرے اور تشہد کے لئے بیٹھ جائے کیونکہ یہ رکعت اس کو امام کے ساتھ ملی ہے اور ایک رکعت یہ ہو گئی اس طرح دو رکعتیں ہو گئیں اور دو رکعتوں کے بعد تشہد میں بیٹھنا لازم ہے۔ تشہد سے فارغ ہو کر آخری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے یہ دوسری رکعت پوری کر کے تیسری رکعت

[1] ردالمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۹۴

پوری کر کے سلام پھیر دے اسی طرح پوری چار رکعتیں ہو جائیں گی۔ ایک امام کے ساتھ اولی اور تین یہ مگر اپنی اخیر کی دو رکعتیں خالی پڑھے یعنی ان میں الحمد کے سوا کوئی سورت نہ پڑھے کیونکہ ظہر کے چار رکعتوں میں دو پر ہوتی ہیں اور دو خالی لہٰذا ایک جو امام کے ساتھ ملی ہے وہ پر سمجھی جائے گی۔ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک پر پڑھی جائے گی اور دو خالی۔ الغرض جس طرح نماز فوت ہوئی ہے اسی طرح پڑھے۔ [1]

مسئلہ: مسبوق اگر امام کے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو گیا اور امام کے ساتھ بقدر تشہد نہ بیٹھا تو خواہ ایسی حرکت کسی عذر کی وجہ سے کی یا بلا عذر بہر حال نماز فاسد ہو گئی۔ کیونکہ قعدہ اخیرہ جو فرض تھا اس کا ترک ہو گیا اگر بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد سلام سے پہلے بلا عذر کھڑا ہو گیا تو نماز مکروہ تحریمی ہو گی۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا تو نماز میں کوئی ہرج واقع نہ ہو گا۔ [2]

تشریح: وہ عذرات جن کی وجہ سے مسبوق کو بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد امام کے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہونا جائز ہے یہ ہیں: (۱) بے وضو ہو جانے کے خوف سے۔ (۲) وقت کے جاتے رہنے کے خوف سے۔ (۳) مدت مسح پوری ہو جانے کی وجہ سے (۴) کسی آدمی کے سامنے سے گزر جانے کے خوف سے۔ [3]

مسئلہ: اگر مسبوق بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد عذر کی وجہ سے امام کے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ امام نے سجدہ سہو کیا تو اب اگر مسبوق نے اپنی رکعت کا سجدہ نہ کیا تو جس حالت میں ہو اس سے عود کر کے سجدہ سہو میں شریک ہو جائے اگر اپنی رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو آخر میں سجدہ سہو کر لے اگر اخیر میں سجدہ سہو نہ کرے گا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ [4] مذکورہ صورت میں اگر بعد کو معلوم ہوا کہ امام نے سجدۂ تلاوت کیا ہے تو جب تک اپنی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ کر سجدۂ تلاوت میں شریک ہو جائے اور سجدہ سہو بھی کرے، پھر اپنی نماز پڑھے۔ اور اگر اپنی رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو پھر خواہ عود کرے یا نہ کرے

[1] در مختار مع شامی ج ا ص ۵۹۶ [2] عالمگیری ج ا ص ۹۱ [3] در مختار ج ا ص ۵۹۸ [4] عالمگیری ج ا ص ۹۲

بہر حال نماز فاسد ہو جائے گی۔ [1]

مسئلہ: اگر مسبوق دوسری رکعت میں اس وقت شریک ہوا کہ امام آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا یعنی جہری نماز تھی تو اس کو سبحانک اللھم نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ قرأت کا سننا واجب ہے اور ثناء کا پڑھنا سنت لہٰذا واجب کے مقابلہ میں سنت کو ترک کر دے اور اگر مسبوق سری نماز کی دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو اس صورت میں سبحانک اللھم پڑھے اور اپنی رکعت میں بھی یعنی جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اس میں بھی ثناء پڑھے۔ [2] اگر مسبوق نے امام کو رکوع یا سجدہ میں پایا اور اس کو ظن غالب ہے کہ میں ثناء پڑھ کر رکوع یا سجدہ میں شریک ہو سکوں گا تو ثناء پڑھ لے ورنہ ثناء ترک کر کے رکوع یا سجدہ میں شریک ہو جائے۔ [3]

مسئلہ: اگر امام چوتھی رکعت کا قعدہ اخیرہ کر کے سہواً پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور مسبوق بھی اس کی اقتداء میں کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ مسبوق نے امام سے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں اس کی اقتداء کی اور اگر امام قعدۂ اخیرہ ترک کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہو تو مسبوق کی نماز اس وقت تک فاسد نہ ہو گی جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے۔ پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کے بعد مسبوق کی امام کی اور سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ [4]

مسبوق کے لئے ہدایات:

(۱) مسبوق کو چاہئے کہ جب امام دونوں طرف سلام پھیر دے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اب امام کے ذمہ کوئی سجدہ سہو وغیرہ باقی نہیں تو اس وقت اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو تا کہ ہر طرح کی خرابی اور احتمال سے محفوظ رہے۔ [5]

(۲) مسبوق کو چاہئے کہ جب امام قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے تو جلدی جلدی تشہد نہ پڑھے بلکہ ذرا ذرا ٹھہر ٹھہر کر اتنی دیر سے پڑھے کہ امام کے سلام پھرنے تک ختم

[1] عالمگیری ج ا ص ۹۲ [2-3] عالمگیری ج ا ص ۹۰-۹۱ [4] در مختار مع شامی ج ا ص ۵۹۹ [5] عالمگیری ج ا ص ۹۱

ہو اور خالی نہ بیٹھا رہے اگر امام کے سلام سے پہلے تشہد سے فارغ ہو گیا تو صرف اشہد ان لا الہ الا اللہ کی تکرار کرتا رہے یا خاموش بیٹھا رہے اختیار ہے۔

(۳) اگر مسبوق نے امام کو قعدہ میں پایا تو ثناء نہ پڑھے قعدہ میں شریک ہو جائے۔ [۱]

لاحق کا حکم :

لاحق جس وقت وضو کر کے آئے تو جس رکن میں امام ہو اس میں آ کر شریک نہ ہو بلکہ جس طرح اور جس رکن کو امام ادا کر چکا ہے اس ترتیب سے بھی پہلے اسی رکن کو ادا کرے۔ مثلاً پہلی رکعت کے سجدہ میں اس کو حدث ہو گیا اور یہ وضو کرنے چلا گیا حتی کہ جتنی دیر میں وہ وضو کرے اتنی دیر میں امام دوسری رکعت کے قعدہ میں پہنچ گیا تو اس کو یہ نہیں چاہئے کہ قعدہ میں آ کر شریک ہو جائے بلکہ اس کو چاہئے کہ جس سجدہ میں اسے حدث ہوا تھا پہلے وہ سجدہ ادا کرے، پھر دوسری رکعت ادا کرے جو امام اس کی عدم موجودگی میں پڑھ چکا ہے اب امام آگے بڑھتا جائے گا اور یہ اس کے ادا کئے ہوئے ارکان کو ادا کرتا جائے گا اگر آخری نماز میں امام کی نماز تک پہنچ جائے تو فبہا اور اگر امام نماز ختم کر چکے اور یہ اس کو نہ پکڑ سکے تو اپنی نماز پوری کرے مگر ترتیب کا خیال رکھے۔ لاحق کے لئے ادا نماز کا یہی طریقہ ہے۔ [۲]

مسبوق لاحق کا طریقہ ادا ءنماز :

مسبوق لاحق پہلے اس نماز کو ادا کرے جو اقتداء کی حالت میں فوت ہوئی ہے اور پھر اس حصہ نماز کو ادا کرے جو شروع سے ہی فوت ہو چکی ہے۔ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز کی دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا اور تیسری رکعت میں اس کو حدث ہو گیا تو اس کو چاہئے کہ جماعت سے علیحدہ ہو کر وضو کرے پھر پہلے تیسری رکعت اور چوتھی رکعت ادا کرے مگر خالی بغیر سورت کے پھر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور اس رکعت کو ادا کرے جو ابتداء ہی سے رہ

۱ عالمگیری ج ۱ص ۹۱ ۲ درمختار مع شامی ج ۱ص ۵۹۵

گئی تھی۔ اس رکعت میں سبحانک اللھم، اعوذ، بسم اللہ، الحمد اور کوئی سورت پڑھے پھر بیٹھ کر باقاعدہ سلام پھیر دے۔ [۱]

بناءِ نماز کے احکام :

اگر امام کو نماز میں حدث ہو جائے تو اس کے متعلق ہم پہلے تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں یہاں دوبارہ مختصراً اس کے احکام لکھے جاتے ہیں۔ جس وقت امام کو نماز میں حدث ہو جائے، تو اسے چاہئے کہ اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو جو خلیفہ ہونے کے مسائل سے واقف ہو خلیفہ بنا کر فوراً اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور وضو سے فارغ ہو کر واپس آ جائے اور خلیفہ کی جگہ کھڑے ہو کر خلیفہ کے پیچھے اپنی بقیہ نماز پوری کرے اسی کو بناء کہتے ہیں۔ [۲]

امام کو مقتدی کو اور تنہا نماز پڑھنے والے کو سب کو بناءِ نماز جائز ہے۔ ان میں سے جس کسی کا بھی وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے گزشتہ پڑھی ہوئی نماز سے آگے آ کر شروع کرے مگر امام و مقتدی کے لئے بناء کرنا از سر نو نماز پڑھنے سے افضل ہے ورنہ جماعت کے ثواب سے محروم رہیں گے اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے از سر نو نماز پڑھنی افضل ہے۔ [۳]

ضروری مسائل :

اگر کسی کی امامت سے لوگ کسی امر شرعی کی بناء پر ناخوش ہوں اور اس کو امام رکھنا نہ چاہتے ہوں تو اس حالت میں اس امام کو امامت کرنی مکروہ تحریمی ہے اور اگر لوگ کسی امر دنیاوی کی وجہ سے امام سے ناراض ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس کی امامت صحیح ہوگی۔ [۴]

مسئلہ: اگر امام اور مقتدیوں میں نماز کے کسی امر پر اختلاف ہو جائے مثلاً مقتدی کہیں کہ تین رکعتیں پڑھی گئی ہیں اور امام کہے پوری چار ہو گئیں اور امام کو اس بات کا کامل یقین بھی ہو تو امام کا قول معتبر ہوگا اور مقتدیوں کے کہنے سے نماز کا دوبارہ اعادہ نہ کیا جائے گا۔ اگر اگر امام کو اپنے قول میں شک ہو تو پھر مقتدیوں

۱ عالمگیری ج ۱ص ۹۲-۹۳ ۲-۳ عالمگیری ج ۱ص ۹۵ ۴ اعلاء السنن ج ۴ص ۳۵۲

کا قول قابل اعتبار ہوگا اور نماز مکرر پڑھی جائے گی۔ ۱

اگر مقتدیوں میں باہم اختلاف ہو جائے کوئی کہے تین رکعتیں ہوئی ہیں اور کوئی کہے چار تو جس فریق کے ساتھ امام ہوگا اسی کا قول قابل اعتبار ہوگا خواہ امام کے ساتھ ایک ہی آدمی ہو اگر ایک مقتدی کو یقین ہے کہ تین رکعتیں ہوئیں اور دوسرے کو یقین ہے کہ چار ہوئیں ہیں ان دو کے علاوہ باقی مقتدیوں اور امام کو ان دونوں میں سے کسی کا بھی یقین نہیں تو بس کچھ بھی نہ کیا جائے نماز ہوگئی مکرر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ۲ ایک مقتدی کو یقین ہے کہ تین رکعتیں ہوئیں اور باقی مقتدیوں و امام کو تین یا چار ہونے میں شک ہے تو احتیاطاً دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے ۳

مسئلہ: ایک شخص کو فجر یا ظہر یا عصر کی امام کے ساتھ ایک رکعت ملی تو یہ جماعت سے نماز پڑھنے والا تو شمار نہ ہوگا مگر اس کو جماعت کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ ۴ اگر چار رکعتوں والی نماز میں سے تین رکعتیں امام کے ساتھ مل گئیں تو جماعت سے نماز پڑھنے والا شمار کیا جائے گا۔ ۵

مسئلہ: اگر کوئی شخص امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے قبل شریک ہوگیا تو اسے وہ رکعت مل گئی اور اگر اس کے رکوع میں جھکنے سے پہلے امام نے سر اٹھا لیا تو رکعت فوت ہوگئی۔ ۶ اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوگیا تو وہ رکعت مل گئی ورنہ نہیں۔ ۷ بعض علماء نے کہا کہ رکعت پانے کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم رکوع میں ایک مرتبہ سبحان ربی العظیم بھی کہا ہو تب وہ رکعت ملے گی ورنہ نہیں۔ ۸

مسئلہ: ایک شخص فجر یا مغرب کی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اتنے میں جماعت کھڑی ہوگئی تو اگر اس نے دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر سجدہ کر لیا ہو تو پھر نہ توڑے اسی کو پورے کرے۔ ۹

مسئلہ: اگر ظہر یا عصر یا عشاء کی تنہا نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں جماعت

۱-۲ عالمگیری ج ۱ ص ۹۳ ۳ عالمگیری ج ۱ ص ۹۳ ۴ شامی ج ۲ ص ۵۳ ۵ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۰
۶ عالمگیری ج ۱ ص ۹۱ ۷ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۰ ۸ بزازیہ ج ۱ ص ۹۶ ۹ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۹

کھڑی ہوگئی تو اگر دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا تو نماز قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے اس کی تنہا دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور فرض امام کے ساتھ ہو جائیں گے اور اگر تین رکعتیں پڑھ چکا تھا کہ جماعت کھڑی ہوگئی تو اگر تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر کر لیا ہو تو قطع نہ کرے اپنی نماز پوری کر لے اس کے بعد اختیار ہے چاہے جماعت میں شریک ہو یا نہ ہو، مگر عصر میں یہ اختیار نہیں، یعنی عصر کی جماعت میں شریک نہ ہو کیونکہ اپنی نماز علیحدہ پڑھ کر جو شخص جماعت میں شریک ہوتا ہے وہ نفل ہو جاتی ہیں اور عصر کے بعد کوئی نفل نہیں لہٰذا عصر کی نماز میں دوبارہ شریک جماعت نہ ہو۔ ظہر اور عشاء کی نماز میں شریک ہو جائے مگر اپنے اختیار پر منحصر ہے۔ اسی طرح مغرب کی نماز میں بھی شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تین نفل ہوں گے اور نفل تین نہیں ہوتی فجر کی نماز میں شریک نہ ہو کیونکہ فجر کی نماز کے بعد بھی کوئی نفل ہی نہیں۔ ۱

مسئلہ: اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں پڑھ رہا تھا اور جماعت کھڑی ہوگئی تو اس وقت تک قطع نہ کرے جب تک جماعت کے ساتھ کم از کم قعدہ اخیرہ مل جانے کا قوی خیال ہو۔ ورنہ قطع کر دے اور اگر فجر کی سنتوں کے علاوہ کسی اور وقت کی سنتوں میں ایسا اتفاق ہو تو اگر پہلی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد جماعت کھڑی ہو تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر تیسری رکعت یا چوتھی رکعت کے وقت جماعت کھڑی ہو تو چاروں رکعتیں پوری کر کے جماعت میں شریک ہو۔ ۲

مگر یاد رہے اگر جماعت میں شریک ہونے کے لئے سنتوں کو قطع کیا ہو تو پھر دوبارہ بعد میں سنتوں کی قضاء کرنی ہوگی۔ ۳

مسئلہ: ایک شخص بوقت فجر ایسی حالت میں مسجد میں آیا کہ جماعت ہو رہی تھی اور اس نے سنتیں نہ پڑھی تھیں تو اگر اسے قعدۂ اخیرہ مل جانے کی قوی امید ہو تو کسی علیحدہ جگہ سنت ادا کر کے جماعت میں شریک ہو ورنہ مجبوراً سنتوں کو ترک

---

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰، درمختار ج ۲ ص ۵۵ ۲ درمختار ج ۲ ص ۵۷ ۳ درمختار ج ۲ ص ۵۸

کر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے مگر یہ حکم صرف فجر کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے ظہر و جمعہ کی سنتوں کا یہ حکم نہیں ہے، ظہر یا جمعہ کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد سنتیں شروع ہی نہ کرے بلکہ جس وقت جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے اس وقت بھی سنتیں شروع نہ کرے۔ [۱] فرض نماز کے بعد ظہر و جمعہ کی سنتیں پڑھ لے۔ [۲] مگر یہ سنتیں آخر کی سنتوں سے پہلے ادا کرے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ فجر کی سنتیں قضا ہو جانے کے بعد پھر ادا نہیں کی جا سکتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر و جمعہ کی سنتوں کا وقت جماعت ہو جانے کے بعد موجود ہے اور فجر کی سنت کا وقت جماعت کے بعد موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر طلوع آفتاب کے بعد فجر کی قضاء شدہ سنتیں پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں امام محمدؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد فجر کی سنتیں ادا ہو جاتی ہیں۔ [۳]

عصر اور عشاء کی سنتوں کی قضا نہیں ہے کیونکہ عصر و عشاء کی سنتیں موکدہ نہیں برخلاف ان کے ظہر و جمعہ کی سنتیں موکدہ ہیں اس لئے وقت کے اندر ان کی قضا ہو سکتی ہے وقت گزر جانے کے بعد ان کی بھی قضا نہیں۔ [۴]

جماعت ثانیہ کا حکم :

محلّہ کی اس مسجد میں جس میں امام موذن اور مقتدی معین ہوں دوسری جماعت محراب سے ہٹ کر بغیر دوسری اذان کے بالاتفاق جائز ہے ہاں ایسی مسجد میں جہاں امام و مؤذن مقرر ہوں دوسری اذان دے کر مکرر جماعت کرنی مکروہ تحریمی ہے اور اگر مسجد ایسی ہو کہ نہ امام مقرر ہو نہ موذن اور نہ نمازی تو ایسی مسجد میں اذان کے ساتھ بھی مکرر جماعت بلا کراہت جائز ہے۔ [۵]

امام کے لئے دس آداب :

انتخاب امام کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امام ایسا شخص ہونا چاہئے جو قرآن سب سے زیادہ اچھا پڑھتا ہو یعنی بقدر ضرورت فن تجوید

---

[۱] کبیری ج ۱ ص ۳۹۶، عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۰ [۲] درمختار ج ۲ ص ۵۸ [۳] کبیری ج ۱ ص ۳۹۷، درمختار ج ۱ ص ۵۸، عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲ [۴] کبیری ج ۱ ص ۳۸۷ [۵] شامی ج ۱ ص ۳۹۵، عالمگیری ج ۱ ص ۸۳

قرأت سے واقف ہو یا کم از کم صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھتا ہو دیکھا گیا ہے کہ اکثر ائمہ مساجد غلط قرآن پڑھتے ہیں اور مقتدیوں کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ امام کو مقرر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ صحیح قرآن پڑھنے والا امام رکھا جائے حالانکہ اس پر نماز کا ایک رکن قرأت موقوف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے تو اس چیز کو یہاں تک اہمیت دی ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کا اچھا پڑھنے والا عالم پر مقدم ہے۔ [۱]

علاوہ ازیں امام کے لئے دس انسانی اور شرعی آداب ہونے ضروری ہیں تاکہ مقتدیوں کی نماز اچھی طرح پوری ہو وہ آداب یہ ہیں: (۱) تکبیریں باقاعدہ اور کامل طور پر کہے۔ [۲] (۲) رکوع و سجود اچھی طرح یعنی اطمینان و سکون کے ساتھ کرے۔ [۳] (۳) اپنے آپ کو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچائے رکھے۔ [۴] (۴) بدن اور لباس کو حتیٰ الامکان پاک و صاف رکھے۔ [۵] (۵) قرأت میں لوگوں کا لحاظ رکھے یعنی زیادہ طویل نہ کرے تاکہ مقتدیوں پر بار نہ گزرے۔ [۶] (۶) دماغ میں غرور و نخوت نہ ہو۔ (۷) نماز شروع کرنے سے پہلے تمام گناہوں سے استغفار کرے۔ [۷] (۸) مقتدیوں کے لئے بھی استغفار کرلے، کیونکہ ان کا امام ہے سلام پھیرنے کے بعد صرف اپنے ہی لئے دعا نہ کرے بلکہ سب کے لئے دعا کرے۔ [۸] (۹) جب مسجد میں کوئی مسافر آجائے تو اس کی حاجت دریافت کرے، بقدر طاقت خود اس کی امداد کرے اور دوسروں سے کرائے۔ (۱۰) ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے اور اپنے مقتدیوں کے دلوں میں گھر کرلے۔ [۹]

تنبیہ :

بعض ائمہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ قرآن کو راگ کی طرح پڑھتے ہیں اور اس کو مقتدی قاری سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے قرآن کو گا کر پڑھنا بہت گناہ ہے

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۱۰ [۲] شامی ج ۱ ص ۳۸۱ [۳] شامی ج ۱ ص ۴۴۷ [۴] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷ [۵] شامی ج ۱ ص ۴۰۲ [۶] شامی ج ۱ ص ۵۴۱ [۷] احکام القرآن ج ۳ ص ۳۲۲ [۸] ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۲ [۹] عالمگیری ج ۱ ص ۸۳

بلکہ قرآن کی توہین ہے۔ یہ کتنی بڑی کورذوقی اور دماغی افلاس ہے کہ جو امام قرآن کو گا کر پڑھے اس کو قاری سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ غلط پڑھتا ہو، اچھی آواز کو دیکھا جاتا ہے اور قرآن کو صحیح یا غلط پڑھنے کا ذرا سا بھی ذوق واحساس نہیں ہوتا۔ [1]

مسجد کے احکام وآداب

اسلام میں مساجد کا درجہ:

مفردات میں ہے: المسجد بکسر الجیم موضع السجود یعنی مسجد بکسر جیم ہے اور اس سے مراد وہ مقام ہے جس میں اپنے معبود حقیقی کے سامنے جبین نیاز رکھی جائے، یعنی سجدہ کرنے کی مساجد کے لئے اللہ پاک سورۂ جن میں فرماتے ہیں: وان المسجد للہ [2] مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ یعنی مسجدوں کے اندر صرف وہی اعمال سرانجام دیئے جائیں جو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہوں۔ دوسری جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: فلا تدعوا مع اللہ احداً مسجد میں سوائے اللہ کے کسی کی بندگی و پرستش نہ کرنی چاہیئے ان کو خالص طور پر خدا کے ذکر وعبادت کے لئے مخصوص رکھنا چاہیئے۔ فضول ولغو اور بیکار دنیاوی ذکرواشغال حکام وحکومت کی خوشامد وچاپلوسی غلامانہ اغراض اور شرک وبدعت کی نشرواشاعت سے مساجد اللہ کو ملوث اور بے حرمت نہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس آیت مقدسہ کی تفسیر میں حضرت امام طبریؒ، حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں:

افردوا المسجد لذکر اللہ تعالیٰ ولاتجعلوا لغیر اللہ فیھا نصیبا.

مسجدوں کو صرف اللہ کے ذکر کے لئے مخصوص کرو اللہ کے سوا غیروں کے ذکر کے لئے وہاں کوئی حصہ نہ ہو۔

۱ زاد الطالبین ج۱ص۸۰ ۲ الجن: ۱۸

(۱) مساجد کی تعمیر اور ان کا قیام صرف اس لئے ہے کہ یہ اللہ کے ذکر کے لئے مخصوص کردی جائیں۔ ان میں مسلمان محض اس لئے جمع ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکروعبادت بجالائیں۔ [1]

(۲) مساجد میں بادشاہوں، حکام، امراء اور اغیار واجانب کی قصیدہ خوانی اور تعریف وتوصیف بیان کرنا، ان کی خوشامد وچاپلوسی کا ذلیل ومکروہ مظاہرہ کرنا اور ان کے لئے دعائیں مانگنا ناجائز ہے۔ [2]

(۳) مساجد میں دنیاوی امور کا سرانجام دینا اور فضول لغو باتیں کرنا سخت ممنوع ہے اس ممانعت میں وہ باتیں داخل نہیں جن کا تعلق ملکی وملی فلاح وبہبود سے ہو۔ [3]

پس جو لوگ آج کل مساجد میں دنیاوی باتیں کرتے ہیں وہ مساجد کی حرمت وعظمت کو بٹہ لگاتے اور سخت گنہ گار ہوتے ہیں۔ اس مفسدہ کی روک تھام ہر مسلمان کا فرض ہے تاکہ مساجد کی حرمت قائم ہو اور وہ اللہ کے ذکروعبادت کے لئے مخصوص ہو جائیں۔

اسلام کی پہلی مسجد اور اس کے اغراض ومقاصد

جب آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے شہر سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں قیام فرمایا اور سب سے پہلے اس مسجد کی بنیاد ڈالی جس کو مسجد نبوی یا مسجد قبا کہا جاتا ہے اور اب تعمیر ملت کا اصلی کام شروع ہوا۔ گویا یہ مسجد مسلمانوں کے دین، سیاسی اور مجلسی اصلاح وتعمیر کا پہلا مرکز اور ہال تھی جہاں ملکی وملی ضروریات پر غور ومشورہ کیا جاتا تھا اور اہم امور سرانجام پاتے تھے۔ [4]

مدینہ میں جو منافق تھے اور اسلامی اثر واقتدار کے سامنے خائب وخاسر ہو کر مسلمانوں کی تعمیر وترقی کی دنیا کو دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر آگ کے انگاروں پر

۱ شامی ج۱ص۶۶۲ ۲ شامی ج۱ص۶۶۰، ۶۶۱، ج۲ص۴۳۹ ۳ شامی ج۱ص۶۶۲ ۴ التاریخ الاسلامی ج۱ص۳۵

لوٹے جا رہے تھے ان کے رؤسا نے مسجد قبا کے مقابلہ میں اپنے اسلام آزار اغراض ومقاصد کی تکمیل اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کے لئے اپنی علیحدہ مسجد بنالی جس کا مقصد وحید نفاق وفساد تھا۔[1] چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں ان دونوں مسجدوں کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً وتفریقاً بین المومنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ واللہ یشھد انھم لکذبون لاتقم فیہ ابداً لمسجد اسس علی التقویٰ من اوّل یوم احق ان تقوم فیہ. فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین. [2]

ترجمہ: اور جن منافقوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کر کھڑی کی کہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کریں، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں اور ان لوگوں کو پناہ دیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ قتال کر چکے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ اس مسجد سے ہمارا مقصد اچھا ہے سو اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں اگرچہ یہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اس سے ہمارا مقصد سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں۔ اے پیغمبر! آپ اس مسجد میں جا کر کھڑے بھی نہ ہونا۔ ہاں وہ مسجد مقدس جس کی بنیاد روز اوّل سے ہی اتقاء اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے، وہ یقیناً اس بات کی مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لئے کھڑے ہوں۔ کیونکہ اس میں ایسی لوگ ہیں جو صاف وستھرا رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ بھی ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے مسجد کے متعلق حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

[1] التاریخ الاسلامی ج ۱ ص ۳۷ [2] توبہ: ۱۰۷، ۱۰۸

مساجد کا پہلا مقصد:

یہ ہے کہ مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کا مرکز ہیں یہاں ان کو پنج وقتہ درس وحدت واخوت ملتا ہے لہٰذا وہ تمام باتیں جن سے اس مقصد عظمیٰ کو نقصان پہنچے۔ ممنوع، حرام اور اسلام سے بغاوت کے مترادف ہوں گی۔ پس جو لوگ مساجد کے اندر مسلمانوں میں باہمی پھوٹ ڈالنے فتنہ انگیزی کرنے باہمی بغض وعناد کی آگ مشتعل کرنے اور ملت واحدہ کا شیرازہ پراگندہ کرنے کی ملعون کوشش کرتے ہیں خواہ وہ تقدس مآب مشائخ وصوفیا ہوں یا جبہ پوش علماء وزعماء، سب کے سب منافق اور اسلام کے باغی ہیں لہٰذا دردمند مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی مساجد کو غلامی کے جراثیم تشتت وتفریق اور بغض ونفاق کے شیطانی اثرات سے پاک کریں، ان کو پھوٹ وتفرقہ کی نجاست سے آلودہ نہ ہونے دیں اور تطہیر مساجد کے لئے اپنی انتہائی کوششیں صرف کر دیں کیونکہ جب تک ہماری مساجد غلامی وتفرقہ کے جراثیم واثرات سے پاک نہ ہوں گی مسلمانوں کو قیامت تک بھی اسلام کی حقیقی روشنی اور روح حیات نہیں مل سکتی۔

اگر آج ہماری بدبختی وناسمجھی سے ہماری مساجد تکفیر وتفسیق اور بغض ونفاق کا اڈا بن گئی ہیں تو ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ مساجد اب اللہ کے لئے نہیں رہیں بلکہ منافقوں اور فرقہ بندوں کے لئے وقف ہوگئی ہیں اور حقیقی نور ایمان سے محروم ہوگئی ہیں اور ان کو منافقوں نے اپنا آلۂ کار بنالیا ہے۔

مذکورہ بالا آیت پکار پکار کر مسلمانوں کو آگاہ وخبردار کر رہی ہے کہ مساجد میں ہر ایسی بات جس کا نتیجہ نااتفاقی ہونا جائز، حرام اور منافقت ہے۔ جو لوگ ان میں نفاق انگیز اور جگر خراش تقاریر کرتے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے، منبروں پر بیٹھ کر تکفیر کرتے، تیر چلاتے اور قوم کی تخریب وبربادی کا سامان کرتے ہیں وہ بدترین منافق ہیں۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن مساجد پر فرقہ بندوں، غلامی پسندوں، سرمایہ پرستوں اور منافقوں نے قبضہ کرلیا ہو اور منبروں پر بیٹھ کر ملت واحدہ کے ٹکڑے کئے جاتے ہوں ان میں نماز پڑھنی تو کجا کھڑا ہونا

بھی ناجائز ہے۔

ہماری مساجد کی حالت :

جب ہم مساجد کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے ان کی بے حرمتی ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو جگر شق ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کی بدبختی پر رونا آتا ہے نفاق اور غلامی پسندوں نے اپنی دماغی گندگی اور اعمال خبیثہ وعقائد باطلہ سے خدا کے گھروں کو آلودہ کر رکھا ہے مساجد کے منبر بدعت نوازی، تثلیث پروری شکم سیری اور فتنہ انگیزی کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔ اللہ اللہ کتنا اندھیر اور قیامت خیز فتنہ پروری ہے کہ فرقہ بندوں نے مساجد کو اپنے اپنے فرقوں کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اہل حدیث کی مسجد میں مقلد کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں اور مقلدوں کو اہل حدیث کی مسجد میں گنجائش نہیں۔ دیوبندی، بریلوی کو اپنی مسجد سے دھکے دے کر نکالنا چاہتے ہیں اور بریلوی دیوبندی کو نجس سمجھتا ہے اور چٹائیوں کو دھلواتا ہے۔ بعض مساجد پر تو بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ "یہاں سوائے حنفیوں کے اور کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔" مساجد کی حرمت وآزادی کا زبردست تقاضا ہے کہ ایسے تنگ خیال، بدطینت اور فتنہ انگیز اماموں اور مہتمموں کو کان پکڑ کر مسجدوں سے نکال دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ بغض اور عناد کے دیوتاؤ! مساجد میں تمہارے باپ کی حکومت نہیں یہ خدا کے گھر ہیں۔ یہاں ہر خدا کے بندے کو حق حاصل ہے وہ اپنے عقیدہ کے مطابق خدا کی عبادت کریں۔

مساجد کی آبادی اور سعی تخریب :

مساجد کی غرض یہ ہے کہ ان سے مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ اتحاد واتفاق کا سبق ملتا رہے اور ان کے قلوب وارواح کو احکام الٰہیہ کی روشنی ملتی رہے۔ پس اگر مسجدوں سے یہ غرض پوری ہوتی ہے کہ منبروں سے کتاب وسنت کے مطابق ان کی صحیح رہنمائی ہوتی ہے تو وہ مسجدیں آباد ہیں خواہ وہ کچی ہوں اور ظاہری ساز وسامان کچھ نہ ہو۔ درحقیقت مساجد کی آبادی کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ائمہ اپنی بصیرت رکھنے والے اور اسلام کی صحیح روشنی دینے والے ہوں اور

مسلمانوں کی تعمیر واصلاح کا کام بخوبی سرانجام پا رہا ہو۔ اور جن مسجدوں سے ملت مسلمہ کی یہ غرض پوری نہیں ہوتی وہ ویران ہیں خواہ وہ کتنی ہی شان دار اور باعظمت ہوں۔ مسلمانوں کو اچھی طرح سن لینا چاہئے کہ مسجدوں کی آبادی ورونق تین چیزوں سے ہے ایک تو یہ کہ ان میں نمازیوں کی کثرت ہو اور وہ سب کے سب کسی نہ کسی حد تک اسلامی عقائد واخلاق کا سچا نمونہ ہوں دوسرے یہ کہ ان میں ایسے ائمہ ہوں جن سے قرآن حکیم کے صحیح علم وعمل کے چشمے جاری ہوں اور اتحاد واتفاق کا سبق ملتا ہو۔ اور تیسرے یہ کہ مسجدوں میں ہر مسلمان کو ذکر وعبادت الٰہی کرنے کی آزادی ہو۔ اور سعی وتخریب سے مراد یہ ہے کہ نمازی کم ہوں، جو ہوں بھی وہ اسلام کے علم وعمل سے محروم ہوں۔ خدا کے بندوں کو خدا کے ذکر سے روکا جاتا ہو اور فرقہ بندی وہنگامہ آرائی کا سبق ملتا ہو۔ چنانچہ شیخ علی المہائمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویذکر فیها اسمه اذا امنع لم یهتم لعما رتها فکانما سعیٰ فی خرابها.[۱]

جبکہ کسی نے لوگوں کو ذکر الٰہی سے روکا تو اس نے مسجد کی آبادی کا اہتمام نہیں کیا اور ایسا کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ گویا اس نے مساجد کی خرابی کی سعی کی۔

حضرت امام رازی اس کی تشریح وتوضیح یوں کرتے ہیں۔

السعی فی تخریب المسجد قدیکون لوجهین احدهما مع المصلین والمتعبدین والمتعهدین له فیکون ذالک تخریبا والثانی بالهدم والتخریب.

مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے عبادت گزاروں اور وابستگان مساجد کو منع کیا جائے ایسا کرنا مسجد کی تخریب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی عمارت کو منہدم کیا جائے۔

---

[۱] احکام القرآن ج ا ص ۸۶، ۸۷

سعی تخریب کرنے والوں کے لئے سخت وعید:

مذکورہ بالا تفاصیل سے ثابت ہوا کہ سعی تخریب یہ ہے کہ مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے لوگوں کو روکا جائے ان کی آبادی کا انتظام واہتمام نہ کیا جائے اور اس کی عمارت کو منہدم کیا جائے، جو لوگ مسجدوں کی ویرانی میں ساعی ہوئے ہیں ان کو یہ سخت وعیدیں سن کر لرز جانا چاہئے اور اپنی اسلام شکن حرکت پر ماتم کرنا چاہئے۔ ارشاد باری ہوتا ہے:

ومن اظلم ممن منع مسٰجداللہ ان یذکر فیھا اسمه وسعیٰ فی خرابھا اولٰئک ماکان لھم ان یدخلوھا الاخائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔ [1]

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کئے جانے سے روکے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے خوف ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مشرکین مکہ نے ویرانی مسجد حرام کی کوشش کی تھی۔ [2] حق تعالیٰ نے صیغہ عموم سے ان کی قباحت ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا کیا: "اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کئے جانے سے روکے۔ الخ۔" اس آیت کی رو سے وہ لوگ بڑے ظالم اور شریر ہیں جو ذکر الٰہی سے روکتے اور فتنہ وفساد برپا کر کے ملت واحدہ کے شیرازہ کو اور زیادہ بکھیرتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اپنی اس حرکت قبیحہ سے باز آ جانا چاہئے اور مساجد کو خدا تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور تسبیح وتقدیس کے لئے عام کر دینا چاہئے ورنہ وہ ظالم وشریر ٹھہریں گے اور دین ودنیا میں رسوائی حاصل کریں گے۔ [3]

---

[1] البقرۃ: ۱۱۴ [2] صحیح البخاری ج ا ص ۳۳۳ [3] شامی ج ا ص ۶۵۶

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

مساجد کی آبادی وتخریب کے باب میں ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے اس کو پڑھ کر ایک سطح بین کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر اسلامی تعلیمات کا منشاء یہی ہے کہ ہماری مسجدیں ہر فرقے، ہر ملحد، ہر بے دین کے لئے عام ہونی چاہئیں تو اس طرح اہل بدعت وضلالت کو موقعہ ملے گا کہ وہ ہماری مسجدوں میں آزادنہ آئیں اور اہل حق کا نظام عبادت درہم برہم کر ڈالیں۔ سو جان لینا چاہئے کہ بیشک مسجدیں ہر اس شخص کے لئے کھلی ہوئی ہونی چاہئیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور ذکر الٰہی کی اجازت چاہتا ہے۔ لیکن اگر اہل بدعت وضلالت ہماری مسجدوں میں آ کر ذکر الٰہی کے بہانے اپنے گمراہ کن عقائد کی تبلیغ کریں اور اسلام کے صحیح علم وعمل کو اپنی خباثت وضلالت سے نقصان پہنچائیں تو پھر مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ایسے افراد پر مسجدوں کے دروازے بند کر دیں۔ اس صورت میں وہ مانعین ذکر اللہ کی وعید کے سزاوار نہ ہوں گے اس صورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی بھی فرقے کو ذکر الٰہی سے روکے۔ [1] مسجدیں اس لئے نہیں کہ ان میں فرقہ بندی کے بت نصب رہیں اور ان کی پرستش ہوتی رہے اور کسی خانہ ساز وہابی اور اہل حدیث کے نماز پڑھ لینے سے مسجد کی چٹائیاں تک دھلتی رہیں۔ جو لوگ اس قسم کی تاریک اور ذلیل ذہنیت رکھتے ہیں وہ اسلامی اخلاق کے بدترین دشمن ہیں۔

مسجدوں کے متولی کیسے ہونے چاہئیں؟

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان جس قدر زیادہ قرآن حکیم سے دور ہوتے جا رہے ہیں اسی قدر ان کی زندگی اور ذہنیت تاریک ہوتی جا رہی ہے اور ان کا دینی نظام

---

[1] اس طرح فتاویٰ میں صراحتہ تو کہیں بھی نہیں ہے لیکن یہ مسائل شامی کی جلد اول صفحہ ۶۶۰ اور جلد چہارم کے صفحہ ۹۲،۹۳ میں متفرق ابواب میں ملتے ہیں اس کے علاوہ خلاصۃ الفتاویٰ جلد چہارم صفحہ ۳۲۳، عالمگیری جلد پنجم صفحہ ۳۲۱ میں بھی ملتے ہیں۔ علوی

ابتر و ناکارہ ہوتا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی تمام خرابیوں اور گمراہیوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ اسلامی احکام و فرامین کو سامنے رکھ کر اپنے کسی دینی کام کو سرانجام دینا نہیں جانتے۔ چنانچہ مساجد کی تعمیر و تولیت کے بارے میں تو وہ جانتے ہیں کہ اس باب میں اسلام نے کیا حکم دیا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ عموماً مساجد کی تعمیر و تولیت کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے جو محلّہ یا شہر میں صاحب اثر و رسوخ ہو، بڑا سمجھا جاتا ہو، حکام رس ہو مالدار ہو اور یا اس کا باپ دادا پہلے سے مسجد کا متولی چلا آتا ہو، الغرض ہم نے اپنی ناسمجھی سے امامت کی طرح تولیت کو بھی جدی وراثت سمجھ لیا ہے مگر اسلام مسجد کی تعمیر و تولیت کے لئے کس شخص کو مستحق ٹھہراتا ہے؟ [1] سنئے۔ ارشاد باری ہے:

انما یعمر مسجداللہ من امن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الااللہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدین. [2] (سورۂ توبہ)

اللہ کی مسجدیں آباد کرنے والا تو وہ شخص ہوسکتا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا، نماز قائم کی زکوٰۃ ادا کی اور پھر یہ کہ وہ کسی سے نہ ڈرا مگر صرف اللہ سے تو بیشک ایسا شخص قریب ہے کہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہو۔

اس آیت کا مفہوم و مفاد یہ ہے کہ مسجدوں کو آباد کرنے والا اور متولی بننے کا مستحق وہ شخص ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھے، پنج وقتہ نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ دے اور سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈرے ایسا ہی شخص ہدایت یافتہ ہے۔ جو شخص ان صفات سے محروم ہے وہ دیندار نہیں، اور وہ شخص مسجد کا متولی نہیں بن سکتا۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی مسجدوں کے متولیوں کا جائزہ لیں اگر وہ ان صفات سے محروم نظر آئیں تو ان کو تولیت سے الگ کردیں اور تعمیر و تولیت کے انتخاب کے وقت ان صفات اربعہ کو مدنظر رکھا جائے:

---

[1] شامی ج۳ص۳۵۷ [2] توبہ : ۱۸

مسجد کا متولی بے خوف و نڈر ہونا چاہئے:

آیت مذکورہ میں تولیت کی چار شرطیں بیان کی گئی ہیں ان میں آخری شرط نہایت اہم اور ضروری ہے۔ اور اگر سچ پوچھو تو سب شرطوں کی جان ہے۔ آخری شرط گویا اصل ہے اور بقیہ تین شرطیں اس کی فرع اور اہم شرط یہ ہے کہ مسجد کا متولی اپنے تمام اعمال و افعال میں نڈر اور بے خوف ہو، اللہ کے سوا اور کسی کی قوت و عظمت سے مرعوب نہ ہو۔ دراصل یہ بے خوفی ایمان باللہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والے حقیقی مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی شے سے نہ ڈرے نماز کا اثر اور سچے نمازی کی پہچان بھی یہی چیز ہے۔ [1]

نماز کے ذریعہ مسلمانان عالم کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں ایک دل ہے اور ایک سر ہے۔ دل میں صرف ایک اللہ ہی ہونا چاہئے اور سر بھی صرف خدائے واحد ہی کے سامنے جھکنا چاہئے مسلمان نمازی صرف اپنے خالق و مالک کا غلام ہے، وہ اللہ کے سوا کسی کا غلام نہیں ہوسکتا اور وہ دنیاوی حکموں اور حکمرانوں کے سامنے نہیں جھک سکتا ایک سچے مسلمان نمازی کی پہچان یہی ہے کہ وہ صرف اللہ سے ڈرے اور اپنے دل سے تمام فراعین و نمارده کے خوف نکال ڈالے۔

ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

اس قوت توحید اور جذبہ ملی کا اظہار مسجدوں میں نمایاں طور پر ہونا چاہئے۔ بالخصوص مسجد کے متولی اور امام کو تو ضرور اس نقشہ توحید اور جذبہ اعلون سے سرشار ہونا چاہئے جو غیروں سے ڈرتے اور کفر و تثلیث کی غلامی کرتے ہوں تو مسجدوں کے متولی اور مسلمانوں کے امام ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتے۔ [1] اگر آج ہماری بدقسمتی سے ایسا ہی نظر آتا ہے تو کہنا پڑتا ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

---

[1] دیکھئے: تفسیر عثمانی ج۱ص۲۵۲ [2] شامی ج۳ص۳۸۲

ائمہ مساجد کی حالت پر خون کے آنسو :

اسلام نے امامت وجماعت کے ذریعہ مسلمانوں کی ترقی وفلاح اور اصلاح وتعمیر کا ایک ایسا مضبوط اور نتیجہ خیز نظام قائم کر دیا ہے کہ اگر یہ دونوں چیزیں اپنی اصلی حالت اور بنیادوں پر استوار ہو جائیں اور مسلمان ان کی عظمت وحقیقت کو سمجھ لیں تو ان پر آج ہی دینی ودنیوی ترقی کے ابواب کھل جائیں اور وہ آسمان عزت پر چڑھتے ہوئے نظر آئیں۔ مگر آہ ایسا نہیں ہم نے امامت وجماعت کی حقیقت کو پس پشت ڈال دیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد میں صلاح وفلاح اور ہدایت وکامرانی کے نور سے محروم ہیں ہماری بستیوں میں الحاد وارتداد کی وبائیں پھیل رہی ہیں امت مسلمہ عصیان وطغیان کے سیلاب میں بری طرح بہی چلی جا رہی ہیں فرقہ بندی اور تکفیر وتفسیق کی آگ ہماری امیدوں اور عزائم کے دامن کو جلائے دے رہی ہے، پھوٹ اور نفاق کی آندھیوں نے تعمیر ملت کی شاندار عمارتوں کو پیوند زمین بنا رکھا ہے اور فرقہ بندی، بد نظمی، جہالت وافلاس اور غلامی ومحکومی نے ہماری شخصی اور جماعتی زندگی کی ہر شاخ کو مردہ اور پامال کر رکھا ہے۔

حالانکہ نصب امامت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کی شخصی وجماعتی زندگی کی ہر شاخ کو قوت وسر سبزی ملے، ان کی دینی وسیاسی زندگی مضبوط بنیادوں پر قائم رہے اور ان کو دن میں پانچ بار علی العموم اور جمعہ کے دن بالخصوص قرآنی احکام وہدایات ملتی رہیں مگر ہمارے ذوق انتخاب کی پستی اور دینی نظام کا مسخرہ پن ملاحظہ ہو کہ ہم نے امامت کے تاج اور دینی بادشاہت کے لئے دنیا بھر کے اندھے، بہرے، اپاہج، مریض، نکمے، عہدی، جاہل، کودن، شکم پرست، مردہ شو، بدباطن اور بد اخلاق قل اعوذی ملانوں کو منتخب کر رکھا ہے۔ ہماری مسجدوں میں ایسے نا اہل امام بھرے پڑے ہیں جن کے پاس نہ صحت مند جسم ہے، نہ ذمہ دار روح، نہ روشن دل، نہ با احسان دماغ، نہ مستقیم نظر، نہ مصلحت اندیش عقل اور نہ حیات افروز اخلاق۔ ان کے علم وعمل کی کل کائنات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر

نماز کے مفہوم ومطالب تک سے نا آشنا ہیں، ان کا کام صرف اتنا ہے کہ الٹی سیدھی نمازیں پڑھا دیا کریں۔ جمعرات کی روٹیاں اکٹھی کر کے کچھ کھا لیا کریں اور کچھ بیچ دیا کریں۔ مریض اور آسیب زدہ بچوں کو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کر دیا کریں۔ یہ ہے ہمارے ائمہ مساجد کی اہلیت وحقیقت۔

مساجد کے بارے میں ایک ضروری اور قابل توجہ چیز :

اسلام میں مذہب وسیاست کی تفریق نہیں وہ بیک وقت مذہب بھی ہے اور سیاست بھی۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ دونوں چیزیں ایک ہیں مسلمانوں میں مذہبی، وسیاسی تفریق کی ابتداء کرنے والا مغربی دماغ ہے۔ جس نے اپنے اغراض ومصالح کے لئے مسلمانوں کے دماغ میں اس تفریق کو گھسیڑ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر یہ اسلام سوز فتنہ دیکھنے اور سننے میں آتا رہتا ہے کہ مسجدیں تو صرف اللہ کی عبادت کے لئے ہیں، ان کو خطبات سیاسیہ سے پاک رکھنا چاہئے۔ اس تباہ کن اور خلاف اسلام ذہنیت کی بناء پر مسجد کا ہر قول آزادی وبے باکی کے ساتھ جس کو چاہتا ہے سیاسی تقریر سے روک دیتا ہے۔

سخت حیرت اور تعجب ہے کہ اغیار نواز اور غلامی پسندوں کو مذہب وسیاست کی تفریق کر کے مساجد میں خطبات سیاسیہ بند کر دینے کی جرأت وہمت کیوں کر ہوئی ہے۔ اور وہ اس قسم کا جاہلانہ گمراہ کن اعلان کر کے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ اور یقین کیسے کرتے ہیں؟ وہ قرآن حکیم اور سیرت نبوی ﷺ سے ناواقف اور اسلام کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور ناکامی وپستی کا سامان کرتے ہیں۔ قرآن حکیم پر ایمان رکھنے والے اس کو سمجھنے والے اور سیرت نبوی ﷺ سے ناواقف اور اسلام کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور ناکامی وپستی کا سامان کرتے ہیں۔ قرآن حکیم پر ایمان رکھنے والے اس کو سمجھنے والے اور سیرت نبوی ﷺ سے تمسک کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذہب وسیاست کی تفریق کا خیال آنا ہی کفر ہے۔

یاد رکھئے اسلام صرف نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ کا نام نہیں۔ وہ صرف اللہ

اللہ کرنا اور تسبیح پھیرتے رہنا ہی نہیں سکھاتا بلکہ جسمانی و مادیات کا انتظام وانصرام بھی کرتا ہے دنیوی وتمدنی ترقی کو مذہبی ترقی قرار دیتا ہے دنیا کو آخرت کی کھیتی بتلاتا ہے آزادی کی تعلیم دیتا ہے غلامی کی ہر طرح بیخ کنی کرتا ہے مسلمانوں سے تمکین اور استخلاف فی الارض کا وعدہ کرتا ہے تجارت اور صنعت وحرفت کی ترغیب دلاتا ہے جہاد فی سبیل اللہ کے احکام دیتا ہے۔ نکاح وطلاق اور دیگر معاملات ودنیوی کے قوانین نافذ کرتا ہے اور چوروں اور زانیوں کی سزا مقرر کرتا ہے۔ اگر یہ تمام باتیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں تو پھر بتاؤ سیاست کس چیز کا نام ہے اور مسجدوں کے متولی مسلمان ہوتے ہوئے خطبات سیاسیہ سے کیونکر روک سکتے ہیں؟

مسجد نبوی ﷺ اور سیاسی امور:

سیرت نبویؐ اس امر پر شاہد عدل ہے کہ رسول خدا ﷺ ساری عمر مسجد میں بیٹھے ہوئے اللہ ہی اللہ نہیں کرتے رہے اور آپ کے صحابہ نے راہبانہ زندگی بسر نہیں کی بلکہ حضور ﷺ نے جہاد کئے دوسرے ممالک پر لشکر کشیاں کیں اقوام وممالک سے معاہدے کئے اور مخالف اسلام قوتوں کا مقابلہ بھی کیا اور یہ سب امور سیاسی مسجد میں ہی سرانجام پاتے تھے عہد نبویؐ میں مسجد کے اندر صرف نماز روزہ ہی کے وعظ نہ ہوتے تھے بلکہ وہاں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے خطبات بھی دیئے جاتے تھے جیوش وعساکر مرتب ہوتے تھے ان کے احکام وفرامین نافذ کئے جاتے تھے۔ سفراء اور وفود سے ملاقاتیں ہوتی تھیں مقدمات ونزاعات کے فیصلے ہوتے تھے اموال غنیمت تقسیم کئے جاتے تھے اور یہ تمام سیاسی امور خود صاحب وحی اور داعیٔ برحق اپنی مسجد میں سرانجام دیتے تھے ان روشن امور کے ہوتے ہوئے کس مسلمان کی طاقت ہے جو مسجدوں سے سیاست کو خارج کر سکے؟ اور اگر متولیان وائمہ مساجد کا کوئی دوسرا خود ساختہ مذہب ان سیاسی امور کو مسجد سے خارج کرتا ہے تو ایسے ناپاک، سڑیل اور مردہ مذہب کو پتھر سے دے مارو۔ الغرض مسلمانوں کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ مسجدوں میں وہ تمام

مذہبی، سیاسی اور ملکی امور کے لئے صلاح مشورہ اور تقریر کی جاسکتی ہے جن کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور ترقی وترفع سے ہو اور پوری آزادی کے ساتھ مساجد میں سیاسی مجالس کا انعقاد ہوسکتا ہے کسی سرکار پرست متولی کو سیاسی تقریر سے روکنے کا حق نہیں۔

یہ مسجد ہے جہاں دخل کلیسا ہو نہیں سکتا
یہاں قانون کا جھگڑا گوارا ہو نہیں سکتا

مسلمانوں کے لئے واضح اور روشن صراط عمل:

اگر مسلمان حقیقی مسلمان بننا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ سب سے پہلے انہیں اپنی تمام تر توجہ مسجدوں کو آباد وآزاد کرنے اور بہترین وقابل اماموں کو پیدا کردینے پر مبذول کردینی چاہئے۔ ان کا مقدم فرض یہ ہے کہ وہ ائمہ مساجد کی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں اور ایسے امام پیدا کریں جو اپنے مقتدیوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنادینے کی صلاحیت رکھتے ہوں جو منشاء شریعت کے مطابق ان کی دینی ودنیوی زندگی کی تعمیر واصلاح کریں۔ اس کے بغیر مسلمانوں کی تنظیم واصلاح کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

کیا تم نے سنا نہیں کہ مدینہ کے مسلمانوں کے پاس صرف ایک مسجد تھی جس سے انہیں وہ طاقت ملی تھی کہ ان کی قلت وبے سروسامانی نے کثرت کے چھکے چھڑادیئے طاغوتی طاقتوں کے دل بادل کو کائی کی طرح پھاڑ کر رکھ دیا اور وہ دین ودنیا کے مالک بن گئے۔ ملی زندگی کی تباہ حالی اور مظلومیت کو اسی ایک مسجد نے موج اقبال وکامرانی سے بدلا۔ حیرانی اور تعجب ہے کہ صحابہ کو تو صرف ایک مسجد نے سب کچھ بنادیا تھا مگر آج ہم ہندوستان میں آٹھ کروڑ ہوتے ہوئے اور ۷۰ ہزار مساجد رکھتے ہوئے بھی مظلومیت وتباہ حالی کے فرش ذلت پر پڑے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہمارے امام ومتولی قابل نہیں ہم نماز وجماعت کی حقیقت کو نہیں جانتے اور تمام مسجدیں ایک نظام کے ماتحت نہیں۔

غضب خدا کا مسجدیں ویران وغلام ہیں زنا کاری کے بازار گرم ہیں شراب

خانے آباد ہیں اور مجلسیں پررونق ہیں پھر بھلا ہم خدا کے گھروں کو ویران، غلام اور منتشر کر کے کیسے دنیا میں فلاح یاب ہو سکتے ہیں۔

مسجد کے احکام

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد کے اندر گھر میں نماز پڑھنے سے پچیس درجے زائد ہے اور جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے تو ہر قدم پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے اور اس کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اطمینان سے وضو کر کے مسجد میں نماز کے لئے آتا ہے تو وہ مسجد سے خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا بلکہ اپنے ساتھ اجر و ثواب کا ایک سرمایہ لے جاتا ہے اور زیادہ نفع میں وہ رہتا ہے جو زیادہ دور سے چل کر آتا ہے۔ [2]

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مجلس میں فرمایا جس وقت طبیعت پر سستی و کاہلی کا غلبہ ہو اس وقت وضو کر کے نماز کے لئے مسجد میں آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا گناہوں کی تاریکی اور غفلت و سستی کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح صابن سے میل دور ہو جاتا ہے۔ [3] بالخصوص صبح و شام کے وقت مسجد میں آنا از قسم جہاد فی سبیل اللہ ہے اور جو لوگ رات کے وقت اپنے گھر سے چل کر مسجد میں آتے ہیں حق تعالیٰ قیامت کے دن انہیں ایک نور کامل عطا فرمائے گا۔ [4]

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! جب تم کسی شخص کو جو مسجد میں جانے کا عادی ہو دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ [5] کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسجدیں وہی لوگ آباد کرتے ہیں

---

[1] ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۵۸، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۲ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۵ [3] جامع الصغیر [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۵ [5] ترمذی شریف، ابن ماجہ

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ کی رضامندی کا طالب ہے وہ کبھی سستی و کاہلی کی وجہ سے مسجدوں میں جانا ترک نہیں کرتا اور گھر میں نماز پڑھنے کی عادت نہیں ڈالتا۔ [1]

مسجد میں آنے اور ٹھہرنے کے آداب و احکام:

سنن ابی داؤد میں یہ روایت آئی ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اعوذ باللہ العظیم و بوجهه الکریم و سلطانه القدیم من الشیطن الرجیم. [2]

یعنی میں پناہ مانگتا ہوں بڑے اللہ کی، اس بزرگ ذات کی اور اس کی قدیم بادشاہت کی شیطان مردود سے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی مسجد میں جانے کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے یہ شخص تمام دن مجھ سے محفوظ رہا۔ [3] مسجد میں داخل ہونے کے آداب یہ ہیں:

مسجد میں پہلے دایاں پاؤں رکھے بعد میں بایاں اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالے اور پھر دایاں۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ حاتمؒ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پیر رکھا تھا کہ اچانک اس خلاف ادب فعل کا خیال آ گیا اسی وقت ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور گھبرا کر نکل آئے اور پھر دوبارہ داہنا پاؤں رکھ کر داخل ہوئے۔ لوگوں نے اس گھبراہٹ کا سبب پوچھا تو کہا کہ میں نے مسجد کے آداب میں ایک ادب چھوڑ دیا تھا مجھے خوف ہوا کہ مبادا اللہ تعالیٰ ولایت و فضل کی نعمت مجھ سے نہ چھین لے۔

مشہور ہے کہ سفیان ثوریؒ نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھا تھا، ان کے استاد نے ترک ادب پر انہیں تنبیہاً ثور (بیل) کہا یعنی بیل ہے کہ مسجد کا ادب

---

[1] ابن ماجہ ص ۵۶ [2] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶۷، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۸ [3] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶۷

نہیں جانتا۔ آپ اسی روز سے سفیان ثوریؒ مشہور ہو گئے۔

مسجد کا قابل اہتمام ولائق توجہ ادب یہ ہے کہ بے ضرورت دنیا کی کوئی بات نہ کرے اشباہ و نظائر میں لکھا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا عملوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لکڑی کو آگ جلاتی ہے۔ آج کل نمازی اس ادب کا قطعاً خیال نہیں رکھتے اور مسجد میں آتے ہی دنیا جہان کے قضیئے جھگڑے چھیڑ دیتے ہیں۔ چیخ چیخ بک بک سے ایک طرف اپنے اعمال ضائع کرتے ہیں دوسری طرف دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں انہیں اس قبیح عادت کو فوراً ترک کر دینا چاہئے اور مسجدوں کو بیٹھک نہ بنانا چاہئے بلکہ چاہئے کہ مسجد میں آ کر ذکر الٰہی، نماز، تلاوت قرآن، علوم دینی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مصروف ہو جائیں اگر ان امور میں سے کچھ نہ کریں تو کم از کم اللہ کی طرف متوجہ ہو کر چپکے ہی بیٹھے رہیں ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے:

واذا دخله فليسلم على النبي ﷺ [1]

اور جب مسجد میں داخل ہو تو چاہئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے۔

یعنی یوں کہے: السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبركاته [2]

مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ایک روایت میں یوں دعا آئی ہے:

اللهم افتح لنا ابواب رحمتك وسهل لنا ابواب رزقك. [3]

یا اللہ! ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول اور ہمارے لئے اپنے رزق کے دروازے آسان کر۔

مسجد میں خرید و فروخت:

ترمذی اور نسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو مسجد میں کچھ خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھے تو یوں کہے کہ اللہ تیری سوداگری میں نفع نہ

[1] ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۷، ابن ماجہ ص ۵۶، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۱۰ [2] مسلم شریف ج ۱ ص ۲۴۸، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۷، ابن ماجہ ۵۶ [3] نسائی ج ۱ ص ۱۱۹

دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں خرید و فروخت کی سخت ممانعت ہے۔ اسی طرح مسلم ابوداؤد وغیرہ میں آیا ہے:

ومن سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا. [1]

اگر مسجد میں ایسے شخص کی آواز سنے جو گم ہوئی چیز کو ڈھونڈتا ہو تو چاہئے کہ یوں کہے کہ اللہ اس کو تجھ پر نہ پھیرے یعنی خدا کرے وہ چیز تجھے نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔

ظاہر ہے کہ دعا کے ساتھ آخری جملے کو بھی ملا لے اور اس کی تنبیہ کے لئے زبان سے دعا کرے نہ کہ دل سے تاکہ وہ مسجد میں پھر ایسی حرکت نہ کرے۔ اس حکم میں ایسی چیزیں داخل ہیں جن کے لئے مسجد نہیں بنائی گئی۔ مثلاً خرید و فروخت، دنیاوی باتیں، سینا پرونا، اجرت پر لکھنا، لڑکوں کو نماز پڑھانا اور وہ باتیں جن سے نماز پڑھنے والے کا دھیان بٹے یہ سب باتیں منع ہیں۔ [2] یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے۔ اسی لئے سائل کو مسجد میں مانگنا بھی منع ہے بعض علماء تو حرام بتلاتے ہیں۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیرا ہونے کا باعث ہے۔ نیز فرمایا ہر ایک چیز کے لئے ایک میل اور آلودگی ہوتی ہے اور مسجد کی آلودگی لا واللہ اور بلٰی واللہ کہنا ہے۔

مسجد میں کھانے پینے کے لئے بیٹھنا، سونا، پیچنے لگانا ناجائز ہے، حضرت امام احمدؒ نے ایک ایسے شخص سے جو مسجد میں کچھ بیچ رہا تھا فرمایا کہ دنیا کے بازاروں میں جا بیچ۔ یہ تو آخرت کا بازار ہے۔

مسجد سے باہر نکلنے کا بیان:

جب مسجد سے نکلے تو چاہئے کہ پیغمبر خدا ﷺ پر سلام بھیجے اور یوں کہے:

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۰، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۸ [2] فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۰۹

اللھم اعصمنی من الشیطٰن یا اللہ مجھ کو شیطان سے بچا۔[1] باہر یہ
الفاظ کہے بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ[2] یعنی میں نکلتا ہوں اللہ کے
نام سے اور سلام ہو رسول خدا پر۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نہ بیٹھے مسجد میں جا کر یہاں تک
کہ دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔ اس دوگانہ کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں۔[3] اس حدیث سے
امام شافعیؒ نے اس دوگانہ کا واجب ہونا ثابت کیا ہے اور ہمارے امام صاحب
کے نزدیک یہ دوگانہ مستحب ہے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں آکر قضا
نماز پڑھے، یا سنتیں یا اور کوئی نماز تب بھی اس کو تحیۃ المسجد کا ثواب حاصل
ہو جائے گا۔[4]

مسجد کی خدمت کرنے کا ثواب:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس بندہ کو اللہ
تعالیٰ دوست رکھنا چاہتے ہیں تو اسے مسجد کا خادم اور محافظ بنا دیتے ہیں حضرت
انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو خدا کو دوست رکھنا چاہئے اسے
چاہئے کہ مجھے دوست رکھے اور جسے میری محبت کا خیال ہی اسے میرے صحابہ کو
دوست رکھنا چاہئے اور میرے صحابہ سے دوستی کرنے والوں کو لائق ہے کہ قرآن
سے محبت کریں اور جو شخص قرآن سے محبت رکھتا ہے اسے مسجدوں سے محبت کرنی
چاہئے کیونکہ مسجدیں خدا کے صحن اور اس کے گھر ہیں۔ خدا نے ان کے اونچے
کرنے اور پاک رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان میں اپنی برکت رکھی ہے وہ خود بھی
مبارک ان کے رہنے والے بھی مبارک ہیں، وہ خود محبوب اور اس کے رہنے
والے بھی محبوب ہیں وہ تو نماز میں ہوتے ہیں اور خدا ان کی حاجتیں پوری کرنے
میں مشغول ہوتا ہے۔

قرطبی کی تفسیر سورۂ نور میں ہے: فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے مسجد کا چراغ جلانے والے پر عرش کے اٹھانے والے فرشتے اور دوسرے

---

[1] ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۶ [2] ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۶ وسنن ترمذی ج ۱ ص ۷۱ [3] درمختار ج ۱۲ احکام المساجد، بخاری ج ۱ ص ۶۳، مسلم ج ۱ ص ۲۴۸ [4] ترمذی شریف ج ۱ ص ۷۱، ابن ماجہ ص ۷۱ شامی ج ۲ ص ۱۸

فرشتے اس وقت تک اس کے لئے رحمت کی دعا مانگتے اور بخشش چاہتے ہیں جب
تک چراغ کی روشنی رہتی ہے۔ فرمایا حور عین کا مہر مسجد کا گرد و غبار جھاڑنا ہے۔[1]
جب تمیم داری نے مسجد میں قندیلیں لٹکائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
سے فرمایا کہ تو نے اسلام کو روشن کیا اور خدا تعالیٰ تجھ پر دنیا و آخرت میں نور
برسائے۔ اگر میری کوئی لڑکی بے نکاحی ہوتی تو میں اسے تیرے نکاح میں دے
دیتا۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا حضرت میں اپنی بیٹی کو اس کے نکاح میں دیئے دیتا
ہوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ جو شخص مسجد میں سے کوڑا کرکٹ نکال کر
پھینک دے گا خدا تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

تصویر کے متعلق احکام

جس کپڑے پر کسی جاندار کی تصویر ہو، اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی
ہے۔ نماز کے علاوہ بھی ایسا کپڑا پہننا ناجائز ہے اسی طرح اگر یہ صورت واقع ہو
کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے یا چھت پر یا محل سجود پر کسی جاندار کی تصویر ہو تو
تب بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اسی طرح دائیں طرف یا بائیں طرف تصویر کا ہونا
بھی باعث کراہت ہے۔ ہاں اگر تصویر جاندار کی نہ ہو بلکہ کسی عمارت، صحرا یا
سمندر کی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر ہاتھ میں یا بدن میں کسی اور جگہ تصویر
ہو لیکن کپڑے سے چھپی ہوئی ہو تو اس صورت میں نماز مکروہ نہ ہوگی جس مکان
میں نماز ہو رہی ہے اس کی دیوار پر کسی جاندار کی تصویر آویزاں ہے لیکن اس کا
چہرہ مٹا ہوا ہے تو اس صورت میں نماز مکروہ نہ ہوگی۔

حکومت کے سکے جیسے نوٹ اور روپے وغیرہ جن پر بادشاہ کی تصویر ہوتی ہے
اگر نماز کے وقت جیب میں رہیں تو نماز میں کراہت نہیں۔

ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس گھر میں کسی جاندار کی تصویر ہوتی ہے

---

[1] طبرانی کبیر ص ۱۲ و ترغیب ترحیب ص ۶۶

اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ [1] اس لئے فرمان رسالت کی رو سے گھر میں ایسی تصویر رکھنا ممنوع ہے۔

نماز جمعہ کا بیان

جاننا چاہئے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے جو کتاب سنت اور اجماع تینوں سے ثابت ہے اس کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں یعنی یہ مبارک دن شہر کے تمام مسلمانوں کو جمع کرتا ہے اور ان کو درس اخوت واتحاد دیتا ہے نماز باجماعت ایک محلہ کے مسلمانوں کا نظام اجتماع ہے۔ [2] اور نماز جمعہ تمام اہل شہر کے لئے ہے قرآن پاک سے اس کا ثبوت اس آیت مبارکہ سے ہوتا ہے:

یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعو الیٰ ذکر اللہ وذرو البیع۔ [3]

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی یعنی نماز کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔

نیز ابوداؤد اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے:

ان النبی ﷺ قال الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم الا اربعۃ عبداً مملوکاً او امرأۃ او صبیا او مریضاً۔ [4]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلم پر واجب ہے، سوائے ان چار کے، غلام عورت، لڑکا نابالغ اور مریض۔

جمعہ کہاں فرض ہوا؟

اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ جمعہ کہاں اور کس موقعہ پر فرض ہوا؟ بغوی سورۂ اعراف کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مدینہ میں فرض ہوا، اور

---

۱ رواہ البخاری، الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۵۵ ۲ اعلاء السنن ج ۸ ص ۵۲ ۳ الجمعۃ: ۹ ۴ اعلاء السنن ج ۸ ص ۵۲، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۳

شرح مہذب میں ابوحامد سے منقول ہے کہ جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔ [1] الطحاوی حاشیہ مراقی اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ مدینہ میں فرض ہوا کیوں کہ آیت جمعہ مدنی ہے۔ حاشیہ ابی السعود میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ مدینہ میں بطن وادی رانونا کی مسجد میں ادا کیا جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں رونق افروز ہوئے۔ [2] حاشیہ شلبی میں ہے کہ انصار نے کہا کہ یہود کے لئے ہفتہ کا دن ہے جس میں وہ جمع ہوتے ہیں، اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے۔ [3] کاش ہمارے لئے بھی ایک ایسا دن ہوتا کہ ہم اس میں جمع ہوتے اللہ کا ذکر کرتے اور نماز پڑھتے۔ اس کے جواب میں لوگوں نے کہا کہ یوم ہفتہ یہود کے لئے ہے اور اتوار نصاریٰ کے لئے مگر ہمیں یوم عروبہ کو اختیار کر لینا چاہئے۔ [4] چنانچہ اس قرارداد کے مطابق لوگ اسعد بن زرارہؓ کے پاس جمع ہوئے اور اس روز دو رکعتیں پڑھیں اور لوگوں سے اس بات کا ذکر کیا تو لوگوں نے بوجہ اجتماع کے اس دن کا نام جمعہ رکھ دیا۔ [5] بعض علماء نے یہ بھی کہا کہ یوم عروبہ کا نام جس نے سب سے پہلے جمعہ رکھا وہ کعب بن لوی ہے۔ [6]

اس روز کو ایام جاہلیت میں عروبہ کہا جاتا تھا اور روز جمعہ اس کا اسلامی نام ہے۔ [7]

جمعہ کی فضیلت:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کی رات و دن کی چوبیس گھڑیاں ہیں، ان میں سے کوئی گھڑی بھی ایسی نہیں جس میں خدائے تعالیٰ چھ لاکھ گنہ گاروں کو عذاب دوزخ سے آزاد نہ کرتے ہوں [8] ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کی رات کو خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بخش دیتا ہے۔ [9] حدیث شداد بن اوس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ

---

۱ شرح المہذب ج ۴ ص ۴۸۲ ۲ مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۴۴۲،۴۴۱ ۳ حاشیہ شلبی ج ۲ ص ۱۳۰ ۴ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ ۵ مرقاۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۳۱ ۶ اعلاء السنن ج ۸ ص ۴۷، ج ۸ ص ۵۶ نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۲۳ ۷ الجموع والفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۲۵۹، شرح المہذب ج ۴ ص ۴۸۲ ۸ کتاب الام ج ۱ ص ۲۰۸، غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۳۳ ۹ نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۳۱

علیہ وسلم نے فرمایا جملہ ایام میں بہترین یوم جمعہ ہے۔[۱] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سید الایام یوم جمعہ ہے۔[۲] اس روز حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اسی روز بہشت میں داخل ہوئے اسی روز زمین پر آئے اسی دن قیامت برپا ہوگی۔[۳]

امام احمد رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یوں آئی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگو! کیا میں تمہیں وہ تین خوش خبریاں نہ دوں جن کی بشارت مجھے جبرئیل علیہ السلام دے گئے ہیں؟ حاضرین نے عرض کیا ضرور۔ فرمایا ایک بات تو جبرئیلؑ مجھ سے یہ کہہ گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر جمعہ کی رات کو ستر ہزار گنہ گار دوزخ سے آزاد کرتے ہیں، دوسری یہ کہ ہر جمعہ کی شب کو ننانوے مرتبہ باری تعالیٰ میری امت پر نظر رحمت فرماتے ہیں اور یہ ظاہر بات ہے کہ جس خوش نصیب پر حضرت حق شانہ کی نظر رحمت پڑ گئی وہ عذاب الٰہی میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔[۴]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب جمعہ کی رات ہوتی ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: مرحبا بليلة العتق والمغفرة طوبى لمن عمل فيك خيرا وويل لمن عمل فيك شرا۔ یعنی جس رات کو لوگ دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں اور مغفرت حاصل کرتے ہیں وہ نہایت ہی مبارک رات ہے اس رات میں بھلائی کرنے والوں کو لئے خوشخبری ہو اور برائی کرنے والوں کے لئے ہلاکت وخرابی ہو۔[۵]

حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ! جمعہ کی نماز پر مداومت کرو کیونکہ وہ گناہوں کو ایسا جھاڑ دیتا ہے جیسے تمہارا ایک غلام اپنے گھر سے خاک مٹی جھاڑتا ہے۔ اے عمرؓ! جو بندہ نماز جمعہ کے لئے نہا دھوکر اور پاک وصاف ہوکر گھر سے نکلتا ہے ہر پتھر اور ڈھیلا اس کی گواہی دیتا ہے اور ہر کنکر اور پتھر اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی

---

[۱] ابن ماجہ ج ۱ ص ۷۶ [۲]-[۳] مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۲ [۴] نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۵۴
[۵] مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۲۵۶

دنیاوی اور آخروی حاجت کو پورا کرتا ہے۔ عمر! خدا تعالیٰ جمعہ کے دن اپنے فرشتوں کو دنیا میں بھیجتا ہے وہ یہاں آکر اذان ہونے تک چلتے پھرتے ہیں جب اذان ہوتی ہے تو وہ فرشتے مسجدوں کے دروازوں پر آکر کھڑے ہوجاتے ہیں اور دیکھتے ہیں اذان سے پہلے کون کون لوگ مسجد میں آتے ہیں جب نمازیوں کو رکوع وسجود میں دیکھتے ہیں تو یوں دعا مانگتے ہیں الٰہی ان بندوں کے گناہ سے درگذر کر اور ان کی نماز قبول فرما، پھر وہ نماز پڑھنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں جب امام منبر پر خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو خطبہ سنتے ہیں اور سننے والوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔[۱]

جمعہ کی رات افضل ہے یا دن؟

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شب جمعہ افضل ہے کیونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شب جمعہ ہی کو رحم مادر میں قرار پایا تھا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مشہور کتاب غنیۃ میں لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے جمعہ کی رات کو شب قدر پر ترجیح وفضیلت دی ہے۔[۲] کیونکہ شب جمعہ مکرر اور بار بار آتی ہے جب یہ بات ہے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا علاوہ ازیں اور بھی بہت سے آثار ہیں جن سے شب جمعہ کی فضیلت وبرتری ثابت ہوتی ہے لیکن قرین عقل وقیاس سے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ روز جمعہ افضل ہے کیونکہ اس میں جماعت کا بھلا ہوتا ہے اور لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ایک دوسرے کی نورانیت قلوب وارواح میں سرایت کرتی ہے۔[۳]

جمعہ کے دن یا شب میں مرنے والے خوش قسمت مسلمان:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت کا کوئی شخص جمعہ کے دن یا شب کو مرے گا تو خدا تعالیٰ اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیں گے۔ صغیرہ گناہ، کبیرہ گناہ نہیں۔[۴] جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۳۶۲،۳۵۶ [۲] غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۶ [۳] نیل الاوطار ج ۳، شامی ج ۳ ص ۱۶۳
[۴] الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۲۶۳، بخاری شریف ج ۱ ص ۸۴۳

کہ جو شخص جمعہ کے دن یا شب میں مرے گا وہ قیامت کے دن عذاب الٰہی سے امن میں رہے گا اور اس پر شہیدوں کی سی مہر لگائی جائے گی۔ [1]

رویانی کہتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن یا رات کو مر جائے اس پر نماز پڑھنا اور اس کے دفن میں شریک ہونا تاکیدی استحباب میں ہے۔ پس وہ مسلمان بڑے ہی خوش قسمت ہیں جن کو جمعہ کے دن یا رات میں موت آئے مگر یاد رہے جو شخص کفر یا شرکیہ عقائد رکھتا ہو، نماز، روزہ وغیرہ عبادات اسلامی کا پابند نہ ہو، بد اخلاق ہو، معاملات میں اچھا نہ ہو حقوق العباد کی ادائیگی نہ کرتا ہو اور بدکار و عصیان شعار ہو، اسکے لئے سب دن برابر ہیں اس کے لئے جمعہ کے دن یا رات میں مرنا باعث اجر و ثواب نہیں۔ [2]

جمعہ کے احکام و مسائل

جمعہ واجب ہونے کے شرائط :

وجوب جمعہ کی چار شرطیں ہیں (۱) مرد ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بے عذر ہونا (۴) مقیم ہونا۔ پس عورت پر غلام پر اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں اسی طرح بیمار، تیماردار، اندھے لنگڑے اور اپاہج وغیرہ پر بھی جمعہ فرض نہیں قیدی پر بھی جمعہ نہیں ہے کیونکہ یہ سب معذور ہیں۔ ہاں اگر غلام کو اس کا مالک اجازت دیدے تو وہ پڑھ سکتا ہے لیکن فرض پھر بھی نہیں۔ مزدور پر جمعہ واجب ہے اور مزدور کی مزدوری بھی بحساب اجرت وضع کر لی جائے گی مثلاً مسجد اتنی دور ہے کہ آمد و رفت میں دو گھنٹے لگتے ہیں اور بارہ گھنٹے یومیہ کام کرنا پڑتا ہے تو اس حساب سے دو گھنٹے کی مزدوری وضع ہو جائے گی ہاں اگر مسجد اتنی دور نہ ہو تو پھر مزدوری ساقط نہ ہوگی۔ [3]

الانوار الساطعہ میں ہے کہ شروط وجوب نماز جمعہ بارہ ہیں (۱) اسلام، کافر

---

۱ سنن ترمذی ج ۱ص ۱۰۷۳ ۲ الفقہ الاسلامی ج ۲ص ۲۶۳ ۳ عالمگیری ج ۱ص ۱۴۵، ہدایہ ج ۱ص ۱۱۶، شرح نقایہ ج ۱ص ۱۲۲

پر واجب نہیں (۲) بالغ ہونا، نابالغ لڑکے پر جمعہ نہیں (۳) عاقل ہونا، مجنون پر واجب نہیں (۴) مرد ہونا، عورت پر اور خنثیٰ پر نہیں (۵) آزاد ہونا، غلام پر نہیں (۶) شہر میں یا اس کے آس پاس مقیم ہونا، مسافر پر نہیں (۷) تندرست ہونا، مریض پر واجب نہیں (۸) چلنے پر قادر ہونا، پس ایسا بوڑھا جو چلنے پر قادر نہیں اور وہ شخص جس کے پیر کٹے ہوئے ہوں اس پر جمعہ واجب نہیں۔ اگر کوئی غیر معذور اس معذور کو مسجد لے جائے تو وہ قادر نہ سمجھا جائے گا (۹) بینا ہونا، اندھے پر جمعہ نہیں (۱۰) قیدی نہ ہونا قیدی پر جمعہ نہیں (۱۱) کسی ظالم کا خوف نہ ہونا، پس جس کو کسی ظالم یا چور ڈاکو کا خوف ہو تو اس پر جمعہ نہیں (۱۲) سخت بارش کا نہ ہونا لہٰذا اگر شدید بارش ہو رہی ہو اور مسجد کا راستہ سے گزر مشکل ہو تو جمعہ واجب نہیں۔ [1]

مسئلہ : وہ شخص جس پر جمعہ واجب نہیں جیسے مسافر، غلام اور مریض وغیرہ اگر وہ جمعہ ادا کرے تو جائز ہے اور وہ ظہر کی نماز سے مستثنیٰ ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جمعہ کی نماز ظہر کے لئے کافی ہے۔ [2]

جمعہ کے دن سفر کرنے کا حکم :

جس شخص پر جمعہ فرض ہو، اسے جمعہ کے دن فجر کی نماز کے بعد سے سفر کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر اس کا خیال اور ارادہ ہو کہ مجھے راستہ میں جمعہ مل جائے گا اور میں اسے ادا کرلوں گا، تو پھر سفر کرنا حرام نہیں، سفر کی اجازت ہے اگر کسی کو اس دن سفر نہ کرنے سے سخت ضرر کا خوف ہو یا اپنے رفیقوں سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے وحشت و تنہائی کا خیال ہو تو ان دونوں صورتوں میں سفر کی اجازت ہے [3]

ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ عشاء کا وقت داخل ہونے سے لے کر جمعہ کی نماز تک سفر کرنا حرام ہے لیکن محب طبری بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ جمعہ کی رات کو سفر کرنا مکروہ ہے۔ [4]

---

۱ الانوار الساطعہ ج ۱ص ۱۰۲ ۲ فتاویٰ ہندیہ ص ۱۴۲ ۳ الفقہ الاسلامی ج ۲ص ۲۶۹ ۴ المغنی لابن قدامہ ج ۲ص ۳۲۷

صحت جمعہ کے شرائط

پہلے وجوب وصحت کی شرطوں کا فرق معلوم کر لینا چاہئے۔ وجوب جمعہ کے اور صحت جمعہ کی شرائط میں فرق یہ ہے کہ اگر صحت جمعہ کی شرطیں نہ ہوں گی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر وجوب کی شرطیں نہ ہوگی تو جمعہ تو صحیح ہو جائے گا مگر واجب نہیں ہے مثلاً بیمار یا عورت یا مسافر وغیرہ شرائط کی صحت کے ساتھ جمعہ ادا کریں تو اس وقت کا فرض یعنی ظہر ان کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا اور نماز ظہر ان کے ذمہ باقی نہ رہے گی۔ اور اگر کوئی شخص جوان ہو، تندرست ہو اور مرد بھی ہو مگر ظہر کا وقت نہ ہو یا جماعت نہ ہو یا خطبہ نہ ہو یا علاوہ ازیں شرائط صحت جمعہ میں سے کوئی ایک شرط نہ ہو اور وہ جمعہ پڑھے تو درست نہیں، جمعہ صحیح نہ ہوگا اور ظہر کی وقتی نماز بدستور اس کے ذمہ باقی رہے گی جو لوگ معذور ہیں ان کو بہ نسبت ظہر کے جمعہ پڑھنا افضل ہے اور عورت کے لئے جمعہ سے ظہر افضل ہے باوجود اس کے اگر عورت نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو ادا ہو جائے گی۔ [1]

اب شرائط صحت جمعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے شرائط چھ ہیں: (۱) شہر کا ہونا (۲) سلطان یا نائب سلطان کا ہونا (۳) ظہر کا وقت ہونا اس سے قبل صحیح نہیں (۴) نماز جمعہ سے پہلے خطبہ پڑھنا خطبہ کے لئے حسب ذیل باتوں کا ہونا ضروری ہے: اول خطبہ کا قصد بھی ہو پس اگر خطیب کو چھینک آئی اور اس نے کہا الحمدللہ تو یہ تمہید خطبہ کے قائم مقام نہ ہوگی۔ دوسرے خطبہ کے سننے والے بھی ہوں، خواہ ایک ہی سننے والا ہو (۵) اذان کا عام ہونا (۶) جماعت کا ہونا اور جماعت کا اطلاق سوائے امام کے تین مقتدیوں پر ہوتا ہے خواہ وہ تین مقتدی غلام ہوں یا مریض مسافر وغیرہ۔ ان تین مقتدیوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ امام کے ساتھ کم از کم پہلی رکعت کے سجدہ تک شامل جماعت رہیں اگر نماز فاسد ہونے کی وجہ سے

---

[1] در مختار ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۷

وہ امام کو چھوڑ کر چلے جائیں گے تو اکیلے امام کا جمعہ ہو جائے گا۔ [1]

مصر کی بحث:

صحت جمعہ کی پہلی شرط مصر یعنی شہر کا ہونا ہے۔ [2] اب شہر کی تعریف میں اختلاف ہے، بعض علماء نے شہر کی تعریف یہ کی ہے کہ جہاں امیر اور قاضی ہو، وہ شہر ہے۔ [3] یہ تعریف غلط ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا شہر بھی شہر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا اور کہیں بھی جمعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں انگریزوں کی حکومت ہے امیر اور شرعی قاضی کہیں بھی موجود نہیں کوئی بڑے سے بڑا شہر بمبئی، کلکتہ اور دہلی تک میں بھی امیر اور قاضی نہیں جس کے پاس شریعت کے مطابق دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل ہوتے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہر کی یہ تعریف غلط ہے اگر چہ یہ تعریف بڑے بڑے فقہاء نے کی ہے حد ہے کہ در مختار اور ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں بھی یہ ہی تعریف درج ہے۔ [4] لامحالہ اکثر علماء نے دوسری تعریف شہر کی یہ کی ہے کہ شہر اتنی بڑی بستی کو کہتے ہیں کہ اگر وہاں کے مکلف مسلمان نماز جمعہ کے لئے اکٹھے ہوں تو وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں اور بڑی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جو کم از کم پچیس گز کی ہو یعنی طول میں ۲۵ گز اور عرض میں بھی اتنی ہی ہو۔ اس سے یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں اتنی بڑی مسجد نہ ہو وہاں جمعہ ہی نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کی آبادی کی مقدار مذکورہ شرط کے مطابق ہو مسجد اتنی بڑی ہو یا نہ ہو جمعہ ہو جائے گا۔ [5]

یہ تعریف اکثر دیہات پر بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ صاحب شامی کہتے ہیں: ھذا یصدق علیٰ کثیر من القریٰ۔ یعنی اس تعریف میں اکثر دیہات بھی آجاتے ہیں پس بڑے بڑے دیہات میں جن کی آبادی مذکورہ شرط کے موافق ہو، بلا تکلف جمعہ ہو جاتا ہے اور ہونا چاہئے اکثر فقہاء کا مفتی بہ قول بھی

---

[1] در مختار ج ۱ ص ۲۹۶ [2] فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۳۰ [3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵ [4] شامی ج ۱ ص ۱۲۷، ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۷ [5] در مختار ج ۱ ص ۱۳۷، المجموع شرح مہذب ج ۴ ص ۳۸۳

ہے اور اسی پر ہندوستان میں عمل درآمد ہے۔

گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

مسلمانوں کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو تخریج احادیث ہدایہ میں مذکور ہے:

روی عبدالرزاق عن علی موقوفا لاتشریق ولا جمعة الافی مصر جامع واسناده صحیح۔[1]

یعنی روایت کی عبدالرزاق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ نہیں ہے تشریق اور نہ نماز جمعہ مگر شہر میں اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے شہر کے ساتھ جمعہ کو خاص کر دیا ہے اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں رکھا اور حسب قاعدہ اصول حدیث حضرت علیؓ کا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

بعض اہل حدیث حضرات حنفیہ کے اس مسلک پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ نے اس حدیث کا خلاف کیا ہے جو بخاری وابوداؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے آئی ہے کہ جمعہ جواثی میں پڑھا گیا جو بحرین کے گاؤں میں سے ہے [2] ہماری طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگرچہ روایت میں قریہ کا لفظ آیا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مقام جواثی گاؤں تھا شہر نہ تھا اس وجہ سے کہ لفظ قریہ اگرچہ بلغت عرب گاؤں کے معنی میں آتا ہے مگر بہت سے مواقع پر اس کا اطلاق شہر پر بھی آتا ہے مثلاً قرآن پاک میں ایک مقام پر آیا ہے واذقلنا ادخلوا هذه القرية۔ اس میں شہر پر لفظ قریہ کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح قرآن میں اور بہت سی جگہ پر قریہ کا اطلاق کیا گیا ہے کسی جگہ قریہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بالضرور گاؤں ہی ہو شہر نہ ہو۔ ممکن ہے کہ جواثی شہر ہو۔

۱ ھدایہ ج ۱ ص ۱۲۸ ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۲

خطبہ کا بیان:

صحت جمعہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ظہر کے وقت کے اندر خطبہ پڑھا جائے[1] خطبہ سے مقصود یہ ہے کہ شہر کے مسلمان ہفتہ میں ایک مرتبہ مذہب کی جملہ ضروریات سے واقف وباخبر ہو جائیں آٹھویں دن ان کو اسلامی احکام وقوانین اور ملکی وملی ضروریات سے آگاہی ہوتی ہے ذرا غور کیجئے اسلام نے کس خوبصورتی کے ساتھ مذہبی واقفیت حاصل کرنے کا کتنا آسان اور قلیل وقت نکالا ہے اکثر لوگ اپنے اپنے دنیاوی کاروبار اور معاشی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں انہیں فکر معاش گھیرے رہتا ہے اس لئے وہ مذہبی واقفیت حاصل کرنے کا وقت نہیں نکال سکتے جن لوگوں کو ذوق وشوق ہے تو وہ تو کسی نہ کسی طرح بھاگ دوڑ کر وقت نکال ہی لیتے ہیں مگر یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں۔ عدیم الفرصت لوگوں کے لئے باری تعالی عزاسمہ نے اس ضرورت کی تکمیل کا بھی عبادت کے ساتھ ہی انتظام کر دیا ہے اور نماز جمعہ میں خطبہ رکھ کر احکام اسلامی کی نشر واشاعت کا ایسا سامان کر دیا ہے کہ اگر اس کے مقصد اعلیٰ کو سمجھ لیں، خطبات کو ضروریات ملکی وملی کے مطابق بنالیں اور ان کی تنظیم کر لیں تو مذہب سے یہ ناواقفیت نہ رہے جو اب دیکھنے میں آرہی ہے۔

مسلمانوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ خطبات عبادت کا ایک جزو لاینفک نہایت ضروری اور اہم حصہ ہے[2] اللہ تعالیٰ نے خطبہ کو اس لئے فرض کیا ہے کہ شہر کے تمام مسلمانوں کے کانوں تک تمام ضروری مذہبی وملی معلومات وضروریات پہنچتی رہیں کہ مسلمان مذہبی، سیاسی، تمدنی، اخلاقی اور قومی ضروریات سے ناواقف وجاہل نہ رہے پھر اسلام نے نماز جمعہ سے بیشتر خطبہ کو مقرر کر کے اس کی نفع خیزی کو اور بھی زیادہ وسیع واہم کر دیا ہے لامحالہ ہر مسلمان کو طوعاً وکرہاً خطبہ سننا پڑتا ہے اور زبردستی اس کے کانوں میں آواز مہیب ڈالی جاتی ہے اگر خطبہ نماز کے بعد پڑھے جانے کا حکم ہوتا تو اکثر لوگ نماز پڑھتے ہی بھاگ جایا

۱ مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۹۷ ۲ شامی ج ۲ ص ۱۴۰

کرتے۔

دنیا نے آج اصلاحی وترقی کے وسائل وذرائع معلوم کئے ہیں اور ہر قوم اپنی اصلاح وترقی کے لئے مختلف انجمنیں بناتی، مختلف کانفرنسیں کرتی ہے اور شاندار جلسے منعقد کرتی ہے مگر قربان نبی پاک ﷺ کے جس نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی اپنی امت کی اصلاح وترقی کا سامان کردیا تھا۔ اور خطبات جمعہ میں مسلمانوں کے یہاں ہر شہر ہر قصبہ میں ہر ساتویں دن ایک عظیم الشان اجتماع وجلسہ بڑی آسانی کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں پرشکوہ تقریر کی جاتی ہے جس کا پورے ادب واحترام وخاموشی کے ساتھ سننا ہر عالم وجاہل مسلمان پر فرض ہے تنظیم مسلمین کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ گویا یوں سمجھئے کہ یہ مسلمانوں کی مذہبی، ملی، تنظیمی، تعلیمی، معاشرتی اور اقتصادی اصلاح وترقی کا ایک خدائی وابدی لائحہ عمل ہے۔

کاش مسلمان اس خدائی انتظام واہتمام کی قدر کریں اور اس سے کما حقہ فائدہ بھی اٹھائیں انہیں اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ جو چیز اور جو بات غیر مسلموں کو ہزاروں روپے بیک وقت صرف کرنے اور صد ہزار مساعی عمل میں لانے سے بھی میسر نہیں آسکتی وہ مسلمانوں کو مفت اور بے منت آسانی سے حاصل ہوجاتی ہے۔

خطبہ اردو میں ہونا چاہئے یا عربی میں؟

خطبہ بجز وعظ وارشادات کے اور کچھ نہیں چنانچہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ؓ نے بہ اوقات مختلف خطبے دیئے ہیں اور حالات وواقعات پیش آمدہ کے مطابق دیئے ہیں چونکہ ان کی زبان عربی تھی اس لئے ان کے خطبے عربی زبان میں تھے۔ رہے وہ لوگ جن کی عربی زبان نہیں سیدھی سی بات ہے کہ ان کے خطبے اردو زبان میں ہونے چاہئیں یا جو بھی ان کی زبان ہو ورنہ خطبہ کا مقصود پورا نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم ہندوستانیوں کے خطبے عربی زبان میں ہوں تو وہی حساب ہوگا کہ:

"یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم۔"[1]

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے جتنے خطبے ہیں، وہ تمام قرآن وحدیث پر مبنی ہیں اور نہ کہیں خطبہ کے متعلق تصریح ہے کہ اس میں کسی عہد اور زمانہ میں بھی کوئی تغیر وتبدل نہ ہونا چاہئے اور ایک ہی مضمون کا خطبہ قیامت تک پڑھتے رہنا چاہئے لیکن افسوس یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی ہمارے علماء نے اس کو اختلافی مسئلہ بنالیا ہے کہ خطبہ لازمی طور پر عربی میں پڑھا جانا چاہئے، کسی دوسری زبان میں نہ ہو اور دوسرے فریق کو اردو زبان میں ہونے پر اصرار ہے لیکن اگر دونوں فریقوں کے دلائل کو دیکھا جائے تو دونوں اپنی اپنی مدلل ومعقول رائے رکھتے ہیں مگر اس چیز میں کسی کو اختلاف نہیں کہ خطبات ضروریات زمانہ کے مطابق ہونے چاہئیں محض خطبات علمی ہی کو نہ رگڑتے رہنا چاہئے ہم نے دونوں فریق کے دلائل کو اپنی کتاب "خطبات حیات" میں تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے جو حمیدیہ پریس دہلی سے ملتی ہے جس کو اس مسئلہ کی تحقیق کا زیادہ شوق ہو اسے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

یہاں اتنی بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ خطبہ میں زبان عربی لازمی طور پر ہونی چاہئے یعنی اس کا آغاز واختتام مسنون عربی کلمات پر ہونا چاہئے اگرچہ بیچ کا مضمون اردو میں ہو تو جائز ہے۔[2]

خطبہ کی مقدار واجب ومسنون:

اسقاط فرضیت کے لئے صرف الحمدللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ ایک بار کہنا کافی ہے، مگر یہ محض جواز کی صورت ہے نہ کہ عملی حکم لہٰذا اس مقدار کفایت پر اکتفا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے۔[3]

ایک طویل مفصل سورت سورۂ مرسلات کے برابر خطبہ پڑھنا مسنون ہے اس سے کمی بیشی مکروہ ہے اور یہ مقدار دونوں خطبوں میں سے ہر ایک میں ہونی چاہئے۔[4] دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کرنا بھی مسنون ہے اس جلسہ میں خواہ

---

[1] الجواہر الفقہ ج ۱ ص ۳۶۶ و امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۳۵، ۴۳۶ [2] شامی ج ۲ ص ۱۴۷ [3] درمختار ج ۲ ص ۱۴۸
[4] درمختار ج ۲ ص ۱۴۸

درود شریف پڑھے یا خاموش رہے اختیار ہے۔ [1]

خطبہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک آنے پر بعض لوگ بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ ہاں دل ہی دل میں یا چپکے چپکے زبان سے پڑھنا درست ہے۔ [2]

خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار، حضرت امیر حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور دیگر اصحاب کبار کا ذکر کرنا مستحب ہے [3] خطیب کا اِدھر اُدھر منہ کر کے لوگوں کی طرف دیکھنا بدعت ہے خواہ خطبہ اولیٰ میں ایسا کرے یا ثانیہ میں دونوں صورتوں میں بدعت ہے۔ [4]

حمد و ثنا کے بعد کلمہ "اما بعد" کا کہنا مسنون ہے چنانچہ بخاری نے اس کے لئے ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ [5] نیز فتح الباری میں اس امر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کلمہ اوّل کس نے کہا؟ طبرانی ابی موسیٰ اشعریؓ کی حدیث مرفوع سے لائے ہیں کہ وہ داؤد علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔

خطبہ کے وقت عصا یا تلوار کا رکھنا :

خطبہ کے وقت کمان یا عصا پر تکیہ کرنا چاہئے لیکن روایات فقہ حنفیہ میں آیا ہے کہ کمان یا عصاء وغیرہ پر تکیہ کرنا مکروہ ہے۔ [6] مدارج النبوۃ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر خطبہ دار حرب میں دیا جائے تو کمان یا تلوار پر سہارا کرنا چاہئے۔

صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ کمان و عصا پر تکیہ کرنا منبر بننے سے پہلے تھا جب منبر بن گیا تو کسی چیز پر تکیہ کرنا محفوظ نہ رہا لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ کسی چیز پر تکیہ نہ کرنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ بہ نسبت نماز کے خطبہ کو کوتاہ اور نماز کو دراز کیا کرتے تھے۔ ابی داؤد میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کی نماز اور خطبہ دونوں میانہ

[1] در مختار ج اص ۴۴۲ [2] شرح التنویر ج اص ۱۱۲ [3]-[4] در مختار ج ۲ص ۱۴۹ [5] در مختار ج اص ۱۲۶ [6] علامہ شامی نے ابوداؤد کی ایک روایت کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لاٹھی یا کمان پر ٹیک لگانا ثابت کیا ہے اور محیط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بوقت خطبہ لاٹھی لینا مسنون ہے۔ شامی ج ۲ص ۱۶۳ (علوی)

ہوتے تھے اور آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ نماز میں درازی اور خطبہ میں کوتاہی کرنا فقہ و دانشوری کی علامت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کے لئے ایک حرف ہی کافی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: "کردار باید نہ گفتار" یعنی عمل ہونا چاہئے نہ کہ گفتار۔

خطبہ پڑھنے کی ترکیب :

اوّل امام منبر پر جائے جب موذن اذان سے فارغ ہو چکے تو پھر کھڑا ہو کر لوگوں کی طرف منہ کر کے آہستہ سے اعوذ پڑھے، پھر بسم اللہ کہے پھر حمد و ثنا پڑھ کر شہادت وتوحید و شہادت رسالت کہے، پھر درود شریف پڑھ کر موقعہ کے موافق لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے آخر میں قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر ختم کر دے پچھلا خطبہ بھی اسی طرح پڑھے مگر اس میں آیت قرآن کا پڑھنا مسنون ہے۔ [1]

خطبہ کے مسائل

دونوں خطبے ثواب میں جمعہ کے نصف نماز کے برابر ہیں۔ [2] اگر خطبہ و نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو جائے مثلاً امام خطبہ دے کر گھر چلا جائے یا کھانا کھالے یا اور کوئی کام مانع نماز کر لے تو خطبہ از سر نو پڑھنا چاہئے۔ [3]

جو باتیں نماز میں کرنی ناجائز ہیں وہی خطبہ کے وقت کرنی ناجائز ہیں کیونکہ خطبہ بھی عبادت ہے مثلاً کھانا کھانا، کلام کرنا، سلام کا جواب دینا اور سلام کرنا اور چلنا پھرنا وغیرہ تمام امور ناجائز ہیں البتہ اگر کسی کو اشارہ سے کسی بات پر شور وغل سے منع کیا جائے تو جائز ہے۔ [4] امام کو خطبہ پڑھنے سے قبل محراب کے اندر نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ [5] خطیب کے سوا کسی دوسرے شخص کو امامت کرنی نامناسب ہے۔ [6]

ہاں اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کو حدث ہو جائے تو کسی ایسے آدمی کو اپنا

[1] شامی ج ۲ص ۱۴۹ [2] شامی ج ۲ص ۱۵۰ [3] در مختار ج ۲ص ۱۵۱ [4] در مختار ج ۲ص ۱۵۹، ۱۶۰ [5] در مختار ج ۲ص ۱۵۲ [6] شامی ج ۲ص ۱۶۲

جانشین کردے جو خطبہ سننے میں شریک رہا ہو۔ اگر کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنائے جس نے خطبہ نہیں سنا تو جائز نہیں۔ اور اگر خطیب کو نماز کے اندر حدث ہوا ہو تو جس کو چاہے خلیفہ بنادے۔ [۱]

اگر کسی قلعہ کے اندر مسجد ہو اور حاکم قلعہ مسجد میں آنے جانے یا اور کہیں آنے جانے سے روکے اور اپنے آپ چند فوجی اور باشندگان قلعہ کر لے کر جمعہ ادا کرے تو دوسرے لوگوں کا جمعہ صحیح نہیں کیونکہ جمعہ کے لئے اذن عام کی ضرورت ہے اور یہاں اذن عام نہیں بغیر اذن عام کے جمعہ صحیح نہیں ہوتا اور اذن عام صحت جمعہ کی شرط ہے علی ہذا القیاس قیدی جمعہ ادا نہیں کر سکتے کیوں کہ یہاں بھی اذن عام نہیں ہوتا۔ اگر ایسے لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں گے تو ان کے ذمہ سے ظہر کی نماز ادا نہ ہوگی۔ [۲]

مسئلہ: شہر میں جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنی حرام ہے۔ ہاں اگر معذور جس پر جمعہ فرض ہی نہیں جمعہ کے دن ظہر کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں تو ان کی نماز ہو جائے گی۔ مگر جماعت نہ کریں کیونکہ جمعہ کے روز شہر میں معذور کے لئے ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ [۳]

مسئلہ: جہاں پر جمعہ درست نہیں وہاں کے باشندے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں صرف شہر والوں کو جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنی درست نہیں۔ [۴]

مسئلہ: ایک شخص نے ظہر کی نماز جمعہ کی نماز سے پہلے اپنے گھر پڑھ لی اور پھر جمعہ کی نماز پڑھنے گھر سے نکلا تو اگر اس کو امام کے ساتھ جمعہ مل گیا تو ظہر کی فرضیت باطل ہوگئی، جمعہ کی نماز پڑھ لے خواہ معذور ہو یا غیر معذور اور اگر اس کو جمعہ نہ ملا اور اگر امام اسی وقت فارغ ہوا جس وقت یہ گھر سے نکلا تھا تو بالاجماع ظہر کی فرضیت باطل ہوگئی اور پہلی نماز نفل ہوگئی از سر نو ظہر کی نماز پڑھے۔ [۵]

مسئلہ: اگر کوئی شخص نماز جمعہ میں تشہد میں امام کی ساتھ شریک ہو تو امام کے

---

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۷ ۲ درمختار ج ۲ ص ۱۵۲ ۳ درمختار ج ۲ ص ۱۵۵، ۱۵۷ ۴ درمختار ج ۲ ص ۱۵۷
۵ درمختار ج ۲ ص ۱۵۷، عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۸

سلام [illegible] کو جمعہ کی نماز پوری کرنی چاہئے خواہ مسافر ہو یا مقیم بلکہ اگر سجدہ سہو کی التحیات [illegible] آ کر شریک ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ [۱]

مسئلہ: اگر گاؤں والے [illegible] جب نہیں ہے [illegible] کے دن شہر میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آئیں اور مقصود اصلی نماز جمعہ ہی ہو، تو ان [illegible] ثواب مل جائے گا اور اگر اصلی غرض کچھ اور ہے مثلاً سودا سلف لینے آئیں ضمناً نماز جمعہ پڑھ لی تو جمعہ کا ثواب نہ ملے گا۔ [۲]

فرض احتیاطاً:

جمعہ کے بعد چار رکعت فرض احتیاطاً اکثر لوگ پڑھتے ہیں اور اس سے نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر جمعہ کی نماز ہوگئی ہو تو یہ چاروں نوافل ہو جائیں گے ورنہ ظہر کی نماز ادا ہو جائے اور فرض یقینی طور پر ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ یہ صورت احتیاط پر مبنی ہے اور اس احتیاط کی وجہ وہی مصر کا اختلاف ہے اس طرح فرض احتیاطاً پڑھنا اچھا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان چار رکعتوں کا پڑھنے والا عدم فرضیت جمعہ کا قائل ومعتقد نہ ہو جائے یعنی یہ نہ سمجھے کہ جمعہ سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ [۳]

ان چاروں رکعتوں کا پڑھنے والا ان کی نیت اس طرح کرے: نیت کرتا ہوں میں چار رکعت فرض اس ظہر کی جس کا وقت میں نے پایا اور ابھی تک اس کو ادا نہ کیا۔ اس طرح نیت کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بموجب روایات ضعیفہ کے جمعہ نہ ہوا تو یہ چار رکعتیں ظہر کی ہو جائیں گی اور ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر بموجب اقوال قویہ جمعہ درست ہوا تو کسی ظہر کی قضا نماز اگر اس کے ذمہ ہوگی تو وہ ادا ہو جائے گی اور اگر قضاء نماز نہ بھی ہوگی تو نوافل ہو جانے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ [۴] ان چار رکعتوں کو پر پڑھنا چاہئے بشرطیکہ اس کے ذمہ کوئی اور قضا نماز نہ ہو اور اگر ہو تو دو پر اور دو خالی پڑھنی چاہئیں۔ [۵] ہم نے عام فقہ کی کتابوں کے مطابق اس مسئلہ کو لکھ دیا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جھنجھٹ میں پڑنے اور خواہ مخواہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب

---

۱ درمختار ج ۲ ص ۱۵۷ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۵ ۳ بحر الرائق ج ۱ ص ۱۴۳ ۴ شامی ج ۲ ص ۱۵۸، درمختار ج ۲ ص ۱۵۸، کبیری ج ۱ ص ۵۵۲، مراقی الفلاح ج ۱ ص ۳۰۳ ۵ شامی ج ۲ ص ۱۶۲

اقوال قویہ کے مطابق جمعہ درست ہو جاتا ہے پس خواہ مخواہ شبہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہ سب ایجاد بندہ ہیں۔ قرآن وحدیث کی تصریح کے مطابق کیوں نہ یقین کرلیا جائے کہ جمعہ درست ہے اگر شک وتذبذب کے پیر اسی طرح پھیلنے دیئے جائیں تو شاید اسلام کے اس قسم کے دوسرے مسائل بھی یقینی طور پر ثابت نہ ہوسکیں گے واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ: جمعہ کی دو رکعتیں ہوتی ہیں اور دونوں جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان میں سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کا پڑھنا مسنون ہے یا جو یاد ہو وہی پڑھ سکتا ہے۔[1]

جمعہ کی اذان:

جمعہ کے لئے ایک اذان کا ہونا تو آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت سے برابر چلا آرہا ہے جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں کی زیادہ کثرت ہونے لگی اور دور بیٹھنے والوں کو نماز قائم ہونے کی شناخت کرنے میں دشواری ہونے لگی تو آپ نے دوسری اذان کا حکم دے دیا اور اس وقت سے دوسری اذان شروع ہوئی۔[2]

پہلی اذان کو سن کر خرید وفروخت اور دوسرے دنیاوی کاروبار کو ترک کرکے حسب ارشاد الٰہی نماز کے لئے مسجد میں آجانا چاہئے اس پہلی اذان کو سن کر کاروبار دنیاوی میں مشغول رہنا مکروہ تحریمی ہے۔[3]

جمعہ کے دن کیا کیا باتیں مسنون ومستحب ہیں؟

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب کوئی مرد اور اس کی بیوی جمعہ کے دن غسل کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان دونوں کے پانی کے ایک ایک قطرہ سے ایک ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں جو قیامت کے دن تک ان دونوں کے لئے بخشش کی دعا مانگتے رہیں گے۔

[1] شامی ج ا ص ۱۶۱ [2] صحیح بخاری ج ا ص ۱۲۷، سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۷۱ [3] عالمگیری ج ا ص ۱۳۹

احیاء العلوم میں ہے کہ جب مدینہ منورہ کے دو مرد باہم ایک دوسرے کو برا بھلا کہا کرتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے۔ ''تو اس شخص سے بدتر ہے جو جمعہ کا غسل نہیں کیا کرتا'' گویا یہ ایک ضرب المثل تھی جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تو تمام لوگوں سے بدتر ہے یعنی جمعہ کا غسل ترک کرنا بہت بری بات ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ میں نے سفر وحضر میں کبھی غسل جمعہ نہیں چھوڑا حضرت ابن عمرؓ اور انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا عرش کے نیچے ایک شہر اس دنیا سے ستر حصے زیادہ آباد ہے اس میں فرشتے بھرے ہوئے ہیں وہ ہر وقت کہتے ہیں الٰہی! جو شخص جمعہ کے دن غسل کرکے مسجد میں آئے اسے بخش دے۔[1]

کبیری اوسط میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اس کے تمام گناہ اور خطائیں مٹا دی جاتی ہیں اور جب مسجد کی طرف چلنا شروع کرتا ہے تو ہر ہر قدم پر بیس بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں پھر جب نماز سے فارغ ہوکر واپس گھر آتا ہے تو دو سو برس کے عمل سے کفایت کرتا ہے۔

ان تمام آثار واقوال سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا بہت بڑے ثواب کا موجب ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح کردینے کے قابل ہے کہ اگر کوئی شخص غسل جنابت اور غسل جمعہ دونوں اکٹھا کرنا چاہے تو اسے جنابت کی نیت کرنا اولیٰ ہے۔

کتاب النورین فی اصلاح الدارین میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن لیتا ہے، وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمام آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی دن لبیں لے اور اپنی بی بی کی خوشبو میں سے کچھ لے، اگر اس کے پاس خوشبو ہو، عمدہ کپڑے پہنے، لیکن جمعہ میں لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا نہ آئے اور خطبہ نہایت خاموشی کے ساتھ سنے تو ان دونوں جمعوں کے درمیان جس قدر گناہ ہوئے ہوں گے یہ ان کا کفارہ ہوجائے گا۔[2]

[1] کتاب الام ج ا ص ۱۳۰۶ از امام شافعیؒ [2] سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۲۴۳

اور جو شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا جائے گا اور خطبہ کے وقت لغو باتیں کرے گا تو اسے جمعہ کا ثواب نہ ملے گا بلکہ وہ نماز ظہر ہو گی۔[1]

حدیث میں آیا ہے کہ جب تو نے خطبہ کے وقت اپنے پاس والے سے کہا کہ انصت یعنی خاموش رہ تو لغو کیا۔ یعنی جمعہ کے ثواب سے محروم رہا۔[2]

جمعہ کے دن وہ خوشبو ملنی چاہئے جو سب سے زیادہ پاکیزہ اور معطر ہو اور ایسی خوشبو کا ملنا مستحب ہے جس کا رنگ تو مخفی ہو اور خوشبو ظاہر ہو۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند آئی ہیں: خوشبو، عورتیں اور نماز اور خصوصاً نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[3] حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ میری بیٹی فاطمہؓ کے مہر کا دو ثلث حصہ عطر و خوشبو کے لئے مقرر کرنا۔ رسول خدا ﷺ مشک کا اکثر استعمال کیا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ عطریات کے استعمال سے بالکل بے نیاز تھے حضور ﷺ کے جسم اطہر سے قدرتی طور پر نہایت ہی تیز اور پاک خوشبو کے بھبکے اڑا کر گلیوں اور بازاروں کو معطر کیا کرتے تھے پھر آپ کے لئے مشک و عنبر کی کیا حقیقت تھی، آپ کو خوشبو محض فرشتوں کے حقوق پورا کرنے اور اپنی امت کو تعلیم دینے کے لئے محبوب تھی۔ الغرض جمعہ کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا دوسرے تمام مسنون غسلوں سے زیادہ موکد اور باعث ثواب ہے۔[4]

جمعہ کے دن عمامہ باندھنا اور سفید کپڑے پہننا مستحب ہے۔[5] کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدا اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمتیں نازل کرتے ہیں جو جمعہ کے دن عمامے باندھتے اور سفید کپڑے پہنتے ہیں ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ سے ایک نماز پڑھنی ان پچیس نمازوں سے افضل ہے جو بے عمامہ پڑھی جائیں۔[6]

رسول خدا ﷺ جب کوئی نیا کپڑا بنواتے تو اسے جمعہ کے دن زیب تن فرمایا کرتے تھے۔[7] (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۲)

---

[1] شامی ج ۲ ص ۱۵۸ [2] شامی ج ۲ ص ۱۶۰ [3] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۰ و حیاۃ الصحابہ ج ۳ ص ۱۲۷ [4] شامی ج ۲ ص ۱۶۵ [5] عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹ [6] شامی ج ۲ ص ۷۵۵ [7] سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۲

جمعہ کے دن کے درود و اذکار:

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی مرتبہ درود پڑھے گا خدا تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیں گے۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ پر کیونکر درود پڑھیں؟ فرمایا یوں کہا کرو: اللھم صل علیٰ محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی۔[1] احیاء العلوم میں ہے کہ جو شخص اس درود کو سات جمعہ تک سات سات دفعہ پڑھے گا اسے آنحضرت ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔[2]

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کی رات یٰسین پڑھے گا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جو جمعہ کے دن یا رات کو حم الدخان پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک بڑا شمنا مکان بنائے گا۔[3]

جمعہ کے دن فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں الم السجدہ اور دوسری میں ھل اتی پڑھنی مستحب ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں انسان کی پیدائش، مبدأ اور قیامت کا بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہے[4] اور جس دن میں حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی اور جس دن میں قیامت برپا ہو گی وہ جمعہ ہی کا دن ہے۔[5]

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا اس کے لئے دو جمعوں کے مابین تک نور چمکتا رہے گا۔[6] حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھے گا خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے غروب آفتاب تک اس پر رحمتیں نازل کرتے رہیں گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اس طرح چار رکعتیں پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار، آیت الکرسی ایک بار قل ھو اللہ پندرہ بار تو خدا تعالیٰ اس کے لئے جنات عدن میں سونے کے دس

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۳۰۲ [2] غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۳۳ [3] غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۳۵ [4] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۸ [5] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۲، شامی ج ۲ ص ۱۶۴

ہزار شہر بنائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی رات کو غروب آفتاب کے بعد اس طرح دو رکعت پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اذا زلزلت اور سورہ ص پندرہ بار تو خداتعالیٰ اس پر موت کی سختی بالکل آسان کردیں گے اور اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھیں گے اور اس ایک نماز کا ثواب ستر برس کی عبادت کے ثواب کے برابر لکھا جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد سو دفعہ یوں کہے گا سبحان اللہ العظیم وبحمدہ [1] خداتعالیٰ اس کے ایک لاکھ گناہ اور اس کے ماں باپ کے چوبیس ہزار گناہ بخش دے گا۔ نیز حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن امام کے سلام کے بعد اپنا پاؤں بچھانے سے بیشتر سورۂ فاتحہ، قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے گا، خداتعالیٰ اسکے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دے گا۔

جمعہ کی ساعت مقبولہ :

ابن عماد اکثر علماء سے نقل کرتے ہیں کہ جمعہ کی وہ ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے وہ آفتاب کے ڈوبنے کا وقت ہے، ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اسے عصر کے بعد کے آخری ساعتوں میں ڈھونڈو اسی طرح اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اور تقریباً ۴۲ روایتیں ہیں مگر صاحب روضہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ساعت اجابت وہی ہے جس کا ذکر صحیح مسلم میں آیا ہے وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ ساعت امام کے خطبہ پڑھنے اور منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے پورے ہونے تک ہے۔ اس میں جو دعا کی جائے انشاء اللہ مقبول ہوگی۔ لیکن چونکہ خطبہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے اس لئے دعا دل میں کرے۔ [2]

۱ کنزالعمال ج ۴ ص ۶۵ و ابن سنی عن ابن عباس ۲ نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۴

ترک جمعہ کا عذاب :

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی اذان سن کر مسجد میں نہیں آتا اور پھر دوسری دفعہ بھی اذان سن کر نہیں آتا تو خداتعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کے دل کو منافق کا دل کر دیتا ہے اگر کسی ایسی بستی کے ایک شخص نے جمعہ کی اذان سنی جس پر نماز جمعہ فرض نہ تھی اور سنی بھی ان لوگوں کے شہر سے جن پر جمعہ لازم تھا تو تمام بستی والوں پر جمعہ کی نماز میں شریک ہونا واجب ہے، گویا اس وقت یہ بستی فناءِ مصر کے حکم میں داخل ہے۔ [1]

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس دن اس مہینہ اس سن ہجری میں تم پر جمعہ فرض کیا گیا ہے اس کے بعد سے جو شخص اسے خفیف اور ہلکی سی بات سمجھ کر ترک کرے گا تو اس کی نماز ہی کیا، اس کے روزے ہی کیا اس کی زکوٰۃ ہی کیا اور اس کا حج ہی کیا ہوگا؟ خداتعالیٰ ایسے لوگوں کی پریشانی کبھی دور نہ کریں گے۔ نہ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائیں گے ہاں جو شخص اس کے بعد توبہ کر کے مرے گا تو اس کی توبہ قبول ہوگی ایک دوسری جگہ فرمایا جس نے تین جمعہ بلا عذر متواتر ترک کر دیئے اس نے اسلام کو اٹھا کر پس پشت ڈال دیا۔ [2]

نماز عیدین کا بیان

انسان کی زندگی میں غم زیادہ ہوتے ہیں اور خوشی کم وہ اکثر مصائب و آلام کا شکار رہتا ہے اس پر ہمیشہ رنج والم کا ہجوم رہتا ہے اور اسے ہر وقت تفکرات گھیرے رہتے ہیں اگر مذہب ان تفکرات کو دور کرنے کی صورت پیدا نہ کرتا تو یہ زندگی اجیرن ہو جاتی اسی نظریہ کے ماتحت ہر مذہب نے کچھ مذہبی تہوار اور رسمیں مقرر کی ہیں جن میں قسم قسم کے فائدے ہیں اور طرح طرح کی مصلحتیں ہیں ایک مصلحت و فائدہ تو یہ ہے کہ سال میں ایک دو دفعہ عزیز و اقارب باہم مل جل کر خوش ہوں، دوست و احباب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوں اور ہم صحبت ہو کر

۱ ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۱۲ ۲ حیاۃ الصحابہ ج ۳ ص ۵۶۵

تھوڑی دیر کے لئے افکار دنیا سے نجات پائیں گویا سال بھر میں یہ چند دن عام خوشی اور قومی جشن کے ہوتے ہیں الغرض تہوار کسی نہ کسی پہلو سے مذہب ہی کے سایہ حمایت وتربیت میں ہوتے ہیں الغرض عام خوشی اور قومی جشن ہر قوم میں پائے جاتے ہیں وہ اپنی اصل کے اعتبار سے تو کسی مفید پہلو پر مبنی ہیں لیکن ان میں فطرت شناسی، حقیقت دانی اور روحانیت کا شائبہ تک نہیں لہٰذا دیگر اقوام کے مذہبی تہوار کھیل کود، لہولعب، ناچ ورنگ، شراب کباب اور شور وغل سے زیادہ کچھ زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔

دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی شان سب سے نرالی ہے۔ اس نے سچی فطرت شناسی اور پوری حقیقت دانی کے ساتھ اپنے تہوار ورسوم کو معقولیت، تہذیب اور روحانیت کا رنگ دیا ہے اور ان میں عبودیت وبندگی کی ایک اعلیٰ شان پیدا کردی ہے چنانچہ مسلمانوں کے اصلی تہوار دو ہیں: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔ اسلام نے ان دونوں کو نہایت پاکیزہ اور پسندیدہ مذہبی شان دے دی ہے ان میں سب سے مقدم دوگانہ نماز کو رکھا ہے اور اس تخیل کو لازمی قرار دیا ہے کہ مسلمان عام خوشی اور قومی جشن منانے سے پہلے خالق ذوالجلال والاکرام کے انعام واحسان کا شکریہ بجالائیں جس نے اپنی عنایت والطاف بے پایاں سے ان کو یہ مبارک دن دیکھنے نصیب کئے اس طرح یہ دونوں تہوار مادی اور روحانی جذبات کے ماتحت پوری شان وشوکت کے ساتھ منائے جاتے ہیں اور فرزندان توحید کو مسرت وخوشی کے پاکیزہ پسندیدہ جذبات سے لبریز کردیتے ہیں۔

جس طرح حیات انفرادی کے لئے تفریح کی ضرورت ہے اسی طرح حیات قومی کے لئے بھی تفریح ضروری ہے اس لئے کہ اس سے اجسام میں ایک تازگی پیدا ہوتی ہے اور روح میں بالیدگی نمایاں ہوتی ہے۔

عیدین کی اجتماعی شان جہاں ایک طرف قلبی مسرت اور روحانی انبساط پیدا کرتی ہے وہاں دوسری طرف تعلقات محبت وقرابت کو بھی گہرا کرتی، شناسائی ودوستی کی طرف منحصر ہوتی، جذبات اخوت کو ابھارتی، حیات قومی کو ابھارتی اور درس مساوات دیتی ہے یہ کتنی خوبی اور کمال کی بات ہے کہ اسلام نے ان دونوں

تہواروں کا تخیل اتنی خوبصورتی سے پیش کیا ہے کہ کپڑوں کی نمائش، ساز وسامان کی چمک دمک اور کام ودہان کی تواضع کی خوشی ہوتی ہے لیکن اگر سچ پوچھو تو عیدین کی ساری خوشی عیدگاہ جانے اور نماز پڑھنے تک ہی ہوتی ہے اور پھر جو کچھ ہوتا ہے وہ نماز کے بعد ہی ہوتا ہے۔ [1]

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگو! اپنی عیدین کو تکبیر وتہلیل اور تحمید وتقدیس کے ساتھ زینت ورونق دو۔

عید کا نام عید کس لئے رکھا گیا؟

عید کا نام عید اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس دن میں خدا کی طرف سے اس کے بندوں پر طرح طرح کے عوائد واحسان اور فوائد وامتنان ہوتے ہیں یا اس لئے کہ وہ ہر برس ایک تازہ اور نئی مسرت وخوشی کے ساتھ عود کرتی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عید کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ایماندار خدا کی محبت اور اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے عادی ہوتے ہیں۔ [2]

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ہر عید کے دن ابلیس لعین نہایت دردناک آواز سے روتا ہے اس کے رونے کی آواز سن کر تمام شیاطین جمع ہوکر کہتے ہیں کہ اے ہمارے سردار! تجھے کس چیز نے دکھ پہنچایا؟ اور کس نے غصہ میں ڈالا؟ شیطان کہتا ہے آج میری جان پر بڑا غضب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو بخش دیا۔ لہٰذا تم سے جہاں تک بن پڑے انہیں ناجائز لذات، بیجا خواہشات، لہولعب اور شراب نوشی وغیرہ میں مشغول کردو یہاں تک کہ ان پر خدا تعالیٰ کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھے۔ [3]

اس قول سے مقصود یہ ہے کہ عید کی ساری خوشی اس بات میں ہے کہ امت محمدی ﷺ عیدین کے دن محبت واطاعت الٰہی کا اظہار کرے اور تمام گناہوں سے اپنے آپ کو روک لے۔ اس میں قلبی مسرت اور روحانی انبساط ہے اس کے بغیر عیدین کی تمام مادی خوشیاں لغو اور ہیچ ہیں۔

۱،۲ شامی ج ۱ ص ۱۶۵ ۳ حیاۃ الصحابہ ج ۳ ص ۵۲۶

عیدین کے احکام و مسائل

جاننا چاہئے کہ عیدین دو ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ دونوں عیدوں کی نمازیں واجب ہیں۔[1] نماز عیدین شہر والوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح جمعہ واجب ہے۔ حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے اسی طرح روایت کیا ہے صحیح قول یہ ہے کہ جس پر جمعہ واجب ہے اسی پر صلوٰۃ عیدین بھی واجب ہے۔ پس مسافر، مریض، عورت اور غلام پر واجب نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ مگر ہمارے امام صاحبؒ کا قول صحیح ہے۔ علاوہ ازیں عیدین شعائر اسلام میں سے ہے۔[2]

حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ وہ سنہ اولیٰ ہجری میں شروع ہوئی ہیں [3] چنانچہ ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ والوں کے یہاں دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم ان میں کھیلتے کودتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قدا بر لکما بھما خیراً منھا یوم الاضحی ویوم الفطر۔[4]

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں کو ان سے بہتر دنوں سے بدل دیا ہے اور وہ یوم اضحیٰ اور یوم فطر ہیں۔

عیدین کی شرائط:

عیدین کی نماز کی شرائط وجوب وادا وہی ہیں جو جمعہ کی ہیں۔ صرف دو باتوں کا فرق ہے: (۱) جمعہ میں خطبہ شرط ہے بغیر خطبہ کے جمعہ صحیح نہیں اور عیدین میں خطبہ سنت ہے (۲) جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عیدین

[1] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۱۳ [2] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۵،۲۷۳ [3] طحطاوی ص ۲۹۰ [4] سنن ابوداود ج ۱ ص ۱۶۱

میں نماز کے بعد۔[1]

عید کے دن مسنون امور یہ ہیں:۔ (۱) صبح کی نماز اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھنی (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنی (۴) خوشبو لگانی (۵) نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا (۶) خاص عیدگاہ کو جانا۔[2] (۷) واپسی میں راستہ کو بدل دینا۔ (۸) راستہ میں آتے جاتے تکبیر پڑھنی۔ عید الفطر کے دن آہستہ تکبیریں پڑھے اور عید الاضحیٰ کے دن بلند آواز سے اور عیدگاہ میں پہنچ کر ختم کر دی جائیں۔ (۹) عید الفطر کی نماز سے پہلے صدقہ فطر دینا (۱۰) عید الفطر کی نماز سے پہلے کچھ میٹھا کھانا۔ چھوہاروں کا طاق کھانا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ عید الاضحیٰ میں نماز سے بیشتر نہ کھانا مستحب ہے خواہ قربانی کرے یا نہ کرے۔[3]

عیدین کی نماز پڑھنے کی ترکیب:

امام اور مقتدی دونوں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کی نیت کریں۔ پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ کر سبحانک اللھم پڑھیں پھر اللہ اکبر ہاتھ اٹھا کر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں، دوسری مرتبہ پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں تیسری مرتبہ پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں مقتدی خاموش رہیں اور امام اعوذ، بسم اللہ، الحمد اور کوئی سورت پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور سب مقتدی بھی چلے جائیں پھر حسب معمول سجدہ سے فارغ ہو کر مقتدی و امام دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں امام حسب دستور قرأت کرے الحمد اور سورت سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، دوسری بار بھی ایسا ہی کرے، تیسری بار بھی اسی طرح کرے اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے ندائے تکبیر انتقال کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور سجدہ وغیرہ کر کے نماز ختم کر دے۔[4]

ابات:

عید کی نماز میں دوسری رکعت میں رکوع کو جاتے وقت تکبیر انتقالی کہنی

[1] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۵ [2] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۹ [3] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۰۶، ۲۰۷
[4] مراقی الفلاح ج ۱ ص ۳۰۸، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۵

واجب ہے نماز سے فارغ ہو کر امام خطبہ پڑھے۔ تکبیرات کے درمیان خاموش رہنا چاہئے۔ ہر دو تکبیروں کے درمیان بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے خاموش رہے تکبیروں کے بعد ہاتھ باندھنے نہ باندھنے کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جن تکبیروں کے بعد کچھ پڑھا جاتا ہے ان کے بعد تو ہاتھ باندھے جاتے ہیں اور جن تکبیروں کے بعد کچھ نہیں پڑھا جاتا ان کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جاتے ہیں جیسے عیدین کی تکبیریں۔ اور جنازہ کی نماز میں تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے بعد پڑھا جاتا ہے۔

جو طریقہ نماز عیدین کا ہم نے سابق میں لکھا ہے اس کو مزید تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا چاہئے کیونکہ اکثر لوگ نماز عیدین میں غلطی کرتے ہیں۔ اوّل رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد جو فرض ہے ہاتھ باندھ لینے چاہئیں اور اوّل سے آخر تک سبحانک اللھم پڑھنا چاہئے اس کے بعد تین تکبیریں زائد کہنی چاہئیں۔ ان زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے ان کے بعد اعوذ، بسم اللہ، الحمد اور سورت پڑھ کر رکوع کے لئے تکبیر انتقالی کہنی چاہئے یہ تکبیر واجب ہے پس اس طرح اوّل رکعت میں پانچ تکبیریں کہنی چاہئیں۔ ایک تکبیر افتتاح، تین عید کی اور ایک انتقالی۔ دوسری رکعت میں الحمد و سورت پڑھنے کے بعد عید کی تین زائد تکبیریں کہنی چاہئیں اور ہاتھ اٹھانے چاہئیں اور تکبیر انتقالی کہہ کر رکوع میں جانا چاہئے اور حسب دستور نماز تمام کرنی چاہئے۔

عیدین کے خطبہ کے مسائل واحکام :

یاد رکھنا چاہئے تین خطبے الحمد سے شروع کئے جاتے ہیں۔ جمعہ کا استسقاء کا اور نکاح کا لیکن عیدین کا خطبہ الحمد سے شروع نہیں کیا جاتا بلکہ دونوں عیدوں کے اور تینوں خطبے حج کے اللہ اکبر سے شروع کئے جاتے ہیں۔ عید کا پہلا خطبہ شروع کرنے سے قبل نو بار تکبیریں متواتر کہنی چاہئیں اور دوسرا خطبہ شروع کرنے سے قبل سات بار۔ [1]

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۰

جمعہ کے خطبے میں خطبہ شروع کرنے سے قبل امام تھوڑی دیر منبر پر بیٹھتا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک عیدین کے خطبوں میں شروع کرنے سے پہلے نہ بیٹھنا چاہئے۔ (درمختار) جس وقت امام تکبیریں کہے تو حاضرین کو بھی کہنی چاہئیں۔ [1]

مسئلہ: اگر عیدین کی نماز سے پہلے جنازہ بھی حاضر ہو تو عید کی نماز پڑھ کر پھر جنازہ کی نماز پڑھنی چاہئے اور پھر خطبہ پڑھنا چاہئے۔ [2] عید الفطر کے خطبہ میں تکبیر، تسبیح اور درود وغیرہ کے بعد صدقہ فطر کے احکام بیان کئے جائیں اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں تکبیر و تسبیح وغیرہ کے بعد قربانی کے احکام بیان کئے جائیں کیونکہ خطبہ صرف تعلیم احکام کے لئے ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو حسب موقعہ اسی کی تعلیم دی جانی چاہئے۔ [3]

مسائل عید :

عیدین کی نماز کا وقت سورج بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے جس وقت نماز اشراق پڑھی جاتی ہے اور دوپہر تک باقی رہتا ہے مگر عید الفطر کی نماز میں کسی قدر تاخیر کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن عید الاضحیٰ کی نماز میں تعجیل کرنی چاہئے۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ عید الاضحیٰ میں چونکہ قربانی کرنی ہوتی ہے اس لئے اس میں جلدی کرنی چاہئے بہر حال دونوں نمازیں زوال سے پہلے پہلے ہو جانی چاہئیں۔ [4]

مسئلہ: اگر نماز عید کسی وجہ سے عید کے دن نہ ہو سکے مثلاً اختلاف رویت ہلال ہو اور دوپہر کو چاند کی خبر ملے، یا شدت بارش سے باہر نکلنا ہی مشکل ہو تو دوسرے روز صبح کو نماز عید پڑھنی چاہئے۔ [5]

مسئلہ: جس وقت نماز پڑھی گئی اس وقت ابر تھا، نماز کے بعد معلوم ہوا کہ زوال کے بعد نماز ہوئی ہے یا امام نے بے وضو نماز پڑھا دی تو ان دونوں صورتوں میں بھی عید الفطر کی نماز دوسرے دن زوال سے پہلے دوبارہ پڑھنی چاہئے دوسرے روز کے بعد عید الفطر کی نماز درست نہیں ہاں عید الاضحیٰ کی نماز تیسرے دن بھی ہو سکتی ہے یعنی بارہویں تاریخ کو۔ [6]

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱ [2] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۲ [3] درمختار ج ۲ ص ۱۷۵ [4] درمختار ج ۲ ص ۱۷۲
[5] بحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۲ [6] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۲

مسئلہ: عیدین کی نماز کی دو رکعتیں ہوتی ہیں بغیر اذان و اقامت کے۔ ۱

مسئلہ: اگر تکبیریں ہو جانے کے بعد کوئی شخص پہلی رکعت میں آ کر شریک ہوا تو پہلے تکبیریں کہنی چاہئیں اور پھر اقتداء کرنی چاہئے۔ ۲

اگر کوئی شخص پہلی رکعت کے رکوع میں امام کو پائے تو اگر بحالت قیام تکبیریں کہہ کر رکوع پالینے کی امید ہو تب قیام میں تکبیریں کہہ کر رکوع میں شریک ہو جائے اگر رکوع میں پانے کی امید نہ ہو تو تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں باقی تکبیریں کہہ لے اب اگر رکوع میں اتنا وقت نہ ملا کہ پوری تکبیریں کہہ سکتا اور امام نے اس کی تکبیریں پوری کرنے سے پہلے سر اٹھا لیا تو جتنی تکبیریں وہ کہہ چکا ہے وہ تو ہو گئیں اور باقی اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئیں۔ ۳

مسئلہ: اگر قومہ میں آ کر امام کے ساتھ شریک ہوا تو اب اس رکعت میں تکبیریں نہ کہنی چاہئیں، یہ رکعت اس سے فوت ہو گئی۔ اب یہ مسبوق ہو گیا جس وقت یہ امام کے سلام کے بعد اپنی رکعت ادا کرے اس وقت قرأت کے بعد رکوع سے پہلے یہ فوت شدہ تکبیریں کہہ لے۔ یہی حکم پہلی رکعت کے سجدہ میں شامل ہونے کا ہے ہاں لاحق تمام تکبیریں امام کی طرح کہے گا۔ کیونکہ وہ حکماً امام ہی کے پیچھے ہوتا ہے۔ منفرد نہیں ہوتا اور مسبوق بقیہ رکعت پڑھنے سے منفرد ہوتا ہے۔ ۴

مسئلہ: اگر کسی شخص نے امام کو تشہد کی حالت میں پایا، خواہ تشہد اصل نماز کا ہو یا سہو کا تو دونوں رکعتوں میں مع چھ تکبیروں کے امام کی طرح ادا کرے اگر امام نے پہلی رکعت میں تکبیریں بھول کر قرأت شروع کر دی، تو اگر الحمد اور سورت دونوں پڑھ چکنے کے بعد آیا تو تکبیریں کہلا کر رکوع میں چلا جائے اور اگر صرف الحمد پڑھی تھی کہ یاد آ گیا تو الحمد چھوڑ کر تکبیریں کہے اور پھر دوبارہ الحمد اور سورت پڑھ کر رکوع میں جائے۔ ۵

۱ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۳ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱، در مختار ج ۲ ص ۱۷۳ ۳-۴ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱
۵ غایۃ الاوطار

مسئلہ: اگر امام دوسری رکعت میں تکبیریں کہنی بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو رکوع میں ہی تکبیریں کہہ لے قیام کی طرف عود نہ کرے۔ ۱

مسئلہ: اگر کسی کی عید کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں۔ ہاں گھر میں آ کر چار رکعت نفل بغیر تکبیروں کے پڑھ لے۔ ۲

ہدایات:

اگر کوئی شخص نماز عید کی ایک رکعت بھی پالے تو اسے ثواب نماز کامل جائے گا عیدگاہ پیادہ پا جانا مسنون ہے۔ سواری پر جانا بھی جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ پیادہ پا جایا جائے۔ عیدگاہ سے آتے وقت راستہ بدل دینا چاہئے کیونکہ اس سے اسلامی شوکت و اجتماع کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ۳

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب عید کو خلوص و طلب ثواب کی نیت سے قیام کرے گا تو اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن تمام دل مر جائیں گے۔ ۴

عید کی نماز عورتوں کے لئے گھروں میں پڑھنی مستحب ہے۔ خواہ انہیں میں کی کوئی عورت امام بن جائے یا وہ شخص جس پر یہ عورت حرام ہیں مثلاً باپ، بیٹا اور بھائی وغیرہ خواہ کوئی تمیز دار لڑکا امامت کرے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص عید کے دن تین سو دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ کہے گا اور اس کا ثواب مسلمانوں کے مردوں کو پہنچائے گا تو اس کی قبر میں بے حد نور ہوگا۔ اور جب یہ شخص مرے گا تو اس کی قبر بے انتہا نور سے منور ہوگی۔

صدقہ فطر:

ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ پس حنفیوں کے نزدیک منکر فطرہ کافر نہیں۔ فتاویٰ سراجی میں ہے کہ جو شخص صدقہ فطر دیتا ہے اس کے روزے قبول ہو جاتے ہیں اور اس کو جانکنی و عذاب قبر کی سختی نہ ہوگی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ پیغمبر

۱ در مختار ج ۲ ص ۱۷۴ ۲ در مختار ج ۲ ص ۱۷۱ ۳ شرح التنویر ج ۲ ص ۳۵۸ ۴ ابن ماجہ ص ۱۲۷

خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب تک صدقہ فطر نہ دیا جائے روزے آسمان وزمین میں معلق رہتے ہیں۔ جو لوگ فارغ البال اور کھاتے پیتے ہیں ان پر واجب ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کریں۔ تاکہ غریبوں کی بھی عید ہو جائے اور عام جشن مسرت میں وہ بھی شامل ہو جائیں۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر ایک آزاد مسلمان صاحب نصاب کو جس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کے برابر نقد روپیہ ہو یعنی صاحب زکوۃ کو اپنی طرف سے اور اپنی بیوی بچوں کی طرف سے اگرچہ کوئی بچہ شیر خوار ہی کیوں نہ ہو اور ماں باپ کی طرف سے اگر اس کے تحت میں ہوں۔ نیز لونڈیوں غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر دینا چاہئے۔

مسائل:

صدقہ فطر عیدگاہ جانے سے قبل ہی دیدینا چاہئے۔ اگر عیدگاہ جانے سے پہلے نہ دیا تو نماز پڑھنے سے قبل دیدے اور اگر کسی خاص مجبوری سے قبل نماز بھی نہ دے سکا تو بعد میں دے دے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر دینے میں عید کے روز حتی الامکان جلدی کرنی چاہئے۔ [۱]

مسئلہ: اگر کوئی شخص صاحب نصاب تو نہیں ہے اگر صدقہ فطر دینا چاہے تو دے سکتا ہے یہ اس کی مرضی و حوصلہ ہے ورنہ شریعت اس پر یہ بار نہیں ڈالتی۔

صدقہ فطر کی مقدار:

صدقہ فطر کی مقدار ہر ایک کی طرف سے نصف صاع شرعی ہے یعنی ۱۲۵ تولے جس کی نمبری اسی روپے کے سیر سے پونے دو سیر ہوتے ہیں۔ یہ گیہوں کی، اس کے آٹے کی اور ستو کی مقدار ہے۔ اگر گیہوں اور ستو کے علاوہ چنے یا جو یا ان کا آٹا ان کا ستو یا کشمش یا چھوہارے دیئے جائیں تو گیہوں کے وزن سے دوگنے دینے چاہئیں یعنی ساڑھے تین سیر۔ [۲]

---

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹ ۲ تنویر الابصار ج ۲ ص ۳۶۴

مسئلہ: صدقہ فطر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی طرف سے بھی دینا چاہئے اگر فرزندان خود اپنا مال نہ رکھتے ہوں۔ اگر وہ اپنا مال رکھتے ہوں تو خود دیں پھر باپ پر دینا واجب نہیں۔ اگر فرزند جوان ہے اس کا صدقہ فطر باپ پر واجب نہیں اگرچہ فقیر ہو، اور عورت کا اس کے فرزند پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں لیکن اگر جوان فرزند کا صدقہ باپ دے دے اور اس سے نہ کہے تو روا ہے۔ ہاں عورت کا بغیر اس کے کہے دینا روا نہیں۔ [۱]

مسئلہ: اگر صدقہ فطر آئندہ دس سال کا یک دم دیدیا جائے تو جائز ہے۔ (کافی)

صدقہ فطر کا مصرف:

صدقہ فطر اپنے شہر اور بستی کی محتاجوں، اپنے غریب و مفلس رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں کو اور مانگنے والوں کو دے دینا چاہئے۔ دینی مدارس کے طلبہ کی امداد و اعانت بھی کی جاسکتی ہے۔ [۲]

تنبیہ:

اکثر دیہاتوں اور قصبوں وغیرہ میں بعض جاہل اور مسئلہ نہ جاننے والے لوگ محض رواجاً و رسماً تھوڑا سا غلہ باندھ کر عیدگاہ لے جاتے ہیں اور قبل از نماز یا بعد از نماز کے غیر مستحق ہٹے کٹے فقیروں کو دے دیتے ہیں یا عیدگاہ کے فرش پر ڈال کر چلے آتے ہیں جو تکیہ کا سائیں یا امام سمیٹ کر لے جاتا ہے۔ اس طرح بغیر پوری مقدار دیئے اور غیر مستحق کو دینے سے صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا بلکہ بے کار جاتا ہے کیونکہ وہ غلہ مستحق محتاجوں کو نہیں ملتا۔ لہٰذا اس مسئلہ کو اچھی طرح یاد رکھنا اور دوسروں کو بتلا دینا چاہئے کہ صدقہ فطر لینے کے حقدار صرف غریب، فقیر، مسکین محتاج اور وہ یتیم و بیوائیں ہیں، جن کا کوئی وارث، مددگار اور ذریعہ معاش نہیں۔ یہ مسجدوں، مدرسوں اور کنوؤں کے کسی کام میں خرچ نہیں ہوسکتا۔ الغرض خیال کر کے حقداروں کو دینا چاہئے۔

---

۱ ہدایہ ج ۱ ص ۲۰۹ ۲ تنویر الابصار ج ۲ ص ۳۶۷

بجائے غلہ کے اس کی قیمت دینا بھی درست ہے۔

قربانی کا بیان

علماء کہتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ، عیدالفطر سے افضل و برتر ہے۔ کیونکہ وہ تما
سال کے افضل ایام عشرۂ ذی الحجہ میں واقع ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں عیدالا
ابراہیمی قربانی اور اسماعیلی ایثار کی عظیم الشان یادگار ہے۔ عید قربان سال
سال ہمیں یہ سبق دینے آتی ہے کہ مسلمانوں کی خوشیاں و بے آرامیاں، ر
وراحت، اضطراب و پریشانی اور الفت وعداوت سب کچھ ایزد متعال کی مرضی
کے ماتحت ہونی چاہئے۔ ان کا مرنا جینا، ان کی نمازیں اور ان کے روزے اور ان
کی قربانیاں سب کچھ اللہ عزوجل کے لئے ہونی چاہئیں اور ان کے تمام کام اس
لئے ہونے چاہئیں کہ ان کا معبود حقیقی ان سے راضی ہو جائے۔

عید قربان ہمیں ایثار و قربانی کا سبق دینے اور روح حیات دینے آتی ہے۔
کاش ہم اس کے پیغام حیات کو سمجھیں۔

قربانی کا مسئلہ انسانی فطرت کا ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے کہ یہ ہر قوم و مذہب
میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے۔ مگر اسلامی قربانی کی شان سب سے نرالی
ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

قربانی کی غایت کیا ہے؟

مسلمان ہمیشہ عیدالاضحیٰ مناتے اور قربانیاں کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت
اور مقصد کو مدنظر نہیں رکھتے۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ قربانی کے جانور پل صراط پر
سواری کا کام دیں گے اور بس۔ یہ ہے ان کی قربانیوں کی کل کائنات۔ پھر ان
میں ایثار و قربانی کا حقیقی رنگ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جب کہ وہ اس کے مغز و حقیقت
کو جانتے ہی نہیں اور صرف چھلکوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔ لہٰذا قربانی کی
غایت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔ خدا کرے کہ ہم اس پر عمل کر سکیں اور وہ
کیفیت ہم میں پیدا ہو جائے جو قربانی کا مقصود اصلی ہے۔ (آمین)

قربانی خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کی جاتی ہے اور اس امر میں امت
محمدی ﷺ تمام پچھلی امتوں سے گوئے سبقت لے گئی ہے۔ یہ قربانیاں جو ہماری
اس روشن شریعت کے ماتحت ہوتی ہیں احاطہ شمار سے باہر ہیں اور ان کو ان
قربانیوں پر سبقت ہے جو پہلی امتوں کے لوگ کیا کرتے تھے۔ یہ عظیم البرکت
کام ہمارے دین میں ان کاموں میں سے شمار کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب
ورضامندی کا موجب ہوتے ہیں اور قربانی کے جانور اس سواری کی طرح سمجھے
گئے ہیں جو بجلی کے مشابہ ہو اور جن کو بجلی کی چمک سے مماثلت ہو اس مماثلت
وتشابہ کی وجہ سے ذبح ہونے والے جانوروں کا نام قربانی رکھا گیا ہے۔

احادیث میں آیا ہے کہ یہ قربانیاں خدا تعالیٰ کے قرب اور ملاقات کا
موجب ہیں مگر اس شخص کے لئے جو اخلاص، خداپرستی اور ایمانداری سے کرتا
ہے۔ قربانی اسلامی عبادتوں میں سے ایک بزرگ ترین عبادت ہے اور اسی لئے
قربانی کا نام عربی میں نسکہ ہے اور نسک کے معنی ہیں اطاعت و فرمانبرداری
اور بندگی۔ اس کا اطلاق جانوروں کے ذبح کرنے پر بھی ہوتا ہے جن کو ذبح کرنا
مشروع ہے۔ پس یہ اشتراک جو نسک کے معنوں میں پایا جاتا ہے اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا حقیقی پرستار اور سچا عابد وہی ہے جو اپنی تمام خلاف
شروع قوتوں، ناجائز خواہشوں اور خدا سے الگ کرنے والی مجبوریوں کو اپنے
رب کی رضا جوئی اور فرمانبرداری کے لئے ذبح کر ڈالے۔ یہی قربانی کی روح
ہے اور اس کی غرض یہی دل کی بیداری اور جذبہ محبت و اطاعت الٰہی کی آبیاری
و پرورش ہے۔

قربانی ظاہر میں تو صرف یہی ہے کہ ہم ایک موٹے تازے جانور کو اللہ کی
راہ میں ذبح کر دیں اور اس کا گوشت تقسیم کر کے کھالیں۔ لیکن در حقیقت وہ ہمیں
سبق دیتی ہے کہ اصل عبادت وہی ہے کہ جو آخرت کے خسارہ سے نجات دے
اور وہ نفس امارہ کا ذبح کر ڈالنا ہے کیونکہ وہ ہم کو ہمیشہ برے کاموں اور ناجائز
خواہشوں کی طرف بلاتا رہتا ہے۔

لہٰذا سب سے بڑی عبادت اور قربانی یہ ہے کہ اس کو انقطاع الی اللہ کی

چھری سے ذبح کر دیا جائے اور خلقت سے قطع تعلق کر کے اپنے محبوب و معبود حقیقی کو اپنا مونس اور آرام جان قرار دیا جائے۔

یعنی احکام الٰہی کی بجا آوری میں انواع و اقسام کی سختیوں، تلخیوں، مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کیا جائے تا کہ نفس غفلت کی موت سے نجات پائے۔ یہی اسلام کے معنی ہیں اور یہی کام اطاعت کی حقیقت ہے۔ پس سچا اور کامل مسلمان وہ ہے کہ اپنی اطاعت کی گردن خدا کے سامنے جھکا دے اور اپنے نفس کو ذبح کرنے کے لئے اس کے سامنے رکھ دے۔

یہ قربانیاں جو اسلام میں مروج ہیں، ان کا مقصود ضبط نفس، بذل نفس اور اطاعت الٰہی ہے۔ وہ اس چیز کے لئے بطور یاد دہانی کے ہیں اور مذکورہ بالا مقام حاصل کرنے کی ترغیب کا ایک ذریعہ ہیں۔ پس قربانی کرنے والے مرد و عورت پر جو خدا تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں، واجب ہے کہ اس حقیقت و غایت کو سمجھے، اس کو اپنے مقصود کا نصب العین قرار دے، اس حقیقت کو اپنے نفس کے اندر داخل کرے، غفلت و راحت اختیار نہ کرے جب تک اس قربانی کو اپنے رب ودود کے لئے ادا نہ کر لے، اپنی ساری عقل دل کی روشنی اور پرہیزگاری کے ساتھ قربانی کی روح کو حاصل کرے اور نادانوں و جاہلوں کی طرف صرف نمونہ اور پوست بے مغز پر قناعت نہ کر بیٹھے۔

ہم نے اپنی ناقص عقل و سمجھ کے مطابق کافی وضاحت کے ساتھ قربانی کی حقیقت کو لکھ دیا ہے اس سے زیادہ بحث اس موقعہ پر مناسب نہیں اور کتاب کو طول دینا لہٰذا ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

کیا قربانی کرنا ظلم اور بے رحمی ہے؟

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک خدا کے قائل دوسرے منکر جو منکر ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ رحم کیا بلا ہے اور ظلم کس جانور کا نام ہے۔ وہ قربانی پر اعتراض ہی نہیں کر سکتے۔ ہاں جو لوگ خدا کے قائل ہیں اور کسی نہ کسی مذہب کو مانتے ہیں وہ صرف رحم اور ظلم کے نام ہی جانتے ہیں ان دونوں لفظوں کے مفہوم حقیقی سے

ناآشنائے محض ہیں۔ اس ناسمجھی کی وجہ سے وہ قربانی پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان بڑے ظالم ہیں وہ جانوروں کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں اور وہ بڑے ہی بے رحم ہیں جو انتہا کرتے ہیں اس قسم کے اعتراض کرنے والے لوگ بیچارے کسی حد تک معذور بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ غریب ظلم و رحم کو جانتے ہی نہیں۔ لہٰذا ان معترضوں کی حالت پر ہمیں رحم آتا ہے اگرچہ وہ اپنی جہالت سے اسلام پر اعتراض کر کے اپنی عقل و سمجھ پر ظلم کرتے ہیں مگر چونکہ ہمارا کام رحم کرنا ہے اس لئے ہمیں رحم آ ہی جاتا ہے ایسے معترض غور سے اس اعتراض کا جواب سنیں:

کیوں صاحب! کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہین اور شکرہ وغیرہ پرند جانور کتنے بڑے بے رحم جانور ہیں جو پرندوں کو پکڑ کر کھا جاتے ہیں، ذرا بھی ان پر رحم نہیں کرتے اور شیر چیتے کیسے ظالم ہیں کہ جنگل کے جانوروں کو چیر پھاڑ کر بے ڈکار ہضم کر جاتے ہیں؟ صاحب عقل و خرد انسان تو ان جانوروں کو ظالم و بے رحم کہہ نہیں سکتا اور دیوانے سے ہمیں سروکار نہیں ان جانوروں کی غذا خالق ارض و سماء نے گوشت ہی بنائی ہے اور انہیں اوزار بھی ایسے ہی دیے ہیں وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھریں وہ جیو ہتھیا کا وعظ سن کر بھوکا نہیں مر سکتے۔

بتلاؤ کہ کیا ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا؟ بلی کو چوہا پکڑنا کس نے سکھایا؟ بڑی مچھلی کو چھوٹی مچھلی کو کھا جانا کس نے بتایا؟ کون ہے جو ایسے بے رحم و ظالم جانوروں کو دوسرے کمزور جانوروں پر مسلط کرتا ہے؟ پھر اس سے زیادہ نظر کو وسیع کر کے دیکھو کہ حضرت ملک الموت کتنے بڑے بڑے انسانوں کو مار کر ہلاک کرتے ہیں غور کرو اگر ہم جانوروں کو ذبح نہ کریں تو اور کیا کریں؟ کیا ان کی تکلیف کے خیال سے ہم اس دنیا کو چھوڑ دیں؟ اگر ہم ان کو ذبح نہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا؟ اور ان پر یہ رحم ہوگا کہ وہ نہ مریں؟

اس الزامی تمہید کے بعد معترضین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر جانوروں کو ذبح کرنا ظلم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خور جانوروں کو پیدا ہی نہ کرتا اور اگر پیدا کیا بھی تھا تو ان کا پیٹ بھرنے کے لئے کھیتی باڑی کا انتظام

کرتے، نیز اگر ہم ان کو ذبح نہ کریں گے تو وہ خود بیمار ہو کر مر جائیں گے اور اس وقت نعوذ باللہ اللہ میاں ظالم کہلائیں گے۔ ان تمام باتوں سے ہر صاحب عقل انسانی بادنیٰ تامل معلوم کر سکتا ہے کہ درحقیقت جانوروں کا ذبح کرنا ظلم و بے رحمی نہیں بلکہ منشائے ربانی اور اقتضائے فطرت ہے۔

اب ذرا ان پر رحم رحم پکارنے والوں کے رحم کی حقیقت بھی سن لیجئے۔ اگر یہ ایسے ہی دھرماتما اور جانوروں پر رحم کرنے والے ہیں تو ان جانوروں سے ہل کیوں چلواتے ہیں ان پر سواری کیوں کرتے ہیں؟ ان کے بچے باندھ کر خود دودھ مزے لے لے کر کیسے پیتے ہیں؟ کیا یہ تمام باتیں بے رحمی کی نہیں؟

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اشرف کی صحت و بقاء کے لئے ارذل مارا جاتا ہے۔ اگر جوئیں پڑ جائیں تو محض انسان کے آرام کے لئے ہلاک کر دی جاتی ہیں اور کسی جانور کے کیڑے پڑ جائیں تو اس کے فائدہ کے لئے ان کو مار دیا جاتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر ذبح و قربانی ہی پر اعتراض کیوں ہے؟ پس جب ہم قانون الٰہی میں یہ نظارا دیکھتے ہیں جن کو اوپر بیان ہوا تو پھر کس کی ہمت و جرأت ہے جو ذبح کو منشاءِ الٰہی کے خلاف ظاہر کر سکے جب موت ضروری ہے تو ذبح ظلم نہیں ہو سکتا اور جو لوگ ذبح کو ظلم سمجھتے ہیں وہ عقل و خرد سے بے بہرہ اور قانون الٰہی سے نا آشنا ہیں۔

قربانی کا ثواب :

جناب نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے دنیا میں خدا کے لئے قربانی کی ہوگی جب وہ قبر سے زندہ ہو کر اٹھے گا اپنی قبر کے سرہانے اس قربانی کو کھڑا پائے گا۔ اس کے بال سونے کے تاروں کے، آنکھیں یاقوت کی اور سینگ خالص سونے کے ہوں گے، وہ شخص کہے گا تو کون ہے؟ میں نے تجھ سے زیادہ حسین و جمیل کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ کہے گا میں تیری وہی قربانی ہوں جس کو تو نے دنیا میں خدا کے لئے ذبح کیا تھا اب تو میری پیٹھ پر سوار ہو جا وہ شخص سوار ہو جائے گا وہ آسمان و زمین میں لے جا کر عرش کے سایہ تلے کھڑا کر دے گی۔

ایک دوسری جگہ فرمایا جب بندہ اپنی قربانی زمین پر پچھاڑتا اور ذبح کرتا ہے تو اس کے خون کا پہلا قطرہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہر بال کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ [1]

لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ قربانی آدمی کو نجات دلانے والی ہے، وہ اپنے صاحب کو دنیا و آخرت میں برائی سے رہائی دیتی ہے۔

نیز فرمایا جس نے قربانی کی اس نے گویا اپنے نفس کو دوزخ سے آزاد کیا۔ قربانی کا جانور پل صراط پر سے ایسے گزرے گا جیسے بجلی چمک گئی۔

ہدایت :

یاد رہے کہ محض ان ثوابوں پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہئے بلکہ اس دنیا میں قربانی کی اصلی روح حاصل کرنی چاہئے جس کا ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ قربانی کی غرض محض اتنی ہی ہے کہ وہ آخرت میں فائدہ دے اور عذاب دوزخ سے نجات دے دے بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ جس نے اپنی قربانیوں سے اس دنیا میں کوئی سبق اور روحانی فائدہ حاصل نہیں کیا، وہ آخرت میں بھی کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اعلان فرما دیا ہے:

لن ينال الله لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوىٰ منكم كذالك سخرها لكم لتكبروا الله علىٰ ماهدٰكم وبشر المحسنين۔ [2]

اللہ کو ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن اس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے یوں اللہ نے ان کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ اس بناء پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی اللہ کی بڑائی بیان کرو اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دے۔

یعنی اللہ کی نظر تمہاری قربانیوں کے گوشت و خون پر نہیں بلکہ وہ تقویٰ اور نیکی

۱۔ الترغیب والترحیب ج ۲ ص ۱۵۱ ۲۔ الحج : ۳۷

کو چاہتا ہے اور قربانی سے اس دنیا میں بھی دونوں باتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

قرآن اور قربانی :

سابق میں ہم نے لکھا ہے کہ قربانی ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے کلام بلاغت نظام میں مذکورہ بالا آیت سے اوپر فرماتا ہے:

ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمة الانعام. فالٰھکم الہ واحد فلہ اسلموا. وبشر المخبتین. الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم والصٰبرین علی مآ اصابھم والمقیمی الصلوٰة ومما رزقنٰھم ینفقون. والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر. فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف. فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر. کذلک سخرنٰھا لکم لعلکم تشکرون. [1]

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی ٹھہرادی ہے تا کہ مویشی چارپایوں کی قسم سے جو اللہ نے ان کو دیا ہے اس پر اللہ کا نام لیں، تو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو فرماں برداری کرو۔ اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دے۔ ان کو کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جو اس تکلیف پر صبر کرنے والے ہیں جو ان کو پہنچے اور نماز کے قائم کرنے والوں کو اور جو ہمارے دیئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور قربانیوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے تمہارے لئے ان میں بہتری ہے تو ان کو کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب وہ اپنے کسی پہلو پر گر جائیں تو ان میں سے

[1] الحج: ۳۴ تا ۳۶

کھاؤ اور قناعت پیشہ اور مانگنے والوں کو کھلاؤ، یوں ہی ہم نے ان کو تمہارے بس میں کیا تا کہ تم شکر کرو۔

ان آیات مبارکہ میں قربانی کی غرض وغایت کو بیان کیا گیا ہے جس کو ہم تفصیل کے ساتھ پہلے کہہ آئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ہم توحید، فرمانبرداری، عاجزی، صبر اور نماز وزکوٰۃ کے جذبات عالیہ حاصل کریں۔ جو لوگ قربانی تو کرتے ہیں مگر ان جذبات عالیہ اور صفات مبارکہ حمیدہ سے محروم رہتے ہیں ان کی قربانیاں فضول وبے کار ہیں۔

احکام قربانی

قربانی کس پر واجب ہے؟

جو لوگ صاحب نصاب شرعی ہوں یعنی جن کے پاس حوائج ضروریہ سے بچا کر ۵۲ روپے یا اتنا ہی سونا چاندی وغیرہ ہے ان پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مقیم مالدار پر قربانی واجب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک مقیم ومسافر دونوں پر واجب ہے مگر وہ حاجی مسافر مستثنیٰ ہے جو منیٰ میں موجود ہو، کیونکہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

تمام گھرانوں کی طرف سے ایک ہی قربانی یا دو مینڈھوں کی قربانی کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ عام طور پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ البتہ حجۃ الوداع میں تمام بیبیوں کی طرف سے علیحدہ علیحدہ قربانی فرمائی ہے۔

قربانی بچوں کی طرف سے بھی ہوسکتی ہے۔ ابوداؤد اور موطا میں بہت سی حدیثیں ہیں جس میں بیان ہے کہ تمام گھر کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے۔

قربانی کے معنی :

قربانی کے معنی تقرب الٰہی حاصل کرنے میں کوشش وسعی کرنا اور اصطلاح

شرع میں قربانی عبادت کی نیت سے خاص وقت میں حیوان کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی شرطیں یہ ہیں:

قربانی کرنے والا مسلمان عورت یا مرد، مقیم ہو سفر میں نہ ہو اور اتنا مالدار ہو کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر ادا کرتا ہو، قربانی کا سبب اس کا وقت ہے یعنی ایام نحر۔ ایام نحر سے مراد ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کی فجر سے لے کر ۱۲ تاریخ سورج غروب ہونے سے پہلے تک کا وقت ہے۔ یعنی ۱۰۔۱۱۔۱۲ ذی الحجہ کی تاریخیں۔ مگر بہتر اور افضل ۱۰ کو قربانی کرنا ہے۔ [۱]

یاد رہے کہ واسطے مانند زکوٰۃ کے مسئلہ کے نصاب کا سال بھر تک باقی وقائم رہنا شرط نہیں۔ قربانی قدرت ممکنہ پر واجب ہے۔ خواہ قربانی کرنے والا شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات اور جنگل کا۔

قربانی کی نیت:

قربانی کرنے میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں خدا کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں، دنیا میں، میں خدا کی محبت اور قرب حاصل کروں گا اور آخرت میں مجھ کو اس کا ثواب ملے گا۔ بہتر یہ ہے کہ قربانی اپنے ہاتھ سے کی جائے اور جب قربانی کا جانور ذبح کرنے لگے تو یہ پڑھے:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض
حنیفا وما انا من المشرکین. [۲]

ترجمہ: میں نے تو ایک ہی ہو کر اپنا منہ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان وزمین کو بنایا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

یہ پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر گلے کے پاس سے ذبح کر دے۔ اگر اپنی طرف سے قربانی کرے تو یوں کہے کہ اللھم تقبل منی اور اگر کسی دوسرے کی طرف سے کرے تو یوں کہے: تقبل من فلان۔ فلاں کی جگہ اس کا نام لے دے یا دل میں نیت کرے۔ یہ ضروری نہیں کہ الفاظ کو عربی میں ادا

[۱] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۵ [۲] انعام: ۸۰

کرے یا اپنی زبان میں بلکہ غرض یہ ہے کہ دل میں نیت اور ارادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو قبول فرما۔ [۱]

قربانی کے جانور:

قربانی کے واسطے چھ قسم کے جانور مقرر ہیں ان کے سوا کوئی جانور قربان نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ گھر میں ہی کیوں نہ پلے ہوں۔ وہ چھ قسم کے جانور یہ ہیں۔ گائے، بھینس، اونٹ، بکری، مینڈھا اور دنبہ۔ ان میں سے نر ہو یا مادہ سب کی قربانی جائز ہے۔ [۲] مادہ جانور اگر گابھن ہو تو وہ قربان ہو سکتی ہے مگر اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے اس کو بھی ذبح کر کے دفن کر دینا چاہئے۔ بشرطیکہ بچہ پیٹ سے زندہ نکلے۔ [۳]

ایک سالم بکرا یا مینڈھا یا دنبہ صرف ایک شخص کی طرف سے قربان ہو سکتا ہے لیکن اونٹ، گائے اور بھینس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہر شریک ہونے والے کی نیت قربانی کی ہو۔ اگر کسی شریک کی قربانی کی نیت کے علاوہ اور کچھ نیت ہوگی مثلاً گوشت فروخت کرنا وغیرہ تو سب کی قربانی ناجائز ہوگی۔ پس ایسے شخص کو شریک نہ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے سب کی قربانی ناجائز ہو۔ [۴]

قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ اور تندرست ہونا چاہئے۔ بیمار، اندھا، کانا، لنگڑا، لولا، کان کٹا، کان چرا، ناک، دم نہ ہو، سینگ یا اور کوئی عضو چوتھائی سے زیادہ کٹا ہوا نہ ہو یا وہ بھیڑ بکری اور دنبی نہ ہو جس کا ایک تھن نہ ہو۔ بھینس یا اونٹنی کے دو دو تھن نہ ہوں یا علاج سے ایسے سوکھ گئے ہوں کہ دودھ نہ اتر سکے۔ یا وہ دیوانہ جانور جس کو چارہ پانی کی پرواہ نہ ہو اور اس قدر دبلا و کمزور کہ خود ذبح کرنے کی جگہ پر نہ جا سکے۔ ایسے تمام جانوروں کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ [۵]

اگر کوئی جانور پیدائشی منڈا ہوا ہو، یا جس کے نصف سے زیادہ دانت گر گئے ہوں، یا جس کے پیدائشی کان چھوٹے ہوں، یا خصی ہوں، یا جس دنبہ دنبی کی

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۵ [۲] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۷ [۳] عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۲ [۴] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۷
[۵] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۸

چوتھائی سے کم چکتی کٹی ہوئی ہو یا وہ لنگڑا جانور جو چاروں پاؤں سے لنگڑا تا چلتا ہو یعنی چاروں پاؤں زمین پر ٹیکنے سے بھی لنگ کرتا ہو، یا دیوانہ جانور جو چرتا بھی ہو یا جس جانور کے مرض خارش تو ہو مگر دبلا نا ہوا ہو اور یا جس جانور کی بیماری ظاہر نہ ہوا ایسے تمام جانور کی قربانی ہو سکتی ہے۔[1]

کسی جانور کا سینگ اس طرح پر ٹوٹا کہ اندر کا گودا ثابت ہے تو اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے۔[2]

مسئلہ: اگر کسی صاحب مقدرت شخص نے قربانی کے واسطے تندرست اور بے عیب جانور خریدا مگر قربانی کرنے سے پہلے اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو وہ جانور قربان نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا چاہئے۔ البتہ اگر کوئی غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں تھی اور قربانی کرنا چاہتا تھا اور اس کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو وہ اسی عیب دار جانور کو قربان کر سکتا ہے دوسرا خریدنے کی ضرورت نہیں۔[3]

قربانی کا جانور کس عمر کا ہو؟

اونٹ پانچ برس کا، بھینس دو برس کی، بکری ایک برس کی، دنبہ اور بھیڑ چھ چھ ماہ کی بھی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ فربہی کے سبب سال بھر کی معلوم ہوتی ہوں۔ ورنہ سال بھر کا بھیڑ اور بھیڑی ہونی چاہئے۔ ان سے کم عمر کے جانوروں کی قربانی نہیں ہو سکتی۔[4]

مسئلہ: اگر کسی نے قربانی کے واسطے جانور خریدا اور وہ مر گیا یا گم ہو گیا اور دوسرا جانور خرید لیا مگر اس کے بعد وہ گم شدہ جانور بھی مل گیا تو اگر قربانی کرنے والا مالدار ہے تو دونوں جانور قربان کر دے اور اگر غریب ہے تو صرف ایک۔[5] مرے ہوئے کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر امیر ہے تو دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے اور اگر غریب ہے تو دوسرا جانور خریدنا ضروری نہیں۔[6]

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایام قربانی میں قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر یا کم

---

[1] شامی ج ۵ ص ۲۸۲ [2] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۷ [3] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۹، درمختار ج ۲ ص ۲۳۳ [4] درمختار ج ۵ ص ۲۸۱ [5-6] حدایہ ج ۴ ص ۴۴۸

وبیش نقد روپیہ خیرات کر دے تو قربانی ادا نہیں ہو سکتی، اس کے ذمہ قربانی بدستور باقی رہے گی لہٰذا جانور کی قیمت خیرات نہیں کرنی چاہئے بلکہ اصل جانور ہی کی لازمی طور پر قربانی کرنی چاہئے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص دسویں اور گیارہویں تاریخ تک مالدار نہ تھا مگر اتفاق سے بارہویں تاریخ کو ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہو گئی۔ لہٰذا بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے قربانی کر دے۔ اگر کسی عذر معقول اور مجبوری کی وجہ سے نہیں کر سکا تو ایک جانور کی قیمت خیرات کر دے۔[1]

مسئلہ: قربانی کے تینوں دنوں میں صرف دن کو قربانی ہو سکتی ہے رات کو نہیں پس جس دن بھی کرنا چاہے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے کر دے۔

مسئلہ: نابالغ یتیم صاحب نصاب کی طرف سے اس کا ولی یا وارث قربانی کر سکتا ہے۔ مگر نہ کرنا بہتر ہے۔[2]

مسئلہ: اگر کوئی غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اگر قربانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اور ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔ مگر قرض لے کر نہ کرے۔ اگر کسی ایسے شخص نے جس پر قربانی واجب نہیں مگر اس نے قربانی کی منت مان لی تو اس پر قربانی کرنا واجب ہو گیا اور یہ واجب اس نے خود اپنے ذمے عائد کیا ہے۔[3]

مسئلہ: گائے، بھینس اور اونٹ میں شریک ہونے والوں کا حصہ برابر ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص ساتویں حصہ سے کم لینے کی نیت سے شریک ہوگا تو سب کی قربانی ناجائز ہوگی۔ ہاں اگر قربانی کے جانور میں کوئی عقیقہ کی نیت سے شریک ہونا چاہے تو اس کا شریک کر لینا جائز ہے۔[4]

قربانی کے گوشت کی تقسیم:

قربانی کے گوشت کے تین حصہ کرنے چاہئے ایک حصہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے، دوسرا حصہ دوست احباب کی تقسیم کے لئے اور تیسرا حصہ فقراء اور مساکین کے لئے۔ قربانی کا گوشت اندازہ سے نہیں بلکہ وزن سے تقسیم کرنا

---

[1] عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۲ [2] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳ [3] درمختار ج ۲ ص ۲۳۲ [4] عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۲

بہتر ہے لیکن اگر کسی طرف پائے یا کھال بھی لگا دی جائے تو پھر اندازہ سے تقسیم کرنی بھی درست ہے۔ [۱]

مسئلہ: اگر کسی غائب کی جانب سے بغیر اس کی اجازت کے قربانی کی تو جائز نہیں ہاں اگر وہ اجازت دے دے تو پھر جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ: قربانی کا گوشت یا کھال یا چربی یا کلیجی اور یا پھیپھڑے وغیرہ قصاب کو مزدوری میں دینا جائز نہیں۔ کیونکہ اس طرح یہ ایک قسم کی تجارت ہو جاتی ہے، اس صورت میں قربانی ناجائز ہے۔ لہٰذا مزدوری اپنے پاس سے الگ دینی چاہئے۔ [۳]

قربانی کی کھال:

قربانی کی کھال اپنے صرف میں آ سکتی ہے مثلاً اس کی چھلنی یا ڈول یا مشک یا جائے نماز بنائے تو جائز ہے۔ البتہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے صرف میں لانا ناجائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی کھال فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء، مساکین، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کو دیدے۔ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ کسی مسجد کے متولی یا اسلامی مدرسہ کے ناظم کو دیدے تاکہ اس سے غریب و مسکین طلباء کی تعلیمی ضروریات پوری ہوں۔ [۴]

قربانی کی کھال یا اس کی قیمت مسجد کے مصرف میں لانا ناجائز ہے۔

ہدایات:

قربانی کے جانور کو بائیں پہلو قبلہ رخ لٹانا چاہئے بعد ذبح پانی وغیرہ ڈال کر اس کو ٹھنڈا نہ کریں۔ بلکہ جب جانور خود ٹھنڈا ہو جائے تب کھال اتاریں [۵]۔ ذبح کرنے والا اور جانور کو پکڑنے والا دونوں کا وضو ہونا چاہئے۔ قربانی شارع عام یا کھلے میدان میں نہیں کرنی چاہئے جانور کو سجا بنا کر بھی ذبح کرنے کی جگہ نہ لے جانا چاہئے قربانی میں حلال اور طیب مال لگانا چاہئے۔ [۶]

---

[۱] درمختار ج ۵ ص ۲۸۶ [۲] عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۳ [۳] عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۱، درمختار ج ۵ ص ۲۸۷
[۴] درمختار ج ۵ ص ۲۸۷ [۵-۶] عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۰

قربانی کرنے والا شروع چاند سے حجامت نہ کرائے اور نہ ناخن کٹوائے۔ اس کی نسبت یقیناً نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سنت یا مستحب؟

ایام تشریق کے احکام:

جن لوگوں پر نماز فرض ہے ان ہی پر تکبیرات تشریق بھی واجب ہیں۔ یہی صاحبین کا قول ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ لہٰذا مسافر، عورت اور تنہا نماز پڑھنے والے پر بھی تکبیرات تشریق واجب ہوئیں یہ تکبیریں نویں تاریخ کی صبح کی نماز کے بعد سے شروع ہوتی ہیں اور تیرھویں تاریخ کی عصر کی نماز کے بعد تک رہتی ہیں۔ ہر فرض نماز کے بعد ایک بار با آواز بلند یہ تکبیریں پڑھنی چاہئے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد [۱]

عورت کو یہ تکبیر آہستہ کہنی چاہئے۔ ان تکبیروں کو فرض نماز کے سلام کے بعد فوراً کہنا چاہئے۔ اگر نماز کے بعد کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بناء نماز سے مانع ہو، مثلاً کلام کیا یا کچھ کھا پی لیا یا کوئی دعا و درود وغیرہ جو نماز میں نہیں پڑھی جاتی، پڑھ لی تو پھر یہ تکبیریں ساقط ہو جاتی ہیں۔

اگر کوئی شخص ایام تشریق کی نمازیں غیر ایام تشریق میں یا غیر ایام تشریق کی ایام تشریق میں قضاء کرے تو ان میں تکبیریں نہ پڑھنی چاہئیں ہاں اگر انہی ایام تشریق کی قضا شدہ نمازیں لوٹائے تو تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ بشرطیکہ اس سال کی ہوں۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ تفاصیل سے ثابت ہوا کہ قربانی کی اصل غرض یہ ہے کہ ہمیں خدا کی محبت اور اس کا قرب حاصل کرنے میں ہر وقت اپنی دولت، عزت، مصلحت، مفاد، امیدوں، آرزوؤں اور جملہ خواہشات و جذبات کو قربان کرنے کے واسطے تیار و مستعد رہنا چاہئے۔ کسی قسم کا پس و پیش، چون و چرا اور حیل و حجت نہ کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس روح قربانی کی توفیق ازلی نصیب فرمائے۔

---

[۱] شرح التنویر ج ۱ ص ۱۱۷

نوافل کا بیان

جو نمازیں فرض، واجب اور سنت موکدہ ہیں ان کا بیان، ہم تفصیل کے ساتھ پچھلے اوراق میں کر چکے ہیں اب اس عنوان کے ماتحت سنت غیر موکدہ کا جن کو نفل بھی کہتے ہیں، بیان کیا جاتا ہے جو مشہور نوافل ہیں وہ یہ ہیں:

عصر سے پہلے چار رکعت، عشاء سے پہلے چار رکعت، عشاء کی موکدہ سنتوں کے بعد دو سلاموں سے چار رکعت۔ مغرب کی سنت موکدہ کے بعد چھ رکعت ان کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں اور جمعہ کی سنت موکدہ کے بعد دو رکعت یہ سب مستحب ہیں۔ [1]

مذکورہ بالا نوافل کے علاوہ فقہاء اور علماء نے اور نوافل بھی بیان کئے ہیں جن میں سے بعض کے مشہور نام یہ ہیں: وتر کے بعد دو نفل ان کو نفل عائشہ کہا جاتا ہے۔ تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، اشراق، چاشت، تہجد، سفر کو جاتے وقت، سفر سے واپسی کے وقت، صلوٰۃ التسبیح، نماز استخارہ، نماز حاجت، نماز حفظ الایمان، نماز آسانی ضغطہ قبر، نماز آسانی سوال منکر نکیر، بینہ کی نماز اور ہفتہ کی نماز وغیرہ۔ ان کا علیحدہ علیحدہ مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

سنت و نفل کے عام مسائل:

مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتیں مستحب ہیں ان کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے۔ ان میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا افضل ہے۔ امام صالح جزائری اپنی کتاب ''فضیلۃ الصلوٰۃ'' میں لکھتے ہیں کہ یہ نماز تزکیہ قلب کے لئے بہترین نعمت ہے۔ میں نے اس نماز کو چالیس برس تک پڑھا ہے۔ اس وجہ سے میں جانتا ہوں کہ اس کی بیشمار برکتیں ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا قلب روشن اور روح منور ہو جائے اور عالم قدس کی تجلیاں اس کے قلب پر نور پاشیاں کریں تو اسے چاہئے کہ صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرے۔

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲

مسئلہ: نماز عشاء سے قبل کی غیر موکدہ سنتیں اگر جاتی رہیں تو ان کی قضا نہیں بعد میں اگر پڑھ لے گا تو نفل ہوں گی اور اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور چار رکعت والی سنت موکدہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کے قعدہ اولیٰ میں صرف التحیات پڑھے اور اس سے کچھ زیادہ پڑھے گا تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے مگر نماز تراویح اور تحیۃ المسجد کے نوافل اور سفر سے واپسی کے دو نفل ان کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے مگر نماز طواف کعبہ کی دو رکعتیں مقام ابراہیم کے پاس پڑھنی چاہئے۔

مسئلہ: نفل کی ہر رکعت میں منفرد و امام دونوں پر قرأت فرض ہے۔ [1]

مسئلہ: نفل نماز قصداً شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر نیت توڑ دے گا تو قضا پڑھنی ہوگی۔ اگر طلوع و غروب آفتاب یا نصف النہار کے وقت نفل نماز شروع کی تو واجب ہے کہ نیت توڑ دے اور غیر مکروہ وقت میں قضا پڑھے اور بلا وجہ شرعی نفل شروع کر کے نیت توڑ دینا حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی شرعی عذر ہو تو نیت توڑ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ [2]

بیٹھ کر نفل پڑھنے کا حکم:

اگر کسی شخص کو کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھنے کی قدرت ہو تب بھی اس کے لئے اجازت ہے کہ بیٹھ کر پڑھ لے لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا یاد رکھو بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نصف ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ [3]

آج کل عام طور پر یہ رواج ہو گیا ہے کہ اوّل تو لوگ نفل پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ بیٹھ کر پڑھتے ہیں یہ ان کی تساہل پسندی ہے حتی الامکان کھڑے ہو کر پڑھنے چاہئیں۔ ہر نماز کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر کوئی عذر نہیں تو کھڑے ہو کر پڑھو البتہ نفل بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲ [2] مجمع الانہر ص ۱۱۲ [3] جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۷۵

کہ نفل ہمیشہ عذر بلا عذر بیٹھ کر پڑھے جائیں اور یہ عادت ہی کر لی جائے اس طرح اس کا نصف ثواب رہ جاتا ہے۔

نفل عائشہ :

وتر کے بعد جو دو نفل پڑھے جاتے ہیں ان کو نفل عائشہ کہتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ان کی حضرت عائشہؓ کو تعلیم دی تھی ان کو بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس کو رات میں اٹھنا گراں ہو اس سے کہو وتر کے بعد دو رکعت پڑھ لیا کرے۔ اگر رات کو اٹھ کر نماز تہجد میسر آ گئی تو فبہا ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کی نماز کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ [۱] اس سے ثابت ہوا کہ ان کا پڑھنا بہرحال افضل ہے۔

ان نفلوں میں پہلی رکعت میں اذا زلزلت اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون پڑھنی مستحب ہے ورنہ جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔ [۲]

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے ہمیشہ وتر کے بعد کے نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں لہٰذا ان کو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پڑھنا چاہئے سو جاننا چاہئے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ دلیل لانا کہ یہ ہمیشہ بیٹھ کر پڑھنے چاہئیں غلط ہے۔ اس لئے کہ اس امر پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ وتر کے بعد بیٹھ کر نفل پڑھنا حضور ﷺ کے مخصوصات میں سے ہے۔ لہٰذا یہ دلیل غلط ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے نفل کھڑے ہو کر شروع کئے پھر بیٹھ گیا یا بیٹھ کر شروع کئے تھے پھر کھڑا ہو گیا، تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں [۳] اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نفل پڑھ رہا تھا اثنائے نماز میں تھک گیا اور تکان کی وجہ سے بیٹھ گیا یا دیوار سے سہارا لگا کر پڑھنے لگا تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ [۴]

مسئلہ: جب کوئی بیٹھ کر نماز نفل پڑھے تو اس طرح بیٹھے جیسے تشہد میں بیٹھتے ہیں قرأت کی حالت میں ناف پر ہاتھ باندھے جس طرح قیام میں باندھتے ہیں۔

۱-۲ مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۱۳ ۳ جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۷۵ ۴ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۴

نفل نمازوں کی تفصیل

نوافل بیشمار ہیں ان کی تحدید نہیں۔ اوقات ممنوعہ کے سوا آدمی جتنے چاہے پڑھ سکتا ہے۔ مگر نوافل میں سے جو مشہور اور حضور ﷺ سے مروی ہیں وہ بیان کئے جاتے ہیں حق تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔

تحیۃ المسجد :

جو شخص مسجد میں داخل ہو، اسے دو رکعت نماز نفل پڑھنا مستحب ہے اس کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہوا اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھ لے ان کا نام تحیۃ المسجد ہے۔ [۱]

اگر کوئی شخص ایسے وقت میں داخل ہو جس میں نماز مکروہ ہے، مثلاً طلوع فجر کے بعد یا عصر کی نماز کے بعد تو اسے چاہئے کہ وہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے بلکہ تسبیح و تقدیس میں مشغول ہو جائے۔ یہی مشغولیت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوگی۔ حق مسجد ادا ہو جائے گا۔

اگر کسی نے فرض یا سنت یا اور کوئی نماز مسجد میں آ کر پڑھ لی تو اب تحیۃ المسجد کی ضرورت باقی نہ رہی۔ دن میں صرف ایک مرتبہ تحیۃ المسجد کافی ہے ہر دفعہ ضرورت نہیں۔ اگر کوئی بے وضو مسجد میں داخل ہوا یا کوئی اور وجہ ہے کہ تحیۃ المسجد نہیں پڑھ سکتا تو اسے چاہئے کہ چار مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہہ لے۔ یہ تسبیح و تکبیر اور تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہے۔ [۲]

نماز تحیۃ المسجد کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہو اور وہ صدق و اخلاص کے ساتھ نماز کی طرف مائل ہوں۔

تحیۃ الوضو :

وضو کے بعد اعضاء خشک ہونے سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھنا مستحب

---

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲، بخاری شریف ج ۱ ص ۶۳، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۴۸ ۲ ردالمختار ج ۲ ص ۱۹

ہے۔[۱] اسے نماز تحیۃ الوضو کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کرے اور اچھا وضو کرے اور ظاہر وباطن کے ساتھ متوجہ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔[۲] اس کے باقی احکام بھی قریب قریب وہی ہیں جو تحیۃ المسجد کے ہیں۔

نماز اشراق :

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جس شخص نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اور وہ آفتاب بلند ہونے تک وہیں بیٹھا رہا تسبیح وتقدیس بیان کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے دو رکعتیں پڑھیں تو اسے پورے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا ان دو رکعتوں کو نماز اشراق کہتے ہیں۔[۳]

حضرت خواجہ حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں مجھے بچپن سے نماز اشراق کا شوق تھا میرا معمول تھا کہ میں نماز فجر سے فارغ ہو کر لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ پڑھتا رہتا تھا۔ جب آفتاب بلند ہو جاتا تو میں ذوق وشوق کے ساتھ دو رکعتیں پڑھتا۔ اس نماز کی برکت سے حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے بیشمار برکتیں عطا فرمائیں۔

اشراق کی نماز کا وقت طلوع آفتاب سے کچھ دن چڑھے تک رہتا ہے بعض چار رکعتیں دو سلاموں سے پڑھتے ہیں۔[۴]

نماز چاشت :

نماز چاشت کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال تک ہے اندازاً اس نماز کا وقت ۹ اور ۱۱ بجے کے درمیان سمجھنا چاہئے اس کی بھی دو یا چار رکعتیں ہیں۔ بعض حدیثوں میں چھ بھی آئی ہیں اور بعض روایتوں میں بارہ بھی آئی ہیں۔ الغرض چار سے لے کر بارہ تک حد ہے جس کو خدا جتنی توفیق دے اتنی ہی پڑھ لے۔

---

[۱] صحیح مسلم ج ا ص ۱۲۰، نسائی شریف ج ا ص ۳۶ [۲] صحیح مسلم ج ا ص ۱۲۲ [۳] ترمذی شریف ج ا ص ۲۳۰، الترغیب والترحیب ج ا ص ۲۹۵، معجم طبرانی ج ۸ ص ۱۴۸ [۴] جامع الاصول ج ا ص ۱۱۳، عالمگیری ج ا ص ۱۱۲

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز رزق کو کھینچ لیتی ہے اور فقر کی مصیبت کو دور کر دیتی ہے ایک دوسری جگہ فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جسے باب الضحیٰ کہتے ہیں، جب قیامت برپا ہوگی تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ چاشت کی نماز پر ہمیشگی کرنے والے کہاں ہیں؟ آؤ اس دروازے سے داخل ہو، تم پر خدا کی رحمت ہو۔

عمرو بن شعیب اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص چاشت کے وقت بارہ رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین دفعہ آیت الکرسی اور تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے تو ہر ہر آسمان سے ستر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں جن کے ہاتھوں میں سفید کاغذ اور نور کے قلم ہوتے ہیں وہ ان قلموں سے ان کاغذوں پر قیامت تک اس کے لئے نیکیاں لکھتے رہتے ہیں جب قیامت قائم ہوگی تو اس کے پاس فرشتے آئیں گے ہر فرشتہ کے ہاتھ میں ایک حلہ اور ایک عمدہ تحفہ ہوگا جب سب اکٹھے ہولیں گے تو اس شخص کی قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے قبر والے! خدا کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو تو بالکل نڈر اور بے خوف ہے۔[۱]

ایک اور روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں وہ غافلین میں سے نہ لکھا جائے گا جس نے چار رکعتیں پڑھیں وہ عابدین میں شمار ہوگا۔ جس نے چھ پڑھیں وہ ذاکرین میں لکھا جائے گا جس نے آٹھ پڑھیں وہ قانتین میں لکھا جائے گا جس نے دس پڑھیں وہ صالحین محسنین میں شمار ہوگا اور جس نے بارہ رکعتیں پڑھیں اسے قیامت کے دن عزت کا تاج پہنایا جائے گا بشرطیکہ اس کی عبادت میں اخلاص ہو اور ریا سے اس کا دامن پاک ہو۔[۲]

الغرض نماز چاشت بھی ایک عظیم البرکت عبادت وسعادت ہے۔

نماز تہجد کا بیان :

نماز تہجد ایک عجیب واکسیر نماز اور شادابی روح ومنور قلب کی ضامن عبادت

---

[۱] غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۲۲ [۲] مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۳۷، جامع الاصول ج ا ص ۱۱۳، الترغیب والترحیب ج ا ص ۳۶۵

ہے قرآن پاک میں خاص طور پر اس نماز کی ترغیب وتحریص دلائی گئی ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ یہ نماز قرب الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ مسلم نے یہ الفاظ نقل کیئے ہیں۔

افضل الصلوٰۃ بعد المکتوبۃ الصلوٰۃ فی جوف الیل.

فرض نماز کے بعد ثواب میں سب سے افضل وبہتر آدھی رات کی نماز ہے۔ ۱

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: تم میں سے جو شخص سوتا ہے تو شیطان گدی پر گرہ لگاتا ہے ہر گرہ میں اس مضمون کو باندھتا ہے کہ رات بہت ہے سوتا رہ۔ پس اگر وہ جاگا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اگر اٹھ کر وضو بھی کیا تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ پھر اگر نماز بھی پڑھ لی تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور صبح کو شاداں وخوشدل اٹھتا ہے۔ پھر اگر ایسا نہ ہو تو بددل اور کاہل اٹھتا ہے۔

پھر فرمایا لوگو! اپنے اوپر رات کو نماز تہجد پڑھنا لازم پکڑو کیونکہ یہ اچھے لوگوں کا طریقہ ہے جو تم سے پہلے تھے، سبب ہے خداتعالیٰ کی نزدیکی کا، موجب ہے گناہوں کے دور ہونے کا اور باعث ہے گناہ سے باز رہنے کا۔ ۱

رسول کریم ﷺ کو رات کی عبادت اور نماز تہجد اتنی محبوب ومرغوب تھی کہ رات کو حضور ﷺ اتنا قیام کیا کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک سوج جاتے تھے لوگوں نے عرض کیا۔ آپ ﷺ عبادت الٰہی میں اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ ۲

حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت محض گناہوں کی معافی کے لئے ہی نہ کرنی چاہئے بلکہ یہ تو بہر حال فرض عبدیت ہے۔ بندہ کے لئے بندگی ہر حالت میں لازم ہے اور ایک انسان جتنا زیادہ تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کرنا چاہے اسی قدر کثرت کے ساتھ عبادت وطاعت الٰہی میں

۱ بخاری شریف ج ۱ص ۱۵۳ ۲ بخاری شریف ج ۱ص ۱۵۲

ترقی کرنا چاہیئے۔

نیز فرمایا تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں: ایک وہ شخص جو رات کو نماز کے لئے قیام کرے دوسرے وہ جو جماعت میں صف باندھیں اور تیسرے وہ لوگ جو جہاد میں صف باندھیں۔ پھر فرمایا اللہ پاک اس شخص پر رحم کرے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اپنی بی بی کو جگائے وہ بھی نماز پڑھے اگر وہ انکار کرے تو خاوند اس کے منہ پر پانی چھڑکے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اپنے شوہر کو جگائے وہ بھی نماز پڑھے اور اگر وہ انکار کرے تو عورت اس کے منہ پر پانی چھڑکے۔ ۱

نیز فرمایا اللہ تعالیٰ ہر شب آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے یعنی اس کی رحمت خاص رات کو خصوصیت کے ساتھ ایسے عبادت گزار بندوں پر نازل ہوتی ہے جس وقت آخر رات کی تہائی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو دوں؟ پھر حضرت حق جل علیٰ شانہ اپنی قدرت کو پھیلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے اور نہ ظالم صبح تک یونہی فرماتا رہتا ہے۔ ۲

کیسے سعادت مند اور خوش قسمت ہیں وہ ایماندار اور طاعت گزار جو رحمت خداوندی کی اس پکار کو سنتے اور گوہر ہائے بخشش سے اپنی جھولیاں بھرتے ہیں۔

امت محمدی ﷺ کے اشراف کون ہیں؟

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کے اشراف وہ لوگ ہیں جو قرآن کے حامل ہوں یعنی وہ لوگ جو قرآن حکیم کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور رات والے لوگ ہیں یعنی تہجد گزار پھر فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ ایک زمین سے اٹھیں گے اور ایک پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے تھے؟ یہ سن کر تہجد گزار اٹھیں گے مگر بہت تھوڑے ہوں

۱ مکاشفۃ القلوب از امام غزالیؒ ۲ بخاری شریف ج ۱ص ۱۵۳

گے اور جنت میں بے حساب جائیں گے۔

کسی شخص نے حضرت جنید بغدادیؒ کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا فرمائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا میں جو کچھ وعظ ونصیحت اور حقائق ومعارف کی باتیں کیا کرتا تھا سب بیکار گئیں یعنی میرا علم وفضل کچھ کام نہ آیا البتہ تہجد کی کچھ رکعتیں جو میں آدھی رات کو اٹھ کر پڑھتا تھا وہی کام آئیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

تمام اکابر اولیاء امت اور علماء کرام نماز تہجد کے ذریعہ بڑے بڑے روحانی فیض پاتے اور کمالات حاصل کرتے رہے ہیں اور بزرگی کی بلندیوں پر پہنچے ہیں۔ اگر اپنے دل کو منور اور روح کو گداز کرنا چاہتے ہو تو تہجد کی نماز لازم کرلو۔ پھر دیکھو قلب پر انوار وتجلیات الٰہی کی کیسی موسلا دھار بارش ہوتی ہے یاد رکھو جو شخص رات کے وقت باری تعالیٰ عز اسمہ کے حضور تضرع وزاری کرتا اور اس کے جلال سے ہیبت زدہ ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل ورحمت سے ضرور حصہ پاتا ہے اگر زیادہ نہیں تو صرف دو ہی رکعتیں پڑھ لیا کرو۔ یہ وقت دعا کرنے کا ایک زریں موقع ہے اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر اور جذب وقوت ہوتی ہے کیونکہ وہ قلبی رجوع، سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں اس وقت کا اٹھنا درد دل پیدا کرتا ہے جس کا ایک ذرہ دنیا ومافیہا سے بہتر افضل ہے۔ درد دل سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب واضطرار قبولیت دعا کا موجب ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔

تہجد کی کم سے کم دو رکعت اوسط چار یا آٹھ اور زیادہ بارہ رکعتیں مسنون ہیں۔ اس نماز کی کوئی خاص ترکیب رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ البتہ صوفیا کے یہاں ایک خاص طریقہ مروج ہے جس کو عام لوگ بھی جانتے ہیں یعنی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے اس طرح کہ یا تو ہر رکعت میں ایک ایک بڑھاتے چلے جاؤ بارہ تک اور یا بارہ سے ایک ایک کم کرتے ہوئے ایک تک لے آؤ۔ علاوہ ازیں اس نماز میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران،

سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ جمعہ، سورۂ یٰسین اور سورۂ مزمل کا پڑھنا بہتر ہے ورنہ جون سی سورتیں بھی یاد ہوں وہی پڑھ لے۔ [1]

صلوٰۃ التسبیح

احادیث میں اس نماز کے فضائل بھی بکثرت آئے ہیں اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے چنانچہ ابوداؤد، ابن ماجہ میں اس نماز کی متعلق ایک طویل حدیث آئی ہے اس میں آنحضرت ﷺ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو اس نماز کی ترغیب دلاتے اور اس کی ترکیب بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نماز سے دس قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں: (۱) اگلے (۲) پچھلے (۳) نئے (۴) پرانے (۵) قصداً (۶) سہواً (۷) چھوٹے (۸) بڑے (۹) ظاہر اور (۱۰) چھپے ہوئے۔

صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں ایک سلام سے ہوتی ہیں اس کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ اوّل رکعت میں سبحانک اللھم پڑھ کر پندرہ مرتبہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ اگر اس کے بعد لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم [2] بھی بڑھا لے تو زیادہ ثواب کا موجب ہے پھر اعوذ، بسم اللہ، الحمد اور کوئی سورت پڑھ کر دس بار مذکورہ بالا کلمات کہہ کے رکوع کرے۔ رکوع میں بھی دس بار پڑھے پھر قومہ میں دس بار، پھر سجدہ میں دس بار اور پھر جلسہ میں دس بار اسی طرح چاروں رکعتیں پوری کرے یعنی ہر رکعت میں مذکورہ تسبیح کو پچھتر بار پڑھنا چاہیے۔ [3]

اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر، دوسری میں والعصر، تیسری میں کافرون اور چوتھی میں سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ پہلی میں اذا زلزلت، دوسری میں والعادیات، تیسری میں اذا جاء نصر اللہ اور چوتھی میں سورۂ اخلاص پڑھنی چاہیے یہ نماز زوال کے بعد قبل از ظہر پڑھنی افضل ہے۔ علاوہ ازیں ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے اس نماز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ

---

۱ عالمگیری ج۱ ص۱۱۳ ۲ کنز العمال ج۴ ص۵۳ ۳ سنن ترمذی ج۱ ص۶۳-۶۴

اس میں التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے قبل یہ دعا پڑھی جاتی ہے:

اللھم انی اسئلک توفیق اھل الھدی واعمال اھل الیقین ومناصحة اھل التوبة وعزم اھل الصبر وجد اھل الخشیة وطلب اھل الرغبة وتعبد اھل الورع وعرفان اھل العلم حتیٰ اخافک مخافة تحجزنی عن معاصیک حتیٰ اعمل بطاعتک عملا استحق به رضاک وحتیٰ انا صحک بالتوبة خوفاً منک وحتیٰ اخلص لک النصیحة حبالک وحتیٰ اتوکل علیک فی الامور حسن ظن بک سبحانک خالق النور.

رسول کریم ﷺ نے یہ نماز اور دعا سکھا کر فرمایا کہ تمہارے گناہ کف سمندر کے برابر بھی ہوں گے تب بھی خدا تعالیٰ معاف فرمائے گا۔

مسئلہ: اگر اس نماز میں کوئی سہو ہو جائے تو سجدہ سہو میں یہ تسبیح نہ پڑھنی چاہئے ہاں اگر کوئی شخص کسی رکن میں تسبیح پڑھنا بھول جائے تو دوسرے رکن میں پڑھ لے۔ مثلاً کوئی شخص رکوع میں تسبیح بھول گیا تو قومہ میں نہ پڑھے بلکہ سجدہ میں جا کر بجائے دس کے بیس تسبیحات پڑھ لے کیونکہ قومہ رکن نہیں اور سجدہ رکن ہے، یہ بھی جان لینا چاہئے کہ رکوع وسجود میں پہلے ان کی تسبیحات یعنی سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھ کر پھر مذکورہ تسبیح پڑھے۔[1]

نماز استخارہ:

استخارہ کے لغوی معنی طلب خیر اور بھلائی چاہنے کے ہیں اور نماز استخارہ سے مراد وہ نماز ہے کہ جب انسان کوئی غیر معمولی کام کرنے لگے یا کوئی مشکل امر پیش آجائے اور حصول مقصد کے لئے کوئی تدبیر کرنے کا ارادہ ہو اور یا کسی

[1] ردالمختار ج ۲ ص ۲۷

کام کے کرنے نہ کرنے میں تذبذب ہو تو چونکہ عاجز انسان انجام کار سے واقف نہیں ہوتا کہ وہ مفید ہوگا یا غیر مفید؟ ایسے مواقع پر طلب خیر کے لئے جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو نماز استخارہ کہتے ہیں۔

استخارہ کا حکم یہ ہے کہ جب انسان کسی کام کا قصد کرے یعنی ایسے کام کا ارادہ کرے جو مباح ہو اور اس کے کرنے نہ کرنے میں اسے تردد ہو، مثلاً سفر، تعمیر مکان، حصول معاش اور نکاح وغیرہ امور جو مباح ہیں۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مکروہ اوقات کے جس وقت چاہے دو رکعت نماز نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے اور ان میں جون سی سورت چاہے پڑھے اور بعض روایتوں میں قل یاایھا الکفرون اور قل ھو اللہ کا پڑھنا آیا ہے۔ چنانچہ احیاء العلوم میں بھی اسی طرح ہے اور اگلے علماء سے یہ منقول ہے اور پھر نہایت عجز وانکسار کے ساتھ یہ دعا پڑھے:

اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک بفضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب. اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری اوعاجل امری واجله فاقدره لی ویسره لی ثم بارک لی فیه وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری اوعاجل امری واجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی به.[1]

ترجمہ: خداوند! میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں خیر کے اس کام میں تیرے علم کی مدد سے اور تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں خیر کے پانے پر تیری قدرت کے وسیلہ سے اور تیرے فضل سے مطلب یابی کرتا ہوں کیونکہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور میں

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۵، ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۰۹

کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو چھپی باتوں کا زیادہ جاننے والا ہے۔ یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے حق میں میرے دین میں، میری زندگی میں اور میرے انجام کار میں بہتر ہے یا اس جہان میں بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مہیا کر اور اس کو میرے حق میں آسان کر، پھر اس میں مجھ کو برکت عنایت کر اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے میرے دین میری زندگی اور انجام کار میں برا ہے یا اس جہان میں برا ہے تو اس کو مجھ سے ہٹا دے اور مجھ کو اس سے پھیر دے اور میرے لئے مہیا کر بھلائی جہاں کہیں ہو، پھر مجھ کو اس سے راضی کر۔

اس استخارہ سے عنداللہ جو بات بہتر ہوگی وہی دل میں جم جائے گی۔ ھذا الامر کی جگہ اس امر کا نام لے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے اور یہ استخارہ کم سے کم دو ہفتہ کرنا چاہئے۔ اگر ہم اس طرح مشکل امور میں خدا تعالیٰ سے طلب خیر کریں تو کبھی ناکامی و نامرادی کا سامنا نہ ہو۔ اور ہمارے دین و دنیا کے تمام کام درست اور انجام بخیر ہوں۔ یاد رہے کہ استخارہ صرف مستحب امور میں کرنا چاہئے۔ حرام یا مکروہ اور نامشروع امور میں نہ کرنا چاہئے۔

وہ لوگ جو اپنی بدعقیدگی، کوتاہ نظری اور جہالت و ناسمجھی سے طرح طرح کی فالیں نکالا کرتے ہیں اور نجومیوں کی زٹل پر ایمان لے آیا کرتے ہیں کاش وہ مشکل امور میں اس امر مسنون سے کام لیا کریں اور ہر امر میں سچے دل کے ساتھ خدا ہی کی طرف رجوع کیا کریں تو ان کی کوئی مشکل اڑی نہ رہے۔

نماز قضائے حاجت :

جب کوئی حاجت پیش آئے تو اس حاجت کی برآری کے لئے خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس نماز کو نماز حاجت کہتے ہیں۔ اس نماز کی دو رکعتیں ہیں اور بعض علماء چار بھی بتلاتے ہیں۔ لہٰذا اختیار ہے کہ چاہے

دو پڑھے یا چار۔ یہ نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ اوّل رکعت میں الحمد کے بعد تین بار آیت الکرسی پڑھے اور بقیہ تین رکعتوں میں الحمد کے بعد ایک ایک بار سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھے اگر دو رکعتیں پڑھے تو دوسری میں مذکورہ بالا سورتیں پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد الحمد اور درود پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب السموات و رب العرش العظیم والحمد للہ رب العلمین اللھم انی اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم لاتدع لی ذنباً الا غفرته ولا ھماً الا فرجته ولا دیناً الا قضیته ولا حاجةً من حوائج الدنیا والاخرة ھی لک رضا الا قضیتھا یاارحم الراحمین۔ [1]

ترجمہ: خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا بردبار اور بزرگ ہے عرش عظیم کا مالک، خدا پاک ہے اور سب تعریف خدا کے لئے ہے جو دونوں جہان کا پروردگار ہے میں تجھ سے ان امور کی بابت سوال کرتا ہوں جو تیری رحمت کا موجب ہیں۔ اور ان خصلتوں کا سوال کرتا ہوں جن سے تیری بخشش متاکد ہوتی ہے۔ ہر نیکی کا حاصل اور خلاصہ اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں اے ارحم الرحمین! تو میرے لئے کوئی گناہ بغیر بخشے، کوئی غم بغیر دور کئے اور کوئی حاجت جسے تو پسند کرتا ہے بغیر ادا کئے نہ چھوڑ۔

نماز استخارہ اور نماز حاجت میں یہ فرق ہے کہ نماز استخارہ آئندہ حاجت کے لئے ہوتی ہے اور نماز حاجت موجودہ حاجت کی خواستگاری کے لئے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آیا ہے کہ ایک اندھے نے آنحضرت ﷺ کے حضور میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھ کو اس

[1] ترمذی شریف ج ا ص ۱۰۸، کنز العمال ج ۲ ص ۱۰۰ عن زہری مرسلا

مرض سے عافیت دے۔ حضورﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور چاہے تو اپنی نابینائی پر صبر کر کہ تیرے حق میں صبر کرنا بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا آپ دعا ہی فرما دیجئے۔ مگر حضورﷺ نے دعا نہیں فرمائی بلکہ اسے وضو کے لئے حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ یامحمد انی اتوجہ بک الیٰ ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی۔[1]

ترجمہ: یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اپنی حاجت اور تیری طرف متوجہ ہوں بذریعہ تیرے پیغمبر محمدﷺ کے کہ نبی رحمت ہیں یا محمدﷺ! میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے ذریعہ سے اپنے پروردگار کی طرف اپنی اس حاجت میں تاکہ میرے حق میں وہ حاجت روائی کی جائے۔ الٰہی تو ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

نماز حفظ ایمان:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز حفظ الایمان پڑھنے والا دنیا سے باایمان جائے گا۔ نزع کے وقت شیطان لعین اس کو کسی طرح نہ بہکا سکے گا۔ اس نماز کی دو رکعتیں ہیں، اور مغرب کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیت الکرسی، تین بار سورۂ اخلاص اور ایک ایک بار سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھی جاتی ہے۔ پھر نماز ختم ہونے کے بعد سجدہ میں تین بار یہ دعائیہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں:

یاحی یاقیوم ثبتنی علی الایمان.

ترجمہ: اے زندہ اور قائم رہنے والے مجھے ایمان پر ثابت قدم رکھ۔

[1] ابن ماجہ ۹۹

ماہ محرم کی نماز:

محرم کی چاندرات میں چند نمازیں پڑھی جاتی ہیں: (۱) دو رکعتیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھے۔ (۲) حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی مقرر کردہ نماز بھی اسی تاریخ کو پڑھی جاتی ہے۔ یہ دو رکعتیں ہیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے اور سلام کے بعد یہ کلمات طیبات کہے جاتے ہیں: سبوح قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح۔[1]

شب عاشورہ میں دو نمازیں پڑھی جاتی ہیں: (۱) دو رکعت روشنی قبر کے لئے جو شخص اس نماز کو پڑھے گا، خدا تعالیٰ اس کی قبر کو روشن کرے گا۔ ترکیب یہ ہے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے (۲) چار رکعتیں، ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پچاس بار۔ خدا تعالیٰ اس نماز کی برکت سے سال بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

محرم کی دسویں تاریخ بھی عبادت کا دن ہے۔ اس دن چھ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد حسب ترتیب یہ چھ سورتیں پڑھنی چاہئیں: والشمس، انا انزلنا، اذا زلزلت، اخلاص، فلق اور ناس۔ نماز کے بعد سجدہ میں جا کر سورۂ کافرون پڑھے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔

ربیع الاوّل کی نماز:

ربیع الاوّل وہ ماہ مبارک ہے جس میں کائنات روحانی کے پیشوائے اعظم جناب محمد مصطفیٰﷺ اس دنیا میں رونق افروز ہوئے اور بھٹکی ہوئی دنیا کو راہ ہدایت ملی یہ مہینہ رسول اللہﷺ کی پیدائش کا بھی ہے۔ ہجرت کا بھی اور وفات کا بھی۔ لہٰذا اس مہینہ میں عبادت کرنی انتہائی خیر و برکت کا موجب اور باعث تنویر قلب ہے۔ ربیع الاوّل کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ یکم تاریخ سے بارہ تاریخ تک روزانہ بیس رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں ۲۱ بار قل ھواللہ پڑھے۔ اس نماز

[1] کنز العمال ج ۴ ص ۱۰۲ و ابن شاہین عن انس

کا عشاء کی نماز کے بعد پڑھنا افضل ہے۔

اگر روزانہ یکم سے بارہ تک یہ نماز نہ پڑھ سکے تو کم از کم دوسری اور بارھویں تاریخ کو ضرور پڑھ لے۔ کیونکہ اس کا ثواب بے حد شمار ہے۔

رجب اور لیلۃ الرغائب کی نماز :[۱]

رجب کا مہینہ بھی بڑی عظمت و برکت والا مہینہ ہے۔ حدیث میں آیا کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غسل کر کے رجب کی پہلی، پندرہویں اور تین آخری تاریخوں میں نماز پڑھے گا، اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اس ماہ مقدس کی ۲۷ تاریخ کو رسول اکرم ﷺ کو معراج ہوئی تھی گویا اسی ماہ میں عروج محمدی ﷺ اپنے کمال کو پہنچا تھا۔ اس مناسبت سے بموجب ایک روایت کے یکم ماہ رجب کو مغرب و عشاء کے درمیان ۳۰ رکعت ادا کرے، ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار سورۂ کافرون اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھے، خدا تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ [۲]

اس ماہ میں لیلۃ الرغائب بھی ہے۔ یعنی اس مہینہ کی پہلی شب جمعہ کو لیلۃ الرغائب کہتے ہیں۔ اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ شب جمعہ کو مغرب کے بعد بارہ نفلیں پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار انا انزلنا اور بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ سلام کے بعد ستر مرتبہ یہ درود پڑھے: اللھم صل علی محمدن النبی الامی و الہ۔ اس کے بعد سجدہ میں جا کر ستر بار یہ کہے: رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم فانک انت العزیز الاعظم۔ ترجمہ: اے پروردگار! مجھے بخش اور رحم کر، اور جو کچھ تو جانتا ہے اس سے درگزر فرما۔ تحقیق تو بڑی شان والا اور بخشش والا ہے۔ [۳]

---

[۱] حافظ سیوطیؒ ۹۱۱ نے اپنی کتاب "اللآلی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعۃ" میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے ابن عراق الکنانی نے اپنی کتاب "تنزیہ الشریعۃ فی احادیث الموضوعۃ" میں اسے موضوع قرار دیتے ہوئے اس کا واضع علی بن حسن بن علی بن الھیر کو بتلایا ہے (تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۲۰۷) علوی [۲] غنیۃ الطالبین "فصل فی الصلاۃ الواردۃ فی شھر رجب" ج ۱ ص ۴۳۶، ور مختار ج ۲ ص ۲۶، شامی میں ہے کہ جو روایات اس باب میں ہیں "موضوع اور باطل ہیں (علوی) [۳] غنیۃ الطالبین "فصل فی الصلاۃ الواردۃ فی شھر رجب" ج ۱ ص ۴۵۰

شعبان کی نماز :

ماہ شعبان کی عظمت و فضیلت بھی احادیث میں آئی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اور بزرگی یہ ہے کہ اس کو حضور ﷺ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے چاہئیں۔ علاوہ ازیں چند نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں:

(۱) چاند رات کو بارہ رکعتیں پڑھی جائیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد پندرہ بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔

(۲) پندرھویں شعبان کو رات کے وقت چار رکعات نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ [۱]

(۳) ہر جمعہ کی رات کو چار یا آٹھ رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۳۰ بار سورۂ اخلاص پڑھے۔

رمضان المبارک کی نماز

رمضان کا مہینہ وہ مبارک و مسعود مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا جو انسانوں کے لئے سراپا ہدایت ہے، اس میں ہدایت و سعادت کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں علیحدگی پیدا کر دینے والا ہے۔ یہ ہے وہ فضیلت و عظمت جو خود خدائے قدوس نے رمضان کے بیان میں ذکر فرمائی ہے اور اس کے سامنے بقیہ تمام فضائل گرد ہیں۔ تاہم ایک حدیث ہم رمضان کی فضیلت میں اور بیان کرتے ہیں۔ مصابیح کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور تمام شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس ماہ میں روزے رکھنا اور دوسری عبادتوں میں مشغول رہنا دوزخ سے بچاؤ اور دخول جنت، کے قطعی اور یقینی اسباب ہیں۔ پس

---

[۱] ان راتوں میں نماز، تسبیح اور ثناء پڑھنی چاہئے البتہ تعداد مخصوص درست نہیں فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۲۶

اس ماہ کی نمازوں کا کیا کہنا ہے نور علیٰ نور کا مصداق ہیں۔ مسلمان اس ماہ میں گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے اور خدائے قدوس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

اس مہینہ میں ایمانداروں اور عبادت گزاروں پر رحمت ومغفرت کی بارش ہوتی ہے ان کے رونق میں فراخی ہوتی ہے، مال میں زیادتی ہوتی ہے، ہر ایک حرکت عبادت میں لکھی جاتی ہے، تمام نیک اعمال کا دوچند ثواب لکھا جاتا ہے اور فرشتے مغفرت کے خواستگار ہوتے ہیں۔ لہٰذا علاوہ روزوں کے اس ماہ کی خاص نماز کا بھی فکر واہتمام کرنا چاہئے۔

شب قدر کی نماز :

رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو چار نفل پڑھنے چاہئیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ انا انزلنا ایک بار اور سورۂ اخلاص ۲۷ بار پڑھیں۔ نماز کے بعد استغفار کریں انشاء اللہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔

دوسری نماز یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد انا انزلنا تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص بھی تین مرتبہ پڑھیں۔

تیسری ترکیب یہ ہے کہ چار رکعت نماز نفل پڑھیں، ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار سورۂ انا انزلنا اور پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ میں جاکر ایک بار یہ تسبیح پڑھیں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اس کے بعد اپنے مدعا کی خدا تعالیٰ سے دعا کریں۔ انشاء اللہ مستجاب ہوگی۔

نماز تراویح

رمضان شریف میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے نماز تراویح سنت موکدہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ نماز پڑھی ہے۔ تراویح کی جماعت کرنا سنت کفایہ ہے۔ یعنی اگر بعض لوگ جماعت سے تراویح پڑھ لیں گے تو اوروں کے ذمہ سے یہ سنت ساقط ہوجائے گی۔ اگر سرے سے تراویح کی جماعت ہی نہ

ہوگی تو آبادی کے تمام لوگ ترک سنت کے مرتکب ہوں گے۔

تراویح کی تعداد بیس رکعت ہیں [۱]، دو دو رکعت کی نیت کے ساتھ۔ ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا مستحب ہے، اس کو "ترویحہ" کہتے ہیں۔ اس بیٹھنے میں اختیار ہے کہ خواہ کچھ پڑھے یا خاموش بیٹھا رہے۔ اس تسبیح کا پڑھنا افضل اور معمول بہا ہے:

سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والعظمة والهيبة والقدرة والجلال والکمال والبقآء والثنآء والضيآء والآلآء والنعمآء والکبريآء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لاينام ولايموت سبوح قدوس ربنا ورب الملئکة والروح [۲]

اس تسبیح کو ایک مرتبہ ہر ترویحہ میں ذرا آواز سے پڑھنا چاہئے۔

مسائل تراویح :

نماز تراویح بلا عذر بیٹھ کر پڑھنی مکروہ ہے۔ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر فجر تک ہے، خواہ وتر سے قبل یا بعد اگر کسی کو جماعت کے ساتھ تراویح نہیں ملی اور امام وتروں کے لئے کھڑا ہوگیا تو اس کو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ لینے چاہئیں، بعد میں تراویح پڑھ لے۔ [۳]

اگر کسی کی تراویح فوت ہوجائیں اور وقت نکل جائے تو بعض علماء کا قول یہ ہے کہ تراویح کی قضا نہیں، وقت نکل جانے کے بعد ان کا سنت موکدہ ہونا جاتا رہا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ دوسرے روزہ کی تراویح تک ان کی قضا کرسکتا ہے۔

اگر کسی نے فرض نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھی ہو تو اسے تراویح کی جماعت میں شامل ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ تراویح کی نماز عشاء کی نماز کے تابع ہے۔ اس کو عشاء سے مقدم کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا پہلے عشاء کی نماز جماعت سے ادا

---

[۱] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے مراجعت کیجئے : ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۴، بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶، معجم کبیر طبرانی ج ۳ ص ۱۴۸ (علوی) [۲] ردالمختار ج ۲ ص ۳۶، شامی ج ۱ ص ۶۶۱ [۳] شامی ج ۲ ص ۴۸

کرے، پھر جماعت تراویح میں شامل ہو اگر عشاء کی نماز تنہا پڑھ لی ہو اور جماعت سے نہ پڑھی ہو تب بھی تراویح کی جماعت میں شریک ہونا جائز نہیں، کیونکہ تراویح کی جماعت فرضوں کی جماعت کے تابع ہے۔[۱]

اگر ایک شخص نے فرض جماعت سے پڑھے ہوں اور تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہوں تو پھر وتر جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کسی نے فرض (بغیر جماعت کے) پڑھے ہوں تو پھر وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا۔

اگر ایک پورے گروہ نے عشاء کے فرض تو جماعت سے پڑھے لیکن تراویح جماعت سے ادا نہ کیں تو یہ گروہ وتر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے۔[۲]

ہدایت :

بعض لوگ سستی و تساہل پسندی کی وجہ سے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ امام رکوع میں جائے تو پھر ہم جماعت میں شامل ہوں۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ایسی نماز تو مارے باندھے کی ہوگی۔ لہٰذا نمازیوں کو ایسی سستی نہ کرنی چاہئے۔[۳]

ختم قرآن کا حکم :

تراویح میں ایک بار پورے ماہ رمضان میں قرآن پاک ختم کرنا سنت ہے، ایک مرتبہ دور کرنے کی فضیلت ہے اور تین مرتبہ پڑھنا تو بہت ہی افضل ہے۔[۴] اگر لوگ قرآن سننے میں سستی کریں تو ان کے خیال سے ختم قرآن ترک نہ کرنا چاہئے۔ کم از کم ایک مرتبہ تو بہر حال ضرور ہی ختم کرنا چاہئے۔

اگر سچ پوچھو تو تراویح کی غرض ہی یہ ہے کہ رمضان المبارک میں چونکہ قرآن پاک نازل ہوا تھا اسی لئے اس ماہ میں قرآن کے نزول کی خوشی منائی جائے۔ یعنی تمام مساجد میں قرآن کریم پڑھا جائے اور کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہے جس کے

---

[۱] نوٹ: جس آدمی نے عشاء کی فرض نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو وہ نماز تراویح اور وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے ردالمحتار "باب الوتر والنفل بحث التراویح" ج ۱ ص ۵۲۳ (علوی) [۲] شامی ج ۲ ص ۴۸ [۳] درمختار ج ۲ ص ۴۸
[۴] درمختار ج ۲ ص ۴۶

کان میں کلام الٰہی کی آواز نہ پہنچ جائے۔ گویا یہ مہینہ تبلیغ قرآن کا ہے۔ پس ختم قرآن کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے اور اس میں کسی قسم کی سستی نہ کرنی چاہئے۔

قرآن خوانی کی اجرت :

قرآن خوانی کی اجرت لینا حرام اور ناجائز ہے جو حافظ پہلے ہی اجرت ٹھہرا لیتے ہیں وہ قرآن کو چند سکوں کے عوض گویا فروخت کرتے ہیں۔ یہ سخت نامناسب اور مکروہ فعل ہے۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے ان کے لئے جائز صورت اور مشروع طریقہ یہ ہے کہ وہ قرآن خوانی صرف خدا کے واسطے اور اپنا مذہبی حق سمجھتے ہوئے کریں پہلے سے اجرت نہ ٹھہرائیں۔ پھر اگر لوگ اپنی خوشی سے کچھ دیں تو لے لیں۔ مطلب یہ کہ قرآن خوانی کو حصول دولت کا ذریعہ نہ بنائیں یہ قرآن عظیم کی توہین ہے۔

مسئلہ: ایک مسجد میں تراویح کی دو مرتبہ جماعت کرنی مکروہ ہے۔[۱] اگر ایک امام ہی تراویح کی پوری بیس رکعت پڑھا دے تو افضل ہے۔ اور اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب یہ ہے کہ ہر امام اپنا ترویحہ یعنی چار چار رکعتیں پڑھائے۔

مسئلہ: اگر فرض و وتر دونوں کو ایک امام پڑھائے اور صرف تراویح دوسرا امام تو جائز ہے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ خود فرض وتر پڑھایا کرتے تھے اور حضرت ابی بن کعبؓ تراویح پڑھایا کرتے تھے۔[۲]

مسئلہ: اگر تراویح کی دو رکعتیں قرأت کی غلطی یا اور کسی سبب سے فاسد ہو جائیں تو جو قرآن ان دو رکعتوں میں پڑھا ہو اس کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جن مساجد میں قرآن خوانی نہ ہوتی ہو وہاں کے اماموں کو چاہئے کہ تراویح میں سورۂ فیل سے آخر تک دسوں سورتیں تراویح میں پڑھایا کریں۔[۳]

مسئلہ: اگر تراویح کی دوسری رکعت میں امام قعدہ کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا تو اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا تو اب چوتھی

[۱-۲] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۶ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸

رکعت ملا کر آخر میں قعدہ کر کے سلام پھیرے۔ مگر یہ چار رکعتیں دو ہی شمار ہوں گی۔ ہاں اگر دوسری رکعت کا قعدہ بقدر تشہد کر لیا اور پھر کھڑا ہوا تھا اور پوری چار رکعتیں کر لیں تو پھر چار ہی شمار ہوں گی۔ ۱؎

شب قدر کا بیان:

رمضان المبارک وہ مقدس مہینہ ہے کہ اس مہینہ کا ایک فرض دوسرے مہینہ کے ستر فرضوں کے مساوی ہے۔ ۲؎ اسی مہینہ کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں ایک متبرک وجلیل القدر رات شب قدر بھی ہے۔ جس میں عبادت گزار بندوں پر خصوصیت کے ساتھ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس رات میں بندوں پر کیسی کیسی برکتیں ورحمتیں نازل ہوتی ہیں؟ اور اس کی کیا کچھ فضیلت وعظمت ہے؟ اس کے جواب میں سورۂ قدر پیش کر دینا مناسب وافضل ہے، ارشاد باری ہے:

انا انزلنه فی لیلة القدر. ومآ ادراک مالیلة القدر. لیلة القدر خیر من الف شهر. تنزل الملئکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر. سلم هی حتیٰ مطلع الفجر ۳؎

ترجمہ: بیشک ہم نے اس نبی اور اس کتاب کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے اور تو جانتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح القدس ان کے رب کے حکم سے اترتے ہیں اور وہ ہر ایک امر میں سلامتی کا وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو۔

اس سورۂ مقدسہ کا مفہوم ومفاد یہ ہے کہ جب سال بھر میں ہر طرف معصیت وسیاہ کاری کی تاریکی ہی تاریکی چھا جاتی ہے تو رحمت ومغفرت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو اور حصول سعادت کی تمنا رکھنے والے تاریک قلوب کو منور کرے۔ سو ایک نور تو ایسا دائمی ہے جو قیامت تک ہر لمحہ تاریک قلوب وارواح پر تو افگن رہے گا اور اپنی پوری تابانی کے ساتھ دنیا کی

۱؎ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۹ ۲؎ رواه ابن خزیمة والبیهقی فی الشعب والاصبهانی فی الترغیب (کنز العمال ج ۸ ص ۲۷۷) (علوی) ۳؎ پارہ ۳۰ سورۃ القدر

تاریکی دور کرتا رہے گا۔ اور وہ قرآن مقدس ہے جو رمضان المبارک کے لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔ اور دوسرا عارضی نور سال کے سال اس متبرک رات میں نازل ہوتا ہے اور یہ رات ساری دنیا کو اپنے پیکر نوری میں جذب کر لیتی ہے۔ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے نورانی فرشتے اور روح القدس کو زمین پر نازل کرتے ہیں ہر امر میں سلامتی ہی سلامتی ہوتی ہے اور فرشتے ان تمام لوگوں کو جو سعید ورشید اور حصول سعادت میں مستعد ہوتے ہیں نیکی کی طرف کھینچتے ہیں اور نیک توفیق ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں اس عظیم وجمیل رات کی فضیلت وبزرگی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ خدائے قدوس نے اس سورۂ مبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

تاہم اتنا اور جان لیجئے کہ شب قدر بنص شریعت ہزاروں راتوں سے افضل ہے اور اس کا تمام احترام اس بات میں ہے کہ اس شب میں جاگتے رہنا، اعمال حسنہ میں مشغول رہنا، تسبیح وتہلیل اور توبہ واستغفار کرنا اور اپنے دل کو امور دنیاوی سے خالی رکھنا چاہئے۔ اس رات کی ایک رکعت نفل ہزار نفلوں سے افضل ہے۔

شب قدر کی تعین:

شب قدر کو متعین کرنا مشکل ہے، کیونکہ خود پروردگار عالم اور نبی کریم ﷺ ہی نے اس کو مبہم ومستور رکھنا چاہا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ رحمت ومغفرت کے طلب گار اس کی تمنا میں رمضان کے آخری عشرہ کی تمام راتوں میں مشغول عبادت رہیں اور زیادہ سے زیادہ اجر وثواب حاصل کریں۔ خدائے قدوس کی رحمت ومغفرت چاہتی ہے کہ اس کے بندے اسی بہانے اُخروی سعادت اور روحانی برکت زیادہ سے زیادہ حاصل کریں۔ تاہم اتنی بات یقینی اور قطعی ہے کہ بمقتضائے احادیث شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ چنانچہ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ تاریخوں کے متعلق مختلف روایتیں آئی ہیں۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ ۲۷ رمضان کی رات شب قدر ہے۔ صحیح حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے امام اعظم کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی مسلمانوں میں

مشہور ہے۔ لہٰذا ستائیسویں شب کو خصوصیت کے ساتھ شب بیداری، عبادت گزاری اور توبہ واستغفار کے لئے مخصوص کرنا چاہئے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا، پھر درمیانی عشرہ میں ترکی خیمہ میں اعتکاف کیا۔ ایک روز اپنا سر خیمہ سے باہر نکال کر فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتے نے آ کر کہا کہ شب قدر کو اگلے عشرہ میں تلاش کرو۔

اعتکاف کا بیان

شرعی اصطلاح میں اعتکاف کے معنی ہیں کہ انسان کا مسجد یا گھر کے کسی معین گوشہ میں بحالت روزہ عبادت کی نیت سے جم کر بیٹھ جانا اور سوائے طبعی حاجات کے وقت مقررہ تک اس گوشتہ سے نہ نکلنا یہ اعتکاف مسنون ہے۔ کیونکہ رسول خدا ﷺ ہمیشہ اعتکاف کیا کرتے تھے۔ [1] اعتکاف کے متعلق مختصر طور پر اتنا جان لینا چاہئے کہ معتکف گویا سب سے کٹ کر حق تعالیٰ سے وابستہ ہوجاتا ہے، دنیاوی امور ومشاغل سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرلیتا ہے اپنے آپ کو عبادت الٰہی کے لئے وقف کردینا گویا دنیا کے سامنے رجوع الی اللہ کا ایک کامل نمونہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں کو انقطاع الی اللہ کا سبق دیتا ہے۔

مسنون اعتکاف:

یہ ہے کہ رمضان کی ۲۰ تاریخ کو مغرب سے ذرا پہلے اس مسجد میں جہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو عبادت کی نیت سے بیٹھ جائے۔ اگر عورت اعتکاف کرنا چاہے تو اپنے گھر کے کسی گوشہ میں بیٹھ جائے۔ جو نماز کے لئے مخصوص ہو اور رمضان کے آخری روزہ کی مغرب تک وہیں بیٹھی رہے اور ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہے، خواہ نفلیں پڑھے یا تلاوت قرآن کرتی رہے۔ یا توبہ استغفار،

---
[1] الھدایہ ج ا ص ۲۲۹

تسبیح وتہلیل اور دیگر اذکار میں مشغول رہے بہرحال مطلب یہ ہے کہ اکثر وقت عبادت میں بسر کرے۔ [1]

اعتکاف کا رکن اور شرط:

عبادت کی نیت سے ٹھہرے رہنا اعتکاف کا رکن ہے اور نیت و مسجد اس کی شرطیں ہیں۔ اس رکن اور شرط کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں عبادت کی نیت سے وقت مقررہ تک ٹھہرا رہے گا تو اعتکاف صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔ [2]

اعتکاف واجب کی مدت کم از کم ایک دن ہے چنانچہ اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو مسجد میں طلوع فجر سے پہلے داخل ہو اور غروب آفتاب کے بعد نکلے، اعتکاف ہوجائے گا۔ اگر اس مدت سے قبل اعتکاف کو چھوڑ دے گا تو فاسد ہوجائے گا اور پھر دوبارہ قضا لازم ہوگی اور اگر دو دن کے اعتکاف کی نذر مانی ہے تو غروب آفتاب سے قبل مسجد میں داخل ہو اور تیسرے روز غروب آفتاب کے بعد مسجد سے نکلے تو نذر پوری ہوجائے گی۔ [3]

اعتکاف واجب کی وصیت اور کفارہ:

اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی اور وہ اس کو ادا نہ کرسکا تو اسے کسی دوسرے کو وصیت کردینی لازم ہے اور ورثاء کو چاہئے کہ ہر دن کے بدلہ صدقہ فطر کی برابر صدقہ کریں۔ [4]

جاننا چاہئے کہ اعتکاف واجب بغیر روزہ کے ادا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو اس کو روزہ رکھنا لازم ہے ورنہ اعتکاف صحیح نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رات کو اعتکاف کی نذر ماننی صحیح نہیں۔ [5]

اوپر جو کچھ بیان ہوا اور جو شرطیں بیان کی گئیں وہ اعتکاف واجب کی تھیں باقی رہا اعتکاف نفل سو اس کی مدت کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ اوّل یہ کہ اعتکاف نفل کی کوئی مدت خاص مقرر نہیں۔

---
[1] فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۱۱-۲۱۲ [2] فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۱۱ [3] عالمگیری ج ا ص ۲۱۳، الھدایہ "باب الاعتکاف" ج ا ص ۲۳۱ [4] عالمگیری ج ا ص ۲۱۳ [5] عالمگیری ج ا ص ۲۱۱

ایک گھنٹہ اور اس سے کم کا بھی ہو سکتا ہے اور اس کے لئے روزہ رکھنا بھی شرط نہیں۔ دوئم یہ کہ اعتکاف نفل کے لئے بھی روزہ دار ہونا شرط ہے اور کم از کم اس کی مدت بھی وہی ہے جو اعتکاف واجب کی ہے۔ یعنی ایک روزہ اور یہی روایت صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ؎۱

امام صاحبؒ کے نزدیک اعتکاف کی حالت میں بغیر ضرور حوائج یعنی پیشاب و پاخانہ وغیرہ کے مسجد سے تھوڑی دیر کے لئے نکلنا بھی اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک آدھے دن سے کم کے لئے معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے۔ ؎۲

معتکف کے لئے مسجد کے اندر کھانا پینا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن سامان تجارت مسجد میں نہیں لانا چاہئے صرف زبانی خرید وفروخت جائز ہے۔ معتکف کے لئے خاموش رہنا مکروہ ہے۔ افضل یہ ہے کہ ہر وقت ذکر الٰہی یا تلاوت قرآن اور یا نوافل میں مشغول رہے، امور دینی میں ہر وقت منہمک رہے۔ دینی مسائل کے درس وتدریس میں بھی وقت گزار سکتا ہے۔ ؎۳

ہفتہ کی نمازیں

(۱) شنبہ کی رات کو مغرب وعشاء کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھ کر جو چاہیں دعا کریں۔ انشاء اللہ مقبول ہوگی۔ ؎۴ شنبہ کے دن کسی وقت چار رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ کافرون تین بار پڑھیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک بار آیت الکرسی پڑھ کر دعا کریں۔ ؎۵

یکشنبہ کی نماز:

(۱) یکشنبہ کی رات کو ۲۰ رکعت نماز نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں پچاس بار اخلاص، ایک بار فلق اور ایک بار سورۂ ناس پڑھیں۔ پھر سلام کے بعد اپنے لئے

۱ الهدایہ ج ۱ص ۲۲۹ ۲ الهدایہ ج ۱ص ۲۳۰ ۳ عالمگیری ج ۱ص ۲۱۲، ہدایہ ج ۱ص ۲۳۰ ۴ غنیۃ الطالبین ج ۲ص ۳۳۱ ۵ غنیۃ الطالبین ج ۲ص ۳۳۷

اور اپنے والدین کے لئے سو مرتبہ استغفار کریں۔ پھر سو مرتبہ درود شریف پڑھیں، پھر پچاس مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کہیں۔ اس کے بعد یہ کلمات کہیں: اشهدان لآالـه الاالله اشهد ان ادم صفوة الله و فطرته وابراهيم خليل الله عزوجل وموسیٰ كليم الله تعالیٰ وعيسٰی روح الله سبحانه ومحمداً حبيب الله عزوجل۔ ؎۱

(۱) اس نماز کا فائدہ اور برکت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے والدین کے گناہ معاف فرمادے گا۔

(۲) یکشنبہ کے دن ظہر کی نماز کے بعد چار رکعت نفل پڑھیں۔ اوّل رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ الم سجدہ۔ دوسری رکعت میں تبارک الذی پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اور پھر دوسری رکعت کی نیت باندھیں۔ پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں الحمد کے بعد سورۂ جمعہ ختم کریں اور سلام کے بعد قاضی الحاجات سے اپنی حاجت طلب کریں انشاء اللہ دعا قبول ہوگی۔ ؎۲

دوشنبہ کی نماز:

(۱) دوشنبہ کی رات کو چار رکعت نفل اس طرح پڑھے: اوّل رکعت میں الحمد کے بعد دس بار سورۂ اخلاص، دوسری رکعت میں بیس بار تیسری میں تیس اور چوتھی میں چالیس بار پڑھیں یعنی ہر رکعت میں الحمد کے بعد دس دس بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے گی پھر سلام پھیرنے کے بعد بھی سورۂ اخلاص، استغفار اور درود شریف تینوں پچھتر پچھتر بار پڑھ کر دعا مانگیں۔ انشاء اللہ تمام دینی اور دنیوی حاجات پوری ہوں گی اس نماز کا نام نماز حاجت ہے۔ جو قضاء حاجت میں عجیب سریع الاثر چیز ہے۔ ؎۳

(۲) دوشنبہ کے دن کسی وقت بارہ رکعت نفل ادا کریں ہر رکعت میں ایک بار آیت الکرسی پڑھیں، نماز سے فارغ ہونے کے بعد سورۂ اخلاص ۱۱ مرتبہ اور استغفر اللہ ۱۲ بار کہیں خدائے قدوس اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ ؎۴

۱ غنیۃ الطالبین "فصل فی ذکر فضل صلاۃ اللیلۃ الاحد" ج ۲ص ۳۳۸ ۲ غنیۃ الطالبین ج ۲ص ۳۳۲ ۳ غنیۃ الطالبین ج ۲ص ۳۳۹ ۴ غنیۃ الطالبین ج ۲ص ۳۴۰

سہ شنبہ کی نماز :

منگل کی رات کو بارہ رکعت اس طرح پڑھیں، ہر رکعت میں الحمد کے بعد پانچ مرتبہ اذاجاء نصر اللہ الخ پڑھیں اللہ تعالیٰ بہشت برین عطا فرمائے گا۔

(۲) منگل کے دن آفتاب بلند ہو جانے کے بعد یا زوال کے بعد دس رکعت نفل پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھیں تمام آفات و بلیات سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ [۱]

چہار شنبہ کی نماز :

(۱) بدھ کی رات کو دو رکعت نفل پڑھیں۔ اوّل رکعت میں سورۂ فلق دس بار اور دوسری رکعت میں سورۂ ناس دس بار پڑھیں رحمت خداوندی شامل ہوگی۔ [۲] بدھ کے دن نماز اشراق کے بعد بارہ رکعت پڑھیں، ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیت الکرسی تین بار سورۂ اخلاص تین بار سورۂ فلق اور سورۂ ناس تین بار پڑھیں باری تعالیٰ عزاسمہ عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔ [۳]

پنج شنبہ کی نماز :

(۱) جمعرات کی رات کو، مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پانچ پانچ بار پڑھیں۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد پندرہ بار استغفار پڑھیں اور والدین کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ انشاء اللہ والدین کی مغفرت ہوگی۔ [۴]

(۲) جمعرات کے دن ظہر و عصر کے درمیان دو رکعت نفل ادا کریں اوّل رکعت میں الحمد کے بعد سو بار آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سو بار سورۂ اخلاص پڑھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔ [۵]

---

[۱] غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۳۳ [۲] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ص ۳۳۰ [۳] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ص ۳۳۲ [۴] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ۳۳۰ [۵] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ص ۳۳۲

جمعہ کی نماز :

(۱) جمعہ کی رات کو مغرب و عشاء کے درمیان بارہ رکعت نفل پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد دس بار سورۂ اخلاص پڑھے۔ [۱] (۲) جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اور سنتیں پڑھ کر دس رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد دس بار سورۂ اخلاص اور ایک ایک بار سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھے پھر وتر پڑھ کر دائیں کروٹ کے بل سو رہے۔ اس نماز کا بہت ثواب ہے۔ [۲] (۳) جمعہ کی دن اشراق کی نماز کے بعد چار رکعت نفل ادا کرے یا آٹھ رکعت اور یا بارہ رکعت اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے۔

(۴) جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان دو رکعت ادا کرے اوّل رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیت الکرسی ۲۰ بار سورۂ فلق اور ایک بار سورۂ ناس پڑھے دوسری رکعت میں ایک بار سورۂ اخلاص بیس بار سورۂ فلق اور ایک بار سورۂ ناس پڑھ کر سلام پھیر دے۔ پھر پچاس مرتبہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پڑھ کر دعا مانگے انشاء اللہ قبول ہوگی۔ [۳]

نوافل کے مسائل

دن کے وقت ایک سلام سے چار رکعت نفل پڑھنے درست ہیں اور چار سے زائد مکروہ۔ ہاں رات کے وقت ایک سلام سے آٹھ رکعت تک پڑھنا درست ہے اور آٹھ سے زائد مکروہ (عالمگیری) باقی رات و دن دونوں میں ایک سلام سے چار رکعت نفل پڑھنے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار رکعت نماز نفل پڑھنے کی ایک سلام سے نذر مانے اور بروقت ادائیگی دو دو رکعتیں کر کے پڑھے تو نذر ادا نہ ہوگی۔ اور اگر دو دو کر کے چار رکعت کی نذر مانی اور پھر ایک سلام سے چاروں رکعتیں پڑھ لیں تو نذر ادا ہو جائے گی۔ [۴]

---

[۱] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ص ۳۳۱ [۲] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ص ۳۳۱ [۳] غنیۃ الطالبین حصہ دوم ۳۳۶
[۴] عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۳ نوٹ: غنیۃ الطالبین کی نسبت یہ کہنا کہ یہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب ہے غلط ہے مراجعت کیجئے: نبراس شرح عقائد نسفی دیکھئے ص ۴۴۵ حاشیہ ص ۲ دوسرے حنبلی مسلک تھے (علوی)

مسئلہ: اگر ایک شخص نے اس خیال سے کہ میں ظہر کی نماز پڑھ چکا ہوں امام کا اقتداء بہ نیت نفل کیا، پھر نماز میں یاد آیا کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب اس نے نفل کی نیت توڑ کر فرض کی نیت سے دوبارہ اقتداء کی یا صرف یہ صورت ہوئی کہ پہلے نفلوں کی امام کے پیچھے نیت باندھ لی پھر توڑ کر دوبارہ نفلوں کی نیت باندھ لی تو ان دونوں صورتوں میں اس کے ذمہ نفل کی قضا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی نیت یہ ہے کہ نماز امام کے ساتھ ادا کروں اور وہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ [1]

مسئلہ: اگر کسی شخص نے بلا قید رکعت نفل نماز کی نیت کی۔ یعنی صرف یہ نیت کی کہ نفل نماز پڑھتا ہوں اور یہ نہ کہا کہ دو پڑھتا ہوں یا چار یا چھ وغیرہ تو اس صورت میں اس کے لئے صرف دو نفلیں پڑھنی ضروری ہیں چار نہیں۔ [2]

مسئلہ: اگر ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت نہیں کی اور دوگانہ پڑھ کر بغیر قعدہ میں بیٹھے ہوئے کھڑا ہوگیا اور یاد آیا کہ قعدہ ترک ہوگیا تو اسے فوراً بیٹھ جانا چاہئے قعدہ کر کے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اگر یاد آنے کے بعد قعدہ میں نہ لوٹے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ [3]

مسئلہ: اگر ایک شخص نے دو رکعت نفل کی نیت کی پھر بقدر تشہد بیٹھ کر تیسری رکعت کو کھڑا ہوگیا اور تیسری رکعت میں نماز توڑ دی تو صرف دو رکعتوں کی قضا لازم ہوگی اور بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل تیسری رکعت کو کھڑا ہوا اور پھر نماز توڑ دی تو چاروں رکعتوں کی قضا واجب ہوگی کیونکہ نوافل میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نفل کا ہر دوگانہ علیحدہ ہے ایک دوگانہ کی تکمیل کے بعد اگر دوسرا دوگانہ فاسد ہوجائے تو صرف دو کی قضا لازم آتی ہے۔ ہاں تین حالتوں میں ایک دوگانہ دوسرے دوگانے سے علیحدہ نہیں رہتا۔ (۱) اقتداء یعنی اگر امام کی اقتداء چار رکعتوں کی کی اور دو پڑھ کر تیسری رکعت میں نماز کو فاسد کردیا تو چاروں کی قضا لازم ہے (۲) نذر یعنی اگر چار رکعت نماز نفل کی نذر مانی اور تیسری رکعت میں نماز کو فاسد کردیا تو بھی چاروں کی قضا لازم ہے۔ (۳) قعدہ اولیٰ کا ترک یعنی اگر پہلے دوگانہ کا قعدہ چھوٹ گیا اور تیسری رکعت کو کھڑا ہوگیا اور پھر نماز کو فاسد کردیا تب

۱ شامی ج ۲ ص ۳۰ ۲-۳ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۳

بھی چاروں رکعتوں ہی کی قضا لازم ہے۔ [1]

ضروری یادداشتیں:

(۱) بیل گھوڑے اونٹ اور تانگے وغیرہ کی سواری پر نماز کا اشارہ سے پڑھنا مشروع ہے۔ رکوع وسجود نہ کرنا چاہئے لیکن اگر سواری روک سکتا ہے تو روک لے اگر نہ روک سکتا ہو تو کم از کم قبلہ رخ کرلے۔ اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو جس طرح ہوسکے بوقت ضرورت نماز ادا کرلے اور پھر ان نمازوں کی قضا بھی اس کے ذمہ لازم نہیں۔ [2]

(۲) مسافر اور مقیم دونوں کو سواری پر نماز پڑھنی جائز ہے مگر مسافر کو اس جواز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت اس وقت سے ہوگی جب وہ شہر سے باہر ہو جہاں سے مقیم پر قصر لازم آتا ہے لہٰذا وہ شہر کے اندر سواری پر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ [3]

(۳) عذر کی وجہ سے چلتی ہوئی ریل میں فرض، واجب اور سنت سب نمازیں پڑھنی جائز ہیں ایک آدمی کو چلتی ریل میں نماز کا وقت آگیا مگر اس کو امید ہے کہ اگلے اسٹیشن پر پہنچنے تک نماز کا وقت باقی رہے گا تو اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ریل کے ٹھہرنے تک توقف کرے جب ریل ٹھہر جائے تو نماز پڑھے اگر ابتداء وقت میں بھی چلتی ریل میں اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے پڑھ لے گا تب بھی جائز ہے چلتی کشتی کا حکم بھی ریل کی طرح ہے جس کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہے۔ [4]

(۴) اگر ایک شخص ایک نفل میں کئی نفلوں کی نیت کرلے مثلاً تحیۃ الوضو کا دوگانہ پڑھتے وقت تحیۃ المسجد اور اشراق کی بھی نیت کرلے تو جائز ہے اور اس نیت کی وجہ سے اسے سب نمازوں کا ثواب ملے گا۔ [5]

توبہ اور نماز توبہ کا بیان

جب کوئی بھول چوک سے یا قصداً گناہ کرلے اور پھر شرم وندامت کی وجہ

۱ شامی ج ۲ ص ۳۲ ۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۲،۱۴۳ ۳ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۲ ۴ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۳ ۵ غایۃ الاوطار

سے آئندہ اس گناہ سے بچنے کا ارادہ کرے اور خدا کی جناب میں توبہ کرنا چاہئے تو اسے چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور پھر یوں کہے:

اللهم انی اتوب الیک منها لا ارجع الیها ابداً

ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے سامنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں میں ان کی طرف کبھی نہ پھروں گا۔

اس دعا کے پڑھنے سے گناہ بخشا جاتا ہے اگر پھر دوبارہ وہی گناہ کرے تو اس کے لئے علیحدہ توبہ کرنی چاہئے۔ مگر یاد رہے کہ توبہ کے وقت آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہونا چاہئے۔ یہ نہ ہو توبہ کے بھروسہ پر گناہ کیا جائے کہ اب تو گناہ کرلو پھر توبہ کرلیں گے۔ یہ فریب نفس ہے اور ایک قسم کا مذاق۔ ہاں اگر توبہ کے بعد بشریت کے تقاضہ سے دوبارہ گناہ ہوجائے تو اس کے لئے پھر توبہ کرلے بشرطیکہ سچے احساس ندامت کے ساتھ توبہ کرے۔

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی گناہ کر بیٹھے اسے چاہئے کہ توبہ کے ارادہ سے اٹھے اور غسل یا وضو کرے پھر دوگانہ پڑھے اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اس کی بخشش کی جاتی ہے۔ [1]

کسوف وخسوف کی نمازیں

جب سورج کو گہن لگتا ہے تو اس کو کسوف کہتے ہیں اور جب چاند کو گہن لگتا ہے تو وہ خسوف کہلاتا ہے۔ کسوف وخسوف کیوں واقع ہوتے ہیں؟ اس کا جواب علم ہیئت سے وابستہ ہے اور یہ چیز ہمارے موضوع سے خارج ہے مگر ہاں اسلامی نقطہ نگاہ سے ان کے متعلق مختصراً انتخابات یاد رکھنے چاہئیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دو بڑے ہی عظیم الشان نشان ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی جان لیجئے کہ کسوف وخسوف کے واقع ہونے کی مختصر حقیقت یہ ہے کہ زمین کے گرد چاند گردش کرتا ہے اور چاند زمین کی طرح تاریک ہے وہ آفتاب سے نور حاصل کرتا

[1] الترغیب والترہیب ج ا ص ۲۷۴، ترمذی شریف ج ا ص ۹۲

ہے جب وہ آفتاب کے گرد گردش کرتے کرتے آفتاب اور زمین کے درمیان آجاتا ہے تو آفتاب کی روشنی زمین پر پہنچنے سے رک جاتی ہے جس سے سورج گرہن واقع ہوتا ہے اور جب زمین درمیان میں آجاتی ہے اور وہ چاند پر روشنی نہیں پڑنے دیتی تو چاند گرہن واقع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ عوام الناس میں ان کے متعلق جو اوہام وخرافات اور فرضی قصے کہانیاں مشہور ہیں وہ سب غلط اور جہالت وحماقت کی باتیں ہیں۔

سورج اور چاند گرہن کی نمازیں بلااتفاق سنت ہیں ان میں اذان، اقامت اور خطبہ کے بغیر جماعت ہونی بھی جائز ہے۔ اگر جماعت سے نہ پڑھ سکے تو تنہا ہی پڑھ لے اور اگر نماز پڑھ سکے تو اتنی دیر تسبیح وتہلیل اور دعا واستغفار میں مشغول رہے۔ [1]

ان دونوں نمازوں کا وقت وہی ہے جب گہن شروع ہو۔ مکروہ حرام اوقات نہ ہونے چاہئیں نماز کسوف وخسوف کی کم از کم دو رکعتیں ہیں چار یا آٹھ بھی پڑھی جاسکتی ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ سے یہ نماز کئی طرح پر منقول ہے۔ ان نمازوں میں قرأت آہستہ پڑھنی چاہئے بلند آواز سے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ عنکبوت اور دوسری میں سورۂ روم پڑھنا مسنون ہے ان نمازوں میں قرأت کو اتنا طول دینا چاہئے کہ نماز پڑھتے پڑھتے گہن ختم ہوجائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا قیام اس نماز میں بڑا طولانی ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا:

> چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کے دو نشان ہیں یہ دونوں کسی کے پیدا ہونے یا مرنے سے گہن میں نہیں آتے۔ لوگو! جب تم کو یہ موقعہ پیش آئے تو اللہ کے ذکر میں مصروف ہوجاؤ، دعا مانگو، تکبیر وتہلیل کرو، نماز پڑھو، خیرات دو، صدقہ دو۔ [2]

اگر گرہن اوقات ممنوعہ میں شروع ہو تو نماز کسوف نہ پڑھنی چاہئے، صرف دعا، استغفار کرتے رہنا چاہئے اگر گرہن کی حالت میں غروب ہوجائے تو مغرب

[1] بخاری ج ا ص ۱۴۲، مسلم ج ا ص ۲۹۵، عالمگیری ج ا ص ۱۵۳ [2] صحیح بخاری ج ا ص ۱۴۲، صحیح مسلم ج ا ص ۲۹۵

کی نماز پڑھنی چاہئے گرہن کی نہ پڑھنی چاہئے اگر اتفاق سے گرہن اور جنازہ کی
نمازیں جمع ہو جائیں تو پہلے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہئے۔ ۱؎
چاند گرہن کی نماز میں چونکہ لوگوں کا رات کے وقت جمع ہونا ذرا دشوار ہے
اس لئے یہ نماز جماعت سے نہ پڑھی جائے۔ ۲؎

مسلمانوں کی حالت پر افسوس :

اس پر آشوب زمانہ میں مسلمانوں سے جہاں اور بہت سی خوبیاں اور احکام
شریعت کی پابندیاں جاتی رہی ہیں، وہاں ان دونوں نمازوں کی پابندی بھی نہیں
رہی اکثر لوگ ایسے نکلیں گے جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کسوف وخسوف کے موقعہ
پر بھی نماز ہوتی ہے۔

صدقہ دینا اور بھی معدوم ہے جب پنج وقتہ نمازوں ہی کی پابندی نہیں تو
کسوف وخسوف کی نماز کجا؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سنت کو زندہ کریں اور
کسوف وخسوف کی نمازیں بھی پڑھا کریں۔

قحط اور نماز استسقاء

جب بندوں کا عصیان وطغیان اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ احساس گناہ ہی جاتا
رہتا ہے اور گناہوں کا سیلاب اکثر لوگوں کو بہالے جاتا ہے تو قدرت قاہرہ کی
طرف سے ان کی طرف سے تادیب وگوشمالی ضروری ہو جاتی ہے اور غیرت حق یا
وبا یا کسی دوسری بلائے عام کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

قحط کی تعریف :

قحط سے مراد امساک رزق اب وہ خواہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہو یا ٹڈی
دل کی آفت سے اور یا کسی اور وجہ سے چنانچہ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں قحط
صرف بارش نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ قحط یہ ہے کہ مینھ برسے اور زمین سے کچھ پیدا

۱؎ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۳ ۲؎ الھدایہ ج ۱ ص ۱۷۲

نہ ہو۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ طلب باراں کی دعا نہ کریں۔ بلکہ
مقصود یہ ہے کہ لوگ حصول رزق کا مدار باراں پر نہ سمجھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ جو کچھ
ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے وہ چاہے تو بلا باراں کے رزق سے مالا مال اور
نہال کردے پس نماز استسقاء یا طلب باراں سے اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا
جوئی اپنے معاصی وتقصیرات کا اعتراف اور معافی کی التجا ہونی چاہئے یہ ہے نماز
استسقاء کی حقیقت وضرورت جس سے عام لوگ ناواقف ہیں۔

نماز استسقاء کا طریقہ :

امام صاحبؒ کے نزدیک اس نماز کے لئے نہ جماعت مسنون ہے نہ خطبہ
مگر صاحبین کے نزدیک اس کی دو رکعتیں مسنون ہیں جو جماعت وخطبہ کے
ساتھ بغیر اذان واقامت کے ادا کی جائیں۔ ۱؎ قرأت ان دونوں رکعتوں
میں پکار کر پڑھنی چاہئے یہی مستحب ہے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ قاف
اور دوسری میں سورۂ قمر یا پہلی میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھنی
چاہئے۔ ۲؎

اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ مقامی اسلامی حاکم، اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو
قاضی شہر یا امام جامع مسجد لوگوں کو متواتر تین روزے رکھنے کا حکم دے۔ پھر
چوتھے دن وہ تمام لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آبادی سے باہر جنگل میں جائے اور
وہاں نماز ودعا کرے۔ یہ بھی منقول ہے کہ اسی طرح مسلسل تین روز تک جانا اور
نماز پڑھنا چاہئے کیونکہ عذر تقصیر تین مرتبہ کرنا معتبر ہے۔ ۳؎

جب جنگل کی طرف جائیں تو سواری پر نہیں بلکہ پیدل، سرافگندہ اور تذلیل
وانکسار کی حالت میں جائیں، کپڑے سادہ اور صورتیں عاجزانہ ہوں۔ ۴؎ غرض
لباس وپوشاک حرکات وسکنات طرز کلام اور انداز خرام سے تواضع، مسکنت اور
عاجزی نمایاں ہو، ہر روز باہر جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ خیرات دے کیوں کہ
شدائد ومصائب کے وقت صدقہ وخیرات کرنا مشروع ہے اور اس سے بلائیں ٹل

۱؎-۲؎ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۳ ۳؎-۴؎ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۴

جاتی ہیں علاوہ ازیں حقوق العباد ادا کیے جائیں اور اپنے تمام گناہوں سے از سر نو توبہ کی جائے کیونکہ عاصیوں اور غیر فرماں برداروں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ [1]

مسنون دعا اور دیگر آداب :

خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ استسقاء کی دعا نماز میں غریب وخستہ حال ضعیف بوڑھے اور اہل اصلاح وتقویٰ بکثرت شامل ہوں اور وہ جب دعا کریں تو اس میں جانوروں اور معصوم بچوں کے لئے خصوصیت سے رحم کی درخواست کریں حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر شیر خوار بچوں، بے زبان جانوروں اور عبادت گزار بندوں کا لحاظ نہ ہوتا تو تم پر عذاب ٹوٹ پڑتا اور یہ مسنون دعا بار بار پڑھنی چاہئے:

اللهم اسق عبادک وبهائمک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت. [2]

ترجمہ: اے اللہ! اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب فرما اپنی رحمت پھیلا اور اپنی مردہ آبادی کو زندہ کر۔

دعا میں تمام مقتدی صف بستہ دو زانو بیٹھیں اور امام روبقبلہ کھڑا ہو دعا رقت قلب اور حضوری دل سے کی جائے دعا کے ساتھ اس یقین کا جذبہ بھی دل پر غالب ہونا چاہئے کہ ہماری دعا ضرور قبول ہو جائے گی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دعا کرو اور ساتھ ہی قبولیت کا یقین بھی رکھو۔ [3]

مستحب یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ وعبادت میں مشہور ہو دعا میں اس کا توسل کر کے یوں کہیں:

اللهم انا نستسقی ونستشفع الیک بعبدک فلان

یعنی الٰہی اگر ہم بارش مانگتے ہیں اور تیری بارگاہ میں تیرے فلاں بندہ کی سفارش لاتے ہیں۔

---

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۴ [2] اعلاء السنن ج ۸ ص ۱۹۳، ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۶۶، موطا امام مالک ص ۱۷۹
[3] فتاویٰ ھندیہ ج ۱ ص ۱۵۳

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ طلب باراں کے موقعہ پر حضرت عباسؓ کے ساتھ توسل کیا کرتے تھے۔ [1]

خطبہ استسقاء :

دو رکعت نماز استسقاء ادا کر کے خطبہ پڑھے ابوداؤد اور ابن حاکم نے نقل کیا ہے کہ جب آفتاب کا کنارہ ظاہر ہو تو قاضی یا امام جنگل میں نکلے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ اکبر کہے اور خدائے عزوجل کی تعریف بیان کرے وہ خطبہ یہ ہے:

الحمدلله رب العلمین. الرحمن الرحیم. ملک یوم الدین. لااله الاالله یفعل مایرید. اللهم انت الله لا اله الاانت الغنی ونحن الفقرآءُ انزل علینا الغیث واجعل ماانزلت علینا قوةً وبلغا الیٰ حین. [2]

ترجمہ: سب تعریف خدا کو ہے جو دنیا جہان کا پروردگار ہے، نہایت مہربان بہت رحم والا، روز جزا کا مالک، خدا کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے الٰہی! تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو غنی ہے اور ہم محتاج، ہم پر مینھ برسا اور تو نے ہم پر جو کچھ ہمارا رزق اتارا ہے اس کو طاعت کی قوت کا سبب کر، اور مطلب کے پہنچنے کا باعث ایک مدت دراز تک کر۔ یعنی اس کے سبب سے ہم مدت تک فائدہ اٹھائیں۔

اس کے بعد امام یا قاضی دعا کے لئے ہاتھ اتنا اٹھائے کہ بغل کی سفیدی ظاہر ہو یعنی ہاتھ خوب اونچے کرے پھر آدمیوں کی طرف سے پیٹھ پھیر کر دعا کے لئے قبلہ رو ہو جائے اپنی چادر کو پلٹے ہاتھ اپنے اٹھائے رکھے پھر آدمیوں کی طرف منہ کرے اور منبر سے اتر آئے۔ [3]

چادر الٹنے کی ترکیب یہ ہے کہ داہنا سرا بائیں طرف ہو جائے اور بایاں داہنی طرف اور اندر کا رخ باہر اور باہر کا اندر ہو جائے۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ [2] ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۶۵ [3] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۳، اعلاء السنن ج ۸ ص ۱۸۳، موطا امام مالک ص ۷۸ [4] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۳، موطا امام مالک ۱۷۸

صحیح مسلم میں بارش کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم اغثنا [1] ان الفاظ کو تین بار کہے۔ یعنی اے اللہ! ہم پر مینھ برسا۔ دوسری صحیح احادیث میں آیا ہے کہ بار بار یوں دعا کرے:

اللھم اسقنا غیثاً مغیثاً مریئاً مریعاً نافعاً غیر ضآر عاجلاً غیر آجل۔ [2]

ترجمہ: خداوند! ہمیں مینھ کا پانی پلا کہ وہ ہماری فریادرسی کرے اور انجام کار کے اعتبار سے سیر حاصل شاداب ہو نفع پہنچائے اور نقصان نہ دے جلدی برسے تاخیر نہ کرے۔

قحط کے متعلق چند روایتیں:

کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سخت قحط پڑا۔ آپ بنی اسرائیل کو لے کر استسقاء کے لئے جنگل کی طرف نکلے۔ تین دن تک نماز پڑھتے اور دعا مانگتے رہے مگر بارش نہ ہوئی۔ جناب باری سے موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ تمہاری قوم میں ایک شخص چغل خور ہے اس لئے تمہاری دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی خداوند! وہ شخص کون ہے؟ ہمیں معلوم ہو جانا چاہئے تاکہ ہم اسے اپنی جماعت سے علیحدہ کردیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا موسیٰ میں تم لوگوں کو چغلی سے منع کرتا ہوں تو کیا خود ہی چغلی کھانے لگوں؟ اب موسیٰ علیہ السلام لاجواب ہو گئے اور اپنی قوم کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر شخص چغلی سے توبہ کرے۔ سب لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی تب بارش ہوئی۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل پر متواتر سات سال قحط رہا یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے مردار جانور اور بچے تک کھانے شروع کردیئے۔ وہ ہمیشہ پہاڑوں پر جاکر گریہ وزاری کرتے اور بارش کی دعا مانگتے مگر قبول نہ ہوتی تھی۔ آخر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قوم کے نبی پر وحی آئی کہ

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۳ [2] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۶۵، بخاری شریف ج ۱ ص ۱۳۸

میں تم سے کسی کی نہ دعا قبول کروں گا اور نہ کسی کے رونے پر رحم کھاؤں گا تاوقتیکہ تم لوگ غصب کردہ حقوق ان کے حقداروں کو ادا نہ کردو۔ چنانچہ ان لوگوں نے تمام غصب کردہ حقوق یعنی حقوق العباد ادا کئے تب ان پر بارش ہوئی۔ پس ہمیں یہی چاہئے کہ طلب باراں کی دعا سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کیا کریں۔

نماز جنازہ کا بیان

موت سے کسی انسان کو چارہ نہیں، ہر ایک نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے [1] اور ہر انسان کو سفر آخرت درپیش ہے اس لئے ہر ایک عقلمند اور سعادت مند دور اندیش انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی موت کو ہر وقت پیش نظر رکھے، فشار قبر سے لرزتا رہے اور مرنے کے متعلق ضروری مسائل و احکام سے واقفیت و آگاہی حاصل کرے۔

جاننا چاہئے کہ مسلمانوں کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں ان میں سے ایک سب سے زیادہ موکد حق یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جائے۔ [2] اور اس کے کفن دفن میں شریک ہو مرنے میں ہر ایک کو شریک ہونا چاہئے۔ [3]

بیمار کی دعا:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ کیا میں تجھے وہ چیز بتاؤں جو بالکل سچی اور برحق ہے اور یہ ایک دعا ایسی ہے کہ جو شخص اس کو بیماری کی حالت میں پڑھے گا خدا تعالیٰ پڑھنے والے کو دوزخ کے جانکاہ عذاب سے نجات دے گا۔ تو جب بیمار پڑے تو یوں کہا کر:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھو علیٰ کلی شی قدیر۔ حی

[1] کل نفس ذائقة الموت [2] ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۳ [3] ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۰۳

لایموت سبحان الله رب العباد والبلاد والحمدلله حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه علیٰ کل حال الله اکبر کبیراً کبریاءُ ربنا وجلاله وقدرته بکل مکان. اللهم ان کنت امرضتنی لتقبض روحی فی مرضی هذا فاجعل روحی ارواح من سبقت لهم الحسنیٰ واعذنی من النار کما اعذت اولیاء ک الذین سبقت لهم منک الحسنیٰ.

اے ابوہریرہؓ اگر تو اپنے اس مرض میں مرجائے گا تو تجھے خداتعالیٰ کی رضا مندی وخوشنودی اور اس کا عیش نصیب ہوگا۔ اگر تو نے گناہ کئے ہوں گے تو باری تعالیٰ ان کو معاف کردے گا۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عیادت کو تشریف لے گئے اور ان کا حال پوچھ کر فرمایا اے علی! تم مرض کی حالت میں یوں کہا کرو:

اللهم انی اسئلک تعجیل عافیتک اوصبراً علیٰ بلیتک اوخروجاً من الدنیا الیٰ سعة رحمتک.

ترجمہ: الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جلد شفا عنایت فرمایا اپنی دی ہوئی تکلیف پر صبر عنایت کر یا دنیا سے اپنے وسیع فراخ رحمت کی طرف نکال۔

تم ان تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور پاؤ گے۔ ایک دوسری جگہ حضور ﷺ نے فرمایا منقول ہے کہ مریض کا تکلیف کی وجہ سے آہ کرنا اور رونا تسبیح ہے، اس کا بیقراری کی حالت میں چیخنا تہلیل ہے اس کا سانس لینا صدقہ ہے اس کا بچھونے پر سونا عبادت ہے اور اس کا ایک کروٹ سے دوسری کروٹ بدلنا راہ خدامیں دشمنان دین سے جہاد کرنا ہے۔

بیمار کی عیادت کرنا :

شرح مہذب میں ہے کہ بیمار کی عیادت کرنا سنت موکدہ ہے۔ نیز عیادت

کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ عیادت کرنے میں دوست ودشمن، شناسا واجنبی اور مسلمان وکافر کو برابر سمجھے یعنی کافر بیمار کی عیادت کو بھی جائے چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سرور کائنات ﷺ ایک یہودی کے لڑکے کی عیادت کو تشریف لے گئے تھے۔[1]

حضور ﷺ کی عادت شریف تھی کہ صحابیوں میں سے جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس کی عیادت کو جاتے اس کی بیمار پرسی کرتے، اس کے پاس بیٹھتے اور اس سے پوچھتے کہ تیرا کیا حال ہے؟ کس چیز کو تیرا دل چاہتا ہے؟ پھر تین بار اس کے لئے دعا کرتے۔ عیادت کا کوئی وقت مقرر نہ تھا رات دن میں جب چاہتے تشریف لے جاتے اور فرماتے جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو بہشت کے باغ میں چلتا ہے جب اس کے پاس جاکر بیٹھ جاتا ہے تو اس پر خدا کی رحمت اترتی ہے حتیٰ کہ اس میں غرق ہوجاتا ہے۔

بیمار پرسی کا ثواب :

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان اول دن اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر رات کو جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کی بخشش کی دعا مانگتے ہیں اور اس کو بہشت میں میوہ کی غذا ملتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرکے محض لوجہ اللہ کسی بیمار کی عیادت کو جاتا ہے تو دوزخ سے بقدر ساٹھ برس کی راہ کے دور ہوجاتا ہے۔[2]

اکثر حدیثوں سے: ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عیادت کو افضل عبادت قرار دیا ہے مروی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بندہ سے فرمائے گا کہ اے میرے بندہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ میں بیمار ہوا تو میری عیادت کو نہ آیا۔ بندہ عرض کرے گا کہ خداوند! تو پروردگار عالم ہے تیری عیادت کیسی تھی؟ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو

[1] بخاری شریف ج ۲ ص ۸۴۴، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۴۳۱ [2] ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۴۴۲، ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۹۱

مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ اس سے زیادہ بیمار پرسی کی تاکید اور کیا ہوگی کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندہ کی عیادت کو اپنی عیادت قرار دے کر مسلمانوں کو اس کی ترغیب وتحریص دلائی ہے۔ [1] ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ بیمار خدا تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

عیادت کے آداب :

تم نے بیمار پرسی کا اجر وثواب معلوم کر لیا اب اس کے آداب بھی جان لو۔ عیادت کے آداب یہ ہیں کہ خاص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے بیمار کے پاس جائے۔ بیمار کو تسلی دے، صبر واستقامت اختیار کرنے کی ہدایت کرے، اس کو زندگی وصحت کی امید دلائے، بیماری کے جو ثواب حدیثوں میں آئے ہیں وہ اس کو سنائے اور جاتے وقت کہے: لاباس طھور ان شاء اللہ ۔ [2] یعنی کچھ ڈر نہیں یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہے ان الفاظ کو دوبار کہے۔

نیز بیمار پر ہاتھ رکھ کر وہ دعائیں پڑھے جو حدیثوں میں آئی ہیں۔ اس کے حق میں دعا کرے، اپنے لئے بھی اس سے دعاء کی درخواست کرے، اس کے پاس کم بیٹھے اور وضو کر کے جائے، اپنا داہنا ہاتھ اس کی پیشانی یا ہاتھ یا اور عضو پر رکھ کر یہ دعا پڑھے:

اللھم اذھب الباس رب الناس اشفه وانت الشافی لاشفاء الاشفاؤک شفاء لایغادر سقماً ۔ [3]

ترجمہ: یا اللہ اس بیماری کو دور کر دے۔ اے لوگوں کے پروردگار! اس کو شفا بخش اور تو شفا دینے والا ہے سوا تیری شفا کے کوئی شفا نہیں، تو بیمار کو ایسی شفا دے کہ کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ بیمار پر ہاتھ پھیر کر یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ تربة ارضنا بریقة بعضنا لیشفیٰ سقیمنا باذن

[1] مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۸ [2] بخاری شریف ج ۲ ص ۸۴۵ [3] بخاری شریف ج ۲ ص ۸۴۷

ربنا ۔ [1]

یعنی شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہم میں سے بعض کا تھوک شفا دیا جائے ہمارے پروردگار کے حکم سے۔

اسی طرح حدیثوں میں اور بھی بہت سی دعائیں آئی ہیں مگر ہم صرف انہی دو دعاؤں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

نزع کی علامتیں :

مرنے کے قریب مریض کی جو علامتیں ہوتی ہیں ان کو حالتِ نزع کہتے ہیں۔ نزع کی علامتیں یہ ہیں کہ مریض کے ہاتھ پاؤں سُست پڑ جاتے ہیں۔ ہاتھ کھڑے نہیں ہو سکتے، ناک کا بانسہ پھر جاتا ہے، کنپٹیاں بیٹھ جاتی ہیں، منہ کی کھال تن جاتی ہے، ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں اور آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں اور پتلیوں کا پھر جانا موقوف ہو جاتا ہے۔ جب یہ جانکنی کی علامتیں نمودار ہوں تو ورثاء کو چاہئے کہ میت کا منہ قبلہ کی طرف پھیر دیں، یعنی چت لٹا کر پاؤں قبلہ کی طرف کر کے سر اونچا کر دیں۔ اس طرح منہ قبلہ کی طرف ہو جائے گا۔ [2]

تلقین موتی کا بیان :

تلقین کے معنی سمجھانے کے ہیں۔ مگر یہاں تلقین موتی سے مراد اس کلمہ کا پڑھنا ہے جو قریب المرگ آدمی کے روبرو اس غرض سے پڑھا جاتا ہے کہ وہ بھی کلمہ طیبہ پڑھتے سن کر پڑھنے لگے اور اس کلمہ پر ہی اس کا خاتمہ ہو۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جب کسی کی موت کا وقت قریب ہو تو اس کے پلنگ کو قبلہ رو کر دیں تا کہ قبلہ کی مواجہت حاصل ہو جائے اور لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھ کر زور زور سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیں لیکن مرنے والے سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہیں کہ وہ موت کی گھبراہٹ اور جانکنی کی سختی کی وجہ سے کہیں انکار نہ کر دے۔ [3] اگر کسی نے مرنے والے سے کلمہ پڑھنے کو کہا اور اس نے انکار کر دیا تو اس کا عذاب کہنے والے پر ہوگا ابوداؤد شریف میں ہے:

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۹۵ [2] بحر الرائق "کتاب الجنائز" ج ۲ ص ۲۹۸ [3] بحر الرائق "کتاب الجنائز" ج ۲ ص ۲۹۹

من كان اخر كلامه لااله الاالله دخل الجنة.[1]

ترجمہ: جس کسی کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

یعنی جس کا کلمہ پر خاتمہ ہو، وہ بہشت میں داخل ہوگا، اگر چہ عذاب کے بعد ہو بشرطیکہ گناہ گار ہو۔ اور لا الہ الا اللہ سے مراد یہاں پورا کلمہ طیبہ ہے کیوں کہ غرض اس کلمہ سے ایمان ہے اور ایمان بدون اقرار محمد رسول اللہ کے صحیح نہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قریب المرگ شخص یہ دعا پڑھے:

اللهم اغفرلي وارحمني والحقني بالرفيق الاعلى.[2]

یعنی اے اللہ! تو مجھ کو بخش اور مجھ پر رحم کر اور مجھ کو رفیق اعلیٰ سے ملا (رفیق اعلیٰ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے) اور ان کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں۔

جب ورثاء میں سے کوئی شخص میت کی آنکھیں بند کرنے لگے تو وہ اپنے نفس کے لئے دعاء خیر کرے کیوں کہ فرشتے آمین کہتے ہیں، وہ دعائیہ الفاظ یہ ہیں:

اللهم اغفر لفلان وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين واغفرلنا وله يارب العلمين وافسح له في قبره ونور له فيه.[3]

ترجمہ: اے اللہ! تو فلاں شخص کو بخش (یہاں اس میت کا نام لے) اور اس کا درجہ ہدایت یافتوں میں بلند کر۔ اور اس کا کارساز ہو اس کے اہل وعیال میں جو اس کے پس ماندہ ہیں ہم کو اور اس کو بخش دے، اے عالموں کے پروردگار اور اس کے لئے اس کی قبر میں فراخی کر اور اس کے لئے اس کی قبر میں روشنی کر۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

[1] بحرالرائق "کتاب الجنائز" ج۲ ص ۲۹۹ [2] مستدرک حاکم ج۱ ص ۳۵۱ [3] ابوداؤد شریف ج۲ ص ۴۳۵، مسلم شریف ج۱ ص ۳۰۱، بحرالرائق ج۲ ص ۳۰۰

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے آدمی کے پاس جائے جو قریب المرگ ہو تو اس کو چاہئے کہ مریض کے پاس بیٹھ کر اچھے اچھے جملے استعمال کرے، کیونکہ اس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں[1] اور وہ الفاظ خدا کے ہاں مقبول ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مردہ کے پاس بیٹھ کر فضول باتیں نہ کرے، بلکہ اپنی موت کو یاد کرے، خاتمہ بالخیر اور حصول مغفرت کی اچھی اچھی باتیں کرے۔

نزع کی سختی اور آسان ہونے کی صورتیں:

اگر نزع کی حالت میں سختی ہو تو پاس بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ وہ سورۂ رعد اور سورۂ یٰسین پڑھیں۔[2] میت کے قریب نیک لوگ بیٹھیں، وہ اچھے کلمات زبان سے نکالتے رہیں، جب دم نکل جائے تو ایک چوڑی پٹی جبڑے کے نیچے سے سر پر لے جا کر باندھیں تا کہ منہ نہ کھلنے پائے۔ آنکھوں کو بند کر دیں۔ انگلیاں اور پاؤں کو سیدھا کر دیں۔[3] تا کہ دم آسانی سے نکل جائے، پھر میت کے پیٹ پر کوئی بھاری چیز مثلاً لوہا اور پتھر وغیرہ رکھ دینا چاہئے تا کہ پیٹ پھول نہ جائے۔ مگر اس چیز کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ بوجھل چیز ہو زیادہ بھاری نہ ہو، اس کے بعد ایک کپڑے سے میت کے سارے بدن کو ڈھانک دیں اور میت کو چارپائی یا کسی ایسی چیز پر رکھ دیں کہ زمین کی سل سے محفوظ رہے۔[4]

دم نکلنے کے بعد ورثاء کے لئے ضروری امور:

جب ورثاء، مذکورہ بالا امور سے فارغ ہو جائیں تو اب انہیں سب سے پہلے میت کے قرضہ کی ادائیگی کا فکر واہتمام کرنا چاہئے۔[5] اگر وہ قرضہ چھوڑ کر مرا ہو اور اس کا ادا کرنا اسی وقت ممکن بھی ہو میت کی قرضہ کی ادائیگی کا فکر اس لئے سب سے مقدم کرنا چاہئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "میت اپنے قرضہ کے بدلے مقید رہتی ہے۔" پس مرنے والے کی جدائی اور رنج والم اور محبت وشفقت

[1] سنن ترمذی ج۱ ص ۱۹۲ [2] ابوداؤد شریف ج۲ ص ۴۳۵ [3]-[4] البحرالرائق ج۲ ص ۲۹۸، ۲۹۹ [5] سراجی ص ۳

کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے اس قید سے رہائی دلائی جائے، مرنے والے کے ساتھ سچی ہمدردی اور تحقیقی محبت یہی ہے۔

بعد ازاں میت کی تجہیز وتکفین میں حتی الامکان جلدی کرنی چاہئے۔[1] اور اس کی صورت یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور سے فارغ ہوتے ہی بلا مزید تاخیر دوست واحباب کو فی الفور اطلاع دیدیں، پھر قبر کھودنے کے لئے آدمیوں کو بھیج دیں۔ اس کے بعد اسی وقت کفن کا انتظام کرلیں اور پھر غسل کا سوائے ورثاء میت کے اور کسی کا انتظار زیادہ دیر تک نہیں کرنا چاہئے، بہرحال عجلت سے کام لینا چاہئے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ''اگر میت نیک ہے، تو جنت اس کا انتظار کررہی ہے اور اگر بد ہے تو عذاب میں تاخیر ہوگی۔'' اس حدیث سے تجہیز وتکفین میں جلدی کرنے کی حکمت ومصلحت اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتی ہے۔[2]

افسوس کہ جو باتیں مشروع ہیں وہ تو مسلمان کرتے نہیں، غیر مشروع امور اور رونے دھونے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ میت کے قرضہ کی ادائیگی سے پہلے رسمی اخراجات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور گریہ وزاری سے آسمان سر پر اٹھالیتے ہیں۔ اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے وہ کسی امر میں خلاف فطرت وجبری تعلیم نہیں دیتا، ہاں فطری کجروی سے ضرور بچاتا ہے۔ اس بناء پر شریعت نے آنسوؤں سے رونے کو تو جائز رکھا ہے، وہ رونے کی ممانعت نہیں کرتی، کیوں کہ مرنے پر ورثاء کا رونا عوام الناس کے نقطہ نگاہ سے ایک فطری جذبہ ہے جس کا دبانا سطحی النظر انسانوں کے بس کی بات نہیں، ہاں شریعت بلند آواز سے ہائے وائے کرنے، چیخنے چلانے منہ نوچنے، کپڑے پھاڑے اور نوحہ وبین کرنے سے ضرور روکتی ہے۔[3] کیوں کہ یہ افعال وحشت وجہالت کی پیداوار اور منافی اسلام ہیں۔ لہٰذا ان ناشائستہ اور جاہلانہ امور سے خود بھی اجتناب کرنا چاہئے، دوسروں کو اور خصوصاً عورتوں کو بھی روکنا چاہئے۔

یہاں اس امر کو بھی صاف کردینا ضروری ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے جو

۱ سراج ص ۳ ۲ مجمع الانہر ج ا ص ۲۶۳ ۳ ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۴۴۶

ایک مشہور حدیث کی غلط فہمی کی وجہ سے مسلمانوں میں مشہور ہے۔ وہ یہ کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس حدیث کے مفہوم کو زبردست دلائل کی بناء پر غلط قرار دیتی ہیں اور عقلاً بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ روئیں تو زندہ اور عذاب ہو میت کو ایسا اعتقاد قرآنی آیات کے بالکل خلاف ہے۔[1] اس حدیث کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چونکہ موجب طوالت ہے، لہٰذا ہم صرف انہی ارشادات پر اکتفا کرتے ہیں مگر ہاں اتنا مختصر طور پر ضرور بتلائے دیتے ہیں کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب نہیں ہوتا ہاں رونے والے ضرور گناہ گار ہوتے ہیں۔

غسل کا بیان

میت کو غسل دینا اجماع امت سے ٹھہر چکا ہے اور اس کو تواتر وتعامل نے ثابت کیا ہے۔ بہرحال میت کو غسل دینا نہایت ضروری اور موکدہ امر ہے۔[2] غسل کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے متعلق ہم پہلے صاحبین کی ایک حدیث کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد فقہا کا بتلایا ہوا معتاد طریقہ بتلائیں گے۔

ام عطیہ کہتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم حضور ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا زینب ؓ کو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اس سے زائد اگر ضرورت ہو پانی یا بیری کے پتوں سے نہلاؤ، اور پچھلی مرتبہ کے غسل میں کافور کا استعمال کرو۔ جب نہلانے سے فارغ ہو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ جب ہم فارغ ہوئے تو حضور ﷺ کو اطلاع دی آپ نے ہماری طرف اپنا تہبند پھینک کر فرمایا کہ زینب ؓ کو اس میں لپیٹ دو۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زینب کو طاق مرتبہ نہلاؤ اور دائیں طرف کے اعضاء اور ان میں سے بھی اعضاء وضو سے دھونا شروع کرو۔ ام عطیہ ؓ کہتی ہیں کہ پھر ہم نے زینب ؓ کے سر کے بالوں کو تین

۱ ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۴۴۶ ۲ مجمع الانہر ج ا ص ۲۶۴

مینڈھیاں گھوندھ کر انہیں لپیٹ کر پیچھے ڈال دیا۔ [1]

طریق غسل :

فقہاء نے غسل کا جو طریقہ بتلایا ہے، وہ یہ ہے: جب غسل کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے تختہ وغیرہ کو جس پر میت کو غسل دینا ہے تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھو کر اتنی ہی مرتبہ لوبان وغیرہ کی دھونی دیں، پھر نہایت آہستگی سے میت کو اس پر لٹائیں، خواہ قبلہ کی طرف پاؤں ہوں یا شمال وجنوب میں عرضاً لٹائیں جس طرح قبر میں لٹاتے ہیں، پھر چاروں طرف پردہ کرلیں تاکہ مردہ کی بے پردگی نہ ہو اور سوائے غسل دینے والوں کے اور کوئی نہ دیکھ سکے۔ اس کے بعد ناف سے گھٹنے تک کسی کپڑے سے ڈھانک دیں پھر اس طرح استنجا کرائیں کہ غسل دینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو کپڑے سے لپیٹ لے تاکہ ستر کو حجاب سے مس کرے اور مقام نجاست کو دھوئے، پھر مردہ کو وضو کرائے مگر وضو ہاتھوں سے نہ شروع کرے بلکہ منہ اور ناک سے شروع کرے، اس وضو کی ترکیب یہ ہے کہ غسل دینے والا مردہ کی ناک اور منہ میں پانی ڈالنے کے بجائے اپنی انگلی پر ایک کپڑا لپیٹ کر اس کو کسی قدر تر کر کے مردہ کے منہ میں داخل کرے اور اس کے دانتوں، مسوڑھوں تالو اور لبوں پر پھیر کر صاف کرے، پھر نتھنوں میں انگلی ڈال کر صاف کرے۔ اس کے بعد منہ دھلا کر سر کا مسح کرائے پھر غسل دینا شروع کرے۔

سب سے پہلے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو گل خیرو یا صابون یا ملتانی مٹی سے دھوئے اگر بال نہ ہوں تو پھر سر دھونے کی ضرورت نہیں۔ جب سر دھو چکے تو مردہ کو بائیں کروٹ لٹا کر پانی بہائیں۔ جب پانی نیچے تک پہنچ جائے تو پھر دائیں کروٹ لٹا کر اسی طرح سر سے پاؤں تک پانی بہائیں۔ اس کے بعد مردہ کو سہارے سے لٹا کر پیٹ کو نرمی سے سونتیں تاکہ نجاست اچھی طرح خارج ہو جائے اور نہلانے کے بعد نہ نکلے اگر کوئی نجاست نکلے تو دھو دی جائے مکرر وضو و غسل کی ضرورت نہیں، اس کے بعد مذکورہ طریقہ سے دائیں کروٹ لٹا کر غسل دیا

[1] ابو داؤد شریف کتاب الجنائز "باب کیف غسل المیت" ج ۲ ص ۴۴۸

جائے اور پھر بائیں پہلو لٹا کر۔ جب غسل سے فراغت ہو جائے تو کسی پاک کپڑے سے پانی خشک کیا جائے، پھر داڑھی اور سر پر عطر لگایا جائے، کافور پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر ملا جائے، بس اس کے بعد غسل مکمل ہو گیا، عورت ہو یا مرد اور بچہ ہو یا بڑا سب کے غسل کا یہی طریقہ ہے۔ [1]

بیری کے پتوں اور کافور کے استعمال کی حکمت :

سنت یہ ہے کہ پانی میں بیری کے پتے جوش دے لئے جائیں، اگر نہ مل سکیں تو خالص پانی ہی کافی ہے اور گرم پانی سے غسل دینا افضل ہے۔ عام طور پر دستور یہ ہے کہ مردہ کو بیری کے پتوں کے جوش دیے ہوئے پانی سے نہلایا جاتا ہے کوتاہ نظر اور حقائق سے ناواقف نئے خیال کے لوگ اس بات پر ہنستے ہیں کہ بھلا اس میں کیا حکمت ہے؟ ایسے لوگوں کو معلوم کر لینا چاہئے کہ جس طرح صابن سے بدن کا میل کٹتا ہے اور بدن صاف ہو جاتا ہے اسی طرح بیری کے پتے بھی میل کو کاٹتے اور بدن کو صاف کرتے ہیں، بیری کے پتے چونکہ سہل الحصول ہیں ان پر کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا اس لئے رسول اللہ ﷺ کی لطافت ونظافت پسندی اور عقل جہاں بین نے بیری کے پتوں کو تجویز کیا، عقل و سمجھ والوں کو شریعت کی اس آسانی، بالغ نظری اور صفائی کی داد دینی چاہئے۔

اب کافور کو لیجئے، سب جانتے ہیں کہ کافور مواد ردیہ کا دبانے والا ہے، چونکہ میت میں ایک قسم کی بساند پیدا ہو جاتی ہے اس لئے حضور ﷺ نے کمال حکمت کے ساتھ کافور کا استعمال ضروری قرار دیا تاکہ میت کو کچھ دیر کے لئے تعفن سے محفوظ رکھے۔ [2]

غسل کے مسائل :

شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، کیوں کہ عورت کے مرنے کے بعد اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے، ہاں عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیوں کہ ایام

[1] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۸، بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۶ [2] رد المختار ج ۱ ص ۸۰۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۴

عدت ختم ہونے تک اس کا تعلق شوہر کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ [۱]

مسئلہ: اگر کوئی مرد مر جائے اور سوائے عورتوں کے اور کوئی مرد موجود نہ ہو تو مردہ کو تیمم کرایا جائے، مگر عورت کو اس کے محرم مرد اور مرد کو اس کی محرم عورتیں تیمم کرائیں۔ اگر محرم موجود نہ ہو تو اجنبی شخص اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مردہ کو تیمم کرائے، اگر مردہ عورت ہو تو اس کی بانہوں پر نظر نہ ڈالی جائے، ہاں اگر خاوند ہو تو اس کی بانہوں پر نظر ڈالنا جائز ہے۔ [۲]

باقی ضروری یادداشتیں اور ہدایتیں یہ ہیں:

(۱) جو بچہ مردہ پیدا ہو یا اس کے اعضاء ناتمام ہوں اور ساقط ہو جائے تو اس کو بھی غسل دینا چاہئے۔ [۳]

(۲) مردہ کے بال اور ناخن تراشنا ناجائز ہے، خواہ کسی جگہ کے بال ہوں، اگر اس ممانعت کے باوجود تراشے جائیں یا ٹوٹا ہوا ناخن علیحدہ کیا جائے تو مردہ کے کفن میں ہی ان چیزوں کو رکھ دینا چاہئے۔ [۴]

(۳) مردہ کے کان، ناک اور منہ وغیرہ میں روئی رکھنے کا کچھ حرج نہیں، مگر پیشاب و پاخانہ کے مقام پر نہ رکھی جائے۔ [۵]

(۴) اگر کوئی شخص ڈوب کر مر جائے تو اس کو بھی غسل دینا چاہئے لیکن اگر پانی سے نکالتے وقت اسے غسل کی نیت سے بھگو لے دے لئے ہوں تو پھر دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ [۶]

(۵) اگر کوئی مردہ بہت زیادہ سڑ گیا ہو یہاں تک کہ اس کو ہاتھ لگانا بھی دشوار ہو تو اس پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے۔ [۷]

(۶) اگر کسی کی نصف سے زائد لاش سر سمیت ملے تو اسے بھی غسل دینا چاہئے اور اگر نصف لاش بغیر سر کے ملے تو نہ غسل دیا جائے اور نہ اس پہ نماز پڑھی جائے، ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ [۸]

(۷) اگر کوئی شخص جہاز میں مر جائے تو اس کو بھی غسل و کفن دے کر اور

---

[۱] بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۸ [۲] شامی ج ۱ ص ۵۷۰، ۵۷۱، بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۸ [۳] عالمگیریہ ج ۱ ص ۱۵۹
[۴-۵] عالمگیریہ ج ۱ ص ۱۵۸ [۶] بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۷، عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹ [۷] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۸
[۸] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹

کچھ وزنی چیز باندھ کر دریا میں ڈال دینا چاہئے۔ [۱]

تنبیہ:

غسل دینے والا جنبی نہ ہونا چاہئے نہ حیض و نفاس والی عورت اگر یہ غسل دیدیں تو مکروہ ہے، ہاں بے وضو غسل دینے میں کوئی کراہیت نہیں۔ [۲]

ہدایت:

اگر کوئی شخص کسی مردہ کا کوئی عیب یا عذاب کی علامت دیکھے، مثلاً مردہ کا منہ سیاہ ہو جائے یا اس سے بدبو آنے لگے یا اس کا جنازہ بھاری پڑ جائے تو اس کا دوسروں سے ذکر نہ کرنا چاہئے، کیوں کہ اس سے ایک مسلمان بھائی کی پردہ دری اور خفت ہوتی ہے، حالانکہ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرنی چاہئے ہاں اگر مردہ بدعتی یا بدعقیدہ اور لامذہب ہو اور شراب خور ہو، یا زانی ہو اور یا مشرک ہو تو اس کی حالت ظاہر کر دینی جائز ہے تاکہ دوسرے مسلمانوں کو عبرت ہو، اور اصلاح حال کی ان کے دلوں میں تحریک ہو، اور اگر مردہ کی کوئی اچھی بات نظر آئے مثلاً چہرے پر نور چمکنے لگے اور قبر سے خوشبو آنے لگے تو اس کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ [۳]

غسل کی اُجرت:

اگر نہلانے والے چند لوگ موجود ہوں اور ان میں سے ایک آدمی غسل دے تو اس صورت میں نہلانے کی اجرت لینا جائز ہے اور اگر نہلانے والا صرف ایک ہی شخص ہو اور اس پر نہلانا موقوف ہو تو اس صورت میں اجرت لینی جائز نہیں، بہرحال اجرت نہ لینا افضل ہے، اگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے کسی میت کو تیمم کرا دیا گیا اور دفن سے قبل پانی مل گیا تو پھر غسل دینا چاہئے، یونہی دفن کر دینا جائز نہیں، چھوٹی بچی کا مردوں کو غسل دینا جائز ہے اور چھوٹے بچہ کو عورتیں غسل دے سکتی ہیں۔ [۴]

---

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹ [۲] بحرالرائق ج ۱ ص ۱۸۸، عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹
[۴] بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۷، عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۰

مذکورہ ذیل اشخاص کو غسل نہ دیا جائے :

(۱) جس شخص نے ماں یا باپ کو قصداً قتل کیا ہو (۲) جو شخص امام وقت سے باغی ہو جائے (۳) جو شخص گلا گھونٹ کر لوگوں کو ہلاک کیا کرتا ہو (۴) جو شخص راتوں کو ہتھیار باندھ کر ڈکیتی اور غارت گری کیا کرتا ہو، ان چاروں اشخاص کو غسل نہ دینے کا حکم تنبیہاً ہے تا کہ دوسروں کو عبرت ہو کہ جو لوگ ان جرائم کے مرتکب ہوں ان کی یوں مٹی خراب ہوا کرتی ہے۔ ان میں سے آخر الذکر دو شخصوں کو غسل نہ دینے کا حکم اس وقت ہے جب کہ وہ گرفتاری سے قبل لڑائی میں مارے جائیں اور اگر گرفتاری کے بعد اپنی موت سے مریں تو پھر ان کو حسب دستور غسل و کفن دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔ [۱]

کفن کا بیان

مردہ کو کفن دینا فرض کفایہ ہے، یعنی ایک شخص کے کفن دینے سے سب کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بھی نہ دے تو سب کے سب ترک فرض کے مرتکب ہوں گے۔ اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی محلّہ میں کوئی شخص مر جائے اور محلّہ والوں میں اتنی توفیق نہ ہو کہ وہ اس کو کفن دے سکیں تو اس کو مسلمانوں کے بیت المال سے کفن دینا چاہئے۔ اگر بیت المال نہ ہو تو عام مسلمانوں سے چندہ کر کے کفن دیا جائے۔ اگر چندہ کر کے کسی کو کفن دیا جائے اور کفن دینے کے بعد کچھ رقم بچ رہے تو وہ اسی شخص کو واپس دیدینی چاہئے جس سے چندہ لیا گیا ہے یا کسی اور محتاج کے کفن میں صرف کر دیئے جائیں۔ اگر ان صورتوں میں سے کسی صورت سے بھی کفن میسر نہ آئے تو جنازہ کو گھاس میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے۔ [۲]

کم از کم اتنا کفن دینا ضروری ہے جس کو جنازہ کے چاروں طرف لپیٹنا ممکن ہو یا جس قدر بھی میسر آسکے اتنا دیدے۔ اگر پورا کفن میسر نہ آئے اور مردہ

[۱] فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۰، عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹ [۲] مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۵۶

کے بدن کا کوئی حصّہ کھلا رہے تو اس حصّہ کو گھاس سے چھپا دینا چاہئے۔ [۱]

کفن کفایہ و مسنون :

کفن کفایہ مرد کے لئے دو کپڑے ہیں۔ [۲] کفنی اور لپیٹنے کی چادر صرف یہ دو کپڑے کافی ہیں اور عورت کے لئے تین کپڑے کافی ہیں: کفنی، اوڑھنی اور لپیٹنے کی چادر۔ الغرض مرد کے لئے کفن کفایہ دو اور عورت کے لئے تین کپڑے ہیں۔

مرد و عورت کے کفن کا فرق یہ ہے کہ مرد کی کفنی کا گریبان مونڈھوں کی طرف ہونا چاہئے اور عورت کی کفنی کا گریبان سینہ کی طرف ہونا چاہئے۔

کفن مسنون مرد کے لئے تین کپڑے ہیں (۱) تہبند سر سے پاؤں تک (۲) کفنی گردن سے پاؤں تک (۳) چادر سر سے پاؤں تک اور عورت کے لئے پانچ کپڑے مسنون ہیں، تین کپڑے تو یہی جن کا اوپر بیان ہوا اور دو کپڑے ان سے زائد یہ ہیں۔ (۱) اوڑھنی تقریباً دو گز کی۔ (۲) سینہ بند چھاتیوں سے رانوں تک ہونا چاہئے۔ [۳]

نابالغ بچوں کو بالغ کی طرح کفن دینا چاہئے۔ ورنہ بچوں کے کفن کے لئے دو کپڑے یا ایک کپڑا ہی کافی ہے۔

کفن بالعموم سفید ہی ہونا چاہئے لیکن رنگدار بھی دیا جا سکتا ہے جو کپڑا مردہ کو حالت زندگی میں پہننا درست ہے اس کا کفن بھی اس کے لئے جائز ہے مگر مرد و عورت سب کے لئے سفید کفنی ہونا ہی بہتر و افضل ہے۔ عورتوں کو ریشمی اور رنگین کفن بھی دیا جا سکتا ہے۔ [۴]

مرد کا کفن اس قیمت کا ہونا چاہئے جس قیمت کا لباس وہ عید میں پہنا کرتا تھا اور عورت کا کفن اس قیمت کا ہونا چاہئے جس قیمت کے کپڑے وہ زندگی کی حالت میں ماں باپ کے یہاں پہن کر جایا کرتی تھی۔ [۵]

کفن پہنانے کا مسنون طریقہ :

سب سے پہلے کپڑوں کو خوشبو سے معطر کر کے پوٹ کی چادر بچھا کر اس پر

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۰ [۲] بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۹ [۳] بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۹ [۴-۵] بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۹

تہبند کی چادر بچھادی جائے۔ اس کے بعد قمیص یعنی کفنی جس کا گریبان چاک ہو پہنا کر لٹادیں۔ پھر اس کا بایاں پلہ لپیٹ کر دایاں پلّہ لپیٹا جائے۔ آخر میں پوٹ کی چادر کا اوّل بایاں جانب پھر دایاں جانب لپیٹا جائے۔ یہ مردوں کو کفن پہنانے کا طریقہ ہے۔ ۱

عورتوں کو کفن پہنانے کا مسنون طریقہ ہے: پہلے پوٹ کی چادر بچھا کر اس پر تہبند کی چادر بچھادی جائے، پھر قمیص پہنائی جائے۔ لیکن قمیص کا گریبان سینہ پر رہنا چاہئے، اس کے بعد اس کے بالوں کے دو حصے کر کے دائیں بائیں سینہ پر کفن کے اوپر رکھ دیئے جائیں پھر اوڑھنی اڑھائی جائے۔ اس کے بعد تہبند کی چادر اور پوٹ کی چادر مذکورہ بالا طریقہ سے لپیٹ دی جائے۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند باندھا جائے۔

نماز جنازہ کا بیان

مسلمان کو غسل دینا، اس کی تجہیز و تکفین کرنی اور اس کی نماز پڑھنی یہ سب باتیں فرض کفایہ ہیں، یعنی اگر ایک دو یا چند یہ فرض ادا کرلیں گے تو باقی سب مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا ورنہ سب کے سب گناہ گار رہوں گے۔ ۲

جنازہ کی نماز میں جماعت شرط نہیں۔ پس اگر ایک مسلمان بھی جنازہ کی نماز پڑھ لے گا تو سب کے سر سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا۔ نماز جنازہ کی حقیقت کیا ہے؟ صرف دعا اور درود وتسبیح، اس کو نماز اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ اس میں نہ قعدہ ہے اور نہ رکوع وسجود صرف قیام ہی قیام ہے۔ ۳

صحت نماز کی شرط:

صحت نماز کی صرف تین شرطیں ہیں: (۱) میت کا مسلمان ہونا (۲) اس کا

۱ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۰ ۲ مذاہب اربعہ ج اص ۵۱۶، عالمگیری ج اص ۱۶۲ ۳ عالمگیری ج اص ۱۵۸، مذاہب اربعہ ج اص ۵۱۷

پاک وصاف ہونا اور (۳) جنازہ کا سامنے موجود ہونا۔ ان تینوں کو ذرا تشریح و تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ ۱

جنازہ کی نماز ہر اس مسلمان کی پڑھنی چاہئے جو پیدا ہونے کے بعد مرے خواہ بچہ ہو یا مرد یا عورت، آزاد ہو یا غلام، متقی ہو یا فاسق وفاجر اور نمازی ہو یا بے نمازی۔ الغرض جو شخص بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے اور مسلمان کہلاتا ہے اس کے جنازہ کی نماز لازمی ہے۔ ۲ اگر کسی مسلمان کو بغیر غسل ونماز کے دفن کردیا گیا تو تین روز کے اندر اندر اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے۔ اگر غسل سے پہلے نماز پڑھ لی گئی ہو تو دوبارہ غسل کے بعد پڑھنی چاہئے کیوں کہ میت کا غسل میت کی نماز کے لئے ضروری ہے یعنی غسل دینا لازم ہے۔ ۳

حنفیہ کے نزدیک جنازہ کا سامنے موجود ہونا صحت نماز کی شرط ہے پس ہمارے نزدیک غائب شخص پر نماز پڑھنی درست نہیں۔ ۴

نماز جنازہ کے ارکان وفرائض:

نماز جنازہ کے صرف دو رکن ہیں: (۱) قیام۔ اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی بیٹھ کر پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی (۲) چار تکبیریں۔ یہ چار تکبیریں چار رکعتوں کی قائم مقام ہیں۔ اس کا واجب صرف ایک ہے اور وہ ہے میت کے لئے دعا کرنا، اگر بچہ کا جنازہ ہو تو اپنے لئے دعا کی جاتی ہے باقی رہیں سنتیں سو دو ہیں (۱) ثناء وتسبیح (۲) درود یعنی نماز جنازہ کے فرائض دو ہیں، واجب ایک اور سنتیں دو۔ ۵

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جنازہ میں الحمد للہ پڑھنا بھی واجب ہے لیکن امام اعظمؒ اور امام مالکؒ دونوں کے نزدیک الحمد کا پڑھنا واجب اور ضروری نہیں۔ ہاں اگر بقصد ثناء پڑھ لے تو جائز ہے۔ ۶

نماز جنازہ کی شرائط میں اوپر جن امور کا ذکر ہوا ہے ان کو پھر اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے: (۱) میت کا مسلمان ہونا (۲) میت کا حقیقی اور حکمی نجاست سے پاک ہونا (۳) ستر عورت (۴) استقبال قبلہ (۵) نیت (۶) میت

۱ مذاہب اربعہ ج اص ۵۲۲ ۲-۳ عالمگیری ج اص ۱۶۵ ۴ مذاہب اربعہ ج اص ۵۲۲ ۵ عالمگیری ج اص ۱۶۴ ۶ بدائع الصنائع ج اص ۳۱۳

کا سامنے موجود ہونا (۷) میت کا زمین پر رکھا ہونا۔ غائب میت کی نماز رسول اللہ ﷺ کے مخصوصات میں سے تھی، دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ ۱

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ :

امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو کر اس طرح نیت کرے، میں اللہ کی عبادت کے لئے اس فرض کے ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں۔ اس کی بعد بلند آواز سے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے مقتدی تکبیر آہستہ کہیں۔ تکبیر کے بعد امام اور مقتدی دونوں یہ ثناء پڑھیں: ۲

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثناء وک ولاالہ غیرک۔ ۳

پھر امام بلند آواز سے اور مقتدی آہستہ ہاتھ باندھے باندھے تکبیر کہیں اور وہ درود پڑھیں جو نماز کے آخری قعدہ میں معمولاً پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر بالغ مرد و عورت دونوں کی نماز کے لئے یہ دعا پڑھیں:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منافاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان۔ ۴

ترجمہ: یا اللہ! تو ہمارے زندوں کو بخش اور ہمارے مردوں کو اور ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے بڑوں کو اور ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو اور ہمارے حاضر شخصوں کو اور ہمارے غائب لوگوں کو۔ یا اللہ! تو ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو ہم میں سے موت دے تو اس کو ایمان پر مار۔

اگر میت نابالغ لڑکا ہو تو یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا اجرا وذخرا واجعلہ

---

۱ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۴، مذاہب اربعہ ج ۱ ص ۵۲۲ ۲ مذاہب اربعہ ج ۱ ص ۵۲۳، عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۴
۳ ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵ ۴ سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۱، ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۹۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۹

لنا شافعا ومشفعاً۔ ۱ ترجمہ: اے اللہ! اس بچہ کو ہمارے لئے منزل پر آگے پہنچنے والا بنا۔ باعث اجر آخرت کا ذخیرہ۔ اور شفاعت کرنے والا بنا۔

اگر نابالغ لڑکی کا جنازہ ہو تو یہ دعا پڑھیں:

اللھم اجعلھا لنا فرطا واجعلھا لنا اجرا وذخرا واجعلھا لنا شافعة ومشفعة۔ ۲

اگر کسی کو ان دعاؤں میں سے کوئی دعا یاد نہ ہو تو یہ دعا پڑھ لینی چاہئے:

اللھم اغفرلنا ولوالدینا وللمومنین والمومنات۔ ۳

اگر یہ دعا بھی یاد نہ ہو تو جونسی دعا یاد ہو وہی پڑھ سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ مذکورہ بالا دعاؤں کو یاد نہ کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوشش کے باوجود یہ دعائیں یاد نہ ہوں تو پھر اس آسانی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ان دعاؤں میں سے حسب حال کوئی دعا پڑھ کر تکبیر کہیں اور دائیں بائیں سلام پھیر دیں۔ دوسرا سلام بہ نسبت پہلے سلام کے کسی قدر آہستہ ہو۔

مفسدات :

نماز جنازہ کو فاسد کرنے والے امور وہی ہیں جن سے فرائض پنج گانہ کی نمازیں فاسد ہوتی ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اگر جنازہ کی نماز میں مرد کے برابر عورت آ کر کھڑی ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ۴

متفرق مسائل :

اگر جوتیاں پاک ہوں تو جوتیوں سمیت جنازہ کی نماز پڑھنی درست ہے اور اگر ناپاک ہوں تو اتار کر پڑھنی چاہئے۔ اگر ایک شخص پہلے سے جنازہ کی نماز کے وقت موجود تھا اور کسی وجہ سے تکبیر تحریمہ میں شریک نہ ہوسکا تو تکبیر ثانی کا انتظار کئے بغیر جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر تکبیر کہنے کے بعد آیا ہے تو اس

---

۱ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۲۹، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳ ۲ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۳ ۳ حلبی کبیر ج ۱ ص ۵۸۶ ۴ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۴

صورت میں اسے دوسری تکبیر تک امام کا انتظار کرنا چاہئے۔ جب امام دوسری تکبیر کہہ چکے اس وقت تکبیر کہہ کر یہ بھی شامل ہو جائے۔ اور جس وقت امام نماز سے فارغ ہو اس وقت فوت شدہ تکبیر کو کہہ لینا چاہئے۔ یہی حکم دوسری اور تیسری تکبیر نہ ملنے کا ہے اور اگر کوئی شخص چوتھی تکبیر کے ختم ہونے کے بعد آیا ہو تو وہ فوراً جماعت میں شامل ہو جائے اور جب تک لوگ جنازہ کو اٹھائیں یہ تکبیریں پوری کرلے اور دعائیں ترک کر دے۔

اگر امام دوسری یا تیسری تکبیر کے بعد بھولے سے سلام پھیر دے تو نماز پوری کرلے اس سہو سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ [۱]

اگر بہت سے جنازے حاضر ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر جنازہ کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں اور چاہے تو سب کی ایک ہی نماز پڑھ لیں۔ اگر بہت سے جنازے آجائیں تو ترتیب وار رکھے جائیں۔ خواہ طول میں اس طرح رکھے جائیں کہ ایک کے سر کی طرف دوسرے کے پاؤں ہوں یا یکے بعد دیگرے قبلہ کی طرف رکھے جائیں۔ مگر امام کے سامنے سب سے اول مرد کا جنازہ ہو۔ اور اگر سب ہی مرد ہوں تو جو شخص حالت زندگی میں سب سے نیک اور صالح ہو اس کا جنازہ امام کے روبرو ہونا چاہئے۔ [۲]

مسئلہ: جنازہ کے ہمراہ جس قدر آدمی ہوں ان میں سے کوئی شخص نماز ہونے سے قبل واپس نہ ہو۔ جب نماز جنازہ ہو چکے اور ولی اجازت دیدے تو دفن سے قبل لوگ جاسکتے ہیں۔ اگرچہ بغیر اجازت کے بھی لوگ جاسکتے ہیں لیکن مناسب یہی ہے کہ ولی کی اجازت سے جائیں۔

مسجدوں میں نماز جنازہ مکروہ ہے:

اس بات میں مذہب حنفیہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر مسجد میں نماز جنازہ ادا کرلی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ مگر بلا ضرورت مکروہ ہوگی۔ کس قسم کی مکروہ ہے؟ اس کے متعلق صحابہؓ کے دو قول ہیں بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ

[۱] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۲، فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۶۲ [۲] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵

تحریمی ہے اور بعضوں کے نزدیک تنزیہی ہے۔ [۱] ابن الہمام نے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے۔ اس کراہت کی دلیل سنئے سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں ہے:

من صلی علی میت فی المسجد فلاشیء له ۔ [۲] ترجمہ: جس نے میت پر مسجد میں نماز پڑھی اس کو نماز کا کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا۔

شمس الدین ابن القیمؒ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں تحریر فرماتے ہیں:

لم یکن من هدیة الراتب الصلوٰة علیه فی المسجد وانما کان یصلی علی الجنازة خارج المسجد. [۳]

ترجمہ: نہیں تھا طریقہ مستمرہ آنحضرت ﷺ کا نماز پڑھنا میت پر مسجد میں۔ آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز مسجد سے باہر پڑھا کرتے تھے۔

اسی واسطے اس کراہت کے ثبوت میں اور بہت سے آثار واقوال ہیں جن کو درج کرنا موجب طوالت ہے۔ ہاں فقہاء کے دو چار اقوال نقل کرنے ضروری ہیں تا کہ یہ مسئلہ بقدر ضرورت صاف ہو جائے۔ اور حنفی مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھنے سے احتراز کریں، محیط میں ہے:

فلاتقام فیه ای فی المسجد غیرها الالعذر. [۴]

ترجمہ: نہ ادا کی جائے مسجد میں سوائے نماز پنج گانہ وغیرہ کے مگر کسی عذر سے۔

قدوری تجرید میں کہتے ہیں:

قال اصحابنا تکره الصلوٰة علی الموتیٰ فی مسجد الجماعة. ترجمہ: کہا ہمارے اصحاب حنفیہ نے کہ مکروہ ہے نماز اموات پر مسجد جماعت میں۔

اس قسم کے بیشمار دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مسجدوں میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ حنفیوں کو اس امر کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے۔ باقی اس کراہت پر

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵ [۲] رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱۹، مذاہب اربعہ ج ۱ ص ۵۲۷، ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۹
[۳] زاد المعاد لابن قیم ج ۱ ص ۵۰۰ [۴] مبسوط ج ۲ ص ۶۸

جو اہل حدیث اعتراض کیا کرتے ہیں اور امام صاحبؒ کے مسلک کو خلاف حدیث بتلایا کرتے ہیں وہ ان کی ناسمجھی اور کوتاہ فہمی ہے۔ امام صاحبؒ کا یہ مذہب احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہے الغرض مسجدوں میں نماز جنازہ بلا عذر مکروہ ہے۔

میت کو قبرستان میں لے جانے کا بیان

جو شخص میت کو چارپائی پر رکھے یا اس کو زمین سے اٹھائے تو اسے چاہئے کہ بسم اللہ کہے، پھر جنازہ کے اٹھانے میں دو چیزیں سنت ہیں، اصل سنت یہ ہے کہ چاروں پاؤں کو چار آدمی پکڑ کر دس دس قدم چلیں، اور کمال سنت یہ ہے کہ اٹھانے والا اوّل مردہ کے سرہانے کے داہنے پائے کو پکڑے اور اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔ پھر دوسرا آدمی پائینتی کے داہنے پائے کو اٹھا کر کندھے پر رکھے۔ پھر تیسرا آدمی مردے کے سرہانے کے بائیں پائے کو اپنے داہنے کندھے پر رکھے۔ پھر آخر میں پائینتی کے بائیں پائے کو بائیں کندھے پر رکھے۔[۱]

تنبیہ :

جنازے کی چارپائی میں لکڑیاں وغیرہ باندھ کر دو شخصوں کو جنازہ اٹھانا مکروہ ہے۔[۲] ہاں اس میں کچھ حرج نہیں کہ چارپائی کے پائے کو کاندھے پر رکھا جائے یا ہاتھ پر، البتہ یہ مکروہ ہے کہ نصف پایہ کاندھے پر ہو اور نصف گردن کے کنارے پر۔ اگر جنازہ شیر خوار بچہ کا ہو یا بڑا ہو لیکن ہوشیار نہ ہو تو اس کو ہاتھوں پر بھی لے جایا جا سکتا ہے، ورنہ کھٹولی یا چارپائی پر لے جائیں۔

ہدایات :

جنازہ کو گھر سے لے چلنے میں حتی الامکان جلدی کرنی چاہئے، پھر ذرا تیز تیز لے جائیں لیکن دوڑنا نہیں چاہئے چلتے میں سرہانا آگے ہونا چاہئے، جب قبرستان میں پہنچیں تو پہلے جنازہ کی چارپائی رکھی جائے۔[۳] اس کے بعد لوگ

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۲ [۲] کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعہ ج ۱ ص ۵۳۰ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۲

بیٹھیں شرکائے جنازہ آگے نہ چلیں، ہاں اگر جنازہ سے پہلے زیادہ فاصلے پر آگے چلیں تو درست ہے۔ جنازہ کے داہنے بائیں چلنا بہر صورت ناجائز ہے، راستہ میں اگر کلمہ طیبہ دل میں پڑھتے جائیں تو جائز ہے، مگر پکار کر پڑھنا جائز نہیں اگر راستہ میں جنازہ جا رہا ہے تو شرکت کے ارادہ سے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔[۱]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنازہ کو دیکھ کر اللہ اکبر صدق اللہ ھذا ما وعد اللہ ورسولہ اللھم زِد ایمانا وتسلیما۔ کہے گا تو اس کے کہنے کے دن سے قیامت تک ہر روز بیس نیکیاں اس کے لئے لکھی جائیں گی۔

تدفین کا بیان

مردہ کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے، بغلی اور غیر بغلی دونوں طرح کی قبر جائز ہیں مگر بغلی قبر بنانی مسنون ہے، قبر طول میں قد آدم اور عرض میں نصف قد آدم اور گہرائی میں آدمی کے سینہ تک ہونی چاہئے۔[۲] اگر قبر بغلی نہ ہو اور مٹی کے گر جانے کا اندیشہ ہو تو کچا کڑا لگانا جائز ہے۔ پکی اینٹوں کی لحد بنانی یا کڑا لگانا جائز نہیں، ہاں اگر پختہ اینٹیں مردہ کے متصل یعنی داہنے بائیں اور پائینتی و سرہانے نہ ہوں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔[۳]

لوہے یا لکڑی کے تابوت میں مردہ کو رکھ کر دفن کرنا بلا ضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو اس صورت میں بھی مردہ کے نیچے مٹی بچھا دیں اور گرداگرد کچی اینٹیں لگا دیں اور تابوت کی چھت کو بھی مٹی سے لیپ دیں تاکہ لحد کی شکل ہو جائے۔[۴]

قبر میں مردہ کے نیچے چٹائی یا گدا بچھانا ناجائز ہے۔ گھروں میں قبریں بنانی جائز نہیں مردہ قبرستان میں دفن کرنا چاہئے۔ جس زمین پر انتقال ہوا ہے وہاں اس کو دفن نہ کریں۔ اور نہ میت کو زمین پر رکھ کر چاروں طرف سے دیواریں قائم

[۱] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۲ [۲] تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۴۵ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵ [۴] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۸ مذاھب اربعہ ج ۱ ص ۵۳۵

کر کے بند کریں۔ [۱]

قبر میں اتارنے کا بیان :

جنازہ کو قبر سے قبلہ کی طرف رکھ کر مردہ کو اتارنا مستحب ہے۔ [۲] قبر میں اتارنے والے نمازی، پرہیزگار اور قوی آدمی ہوں عورت کو اتارنے والے اس کے محارم ہونے چاہئیں، غیروں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ دفن سے قبل شرکت کریں، اگر محارم نہ ہوں تو پھر قریبی رشتہ دار اور رشتہ دار بھی نہ ہوں تو ان سے نزدیکی رشتہ دار اس خدمت کو انجام دیں، آوارہ گرد اور فاسق وفاجر لوگوں کو ہاتھ لگانے کا حکم نہیں۔ [۳]

مردہ کو قبر میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب مردہ کو قبر میں اتار دیں تو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ لٹائیں اور اس وقت تینوں گرہیں کھول دیں۔ [۴] کچی اینٹیں بغلی قبر کے منہ پر لگادیں اور ڈھیلوں وغیرہ سے ان کی درزیں بند کردیں [۵] جب اس طرح قبر کا اندرونی حصہ مکمل ہوجائے تو پھر وہی قبر سے نکلی ہوئی مٹی ڈال دیں۔ اس سے زیادہ مٹی ڈالنی مکروہ ہے اور اگر سادی قبر ہو تو دائیں کروٹ سے قبلہ رخ مردہ کو رکھ کر تینوں گرہیں کھول کر تختے دیدیئے جائیں اور ڈھیلوں وغیرہ سے درزیں بند کرکے مٹی ڈال دی جائے۔ [۶]

بعض لوگ صرف منہ کی بندش کھولتے ہیں اور بندشیں باقی رکھتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے تمام بندشیں کھولنی چاہئیں۔

جب قبر میں مردہ کو اتارنے لگیں تو اتارنے والا اور دوسرے لوگ کہیں: بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ [۷] یعنی اس کو رکھتا ہوں اللہ کے نام اور اس کے حکم سے اور رسول خدا ﷺ کے دین پر۔ [۸]

اگر میت عورت کی ہے تو اس وقت تک پردہ رکھیں جب تک اندر نہ اتار دی جائے۔ جب پٹاؤ سے فارغ ہوجائیں اور قبر پر مٹی ڈالنے لگیں تو ہر مٹی ڈالنے والا

---

[۱] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۱، عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ [۲] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۹ [۳] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۰ [۴] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۹ [۵] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۹ [۶] بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۸ [۷] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۹، ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۴۲ [۸] مذاہب اربعہ ج ۱ ص ۵۳۳

کہے منھا خلقنکم اور ایک لپ مٹی بھر کر ڈال دے، دوسری بار ڈالتے وقت کہے وفیھا نعیدکم اور تیسری بار ڈالتے وقت کہے ومنھا نخرجکم تارۃ اخری۔ سر کی طرف سے مٹی ڈالنی مستحب ہے، اس کے بعد قبر بنادی جائے۔ [۱]

قبر کوہان نما ہونی چاہئے چورس نہ ہو قبر کی اونچائی حنفیہ کے نزدیک ایک بالشت چاہئے اور بیچ میں قبر کچی رہنی چاہئے، اگر قبر بنادینے کے بعد اس پر پانی چھڑک دیا جائے جیسا کہ عام دستور ہے تو کچھ حرج نہیں۔ [۲]

مسائل متفرقہ :

اپنے لئے حالت زندگی میں قبر بنا رکھنی جائز ہے بلکہ بہتر ہے۔ [۳] ایک وقت میں ایک قبر میں چند مردوں کو دفن کرنا ناجائز ہے، ہاں ضرورت کے وقت جائز ہے۔ بلکہ مسنون ہے، اب ان میں اگر مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی تو اول قبلہ کی طرف مرد کو رکھیں، اس کے پیچھے عورت کو، اور اگر مرد ہی مرد ہوں تو جو زیادہ نیک اور متقی ہو اس کو قبلہ کی طرف رکھیں اور اس کے پیچھے اوروں کو، ہاں اگر مردہ گل سڑ جائے تو پھر اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا یا اس جگہ کھیتی کرنا یا عمارت بنانی جائز ہے۔ [۴]

مستحب تو یہی ہے کہ جس شہر میں آدمی مرے وہیں کے قبرستان میں اس کو دفن کیا جائے لیکن اگر ضرورت لاحق ہو تو دوسرے شہر میں بھی لے جانا جائز ہے۔ [۵] مگر یہ جواز اختیار اس وقت تک ہے جب تک مردہ کو دفن نہ کیا جائے، جب دفن بھی کردیا تو اب قبر کو اکھاڑ کر جنازہ نکال کر کسی دوسری جگہ لے جانا سوائے دوصورتوں کے قطعاً ناجائز ہے۔ [۶] وہ دوصورتیں یہ ہیں۔ (۱) جس زمین میں مردہ کو دفن کیا گیا ہو وہ زمین غصب شدہ یعنی چھینی ہوئی ہو (۲) کوئی دوسرا شخص جنازہ کے دفن ہونے کے بعد اس زمین کو بطور شفعہ کے لے لے۔ ان دونوں صورتوں میں تو قبر اکھاڑ کر جنازہ کو لے جانا جائز ہے ورنہ ناجائز۔ [۷]

---

[۱] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۲، جوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۳۳ [۲] شامی ج ۲ ص ۲۳۷، عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶، بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۰ [۳] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶ [۵] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ [۶] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۹، شامی ج ۲ ص ۲۳۸ [۷] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷

دفن کرتے وقت اگر اتارنے والے کا کچھ مال قبر کے اندر رہ جائے اور قبر بند کردی جائے تو قبر کھود کر اس کو نکال لینا جائز ہے۔ قبرستان کی خشک لکڑی اور گھانس کاٹنا جائز ہے۔ البتہ تر لکڑی یا گھانس کاٹنی ناجائز ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک قبرستان میں جوتیاں پہنے ہوئے چلے جانا جائز ہے۔ ۱؎

اگر دفن کے بعد حافظوں کو قبر کے پاس بٹھا کر قرآن پڑھوایا جائے اور اس کا ثواب مردہ کو پہنچایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ۲؎

جب میت کے دفن سے فارغ ہو جائے تو قبر کے پاس اس کا ولی حاضرین سے کہے کہ اللہ سے بخشش مانگو اور اپنے اس مرنے والے بھائی کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرو کہ وہ منکر نکیر کے جواب میں ثابت قدم رہے۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر شروع سورۂ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے، پھر پائینتی کی طرف کھڑے ہو کر اسی سورۃ کا آخری رکوع امن الرسول سے آخر تک پڑھے۔ ۳؎

زیارۃ القبور

حضور سرور کائنات ﷺ نے ابتداء اسلام میں زیارت قبور سے منع فرمادیا تھا اور اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ زیارت قبور کے متعلق مشرکین مکہ میں بعض غلط رواج تھے، احتمال تھا کہ کہیں مسلمان بھی ان بیہودہ رسم ورواج میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ ۴؎ جب یہ احتمال جاتا رہا اور حضور ﷺ نے دیکھا کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ گیا ہے تو پھر آپ ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت دیدی۔ اس بناء پر قبروں کی زیارت کرنا مستحب ٹھہرا، کیوں کہ اس سے غافل و مدہوش انسان کا دل نرم ہوتا ہے موت یاد آتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ دنیا فانی ہے مجھے توشہ آخرت جمع کرنے کا بھی فکر و اہتمام کرنا چاہئے۔

اس باب میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا عورتوں کے حق میں ممانعت

۱-۲ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ ۳ شامی ج ۲ ص ۲۳۷، مشکوٰۃ باب دفن المیت ۴ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۰، بحر الرائق ج ۲ ص ۳۴۲

باقی ہے یا نہیں؟ ان کو زیارت قبور کی اجازت ہوگئی یا وہ پہلے ہی حکم میں شامل ہیں؟ سو صحیح بات یہ ہے کہ عورتوں کو اجازت نہیں۔ ان کا قبروں کی زیارت کرنا مکروہ ہے، بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرام ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ۱؎ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کسی فتنہ وفساد کا خوف نہ ہو تو جائز ہے، اسی طرح حضرت امام غزالیؒ نے جزم کیا ہے، لیکن شرح مہذب میں ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک قطعی اور یقینی حکم یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت مکروہ ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے، ہاں بوڑھی عورت کو اجازت ہے۔

زیارت قبور کا طریقہ:

جب کوئی شخص قبروں کی زیارت کو جائے تو اس کو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمسلمات والمومنین والمؤمنات انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا انشاء اللہ بکم لاحقون یرحم اللہ المستقد مین والمتاخرین اسال اللہ لنا ولکم العافیۃ یغفر اللہ لنا ولکم ویرحمنا اللہ وایاکم۔ ۲؎

ترجمہ: سلام ہو تم پر اے قبر والو! مسلمین، مسلمات، مومنین اور مومنات پر۔ تم ہم سے آگے ہو، اور ہم تم سے پیچھے ہیں اور ہم اگر خدا نے چاہا تمہارے ساتھ ملیں گے۔ اللہ رحم کرے ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں پر۔ میں اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت مانگتا ہوں۔ خدا ہم کو اور تم کو بخشے اور رحم کرے۔ اللہ ہم پر اور تم پر۔

اگر اتنی لمبی دعا یاد نہ ہو سکے تو صرف یہ پڑھ لے:

السلام علیکم دار قوم مومنین وانا انشاء اللہ بکم

۱ ترمذی شریف "کتاب الجنائز" ج ۲ ص ۱۳۵ ۲ ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۰۳، شامی ج ۲ ص ۲۳۲

لاحقون. [1] یعنی سلام ہوتو پر اے مومن قوم کے گھر والو اگر خدا نے چاہا تو ہم تمہارے ساتھ ملیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب ایماندار بندہ آیت الکرسی پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبور کو پہنچاتا ہے تو خدا تعالیٰ مشرق اور مغرب کی قبروں میں سے ہر ایک قبر میں چالیس نور داخل کرتا اور ان کی قبروں کو نہایت وسیع وفراخ کر دیتا ہے۔ پڑھنے والوں کو ستر نبیوں کا ثواب ملتا ہے اور اس کے ہر ہر حرف کے عوض ایک ایک درجہ بڑھتا ہے اور ہر ایک مردہ کے عوض دس دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، نیز ایک حدیث صحیح میں یوں آیا ہے کہ جو شخص گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو ان مردوں کے شمار کے موافق اس کو ثواب دیا جاتا ہے۔ [2]

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص الحمد، قل ھو اللہ اور سورۂ تکاثر پڑھ کر مردوں کو اس کا ثواب بخشے گا مردے قیامت کے روز اس کے لئے شفیع ہوں گے۔ [3] سورۂ یٰسین پڑھ کر مردوں کو اس کا ثواب بخشنے سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور اس کو بھی مردوں کے شمار کے موافق ثواب ملتا ہے۔ [4]

ضروری ہدایات :

ابن ہمام کہتے ہیں کہ قبروں پر بیٹھنا ان کو روندنا منع ہے۔ قبر سے تکیہ لگا کر بیٹھنا بھی منع ہے۔ قبر کھودنے کی غرض سے دوسری قبروں پر پاؤں رکھ کر کام کیا جاسکتا ہے۔ قبر کے نزدیک سونا مکروہ ہے اور قبر کے پاس استنجا بھی مکروہ ہے، مردہ کے قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا ممنوع ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قبر پر بیٹھنے سے بہتر تو یہ ہے کہ آگ پر بیٹھ جائے۔ [5]

نیز قبرستان میں فضول بکواس کرنا، بے فائدہ دنیوی کلام کرنا، حقہ پینا، چلانا، پکارنا، ہنسنا، ٹھٹھے مارنا، کھانا پینا، لین دین اور خرید و فروخت کرنا اور سونا یہ سب امور ناجائز ہیں۔ [6] ان سے احتراز کرنا چاہئے، بلکہ وہاں جا کر اپنی

---

[1] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۲، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۴، شامی ج ۲ ص ۳۳۲ [2] مرقاۃ المصابیح ج ۴ ص ۸۱ [3] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۲ [4] مرقاۃ ج ۴ ص ۸۱ [5]–[6] عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶

موت کو یاد کرنا اور عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ کل تک یہ ہماری طرح زندہ اور جاہ وحشمت والے تھے، مگر آج زیر خاک مدفون و بے بس ہیں، قبر کی تنگ و تاریک کوٹھری میں مقید ہیں نہ کوئی یار و مددگار ہے نہ مونس و غمخوار سو اگر کوئی ساتھ دینے والی چیز ہے تو صرف نیک اعمال۔ ہم کو بھی ایک دن اسی قبر میں آنا ہے، ہر شے فانی ہے اور دنیا ایک جھوٹی کہانی ہے۔

سوگ وتعزیت :

اعزہ واقرباء کو تین دن سے زائد سوگ کرنا حرام ہے، ہاں عورت پر اپنے شوہر کے ایام عدت تک سوگ کرنا جائز ہے، باقی منہ نوچنا، کالے کپڑے پہننا اور بین کرنا تو بہر حال سخت منع ہے، اعزہ واقرباء سے اظہار ہمدردی کرنا، ان کو تسلی ودلاسا دینا اور اسی طرح ایک بار تعزیت کرنی مستحب ہے، بلکہ مسنون ہے اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ [1] تعزیت کرنے والا قیامت کے روز نہایت معزز ہوگا۔ تعزیت کرنے والے کو حسب ذیل کلمات کہنے چاہئیں:

اعظم اللہ اجرک واحسن جزاءک وغفر میتک [2]

یعنی اللہ تعالیٰ بڑا اجر اور اچھی جزا دے اور تمہاری میت کو بخشے۔

ایصال ثواب :

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ مردے پر پہلی رات سے زیادہ اور کوئی سخت رات نہیں آتی سو تم اپنے مردوں پر خیرات کر کے رحم کرو۔ اسی طرح اور بھی بہت حدیثیں ہیں جن میں ایصال ثواب کی ترغیب وتحریص دلائی گئی ہے ایصال ثواب میں کسی کو اختلاف نہیں اور نہ ہو سکتا ہے البتہ اس کے طریقہ خاص وتعین میں ضرور اختلاف ہے۔ الغرض مردے کو کچھ پڑھ کر ثواب پہنچانا یا کھانا کھلا کر اس کا ثواب بخشنا بہر حال مستحسن اور جائز فعل ہے۔ مگر یہ چیز حدود شریعت میں رہنی چاہئے۔ اگر اس کو ایک رسمی چیز بنالیا جائے اور کچھ قیود اپنی طرف سے بڑھالی جائیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو پھر یہی جائز چیز ناجائز بن جائے گی اور بجائے

---

[1] بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۸ [2] بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۴۶، عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷

ثواب کے الٹا عذاب ہوگا۔ ل
مستحقوں کو گھر پر دینا اور اس کا ثواب مردے کو پہنچانا ہر طرح درست ہے خواہ گھر پر ہو یا قبرستان میں، ایران میں ہو یا ہندوستان میں اور مشرق میں ہو یا مغرب میں پہلے دن ہو یا دوسرے تیسرے دن، بیسویں دن ہو یا چالیسویں دن اور سال میں ہو یا دو سال میں، خلاصہ یہ کہ ایصال ثواب بغیر تخصیص اوقات کے ہر طرح جائز ہے اور مردے کو ثواب پہنچتا ہے۔

شہید کا بیان

شہید وہ ہے جو ملک وملت اور اشاعت دین کے لئے خدا کی راہ میں مارا جائے یعنی خوشنودی باری تعالیٰ کے لئے اس نے اپنی جان عزیز قربان کردی ہو۔

شہادت کی دو قسمیں ہیں: شہادت ناقصہ اور شہادت کاملہ۔ شہادت کاملہ یہ ہے کہ انسان ایثار وفداکاری اور رضائے الٰہی کے جذبہ کے ماتحت حق وحریت کی راہ میں اپنی جان عزیز قربان کردے، اور مذکورہ ذیل صورتوں میں شہادت ناقصہ حاصل ہوتی ہے:

(۱) جو شخص لڑائی میں دشمن کو مارنے کا قصد کر رہا ہو، حق پر بھی ہو اور دھوکہ سے خود اپنے ہاتھ سے مارا جائے (۲) جو شخص پانی میں ڈوب کر مرجائے بشرطیکہ قصداً نہ ڈوبا ہو (۳) جو شخص دیوار یا چھت یا درخت وغیرہ سے گرکر مرجائے (۴) جو شخص جل کر مرجائے (۵) جو شخص سفر میں مرجائے (۶) دستوں یا استسقاء سے مرنے والا (۷) طاعون یا ہیضہ سے مرنے والا (۸) سل کی بیماری سے مرنے والا (۹) مرگی کی بیماری سے مرنے والا (۱۰) نمونیہ سے مرنے والا (۱۱) اپنے گھر کی حفاظت میں مرنے والا (۱۲) اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا (۱۳) اپنی جان بچانے کی حالت میں مرنے والا (۱۴) عشق

ل شامی ج ۲ ص ۳۳۳

صادق میں مرنے والا (۱۵) سچ بولنے والا سوداگر (۱۶) اذان دینے والا (۱۷) سانپ بچھو کے کاٹنے سے مرنے والا (۱۸) علم شرعی کی طلب میں مرنے والا، ان سب مرنے والوں کو شہادت ناقصہ حاصل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حسب ذیل شخصیتوں کو بھی شہادت ناقصہ حاصل ہوتی ہے:

(۱۹) سواری سے گرکر مرجانے والا (۲۰) رات کو باطہارت سونے والا (۲۱) فتنہ وفساد اور بے دینی کے زمانے میں سنت نبویہ ﷺ پر قائم رہ جانے کی وجہ سے مارا جانے والا (۲۲) زہر سے مرنے والا (۲۳) حالت حمل میں مرجانے والی عورت (۲۴) وضع حمل یا نفاس کی حالت میں مرجانے والی عورت (۲۵) اپنی عزت کو بچانے کے لئے جان تک دیدینے والی عورت (۲۶) ظالم کے ظلم سے مرجانے والا (۲۷) اور سچے دل سے شہادت کی دعا مانگنے والا۔ یہ سب شہید اخروی ہیں مگر خلوص نیت شرط ہے۔ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اگر نیت خالص ہوگی اور رضائے الٰہی کی ہر وقت طلب وجستجو ہوگی تو انشاء اللہ اس کو درجہ شہادت نصیب ہوگا۔ ل

شہید کامل:

اصطلاح شرع میں وہ جاں نثار مسلمان، عاقل اور بالغ ہے جو بحالت طہارت کسی کافر یا رہزن یا دشمن کے ہاتھ سے بصورت مقابلہ یا غیر مقابلہ کسی طریقہ سے ظلماً مارا جائے خواہ آلہ جارحہ سے اسے قتل کیا گیا ہو یا آگ میں جلا دیا گیا ہو یا پانی میں ڈبو کر جان لی ہو یا اور کسی طریقہ سے ظلماً مارا گیا ہو۔

مذکورہ بالا شہادت ناقصہ کی صورت میں شہید ناقص پر دنیوی احکام شہادت جاری نہ ہوں گے یعنی اس کو غسل بھی دیا جائے گا، اس کی نماز بھی پڑھی جائے گی، اور اس کو دفن بھی کیا جائے گا، ہاں آخرت میں اسے شہادت کا درجہ اور ثواب ملے گا۔

شہادت کاملہ کی صورت میں شہید کامل کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز

ل تفصیلات دیکھئے شامی ج ۲ ص ۲۵۲، بحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۳

پڑھی جائے گی ویسے ہی خون آلود کپڑوں میں اسے دفن کردیا جائے گا۔ ہاں اگر اس کے کپڑوں میں نجاست غلیظہ لگی ہوئی ہو تو اس کو دھو دیا جائے اور جو چیز جنس کفن سے نہ ہو اس کو بھی اس کے بدن سے علیحدہ کردیا جائے، مثلاً پوستین، زرہ اور تلوار وغیرہ۔ اگر کفن مسنون پورا نہ ہو تو اس کی مقدار پوری کردی جائے یعنی جو کپڑا کم ہو وہ پورا کردیا جائے، مگر یاد رہے کہ یہ احکام اس شہید کے لئے ہیں جو میدان جنگ میں زخمی ہونے کے بعد منافع حیات میں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرسکا ہو نہ کچھ کلام کرسکا ہو، نہ کچھ کھاپی سکا ہو، اور نہ علاج معالجہ کرنا ممکن ہوا ہو، نیز زخمی ہونے کے بعد ایک نماز کے پورے وقت تک زندہ رہا ہو۔

باقی وہ شخص جس نے منافع حیات میں سے کوئی فائدہ حاصل کرلیا ہو مثلاً کچھ کھاپی لیا ہو، علاج معالجہ کیا ہو، یا میدان جنگ سے اسے زندہ اٹھا کر لایا گیا ہو اور ہوش و ہواس کے اتنی دیر تک درست رہے ہوں، جتنی دیر تک ایک نماز کا وقت گزر جائے، یا خرید و فروخت کی ہو، یا دنیوی باتیں کی ہوں، تو ان سب صورتوں میں شہید کو غسل و کفن دیا جائے گا مگر ثواب شہید کامل ہی کا پورا پورا حاصل ہوگا۔ ۱؎

وصیت کرنے کا بیان

وصیت کرنی مستحب ہے۔ مرنے والے کو مرنے سے قبل اختیار ہے کہ اپنا ثلث مال کسی کو یہ کہہ کر دیدے کہ میرے مرنے کے بعد تم اتنا مال لے لینا، بعدہ اس کے مرنے کے بعد اس وصیت پر عمل کیا جائے گا، عزیز و اقارب اور دوست واجنبی سب کو وصیت کرنی صحیح ہے۔ اگر میت کا بچہ حالت حمل میں ہو تو اس کے لئے وصیت کرنی بھی صحیح ہے۔ لیکن وصیت کا اجراء اس وقت مکمل سمجھا جائے گا جس وقت وہ شخص جس کے لئے مال کی وصیت کی ہے وہ اسے قبول بھی کرلے۔ اگر قبول کرنے سے قبل یہ شخص خود ہی مرگیا تو اب اس کے وارثوں کو میت کا

۱؎ شامی ج ۲ ص ۲۵۱

وصیت کردہ مال نہ دیا جائے گا۔ مثلاً زید نے مرتے وقت وصیت کی کہ عمر کو اتنا مال دیدینا اور عمر قبول کرنے سے قبل مرگیا تو اب عمر کے وارثوں کو یہ مال نہیں مل سکتا۔

میت کو اختیار ہے کہ اپنی وصیت سے قولاً یا فعلاً رجوع کرلے۔ مثلاً یہ کہہ دے کہ میں نے پہلے وصیت کی تھی اس کو حالت زندگی میں فروخت کردیا یا کسی اور کو ہبہ کردیا تو ان سب صورتوں میں وصیت کا اجراء نہ کیا جائے گا۔ مذکورہ ذیل اشخاص وصیت نہیں کرسکتے:

(۱) وہ مقروض جس کا مال قرض کی رقم سے زائد نہ ہو۔
(۲) بچہ۔
(۳) مکاتب غلام۔
(۴) مجنون آدمی۔

اگر یہ لوگ وصیت کریں گے تو اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص حالت زندگی ہی میں وصیت کرکے انکار کردے اور کہہ دے کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ انکار معتبر نہیں۔ اور وصیت کو فسخ کردینا معتبر ہے۔ (شرح وقایہ۔ شامی)

سلام کرنے کا بیان

بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے کہ جب کوئی سلام کرے تو اس طرح کہے: السلام علیکم یعنی تم پر سلامتی ہو۔ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس بناء پر اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی محافظت تمہارے ساتھ رہے، یا تم سب آفات وبلیات سے سلامت رہو سلام میں جمع کی ضمیر اس لئے رکھی گئی ہے کہ محافظ فرشتوں پر بھی سلام ہوجائے۔ ۱؎

سلام کرنے کا آداب یہ ہے کہ سلام کرتے وقت جھکے نہیں، حضرت شیخ

۱؎ ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸

عبدالحقؒ نے تو بعض علماء کے جھکنے کو کفر کے قریب لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ اکثر علماء و صلحاء اس رسم میں گرفتار ہیں لیکن ان کے اس فعل پر اعتماد اور ان کی تقلید نہ کرنی چاہیے۔

سلام کرنا سنت ہے، مگر یہ سنت الٰہی اتنی موکد اور اہم ہے کہ فرض سے بھی افضل ہے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی مجلس میں بہت سے آدمی بیٹھے ہوں اور کوئی شخص آ کر سلام کرے تو اس کا جواب اس مجلس میں سے ایک مسلمان بھی دیدے گا تو سب کی طرف سے کافی ہے۔ اوروں کے ذمے سے اس کا جواب اتر جائے گا۔ اور اس مجلس میں سے ایک بھی جواب نہ دے گا تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔

سلام کرنے کی فضیلت اور ثواب :

ایک شخص نے حضور سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کی کون سی خصلتیں سب خصلتوں سے بہتر ہیں؟ حضور ﷺ نے جواب دیا: بھوکوں کو کھانا کھلانا اور تیرا ہر اس شخص کو سلام کرنا جس کو تو پہچانے یا نہ پہچانے، یعنی اسلام کی تمام خصلتوں سے بہتر دو خصلتیں ہیں، کھانا کھلانا اور سلام کرنا۔[1]

نیز فرمایا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب آپس میں ملیں تو سلام کریں، اس کو آپ نے دخول جنت کا باعث بتلایا ہے۔[2]

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص السلام علیکم کے ساتھ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی ملا لے تو اور بھی زیادہ ثواب کا باعث ہے کیوں کہ ہر ایک کے عوض دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں یعنی فقط السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں ملیں گی اگر رحمۃ اللہ بھی کہا تو بیس اور اگر برکاتہ بھی کہا تو تیس۔[3]

السلام علیکم کا جواب یہ ہے وعلیکم السلام۔ اس کے ساتھ بھی رحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ بڑھانا ثواب کی زیادتی کا باعث ہے۔

جو کوئی کسی کی طرف سے کسی کو سلام پہنچائے تو اس پر بھی سلام پہنچانا مستحب

---

[1] بخاری شریف ج ۱ص ۶۵ [2] ابوداؤد شریف ج ۱ص ۳۵۰ [3] ابوداؤد شریف ج ۲ص ۳۵۰

اولیٰ ہے۔[1]

وہ لوگ جن کو سلام کرنا مکروہ ہے :

(۱) نماز پڑھتا ہوا (۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا (۳) وعظ یا ذکر الٰہی میں مشغول یا جو قرآن و حدیث اور وعظ کو کان لگا کر سن رہا ہو (۴) جو شخص حدیث یا خطبہ پڑھنے میں مصروف ہو (۵) اس قاضی یا حکم کو جو فیصلہ کرنے کے لئے مسند پر بیٹھا ہو (۶) وہ شخص جو مسائل شرعی کے متعلق گفتگو کر رہا ہو۔ (۷) موذن جو اذان دے رہا ہو (۸) جو شخص تکبیر کہہ رہا ہو (۹) جو علم دین میں مشغول ہو (۱۰) جوان عورتوں کو (۱۱) ان لوگوں کو جو شطرنج وغیرہ کھیل رہے ہوں یا اور کسی ناجائز لہو و لعب میں منہمک ہوں (۱۲) باجہ بجانے والے، گانے والے، شراب پینے والے، جوا کھیلنے والے، غیبت کرنے والے اور کبوتر اڑانے والے کو (۱۳) کافر کو (۱۴) برہنہ آدمی کو (۱۵) پیشاب و پاخانہ یا استنجا کرنے والے کو (۱۶) وہ بوڑھا شخص جو مسخرہ ہو اور مذاق اڑاتا ہو (۱۷) اس شخص کو جو کھانا کھا رہا ہو (۱۸) جھوٹے کو (۱۹) گالیاں بکنے والے کو (۲۰) عیب چیں کو۔ ان تمام اشخاص کو سلام کرنا مکروہ ہے ان کے علاوہ اور سب کو سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے۔[2]

وہ لوگ جن کو جواب دینا واجب نہیں :

(۱) اگر کوئی شخص بجائے السلام علیکم یا سلام علیکم کے کچھ اور کہے تو جواب دینا واجب نہیں (۲) جو شخص نماز میں مصروف ہو (۳) تلاوت قرآن یا ذکر الٰہی یا خطبہ یا تکبیر اور یا اذان دینے میں مشغول ہو (۴) اگر پیشاب یا پاخانے میں مصروف ہو، تو ان سب کو جواب دینا واجب نہیں۔[3]

علاوہ ازیں لڑکے پر بھی سلام کا جواب دینا واجب نہیں، جوان عورت پر سلام کا جواب واجب نہیں، دیوانے پر بھی واجب نہیں، نیز اونگھنے والی پر، مدعی یا مدعا علیہ پر یا اس شخص پر جو نشہ سے سرمست ہو۔ ان سب لوگوں پر سلام کا جواب

---

[1] ابوداؤد شریف ج ۲ص ۳۵۴ [2] شامی ج ۱ص ۶۱۵، ۶۱۶ [3] شامی ج ۱ص ۶۱۸

دینا واجب نہیں اگر کوئی ان میں سے کسی کو سلام کرے اور یہ لوگ جواب نہ دیں تو گناہ گار نہیں۔

بعض خاص سورتوں کے اجر و ثواب

نوافل اور بعض خاص خاص نمازوں کے سلسلہ میں بعض خاص سورتوں کے بڑے بڑے اجر و ثواب بیان ہوئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ذرا تفصیل کے ساتھ ان کے اجر و ثواب لکھ دیں تا کہ سعادت مندوں کو ترغیب و تحریص دلائیں۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت :

یہ سورۃ مبارکہ قرآن شریف کی پہلی سورت ہے جس کا نام سورۂ فاتحہ ہے، کیوں کہ قرآن کی ابتداء اس سے ہے۔ اس کا نام اُم الکتاب بھی ہے۔ کیوں کہ قرآن پاک کی تمام تعلیمات کا عطر و خلاصہ اس میں موجود ہے یعنی قرآن حکیم میں جو مضامین بالتفصیل بیان ہوئے ہیں وہ اس میں بالاجمال موجود ہیں۔ اس سورت میں ہدایت پانے اور دارین کی کامرانی و فائز المرامی حاصل کرنے کے لئے ایک جامع و مانع دعا سکھائی گئی ہے تا کہ بندوں کو یہ معلوم ہو کہ فیوض ربانی و برکات سماوی حاصل کرنے کے لئے دعا کرنا مقدم اور ضروری ہے۔

اس سورت کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر عقل انسانی وجد میں آجاتی ہے۔ چنانچہ اس کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت، روح کے جوش، طبیعت کی کشش اور عشق محبت کے جذبے کے ماتحت ہونی چاہئے، الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ جمیع اقسام و انواع کی حمد و تعریف اس ذات کے لئے مسلم اور سزاوار ہے جس کا نام اللہ ہے، اور کامل خوبیوں کا جامع ہے۔

کامل تعریف دو قسم کی خوبیوں کے لئے ہوتی ہے کمال حسن اور کمال احسان۔ اگر کسی میں یہ دونوں خوبیاں جمع ہوں تو پھر اس کی طرف دل خود بخود کھنچتا ہے اور روح اسی کے آستانے پر سجدہ ریز ہوتی ہے، قرآن مبین کی تعلیم کا

سب سے بڑا کمال اور خوبی یہ ہے کہ وہ حق و صداقت کے طالبوں پر جس خدائے قدوس کو پیش کرتا ہے اس کی یہی دونوں خوبیاں بیان کرتا ہے تا کہ ذات باری کی طرف لوگوں کے قلوب جھکیں اور روح کے جوش و کشش کے ساتھ اس کی عبادت و بندگی کریں، اس مقصود و مطلوب کا خدا تعالیٰ نے اس پہلی سورۃ میں ہی ایک نہایت لطیف نقشہ پیش کا ہے۔ یہ سورۃ بتلاتی ہے کہ وہ خدا جس کی طرف قرآن بنی نوع انسان کو بلاتا ہے وہ کیسی کیسی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس سورہ مقدسہ میں کمال حسن اور کمال احسان دونوں قسم کی خوبیوں کا ایک لطیف اور روح پرور انداز میں بیان کیا گیا ہے، اسی سے اس سورت کی عظمت و فضیلت کا اندازہ لگا لیجئے۔

ایک حدیث قدسی میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کی امت کی ایک ایسی مبارک سورت کے ساتھ تعظیم و تکریم کی ہے جو آسمانی کتابوں سے کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے جو اسے دلی عقیدت مندی کے ساتھ پڑھے گا میں اس کے جسم کو آتش دوزخ پر حرام کر دوں گا۔ حضرت کعب الاحبارؒ فرماتے ہیں کہ اگر سورۂ فاتحہ تورات و انجیل میں اتاری جاتی تو اہل تورات و انجیل کبھی یہودی و نصرانی نہ بنتے [1]۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پہلا حصہ نعت اور بیچ کا حصہ تعظیم و توقیر ہے یعنی خدا کی بزرگی و بندگی کو شامل ہے اور اس کے آخری حصہ میں خدا تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سورت میں تمام ظاہری و باطنی بیماریوں کی شفاء ہے، یعنی یہ روحانی و جسمانی امراض کی معالج ہے۔ مثلاً ایاک نعبد سے ریا و نمود سے شفا حاصل ہوتی ہے و ایاک نستعین میں کبر و نخوت اور خود پسندی کا علاج ہے۔ چنانچہ ایک صحیح اور مشہور حدیث میں بھی آیا ہے کہ الفاتحة شفاء من کل سقم یعنی سورۃ فاتحہ ہر روگ و بیماری سے شفا دینے والی ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت میں اسم اعظم ہے۔

---

[1] ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۵

آیت الکرسی کے فوائد :

حدیث شریف میں آیا ہے جسے یہ بات بھلی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ اس کے گھر کو بھلائی اور خیر کثیر سے بھر دے تو اسے چاہئے کہ وہ آیت الکرسی کا ورد رکھے۔ جو شخص اس کو باوضو ایک مرتبہ پڑھے گا خدا تعالیٰ اس کے چالیس درجے بلند کرے گا اور ہر ہر حرف سے ایک ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت کے دن تک اس پڑھنے والے کے لئے بخشش کی دعا مانگیں گے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص سوتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا خدا تعالیٰ اس کے لئے صبح تک رحمت کے دروازے کھول دیں گے اور اس کے بدن کے ہر ہر بال کی گنتی کی مقدار نور کا ایک شہر عنایت کریں گے، اگر یہ شخص اس رات کو مر جائے گا تو شہید مرے گا، ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص غروب آفتاب کے وقت چالیس مرتبہ آیت الکرسی پڑھے گا خدا تعالیٰ اس کو چالیس حج کا ثواب دیں گے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کا ورد رکھے وہ ملک الموت کی سختی سے محفوظ رہے گا، اللہ تعالیٰ خود اس کی روح قبض کریں گے اور یہ شخص ان لوگوں کے درجے میں شمار ہوگا جو خدا کے مقدس پیغمبروں کے ہمراہ جہاد میں لڑتا لڑتا شہید ہو جائے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صرف ایک دفعہ آیت الکرسی پڑھ لیتا ہے خدا تعالیٰ اس سے ہزار دنیاوی رنج و مصیبتیں دور کر دیتا ہے جن میں سے کمتر فقر و محتاجی کی مصیبت ہوتی ہے اور ہزار ہا اخروی مصیبتیں ٹال دیتا ہے جن میں سب سے کم درجہ دوزخ کا دردناک عذاب ہے۔

نسفیؒ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے محمد ﷺ! سرکش جنوں میں سے ایک بڑا بھاری جن آپ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے، آپ آیت الکرسی پڑھ کر اس کے شر کو دفع کریں۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ [۱]

سورۂ یٰسین کے فضائل :

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کا ایک دل ہوا کرتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے، جو شخص اس سورۃ مقدسہ کو ایک دفعہ پڑھے گا خدا تعالیٰ اس کے عوض دس دس قرآن مجید پڑھنے کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھیں گے۔ [۲]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا اے علی! اکثر اوقات سورۃ یٰسین پڑھا کر کیوں کہ خدا تعالیٰ نے اس میں دس برکتیں رکھی ہیں: (۱) جو بھوکا آدمی اسے پڑھے گا خدا تعالیٰ اس کا پیٹ بھر دیں گے۔ پیاسا پڑھے گا تو اسے سیراب کر دیں گے (۳) ننگا پڑھتا ہے تو اسے غیب سے لباس پہنایا جاتا ہے (۴) جو شادی کا خواہش مند ہوتا ہے اس کی شادی ہو جاتی ہے (۵) خائف پڑھتا ہے تو نڈر اور بے باک ہو جاتا ہے (۶) قیدی پڑھتا ہے تو قید سے نجات حاصل کرتا ہے۔ (۷) مسافر پڑھتا ہے تو سفر میں مدد دی جاتی ہے (۸) اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو تو اس کی برکت سے مل جاتی ہے (۹) بیمار اور مریض پڑھتا ہے تو مرض سے شفا پاتا ہے۔ [۲]

طبرانی میں آیا ہے کہ جو شخص سورۃ یٰسین پڑھنے پر ہمیشگی کرے گا، وہ شہید کی موت مرے گا۔

سورۂ دُخان اور سورۂ ملک کے فضائل :

ترمذیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی شب سورۂ دخان پڑھے گا اس کے لئے ستر فرشتے صبح تک استغفار کرتے رہیں گے۔ [۳]

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مقدس میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جس نے ایک میت کی یہاں تک

---

[۱] ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۵ [۲] مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۷ [۳] ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۶ و کنز العمال

سفارش کی کہ اسے بخشوادیا وہ سورۂ تبارک الذی ہے۔ ۱؎

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خداﷺ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو شخص اسے سوتے وقت پڑھتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لئے تیس نیکیاں لکھتا ہے اور تیس برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے لئے خاص طور پر ایک فرشتے کو مقرر فرماتا ہے وہ اپنے پروں کا اس پر سایہ کئے رہتا ہے اور ہر آفت و مصیبت سے بچائے رہتا ہے۔

حضورﷺ فرماتے ہیں سورۂ تبارک الذی ہر مومن کے دل میں ہونی چاہئے۔ (حاکم)

سورۂ اخلاص کی تفسیر اور فضائل:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. قل ھو اللہ احد. اللہ الصمد لم یلد ولم یولد. ولم یکن لہ کفواً احد.

ترجمہ: کہہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، وہ ایسا معبود ہے نہ تو اس کا کوئی بیٹا اور نہ وہ کس کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی کفو نہیں یعنی نظیر و مثیل نہیں۔

جاننا چاہئے کہ قرآن مجید کی یہ چھوٹی سی سورت بیشمار حقائق و معارف کا خزانہ ہے اس میں توحید کامل کا نہایت ہی بلند اور اعلیٰ تخیل پیش کیا گیا ہے، اگر مسلمان اپنے اندر توحید کامل کا یہی جذبہ پیدا کرلیں جو اس کے اندر موجزن ہے تو وہ بھی صحابہ کی طرح کائنات ارضی و سماوی کے مالک بن سکتے ہیں۔

ذرا غور کرو کس لطافت، عمدگی اور بلاغت کے ساتھ ہر قسم کی شراکت سے وجود باری عزاسمہ کا ایک ذخیرہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شرکت ازروئے حصر عقلی چار قسم پر منقسم ہے۔ اوّل کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے، دوئم کبھی مرتبہ میں، سوئم کبھی نسبت میں اور چہارم کبھی فعل و تاثیر میں، انہی چاروں قسموں کی شرکت سے خدا تعالیٰ کا پاک و منزہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ یعنی وہ

۱؎ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۷

عدد میں ایک ہے، دو یا تین نہیں، وہ واحد ہے، وہ مرتبہ وجود اور محتاج الیہ ہونے میں بھی منفرد و یگانہ ہے کیوں کہ وہ صمد ہے، بجز اس کے اور باقی چیزیں ممکن الوجود اور ھالک الذات ہیں، جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں، وہ لم یلد ہے یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں تا کہ کوئی بوجہ بیٹا ہونے کے اس کا شریک ٹھہرے اور وہ ولم یولد بھی ہے یعنی اس کا کوئی باپ نہیں کہ بوجہ باپ ہونے کے اس کا کوئی شریک ہو اور وہ ولم یکن لہ کفوا احد ہے، یعنی اس کے کاموں میں کوئی اس کی برابری کرنے والا نہیں تا کہ باعتبار فعل و تاثیر کوئی اس کا شریک قرار پائے۔

حاصل یہ ہے کہ وہ ہر طرح اور ہر اعتبار سے شرکت سی منزہ اور وحدہ لاشریک ہے، یہ ہے وہ توحید کاملہ کا درس و تخیل جو اس چھوٹی سی سورۃ میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ تو سورۂ اخلاص کا مختصر مفہوم و مفاد تھا اب اس کے فضائل سنئے:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی، میں نے عرض کیا اے خدا کے حبیبﷺ! کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت۔ ۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کا پڑھنے والا جنت کا استحقاق حاصل کرلیتا ہے۔ حضورﷺ فرماتے ہیں جو شخص دو سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے گا اس کے پچاس برس کے گناہ محو کردیئے جائیں گے۔ ۲؎ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص سورۂ اخلاص چار رکعتوں میں بایں طور پڑھے کہ ہر رکعت میں اس کو پچیس پچیس دفعہ پڑھے تو اس کے سو برس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ پچاس برس کے پچھلے اور پچاس برس کے اگلے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا جو شخص ایک دفعہ سورۂ اخلاص پڑھتا ہے تو خاص اسی کے لئے آسمان سے خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔ جو شخص دو دفعہ پڑھے تو اس پر اور اس کے تمام گھر والوں پر خیر و برکت اترتی ہے اور جو شخص تین مرتبہ پڑھے تو اس پر اس کے تمام گھر والوں پر اور پڑوسیوں پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔

۱؎ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۷، مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۸۹ نوٹ: ایک روایت میں پچاس مرتبہ بھی ہے (علوی)

سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خداﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر فقر و فاقہ اور کم رزقی کی شکایت کی۔ حضورﷺ نے فرمایا جب تو اپنے گھر آیا کرے تو گھر والوں کو سلام کیا کر اور سورۂ اخلاص پڑھا کر، اس شخص نے ایسا ہی کیا، خدا تعالیٰ نے اس پر رزق کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ اس پر اور اس کے پڑوسیوں پر بھی انتہا درجے کی ترقی ہوئی۔ ۱؎

اس سورۃ کے پڑھنے کا ثواب اس قدر ہے جس قدر تہائی قرآن مجید پڑھنے کا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن پاک کے ایک ثلث میں احکام ہیں، ایک ثلث میں ترغیب و ترہیب اور وعد و وعید اور تیسرے ثلث میں خدا تعالیٰ کے اسماء و صفات کا بیان ہے اور یہی تینوں باتیں اس سورت میں موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے سورۂ اخلاص پڑھی اس نے گویا تہائی قرآن مجید پڑھا۔ ۲؎

سورۂ کافرون اور معوذتین کے فضائل:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جیسی سورۂ کافرون شیطان کو سخت غصہ میں ڈالنے والی سورۃ ہے ویسی اور کوئی سورۃ نہیں۔ کیوں کہ اس میں شرک سے بیزاری اور توحید کا حکم ہے اور یہی چیز شیطان کو آگ کے انگاروں پر لوٹانے والی ہے۔

ایک شخص نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ وصیت فرمایئے، ارشاد فرمایا کہ سورۂ کافرون پڑھا کرو کیوں کہ وہ آدمی کو شرک سے بری کرتی ہے۔ ۳؎ یعنی انسان کے حق میں سب سے بڑی وصیت یہ ہے کہ اسے شرک سے مجتنب رہنے اور موحد بننے کی وصیت و ہدایت کی جائے۔

عبداللہ بن خبیبؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرمﷺ نے مجھ سے فرمایا اے خبیبؓ! کہہ، میں چپ ہو رہا اور کچھ نہ کہا، حضرتﷺ نے دوبارہ فرمایا اے خبیبؓ کہہ، میں نے عرض کیا حضورﷺ کیا کہوں؟ فرمایا صبح و شام تین دفعہ سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھا کر، یہ پڑھنا تجھے ہر چیز سے کفایت کرے گا۔ ۴؎

۱؎ مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۵ ۲؎ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۸ ۳؎ مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۸
۴؎ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی کذا فی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۸

عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن حبیب خداﷺ کے ہمراہ چلا جاتا تھا کہ اچانک ایک تیز آندھی اٹھی اور ایک تیز و تند جھکڑ نے ہمیں ڈھانک لیا، حضورﷺ یہ دیکھ کر معوذتین پڑھ پڑھ کر دعا اور خدا کی پناہ مانگنے لگے اور مجھ سے بھی مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو بھی ان دونوں سورتوں کے ساتھ پناہ مانگ۔ اے عقبہؓ! تو کوئی ایسی سورت ہرگز نہ پڑھے گا جو معوذتین سے زیادہ خدا کے نزدیک پیاری و مقبول ہو، اگر تجھ سے ہو سکے تو اپنی کسی نماز میں یہ دو سورتیں فوت نہ کر، یعنی ان دونوں سورتوں کو ہمیشہ اپنی نماز میں پڑھا کر۔ ۱؎

ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کسی قدر معوذتین کا مفہوم و مفاد بھی پیش کر دیا جائے تا کہ معوذتین کی فضیلت و عظمت علمی رنگ میں بھی ذہن نشین ہو جائے۔

سوچنا چاہئے کہ قل اعوذ برب الفلق میں لفظ فلق آیا ہے۔ فلق کسی شے کے پھٹنے یا بعض سے بعض کو جدا کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت فالق الاصباح بھی آئی ہے، یعنی وہ صبح کا پھاڑنے والا، ظاہر کرنے والا اور نمودار کرنے والا ہے۔ اس بناء پر اس کے معنی یہ ہوئے کہ ”میں پناہ پکڑتا ہوں ساتھ پروردگار فلق کے جو صبح کو روشن و نمودار کرنے والا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب حفاظت طلب کر اور پناہ مانگ اس رب کے حضور میں جو صبح کا رب، خالق، مدبر اور اس کا ظاہر کرنے والا ہے، گویا اس سورۃ کا پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار اگرچہ ہم اپنی نادانی، بے علمی اور گناہ گاری کے سبب ایک ظلمت و تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں لیکن تیری ذات وہ ذات ہے جو کہ تمام ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے، نور اور روشنی پیدا کر کے حق و باطل اور مفید و مضر اشیاء میں تمیز کرانے والا اور آفات و بلیات ارضی و سماوی سے انسان کو بچانے والا تو ہی ہے پس اے ارحم الراحمین! ہم پر رحم فرما، کیوں کہ ہم تیرے حضور میں تمام تاریکیوں کے شر سے پناہ گزین ہونے آئے ہیں۔

۱؎ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی کذا فی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۸

سورۂ ناس میں قل اعوذ برب الناس میں اللہ رب العزت نے حقیقی مستحق حمد کے ساتھ عارضی مستحق حمد کا بھی ذکر فرمایا ہے، اور یہ اس لئے کہ اس سے اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہو۔ چنانچہ اس سورۃ میں تین قسم کے حق بیان فرمائے ہیں، اوّل فرمایا کہ تم پناہ مانگو اللہ کے حضور میں جو جامع جمیع صفات کاملہ کا ہے۔ جو رب ہے ان لوگوں کا اور مالک بھی ہے اور معبود و مطلوب حقیقی بھی۔ اس سورۃ میں اصل توحید کو بھی قائم رکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ دوسرے لوگوں کے حقوق بھی ضائع نہ کئے جائیں لفظ ''رب'' میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ گو حقیقی طور پر خدا ہی پرورش کرنے والا اور وہی ہر چیز کو تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔ لیکن عارضی اور ظلی طور پر دو وجود اور بھی ہیں جو ربوبیت الہیہ کے مظہر ہیں۔ ایک وجود جسمانی پرورش کرتا ہے اور وہ والدین ہیں اور ایک وجود روحانی تربیت و پرورش کرتا ہے اور وہ مرشد کامل اور علماء و صلحاء ہیں یعنی تمہیں خدا تعالیٰ کی اطاعت و محبت کے ساتھ ساتھ ان دونوں قسم کے مربیوں کی اطاعت بھی کرنی چاہئے اور یہی دونوں اطاعتیں تمہیں کامل با اخلاق اور باخدا انسان بنا دیں گی۔

اس سورۃ کا پڑھنے والا انسان گویا حضور خداوندی میں دعا کرتا ہے کہ اے خدا! تو ہی لوگوں کا پرورش کنندہ ہے۔ تو ہی میرا بادشاہ ہے اور تو ہی میرا معبود ہے، پس میں تیرے ہی حضور میں اپنی عاجزانہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ نیکی کے حصول کے بعد انسان کے دل میں جو برے خیالات آتے اور اس کو نیکی اطاعت کی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں، ان خیالات و وساوس کے شر سے مجھے اپنے حفظ و امان میں رکھ۔ یہ سورۃ قرآن شریف میں سب سے آخری سورۃ ہے اور آخری قرآنی دعا ہے کہ خداوندا! یہ جس کے پڑھنے کی تو نے ہمیں توفیق دی ہے، ساتھ ہی ایسا بھی کر کہ ہمارے دل اس پختگی ایمان پر قائم رہیں اور صراط مستقیم پر اس طرح ثابت قدم رہیں کہ کوئی وسوسہ اور خیال ہمیں راہ حق سے منحرف نہ کر سکے۔

وظائف نافع

نماز کا مغز دعا ہے۔ اس لئے نماز کے اندر تشہد کے بعد جو دعائیں قلبی رجوع سے پڑھی جائیں ان کی مقبولیت و تاثیر میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نماز کے بعد جو دعائیں بخضوع قلب مانگی جائیں ان کی مقبولیت تاثیر میں بھی کسی ایماندار کو کلام نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ دعا اور تدبیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں جو قدیم سے انسانی فطرت کے حقیقی خادم چلے آئے ہیں مگر ان دونوں کا باہمی تعلق ہر دعا مانگنے والے کو سمجھ لینا چاہئے۔ تدبیر دعا کے لئے بطور نتیجہ ضرور یہ کے ہے اور دعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے۔ لہٰذا انسان کی سعادت و کامیابی اور دارین کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ذریعے مبداء فیض سے مدد طلب کرے تاکہ اس چشمہ لازوال سے روشنی پا کر عمدہ تدبیریں میسر آ سکیں۔

خوب سمجھ لو کہ دعا کی غرض صرف یہ نہیں کہ اس کے ذریعے ہم دولت و حشمت، زن و فرزند، راحت و آرام اور دنیا کی بڑائیاں حاصل کر لیں اور تدبیر کو چھوڑ کر ذرا ذرا سی باتوں میں دعا کے لئے ہاتھ دراز کر دیا کریں۔ بلکہ دعا کی اصلی غرض یہ ہے کہ ہم اس کے ذریعے اطمینان و سکون، روحانی تسلی اور حقیقی خوش حالی حاصل کر لیں، یہ نہ سمجھو کہ ہماری حقیقی خوش حالی صرف اسی امر میں ہے جس کو ہم بذریعہ دعا چاہتے ہیں بلکہ خدا ہی اس امر کو خوب جانتا ہے جس میں ہماری خوش حالی ہے اسی لئے ہم اس کارساز حقیقی سے دعا کرتے ہیں۔ اگر اس کی مشیت کا تقاضہ ہوتا ہے تو وہ دعا کے بعد ہمیں وہ خوش حالی عنایت کر دیتا ہے اور اگر نہ چاہے تو دعائیں بے کار بھی نہیں جاتیں بلکہ اجر و ثواب کا ذخیرہ بن جاتی ہیں۔

جو شخص روح کی گدازگی اور قلبی رجوع کے ساتھ اور اس کے ظاہری و باطنی آداب کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے دعا کرتا ہے وہ ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے، دعا کے بعد اگر اسے دنیاوی راحت و خواہش میسر نہیں آتی تو روحانی

دولت اس کو لازمی طور پر حاصل ہو جاتی ہے اس سے زیادہ اگر مسئلہ دعا کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہی مطلوب ہو تو "حمیدیہ پریس دہلی" سے قرآن وحدیث کی مقبول ومؤثر دعائیں منگا کر مطالعہ کرنا چاہئے۔

اس ضروری تمہید کے بعد ہم چند خاص وظائف درج کرتے ہیں:

صبح وشام کے وظیفے:

حدیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ جو شخص صبح وشام اس دعا کو تین تین مرتبہ پڑھے تو اس دن اور رات میں اس کو کوئی بلائے ناگہانی نہیں پہنچتی اور اس کو کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچاتی، وہ دعا یہ ہے:

بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شیء فی الارض ولافی السماء وھو السمیع العلیم. [۱]

یعنی صبح وشام کی ہم نے اس خدا کے نام پر کہ اس کے نام کے ذکر کرنے سے کوئی چیز خواہ کھانے کی قسم سے ہو یا دشمن وغیرہ ضرر نہیں کرتی زمین میں نہ آسمان میں اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اعوذ اور سورۂ حشر کی ان آخری تین آیتوں کو صبح کے وقت پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے اسکے لئے مقرر کرتے ہیں جو شام تک اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ اگر وہ اس دن میں مرجائے تو شہید مرے گا اور جو کوئی اس کو شام کے وقت پڑھتا ہے تو بھی یہی ثواب اور درجہ پاتا ہے۔ [۲] وہ اعوذ اور تین سورتیں یہ ہیں:

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم (تین مرتبہ)
ھو اللہ الذی لآ الہ الاھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم. ھو اللہ الذی لاالہ الاھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن اللہ عما یشرکون. ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسمآء الحسنیٰ یسبح لہ مافی

[۱] کنز العمال ج ۷ص ۶۱ ابوداؤد عن ابن عباس [۲] رواہ الترمذی والدارمی کذافی المشکوۃ ج اص ۱۸۸

السموت والارض وھو العزیز الحکیم. [۱]

نیز ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صبح وشام کے وقت تین تین بار سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کا پڑھنا ہر چیز سے کفایت کرتا ہے۔ یعنی ہر برائی اور بلا کو دفع کرتا ہے۔

دن کا وظیفہ:

بخاری ومسلم، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دن میں کسی وقت سو بار یہ کلمات مبارک پڑھنے کا ورد کرے اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سو گناہ اس کے نامۂ اعمال سے محو کردیے جاتے ہیں، وہ تمام دن شیطان کے شر سے محفوظ رہتا۔ یہ اور قیامت کے روز کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہ لائے گا، وہ کلمات مبارکہ یہ ہیں:

لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر. [۲]

ایک اور حدیث میں آیا ہے دن میں دس بار اللہ کی پناہ مانگے شیطان سے۔ یعنی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس شخص کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے، جو اس سے شیطان کو رد کرتا ہے یعنی اس کے وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

رات کا وظیفہ:

صحاح ستہ میں ہے کہ جس نے آخر سورۂ بقر کی آیتیں آمن الرسول سے رات کے وقت پڑھیں، وہ اس کو کفایت کریں گی یعنی تہجد سے کافی ہوں گی، گویا ان آیتوں کا پڑھنا ثواب میں تہجد کی نماز کے برابر ہے۔ اس میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ رات کے جس حصے میں چاہے پڑھے۔ [۳]

[۱] کنز العمال ج ۲ص ۶۱ الترمذی عن معقل ابن یسار [۲] کنز العمال ج ۲ص ۶۱ وابن ماجہ عن ابی عیاش
[۳] سنن نسائی ج اص ۱۳۵، سنن کبریٰ للنسائی ج ۴ص ۳۳، الدر المنثور ج ۲ص ۱۳۸

بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے کہ رات کو سورۂ اخلاص کا ورد رکھنا چاہئے، ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس نے رات کو سو آیتیں قرآن کی پڑھیں وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔[1]

سلام کے بعد کا وظیفہ :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر. اللھم لامانع لما اعطیت ولامعطی لما منعت ولاینفع ذا الجد منک الجد[2] اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

حصول غنا کی دعا :

جو کوئی جمعہ کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد نماز کی ہیئت سے بیٹھا ہوا سورۂ فاتحہ یا سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کو ہر مومن کے شمار کے موافق ثواب عنایت فرماتا ہے۔ ایک روایت میں ہے ان سورتوں کے بعد سات بار یہ دعا پڑھنی بھی مذکور ہے :

اللھم یاغنی یاحمید یامبدی یا معید یا رحیم یا ودود اکفنی بحلالک عن حرامک بطاعتک عن معصیتک اغننی بفضلک عمن سواک.

جو شخص اس پر مواظبت کرے اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا اور ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔

---

[1] صحیح البخاری ج ۱ص ۱۱۷ [2] صحیح البخاری ج ۲ص ۹۳۷، صحیح مسلم ج ۱ص ۲۱۸

توبہ واستغفار کا بیان

گناہ کا علاج :

گناہ کو قرآن حکیم میں لفظ "جرم"، "اثم" اور "فسق" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان چاروں الفاظ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ ایک انسان اس فعل کے ذریعہ خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھہرے۔ یعنی گناہ وہ فعل ہے جس کے ذریعہ انسان خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھہرے اور عندالارتکاب مرتکب کا ارادہ بھی پایا جانا ضروری ہے۔ اگر گناہ کا ارادہ نہ ہوگا تو وہ گناہ شمار نہ ہوگا، مختصر یہ کہ گناہ عمداً ترک فرائض اور ارادتاً ارتکاب نواہی کو کہتے ہیں۔

انسان میں گناہ کرنے کی طاقت کہاں سے آئی؟ سو جاننا چاہئے کہ انسان کے اندر نیکی اور بدی کرنے کی قوت خدا نے ہی رکھی ہے، جس کی وجہ سے اسے خالق خیر وشر کہا جاتا ہے۔ خدا نے انسان میں گناہ کرنے کا مادہ کیوں رکھا؟ اس لئے کہ نیکی وبدی کے خیالات کی کشمکش میں پڑ کر انسان عذاب وثواب کا مستحق ٹھہرے۔ بدی کے مقابلہ سے نیکی کے جوہر کھلیں۔ اور خدائے حکیم وبصیر میں گناہ بخشنے کا جو خلق ووصف ہے اس کے ظاہر کرنے کے لئے ایک موقعہ نکالا جائے۔

گناہ بے شک پرہیزگارانہ زندگی کے لئے ایک زہر ہے۔ مگر توبہ استغفار کی آگ اسے تریاق بنا دیتی ہے، پس یہی گناہ توبہ وپشیمانی کے بعد روحانی ترقیات کا موجب ہوتا ہے، عجب، تکبر اور خودنمائی کی بری عادتوں کا استیصال کرتا ہے، گناہ کی طاقت انسان کو ہر وقت بیدار کرتی رہتی ہے، خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتی اور اس کی محبت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اگر انسان میں گناہ کی طاقت نہ رکھی جاتی تو خدا تعالیٰ کے ساتھ حقیقی محبت بھی قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ گناہ کی طاقت ہی تو ہے جس نے انسان کو خدا سے وابستہ کیا۔

باری تعالیٰ کا کس قدر لطف واحسان اور بندہ پروری ہے کہ اس نے جہاں

انسان میں گناہ کی طاقت رکھی، وہاں ساتھ ہی اس کا علاج اور اس کی سزا سے بچاؤ کی صورت بھی بتلادی۔ چنانچہ قرآن حکیم نے گناہ سے پرہیز کرنے اور اس کی سزا سے بچنے کے متعدد طریقے بتلائے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ توبہ واستغفار بھی ہے۔

استغفار کے معنی:

استغفار کے معنی باری تعالیٰ جلت عظمتہ سے مدد طلب کرنے اور گناہوں سے حفاظت مانگنے کے ہیں اور گناہوں سے حفاظت مانگنا دو طرح پر ہوتا ہے، ایک تو سرزدشدہ گناہوں کے بد نتائج سے حفاظت طلب کرنا، دوسرے خود گناہوں کے وقوع سے حفاظت طلب کرنا۔

پس استغفار صرف سرزدشدہ گناہوں کے لئے ایک دعا نہیں ہے بلکہ ہم بغیر کسی گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو حکم دیتے ہیں کہ ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ خوب سمجھ لو کہ استغفار کرنا صرف گناہ گاروں کا کام نہیں بلکہ متقیوں کا بھی شیوۂ اطاعت ہے۔ لہٰذا استغفار گنہگار اور بے گناہ سب کو کرنا چاہئے اور سب کو بارگاہ کبریائی میں جھکنا چاہئے۔ اب توبہ کے معنی سنئے۔

عربی زبان میں توبہ رجوع کرنے کو کہتے ہیں، توبہ حصولِ تقویٰ کے لئے خدا سے مدد طلب کرنے کی درخواست کا نام ہے۔ جب انسان گناہوں سے دست بردار ہو کر صدق دل سے آئندہ اس کے نزدیک نہ جانے کا پختہ عزم کرتا اور اس امر پر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہے، سعید انسان وہی ہے جو معصیت وسیہ کاری کی تیز وتند سیلاب سے اپنے آپ کو باہر نکال کر سچی توبہ کرکے گناہ سے کنارہ کش ہو جائے اور اپنی فطرت کو پاک وصاف کرلے۔ توبہ درحقیقت ناپاک جذبات کو فنا کرنے اور اپنے خلاف شرع ارادوں کی سچی قربانی کرنے کا نام ہے۔ اگر توبہ کرتے وقت دل میں آئندہ محتاط رہنے کا ارادہ نہ ہو تو وہ توبہ نہیں بلکہ ایک دل بہلاوا اا فریب

نفس ہے۔

قرآن مجید کی اصطلاح میں ایک انسان کو تائب اسی وقت کہا جائے گا جب کہ وہ بالکل نفس امارہ کی پیروی سے دست بردار ہو کر صدق دل سے حصول تقویٰ کا ارادہ کرے چنانچہ ارشاد باری ہے:

ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا ۔[1] یعنی جو شخص اپنے پہلے گناہوں کا اقرار کرے اور ان کی معافی طلب کرے اور پھر اس کے بعد نیک اعمال میں مشغول رہے تو حقیقت میں وہی شخص اس قابل ہے کہ اسے تائب الی اللہ کہا جائے۔

دوسری جگہ فرمایا:

الا الذين تابوا واصلحوا وبينوا فاولئك اتوب عليهم وانا التواب الرحيم. [2]

ترجمہ: یعنی ان لوگوں کی توبہ قبول کیا کرتا ہوں اور ان پر رحمت کے ساتھ رجوع کرتا ہوں جو اپنے پہلے گناہوں کی معافی چاہیں، ان کو دور کریں پھر وہ نیکی اختیار کریں اور ہدایت کو کمال طریق پر لوگوں کو پہنچائیں۔ یہ لوگ ہیں جو تائب کہلا سکتے ہیں جن پر میں اپنا فضل کیا کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو توبہ کی توفیق دے۔ آمین

اسم اعظم کا بیان

جس طرح شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں پوشیدہ ہے، اسی طرح اسم اعظم بھی اسماء الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ جس طرح قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ شب قدر کون سی رات میں ہے، اسی طرح اسم اعظم کی نسبت بھی قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون سا اسم الٰہی ہے، لیکن جمہور شب قدر کی

---

[1] سورۃ الفرقان: ۷۱ [2] سورۃ البقرۃ: ۱۶۰

طرح کہتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ''اللہ'' ہے چنانچہ قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ اسم ذات اس شرط کے ساتھ اسم اعظم ہے کہ تو اللہ کہے اور تیرے دل میں اس کی سوا اور کوئی نہ ہو۔

عبداللہ بن ابی بردہؓ سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے ہوئے دیکھا:

اللھم انی اسئلک بانی اشھد انک انت اللہ الذی لاالہ الاانت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔

جب یہ شخص یہ کہہ چکا تو حضور ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے شخص تو نے خدا کے اس اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے کہ جب اس کے وسیلہ سے سوال کیا جاتا ہے تو جناب الٰہی سے عطا کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جب اس کے ذریعے سے دعا مانگی جاتی ہے تو فوراً قبول ہوتی ہے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

قرطبی کے اسماء الحسنیٰ کی شرح میں ہے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اس اسم اعظم کی تعلیم دیجئے کہ جب اس کے ساتھ دعا مانگی جائے تو درجہ قبولیت کو پہنچے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اٹھ کر وضو کر، مسجد میں جا کر دو رکعت نماز نفل پڑھ اور پھر اتنی زور سے دعا مانگ کہ میں اسے سن سکوں، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی پر عمل کر کے یوں دعا مانگی:

اللھم انی اسئلک بجمیع اسمائک الحسنیٰ کلھا ماعلمت منھا وما لم اعلم واسالک باسمائک العظیم الاعظم الکبیرا لاکبر الذی من دعاک بہ اجبتہ ومن سئلک بہ اعطیتہ۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے یہ کلمات سن کر فرمایا اے عائشہ! تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی اور تو اس دعا کو پہنچ گئی۔ یعنی اسم اعظم پالیا، اس سے معلوم ہوا کہ اسم اعظم اس دعاء کے اسماء میں سے کوئی اسم ہے۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اسم اعظم آیت الکریمہ میں ہے۔ اسی

طرح اور بہت سی روایتیں ہیں۔ اس بناء پر بعض محققین نے تمام مختلف اقوال کو دیکھ کر ایک جامع دعا تجویز کی ہے جس میں وہ تمام اسماء آجاتے ہیں جن کو پچھلے بزرگوں نے اسم اعظم بتایا ہے وہ دعا یہ ہے:

اللھم انی اسالک بان لک الحمد لاالہ الاانت یا حنان یا منان یا بدیع السموت والارض یا ذا لجلال والاکرام یا خیر الوارثین یا ارحم الراحمین یا سمیع الدعاء یااللہ یااللہ یااللہ یا عالم یا سمیع یا علیم یا حلیم یا مالک الملک یا ملک یا سلام یاحق یا قدیم یا قائم یاغنی یا محیط یا حکیم یا علی یا قاھر یا رحمن یا رحیم یا سریع یا کریم یا مخفی یامعطی یامانع یا محیی یا مقسط یا حی یاقیوم یا احمدیا احمدیارب یارب یا رب یارب یاوھاب یا غفار یا قریب لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ انت حسبی ونعم الوکیل:

اس دعا میں وہ تمام اسماء الحسنیٰ آگئے ہیں جن کے متعلق اسم اعظم ہونے کی روایتیں آئی ہیں۔ اگر اس دعا کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آخری کلمات

قرآن وحدیث سے نماز کی دینی و دنیوی خوبیوں، محاسن اور بزرگیوں پر کتنی تیز روشنی پڑتی ہے، اور اس فریضہ اسلام کا کیا درجہ ہے؟ اس کی متعلق ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں، نماز کے برکات وحسنات پر دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں، تاہم ہم نے اس بحر بے پایاں میں سے جتنے قطرے بھی لئے ہیں ان سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ نماز اصل ایمان، اساس مذہب، ذریعہ خوشنودی رب

قدیر، باعث قبولیت وغیرہ وہ نیکی ونیکوکاری اور وسیلہ فلاح دارین ہے۔ اس کے جسمانی وروحانی فائدے حد شمار سے باہر ہیں۔ اس میں اخروی فوائد کے ساتھ ساتھ صد ہزار دنیوی فوائد بھی مرکوز ہیں۔ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ نماز تمام دینی ودنیوی کامرانیوں اور فائز المرامیوں کی کفیل، جملہ اوامر واحکام الٰہی کا مخزن، دین ودنیا کا سب سے اہم، سب سے ضروری، سب سے دل ربا اور پیارا فریضہ اسلام ہے۔

اگر انسان کو بداعمالیوں اور جرائم سے روکنے والی کوئی زبردست چیز مذہب کے پاس ہے تو وہ یہی نماز ہے۔ بشرطیکہ اس کا پڑھنے والا اس کی روح وحقیقت سے بھی آگاہ ہو اور خداترسی کا مادہ رکھتا ہو۔ آج مسلمان اپنی نمازوں کی بے اثری کے شاکی ہیں، کیوں؟ صرف اس لئے کہ جسے نماز کہتے ہیں وہ کوئی بھی نہیں پڑھتا، دل سے سب چاہتے ہیں کہ ان کی نمازوں میں خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہو۔ لیکن اس کیفیت کو حاصل کرنا نہیں جانتے، یہ کتاب اسی غرض سے لکھی گئی ہے کہ مسلمان نماز کی روح وحقیقت سے آگاہ ہوجائیں، ان کی نمازوں میں خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوجائے اور ان کی نظریں نماز کے صرف ظاہری آداب ومحاسن تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ باطنی آداب ومحاسن کے حصول کی بھی کوشش کریں۔ وہ صدیوں سے نماز کے ظاہری آداب ومحاسن کی پابندی کررہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ باطنی آداب ومحاسن کے حصول وپابندی کی بھی کوشش کریں۔ اس کے بغیر ان کی نمازیں حقیقی نمازیں نہیں بن سکتیں۔

مسلمان اگر واقعی موجودہ ذلت وپستی سے نکلنا اور عروج وارتقاء حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سب سے پہلے فریضہ نماز کی پابندی کا فکر واہتمام کرنا چاہئے، صرف اکیلی نماز ان کو صحیح معنوں میں مسلمان اور باخدا انسان بنادے گی، کیوں کہ ترقی وکامیابی اور حکمرانی وفرماں روائی کے لئے کسی قوم میں جتنی خوبیاں، محاسن، اوصاف اور اصول ہونے چاہئیں، وہ سب محض ایک نماز کے اندر موجود ہیں اور صرف ایک نماز مسلمان کو ان تمام خوبیوں کا مالک بنادیتی ہے۔

التماس:

میں اس قابل تو نہ تھا کہ نماز جیسے اہم عنوان پر قلم اٹھاتا، تاہم جب اسلامی جذبہ نے مجھے مجبور کیا کہ میں باوجود اپنی بے بضاعتی، کم مائیگی، بے علمی اور کوتاہ فہمی کے اس عظیم الشان دینی خدمت کا بار اپنے ذمے لوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کہاں تک اس خدمت کو صحیح طور پر انجام دیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے اپنی بساط کے مطابق نماز کے مالہ وماعلیہ پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال دی ہے اور اس سلسلہ کا ایک کافی مواد جمع کردیا ہے۔ اگر کوئی صاحب اس میں کوئی قابل اصلاح غلطی پائیں، یا میں نے کوئی بات مسلک حنفیہ کے خلاف لکھی ہو تو مجھے بلاتکلف اس سے آگاہ کردیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی ہوسکے، میں نہایت ہی ممنون ہوں گا۔

آخر میں دعا ہے کہ خداوندا! اور اے رب بے نیاز! تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنے دین کے صحیح فہم وعمل کی توفیق عطا فرما۔ بارالٰہا! مسلمانوں کے دل کی آنکھیں کھول دے کہ وہ اپنا مرکزِ حیات اور زندگی کی حقیقی دستور العمل دیکھ لیں، ان کو عقل وسمجھ دے کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے عزواقبال کی تلاش بجائے انجمنوں اور ہالوں کے مسجدوں میں کریں، تیرے گھروں کو آباد کریں اور نمازوں کو قائم کرکے دین ودنیا کے مالک بنیں۔ آمین یا رب العلمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا راحم الرحمین.

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوی
لهم مغفرة واجر عظیم
ناشر
مکتبۃ الحی والمدنی
ملنے کا پتہ